مفتاح الغیب شرح دیوان بو علی قلندر

از عطا محمد عطاؔ و حبیب اللہ مظہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

جب ہم نے دیوان حضور قبلۂ عالم پناہ کی شرح لکھنے کے لئے قلم اٹھایا تو فوراً ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دیوان کی شرح کے ساتھ صاحبِ دیوان کی مکمل اور مبسوط سوانحعمری بھی شائع ہونی چاہیئے جو دیوان کے معانی و مطالب واضح کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو اور ساتھ ہی حضرت کی شخصیت اور مرتبہ سے جو عرفانی دنیا میں آپ کو حاصل ہے۔ ناظرین اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ لیکن ہمارا یہ ارادہ جتنا مبارک جتنا مفید تھا اتنی ہی اس کی تکمیل دشوار اور مشکل نظر آئی۔ وجہ یہ کہ گو قلندر صاحب آسمانِ شہرت اور ناموری کے آفتاب تھے۔ لیکن آپ کے سوانحِ حیات جو انمول موتیوں سے کسی طرح کم نہیں منتشر اور پراگندہ ہی رہے اور کسی اہلِ قلم نے آپ کی وفات کے بعد ان کو کسی سلک میں منسلک نہ کیا۔ حالانکہ حضرت کے معاصرین اور نیز بزرگانِ سلف کے حالات قریب قریب عمدہ اور بہترین طریقہ پر شائع ہو چکے ہیں

مغرب میں رواج ہے کہ جب کسی مصنف کا کلام شائع کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ صاحبِ کلام کے سوانحِ حیات درج ہونے بھی ضروری سمجھے جاتے ہیں تاکہ اس شخص کی شخصیت اور مرتبہ سے علمی دُنیا واقف ہو جائے۔ اسی مفید تجویز نے ہمیں بھی مجبور کیا کہ شرح کے ساتھ قلندرؒ صاحب کے سوانحِ حیات بھی ضرور درج ہونے چاہئیں۔ اور ساتھ ہی یہ خیال بھی دامن گیر تھا کہ حالات جس قدر بھی شائع ہوں وہ عقلاً نقلاً روایتاً درایتاً غرضیکہ ہر حالت میں تحقیق و تدقیق کی کسوٹی پر پرکھے ہوئے ہوں تاکہ اس طریقہ سے جو غلط روایات عوام الناس میں مشہور ہیں ان کی قلعی کھل جائے اور منصف مزاج لوگ اصل اور نقل میں تمیز کر سکیں کیونکہ عوام میں من گھڑت افسانے بزرگوں کی نسبت مشہور ہوتے ہیں اور ان کا رواج پا جاتے ہیں کہ رفتہ رفتہ اصل حقیقت بالکل نظروں سے اوجھل

ہوجاتی ہے اور اُن حالات سے جن سے آنے والی نسلوں کو اخلاقی سبق حاصل کرنا چاہیئے
نفسانی نتائج اخذ کرلئے جاتے ہیں ہمارا ارادہ تھا کہ حقیقت اور اصلیت کو بے نقاب
کرکے افراط و تفریط کے ناگوار دھبوں سے اُس پاک دامن کے دامن کو بالکل بچا
لیا جائے۔ مگر یہ ارادہ علمی دنیا کے لئے جس قدر مفید تھا اتنی ہی اُس کی تکمیل مشکل نظر
آئی۔ کیونکہ وقائع نگاروں نے جو حالات ترتیب دئے ہیں ان میں زیادہ تر صوفیانہ
مذاق کا لحاظ رکھا گیا ہے اور جن مطبوعہ کتب میں قلندر صاحب کے حالات مجملاً درج
ہیں وہ طرزِ قدیم کی پیروی میں لکھے ہوئے ہیں اور تشنۂ تکمیل ہیں جن سے ناظرین
کوئی انتفاع حاصل نہیں کرسکتے۔ اور بالخصوص ہمارے لئے تو وہ بالکل ہی مفید نہ تھیں
کیونکہ حقیقت کا راز ان میں گو ایک حد تک مضمر ہے۔ لیکن اصلیت پر غلط روایات اور
افسانہ سازی کا رنگ اس قدر غالب آگیا ہے کہ حقیقت بالکل ہی معدوم ہوگئی ہے اور
قلندر صاحب کی زندگی کے وہ حالات اور واقعات جو ان کو شمعِ بزمِ ادب۔ روحانی
حکیم۔ قابل معلمِ اخلاق۔ روحانی فلاسفر۔ ناصح مشفق۔ فطرت کا راز داں اور وقائع نگار رکھ
سکیں۔ نہایت بے جگری سے نظر انداز کر دئے ہیں۔ صوفی کے لئے کارگاہِ عالم اور
کائنات کا ذرّہ ذرّہ معرفتِ کردگار کے دفتر کا حکم رکھتا ہے اور اُس کی نظر مخلوق سے
خالق اور صنعت سے صانع پر پڑتی ہے۔ جب وہ شاعر بھی ہو فطرت کا مصوّر اور
فطرت نگار بھی ہو تو اُس کے ایک ایک شعر ایک ایک مصرعہ ایک ایک حرف اور ایک
ایک نکتہ میں عرفانِ یزدانی کے راز پوشیدہ ہوتے ہیں۔ مگر عام طبائع نے صوفی
کی صفت کو محدود سمجھ رکھا ہے حالانکہ صوفی اعلےٰ درجہ کا حکیم ہے ادیب ہے ناصح
ہے معلّمِ اخلاق ہے۔ فطرت نگار اور فلاسفر ہے۔ اور ہر صنفِ سخن
پر یکساں قدرت رکھتا ہے مگر افسوس کہ طبائع کی اس عام افتاد نے بزرگوں کے
کارناموں اور اُن کے حکیمانہ، ناصحانہ، اخلاقی اشعار و اقوال سے پبلک کو مستفیض ہونے
کا موقع نہ دیا۔ بلکہ انتہائی تنگ نظری سے کام لے کر صوفی کو ایک محدود گنبد میں بٹھا
کر یہ سمجھ لیا کہ اس گنبد سے نکلنا۔ بلکہ حرکت کرنا بھی اس کی شان کے خلا

یہ اسی تنگ نظری کا نتیجہ ہے کہ آج بزرگوں کے دواوین کے شروح و حواشی اُن کے عام تعلقات اور امرائے عہد و شاہان وقت سے میل ملاپ۔ ناصحانہ و حکیمانہ اور اخلاقی اقوال سے تہی دست ہیں بلکہ برخلاف اس کے ہر واقعہ کو تصوّف اور حقیقت کے رنگ میں ڈبو کر ناظرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے ایسے مورخین اور شارحین صرف تصویر کا ایک پہلو دکھلانے کے عادی ہوتے ہیں جو کسی مقتدر ہستی کو محدود گنبد کا مقیّد سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ تصویر کے دوسرے رُخ کو نظر انداز کرنا کسی کے جذبات اور حسّیات کا خون کرنے کے مرادف ہوتا ہے

اسی دوسرے رُخ سے عدم توجہی حضرت قلندر صاحب کی سوانح عمری کی تدوین و ترتیب کی محرّک ہوئی۔ قلندر صاحب چونکہ بشر تھے۔ عالمِ اسباب میں رہتے تھے۔ ہر دلعزیز بزرگ تھے۔ اپنی عمر کے ایک سو انیس ۱۱۹ برس چرخِ مجدر کے نیچے قطع کئے۔ سیاحتیں کیں۔ بزرگوں سے ملے فیض حاصل کیا اور فیض پہنچایا اور مختلف بادشاہوں کے زمانے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان کے کلام میں ان متعلقات کی چاشنی کا اثر نہ ہو بلکہ ضرور ہے۔ اب اگر ہم اُن واقعات اور ادبی خوبیوں کو جو قلندر صاحب کے کلام میں ہیں نظر انداز کر کے ہر ایک واقعہ اور ہر ایک شعر کی تاویل کو کھینچ تان کر تصوّف کے رنگ میں ڈبو دیں تو یہ ان کے جذبات کا خون ہوگا بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر حقیقتِ مستور کے چہرے سے نقاب اُلٹیں اور ممکن طریقہ سے ہر واقعہ کی صحت کریں۔ گو استبدادِ زمانہ اور مرورِ ایّام کی وجہ سے وہ اہم حالات محفوظ نہیں رہے جو کہ قلندر صاحب کے عزّ و وقار کے لئے طرۂ امتیاز تھے

امر واقعہ ہے کہ قریب قریب ہر بزرگ کے متعلق افسانہ سازی کی مشق ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ قلندر صاحب بھی اس مشقِ افسانہ سازی سے بچ نہ سکے ان حالات کی موجودگی میں ہمارے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ ہم اپنے ارادے سے باز آجائیں اور فی الحقیقت یاس اور نا امیدی ہماری امید پر غالب آگئی تھی مگر لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ارشادِ خداوندی اور قلندر صاحبؒ کے اس شعر سے

چہ شکلیست تزا یاس را بہانہ مکن ــــ کہ زیر چرخ مُجدّد ہزار مردانند

سے نے ہمارے ارادے کو پھر تقویت پہنچائی اور ہم نے بعض اہل قلم حضرات سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری کر دیا جن میں سے اکثر حضرات نے امید کے موافق ہماری قلمی معاونت کر کے حوصلہ افزائی فرمائی۔ خط و کتابت کے اسی سلسلہ میں خیال آیا کہ حضور قبلۂ عالم پناہ پانی پتی کی درگاہ کے سجادہ نشین تو ضرور ہوں گے ان سے اس معاملہ میں قلمی امداد حاصل کرنی چاہیئے۔ چنانچہ سلسلہ جُنبانی شروع کر دی اور جناب کی خدمت میں طلبِ حالات کے لئے استدعا کی گئی لیکن جناب سجادہ نشین صاحب اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے کامل ایک ماہ تک ہمیں جواب نہ دے سکے جس کی وجہ سے ہماری ہمت کے پاؤں اور بھی شکستہ ہو گئے۔ مگر چونکہ ہم ناچیز ہستیوں کے ارادوں کی تکمیل خداوند کریم کے دستِ قدرت میں تھی جو اس طرح پوری ہوئی کہ ایک ماہ کے بعد بالکل غیر متوقع طور پر حضرت سجادہ نشین صاحب کا عنایت نامہ وصول ہوا جس کا ایک ایک لفظ ہماری حوصلہ افزائی کے لئے بوئے یوسُف کا کام کر گیا حضرت نے کمال درویشانہ اخلاق سے ہمیں نوازا اور حتی الامکان امداد کا وعدہ فرما کر ہمیں ترتیبِ حالات پر آمادہ کیا اور ہمارے دوسرے خطوط کے جواب میں بعض بعض مفید حالات ہمیں ارسال فرمائے اور اہم اور مفید مشوروں سے ہماری ہمت بندھا کر کلام کی اشاعت میں بھی ہر قسم کی مدد فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ اور مزید نوازش یہ فرمائی کہ جب ہم نے آستانۂ قلندریہ پر جا کر حاضری دی تو حضرت سجادہ نشین صاحب نے قلندر صاحبؒ کی دیگر غیر مطبوعہ تصانیف اخذِ حالات کے لئے ہمیں عطا فرمائیں جن کی نسبت ہم حضرت خواجہ پیر محمد عبدالرشید صاحب سجادہ نشین کے بے حد شکر گزار اور رہینِ منت ہیں حضرت کے انتہائی شغف اور محبت کا ایک بین ثبوت یہ ہے کہ جناب نے اپنے ایک مکتوبِ گرامی مورخہ ۲۷۔۳۔۳۲ میں کیا اعلیٰ الفاظ سے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی کہ "جب آپ کو حضرت قبلۂ عالم پناہ سے دلی محبت اور وابستگی ہے تو یقیناً میں بھی آپ کا عاشق ہوں" لیکن ہم ہیں کہ بجز دعا اور عجز و نیاز کے کوئی قابلِ قدر تحفہ جناب کی خدمت میں

پیش کرنے کے قابل نہیں سوا اس کے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور عمر و اقبال میں روز افزوں ترقی دے حضرت مولانا پیر محمد عبد الرشید حضور قبلۂ عالم پناہ کے لائق سجادہ نشین اور اپنے جدِ بزرگوار کے زندہ نشان ہیں آپ نے اس خدمت کے ذریعہ حضرت قبلۂ عالم پناہ کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ روشن کر دیا ہے فی الحقیقت سلف صالحین کے اخلاف کو ایسا ہی ہونا چاہئے حضرت مولانا کی یہ مخلصانہ خدمت موجودہ سجادہ نشینوں کے لئے ایک روشن مثال ہے ان کو بھی چاہئے کہ وہ اس مثال سے سبق حاصل کر کے اپنے بزرگوں کا نام روشن کریں۔ دوسری دفعہ جب ہم کتاب دکھانے کے لئے آستانہ شریف پر حاضر ہوئے تو آپ نے مورخانہ حیثیت سے اس کا مطالعہ کیا اور اپنی رائے عالی کا اظہار فرمایا جس کو ناظرین انتساب کے بعد ملاحظہ فرمائیں گے اس کے علاوہ امید سے بڑھ کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی اور اشاعتِ کتاب کے ہر شعبہ میں توقع سے زیادہ مدد فرمائی آپ کی شان میں ہم کچھ الفاظ استعمال کرنا چاہتے تھے لیکن اجازت نہیں ملی ۔

ان واقعات کے بعد ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کتب ذیل میں قلندر صاحب کے حالات مجملاً درج ہیں :-

اخبار الاخیار ، تذکرۂ غوثیہ ، تذکرۂ اولیائے سندھ ، سیر الاقطاب ، شرف المناقب

لیکن ہم نے سوانحعمری میں ان مذکورہ کتب کے حالات پر تحاکمہ کر کے صاحب شرف المناقب (خواجہ حمید الدین عارف پانی پتی) کی رائے عالی کو مستند سمجھ کر مقدم رکھا ہے کیونکہ آپ حضور قبلۂ عالم پناہ کے برادر شاہ نظام الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے اور درگاہ کے منصب سجادگی پر فائز تھے اس لئے آپ کے تحریر کردہ واقعات اور حالات قابلِ وثوق مانے گئے ہیں

شرح کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ سب سے پہلے دیوان کے مختلف نسخوں (مطبوعہ غیر مطبوعہ) کا مقابلہ کر کے اصل فارسی غزل کو درست کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہر شعر کا اردو ترجمہ بامحاورہ کر کے مشکل الفاظ کے معنی مختلف

کتبِ لغت سے مقابلہ کر کے لکھے گئے ہیں۔ شرح اتنی لکھی گئی ہے جتنی نفسِ شعر سے پیدا ہو۔ بیجا تاویلات سے دانستہ گریز کیا گیا ہے۔ البتہ جو اشعار تشریح طلب ہیں ان کو بہر ممکن طریقہ سے واضح کیا گیا ہے۔ شعروں کی ادبی اخلاقی تاریخی خوبیاں واضح کر دی گئی ہیں بحسبِ ضرورت آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبوی اور اقوالِ صوفیائے کرام سے استشہاد کر کے شرح کو مزین کیا گیا ہے چنانچہ ناظرین جا بجا آیاتِ قرآنی و احادیث اور اقوال کا اندراج ملاحظہ فرمائیں گے۔ قلندر صاحب کے اشعار کا مطلب واضح کرنے کے لئے مسلند شعرا کے اردو فارسی اشعار حسبِ ضرورت نقل کئے گئے ہیں اگر قلندر صاحب نے کسی ایک مضمون کو کئی ایک اشعار میں ادا کیا ہے۔ تو ان کے حوالے دے گئے ہیں مثلاً ۱/۱ ، ۴/۵ ، ۲/۵ جن سے مراد یہ ہے کہ غزل نمبر ۱ کا پہلا شعر یا غزل نمبر ۵ کا چوتھا شعر علیٰ ہٰذا القیاس تمام غزلیں نمبروار لکھی گئی ہیں اور غزل کے ہر ایک شعر پر نمبر دیا گیا ہے تاکہ ناظرین کو تلاشِ شعر میں آسانی ہو۔

اگر ناظرین نے اسے قدر اور عزت کی نگاہوں سے دیکھا اور ہماری محنت کی داد دی تو ہم انشاء اللہ تعالےٰ حضرت قبلۂ عالم پناہ کی دیگر غیر مطبوعہ تصانیف بھی مفید حواشی اور تراجم کے ساتھ ناظرین کی خدمت میں پیش کریں گے۔ اس کے علاوہ ہم حضرت کے غیر مطبوعہ منظوم کلام کی بے حد جستجو کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ امید ہے کہ عنقریب حضور کا نعتیہ دیوان جو دورِ آخر کی تصنیف اور مناقب ائمۂ دورِ زمان و حضرت مولائے کائنات پر مشتمل ہے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگا ناظرین انتظار فرمائیں وباللہ التوفیق۔

نیازمندان

عطاء و مظہر

جیٹھی کے ۷ اپریل ۱۹۴۳ء

انتساب

کشتۂ نازِ محبوب کی درگاہِ لاابالی کے سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں

نذر

ہم اپنی اس ناچیز تصنیف کو دلی عقیدت اور اخلاص کے ساتھ شمس العارفین برہان الواصلین ہادی لی مع اللہ جمال الاسلام رمز شناس عرفان و توحید جرعہ نوش میخانہ تجرید حضرت مولانا خواجہ پیر محمد عبدالرشید صاحب مدظلہ العالےٰ سجادہ نشینِ درگاہِ حضرت خواجہ مخدوم شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بطور نذر پیش کر کے چاہتے ہیں کہ حضرتِ موصوف کے مبارک اور مسعود نام کی برکت سے یہ ناچیز تصنیف قبولیتِ خاص و عام کا فخر حاصل کرے۔

آمین

کلامِ شیخ شرف الدین مغفور — سراسر رازِ وحدت سے ہے معمور
کلامِ حق تعالیٰ کی ہے تفسیر — حدیثِ مصطفٰی کی ہے یہ تنویر
عجب ہے گنجِ اسرار و معانی — عجب ہے معدنِ رازِ نہانی
ہے نور العین حق کے واصلوں کا — ہے دستور العمل اُن کاملوں کا
جو چلنے والے ہیں راہِ وفا کے — جو خوگر ہیں ملامت اور جفا کے
غذائے روح و جاں پر خار بیست — برائے عاشقاں باغ و بہار یست

منور کرد از بس چشم آفاق
ضیائے دیدۂ سالارِ عراق

عطا و مظہر دل ریش و ناشاد — رہے نالاں بکنج محنت آباد
سدا پیتے رہے خون جگر کو — اڑایا طائر عقل و فکر کو
گہے پرواز شد گہ سوئے افلاک — گہے سازد مقامی زیر این خاک
کبھی گلزار وحدت سے چنے گل — نظر عشقبازی بلبل و گل
رہا وہ سائر باغ معانی — انوکھی طرز ہیں کی گلفشانی
غرض پھولوں کا گلدستہ بنایا — عجب انداز سے اس کو سجایا
شرح لکھی کلام بوعلی کی رح — امام اولیا حق کے ولی کی
گہرہائے عجب در سلک سفتیم — بفکر کار این شبہا نخفتیم

ریاض شرح محبوب القلوب است
بحمد اللہ کہ این جذب القلوب است

غرض گلدستہ گلہائے مضموں — بنام پیر میخانہ ہے معنوں
کہ بر سجادۂ آں شیخ مغفور — بفر و شان و شوکت ہست ماسور
ہے زینت جن کے کم سن آستاں کو — ملا خلف الرشید اس خانداں کو
سبق دادہ مرا جود و سخا را ازو — زہے دستش کہ بنوازد گدا را
کریم ابن الرحیم عبد الرشید آں — وحید العصر یکتا و فرید آں
زہے بخت اگر ایشاں نوازند — بلطف این پیشکش منظور سازند
عطا را این کتابے یادگاریست — برائے نام مظہر تا مداریست

از جیٹھی کے — خاکساران
عطا و مظہر

تقریظ

از عالیجناب قدوۃ الواصلین، زبدۃ العارفین، سلطان سلطنتِ طریقت، سالکِ مسلکِ شریعت شہبازِ اوجِ حقیقت غواصِ دریائے معرفت، ابو الحمید حضرت مولانا و بالفضل اولینا، حافظ خواجہ پیر محمد عبد الرشید سلمہ اللہ الوحید پانی پتی سجادہ نشین قبلہ شیخ شرف الدین بو علی قلندر قدس اللہ سرہ العزیز

فقیر نے مفتاح الغیب اردو شرح دیوان حضور قبلۂ عالم پناہ معہ مفصل سوانح عمری مصنفہ شیخ عطا محمد عطا نظامی و شیخ حبیب اللہ مظہر نظامی ساکنان جھیٹھی کے پنجاب کو غور سے پڑھا بالخصوص سوانحِ حیات کا کہ ان سے میرا خاص تعلق تھا بنظر امعان مطالعہ کیا میرے خیال میں حالات نہایت جامع اور معتبر ہیں جن سے مجھے پورا اتفاق ہے اور جو کچھ لکھا گیا ہے افراط و تفریط سے پاک اور تجسس بسیار کا نتیجہ ہے اکثر مقامات کی اصلاح میں نے خود اپنے قلم سے کی تا حدِ علم میرے یہ شرح و سوانح عمری نکتہ دان و نکتہ سنج احباب کے لیے عموماً اور وابستگان سلسلۂ قلندریہ کے لئے خصوصاً ایک بیش بہا نعمت ہے۔ شرح نہایت ہی محققانہ انداز میں لکھی گئی ہے طرزِ تحریر نہایت دلکش ہے میری دعا ہے کہ اللہ تعالے اس کو مقبولِ خاص و عام فرمائے اور اس کے مصنفین کو جزائے خیر عطا کرے آخر میں میں اپنے وابستگانِ سلسلہ اور دوستوں کی خدمت میں پُر زور سفارش کرتا ہوں کہ اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ خرید کر مؤلفین کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ وہ حضور کی دوسری تصانیف کی اشاعت کی طرف راغب ہوں۔ جزاکم اللہ خیر الجزا۔

فقیر عبد الرشید
سجادہ نشین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوانح عمری

مردہ ہرگز نبود آں کہ بمیرد در عشق | کشتۂ نازِ تُرا زندہ دائم شمریم

قلندر صاحب اُن قدسی صفات بزرگوں کے زمرہ سے ہیں جن کی شانِ پاک میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ نقل مکان کرتے ہیں اس لئے ہم قلندر صاحب کے اس شعر سے عنوان کو زینت دیتے ہیں جو حدیث نبوی کی اعلےٰ تفسیر ہے۔

نام و نسب

آپ کا نام شرف الدین ہے۔ بوعلی لقب[1] جو امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عطا فرمایا جس کی صراحت ذکرِ بیعت میں آئیگی قلندریہ خاندان سے نسبت واردات تھی۔ اس لئے بوعلی قلندر مشہور ہے آپ کا پورا نام شرف الدین بوعلی قلندر مشہور ہے آپ نے اپنے اشعار میں تخلص کی جگہ شرف و بوعلی اور قلندر کا استعمال کیا ہے اس لئے آپ کا تخلص وثوق کے ساتھ قرار نہیں دیا جاسکتا آپ کا نسب چند واسطوں سے حضرت جعفر النعمان الملقّب بہ امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمت اللہ علیہ بن

---

[1] آپ کے القاب اور بھی ہیں جو ذکرِ بیعت کے تحت میں آئیں گے۔

ثابت بن نعمان تک منتہی ہوتا ہے۔

نسب نامہ شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ بن حضرت مولانا سالار فخر الدین ابراہیم مشہور بہ عراقی قدس سرہٗ بن مولانا سالار زبیرؒ بن مولانا سالار حسنؒ بن سالار عزیزؒ بن سالارؒ ابوبکر غازی بن مولانا شیخ محمدؒ عرف مولانا فارس (مرید و خلیفہ حضرت حسین بن منصور حلاجؒ رحمۃ اللہ علیہ) بن مولانا عبدالرحمٰن بن مولانا عبدالرحیم بن مولانا محمدؒ بن ناچار از احناف حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ۔

شیخ فخر الدین عراقی کے بعض حالات

قبل ازیں کہ ہم قلندر صاحب کی ولادت کا ذکر کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد بزرگوار شیخ فخر الدین عراقی کا مختصر حال بیان کیا جائے نفحات الانس میں مولانا جامیؒ قدس سرہٗ و صاحب بوستانِ غوثیہ کا بیان ہے کہ شیخ فخر الدین اصل میں علاقہ ہمدان کے رہنے والے تھے۔ آپ چھوٹی سی عمر میں قرآن مجید حفظ کر کے سترہ برس کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے تھے آپ کا دیوان مشہور ہے اور آپ کی مشہور تصنیف لمعات ہے جو سراسر رموز و نکاتِ تصوّف کی جامع ہے

ایک دن آپ طلباء کو تعلیم دے رہے تھے کہ قلندروں کی ایک جماعت ہمدان میں آئی جن میں ایک لڑکا بڑا حسین تھا اور آپ پر چونکہ عشق غالب تھا اور طبیعت اس قدر رموزوں واقع ہوئی تھی کہ کسی حسین چیز کو دیکھنے سے آپ کو کردگارِ ازلی کی صنعت یاد آتی تھی اور ایسے موقعوں پر آپ کا دلِ مصنوع سے صانع اور مخلوق سے خالق کی طرف رجوع کرتا تھا اور آپ مجاز میں حقیقت کا رنگ دیکھنے کے دلدادہ تھے اس لئے اس لڑکے کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئے جب تک وہ گروہ آزادگان ہمدان میں رہا آپ ان کے ساتھ رہے اور مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا چند دنوں کے بعد جب وہ جماعت رختِ سفر باندھ کر ہمدان سے روانہ ہو گئی تو آپ نے چند روز بے تابی میں گذارے جب جدائی کی تاب نہ رہی تو وطن کو خیرباد کہہ کر آپ بھی اُن کے پیچھے دوڑے اور راستے کسی مقام پر جا ملے جب اوباش قلندروں نے آپ

کو دیکھا تو کہنے لگے کہ آپ عراق کے سردار اور ذی وقار آدمی ہیں اور ہم قلندران موزلش چار ابرو کا صفایا کئے ہوئے آزادانہ سفر کرتے ہیں بنا بریں آپ کو ہماری معیت مفید نہ ہوگی ہاں اگر آپ ضرور ہمارے ساتھ سفر کرنا چاہتے ہیں تو ہماری سی شکل وصورت اور ہیئت ظاہری بنا لیجیے چار ابرو کا صفایا کرا لیجئے شیخ موصوف کے دل پر چونکہ لڑکے کی محبت قوی ہو چکی تھی بجبوراً چار ابرو کا صفایا کرایا قلندروں کا لباس پہنا اور اُن کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ شدہ شدہ یہ قافلہ ملتان پہنچا اور حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاظر ہوا۔ خواجہ بہاؤالدین کشف باطنی سے تاڑ گئے کہ فخرالدین اس لڑکے پر عاشق ہے۔ اور چاہا کہ اس کی محبت کو عشق حقیقی کی طرف تبدیل کر دیا جائے چنانچہ جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو حضرت بہاؤالدین کو اُس کی روانگی کی خبر ہوئی چونکہ آپ کو عراقی کے ساتھ چلے جانے کا زیادہ خیال تھا اس لئے آپ نے کچھ دیر تامل فرمایا اسی دوران میں ایک ایسی تیرہ وتاریک آندھی اٹھی کہ اوباش قلندروں کا گروہ منتشر ہو گیا اور فخرالدین عراقی اسی انتشار و پریشانی کی حالت میں خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے آستان ہدایت نشان پر آ پڑے۔ آپ نے اپنا خادم بھیج کر فخرالدین کو اندر بلایا۔ اور اپنی آغوش میں کھینچ کر سینہ سے سینہ ملانا ہی تھا کہ فخرالدین کے دل سے لڑکے کی محبت بالکل زائل ہو گئی اور اس کی بجائے آپ کا دل عشق الٰہی سے معمور ہو گیا آپ نے اُن کے رہنے کے لئے ایک علیحدہ حجرہ عنائت فرمایا۔ اور باطنی تعلیم وتربیت کرنے لگے۔

کچھ دنوں کے بعد اپنی دختر نیک اختر کہ عفت و عصمت میں رابعۂ وقت تھیں اُن کے ازدواج میں دے دیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پچیس[۲۵] برس تک حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا آپ کے کلام میں درد اور سوز ایسا بھرا ہوا تھا کہ خواجہ بہاؤالدین اکثر اوقات آپکے اشعار سن کر وجد کیا کرتے تھے صاحب نفحات کا بیان ہے کہ حضرت بہاؤالدین زکریا کی صاحبزادی کے بطن مبارک سے ایک صاحب زادہ بھی تولد ہوا جن کا نام کبیرالدین تھا مگر ہم نے نفحات کے علاوہ اور بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا جن سے کبیرالدین صاحب زادہ کا تولد ہونا ثابت نہیں

ہوتا۔

شیخ فخرالدین عراقی کا سفرِ عراق عقدِ ثانی اور اولاد

اسی اثنا میں خواجہ بہاؤالدین کی صاحبزادی کا انتقال ہوگیا صاحبِ بوستانِ غوثیہ[1] کا بیان ہے کہ خواجہ ملتانیؒ نے اپنی دوسری صاحب زادی شیخ فخرالدین کے عقد میں دینی چاہی اور اِس بارے میں اپنے صاحبزادے مولانا صدرالدین عارف سے مشورہ لیا لیکن انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن فخرالدین پیراہن اٹھاکر ہوا کھارہے تھے پس جس شخص میں اِس قدر حظِ نفس ہو وہ اِس پیوند کا اہل نہیں ہوسکتا خواجہ ملتانی یہ جواب سُن کر اپنے ارادے سے باز آگئے بایں وجہ شیخ فخرالدین نے ملتان سے اپنے اصلی وطن عراق[2] کی طرف مراجعت کی جب آپ ہمدان پہنچے تو سید السادات حضرت نعمت اللہ ہمدانی کرمانی نے اپنی ہمشیرہ حافظہ جمال رحمۃ اللہ علیہا سے جو حافظۂ قرآن تھیں آپ کا نکاح کردیا جن کا مزارِ مبارک قصبہ پانی پت میں ابراہیم لودھی کے مقبرہ سے جانبِ شرق اور قلعۂ بادشاہی سے جانبِ شمال دو سو گز کے فاصلہ پر واقع ہے آپ کا روضۂ منورہ حافظ جمال اور رانی جی کے نام سے مشہور ہے۔

شیخ فخرالدین عراقی معہ اہلیۂ مقدسہ ہمدان سے عراق واپس آئے چنانچہ حافظہ جمال کے بطنِ مبارک سے شیخ نظام الدین عراقی برادر حضرت بوعلی قلندرؒ عراق میں پیدا ہوئے اور عاشقِ الٰہی بوعلی قلندر پانی پت ضلع کرنال میں جس کی صراحت آگے آئے گی۔

---

[1] بوستانِ غوثیہ خاص خواجہ بہاؤالدین زکریا کے حالات پر مشتمل ہے اور مطبوعہ ہے ۱۲

[2] مولانا جامی نے نفحات میں لکھا ہے کہ جب خواجہ بہاؤالدین کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے خرقۂ خلافت شیخ فخرالدین کو عطا فرمایا لوگوں نے اِس عزو وقار کو حسد کی نظروں سے دیکھا وہ نیز کچھ ایسے ہی اسباب پیدا ہوگئے اور حبِ وطن نے جوش مارا اور آپ بعزمِ عراق ملتان سے چل دیئے ۱۲

ولادت

جب شیخ نظام الدین عراقی[1] سن رُشد و تمیز کو پہنچے تو آپ بغرض تجارت عراق سے عازم ہندوستان ہوئے اور قصبہ پانی پت میں نزولِ اجلال فرمایا پانی پت کے میدان پاکیزہ اور دلکش تھے اُن کی فضا دل کو مرغوب معلوم ہوئی اس لئے وہیں رہنا اختیار کیا جب شیخ فخر الدین کو اپنے فرزند شیخ نظام الدین کی جدائی نہائت شاق گذری تو آپ بھی بارادہ ملاقات معہ اہلیہ مقدسہ پانی پت تشریف لائے اور وہیں قیام فرمایا خدا تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا کہ ولائتِ ہند عاشقِ الٰہی کے قدومِ میمنت لزوم کی برکت سے دار الشرف بنے اِس لئے سنہ ۶۰۵ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر عالم وجود میں آئے شیخ فخر الدین عراقی کی وفات[2] حسب بیان صاحب نفحات ۸ ذی قعد سنہ ۶۸۸ھ میں بمقام دمشق واقع ہوئی۔ اور آپ کو حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے مزار کے پیچھے جگہ ملی جو زیارت گاہ خلائق ہے اور آپ کے فرزند نظام الدین عراقی کا وصال ۱۰ جمادی الثانی سنہ ۷۰۰ھ میں بہ قصبہ پانی پت ہوا اور وہیں آپ مدفون ہیں۔

جب قلندر صاحب پیدا ہوئے تو آپ نے رونا شروع کیا اور مسلسل تین دن روتے رہے دودھ مطلق نہ پیا۔ اور آنکھ نہ کھولی جب تین دن گذر گئے تو شیخ فخر الدین عراقی گھر سے باہر تشریف لائے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مست[3] فقیر چہرہ اوڑھے ہے دروازہ پر کھڑا ہے اُن سے مصافحہ کیا فقیر نے کہا اے شیخ تمہارا صاحب زادہ تجھے مبارک ہو اُسے دیکھنے کا

---

[1] آپ کی شادی مولانا کریم الدین رومیؒ کی صاحب زادی سے ہوئی آپ موتیوں کی تجارت کرتے تھے

[2] شیخ فخر الدین عراقی کی وفات کے متعلق ہم نے بہت تحقیق کی ہے ثابت ہوا ہے کہ آپ پانی پت سے اپنے وطن مالوف (عراق) کی طرف بغرضِ سیر و سیاحت گئے تھے قدرت کو ایسا ہی منظور تھا کہ شیخ سرزمینِ عراق میں ہی دفن ہوں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ نے حضرت محی الدین ابن عربی کے مزار کے قریب استراحت فرمائی

[3] ۱۲ وہ درویش مولانا شاہ جمال قلندر ریشم پوش رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کا مزار شریف دریائے اٹک کے کنارے شہر اٹک کے نزدیک واقع ہے ۱۲ ظفر مظہر

مشتاق ہوں شیخ موصوف درویش کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے جب اُس صاحبِ کمال فقیر نے اُس نورِ حقانی کو دیکھا تو اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور یہ آیتِ کریمہ[1] اُن کے کان میں پڑھی فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اسی وقت رونا بند ہوگیا اور آپ دودھ پینے لگے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ مادر زاد ولی تھے اور فرمانِ خداوندی کا احترام اور ادب آپ کی سرشت میں ازل سے موجود تھا کہ آپ آیتِ کریمہ سُنتے ہی خاموش ہو گئے۔ درویش نے فرمایا اے شیخ زادہ صاحب زادہ عاشقِ الٰہی[2] ہے عاشقوں کا بھید کسی سے کہنا نہیں چاہیئے اتنی بات کہہ کر نظروں سے غائب ہوگیا ممکن ہے کہ بھید کا اشارہ اسی طرف ہو کہ یہ مولودِ مسعود مادر زاد ولی ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بوعلی قلندر عاشقِ الٰہیؒ و قطب جمال الدین ہانسوی و سلطان شاہ فرخ گھالونی اور صوفی کیتھلیؒ آپس میں خالہ زاد بھائی تھے لیکن قطب جمال الدین ہانسوی کی نسبت حضور کے شجرۂ نسب سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قطب جمال آپ کے خالہ زاد بھائی ہونے کے علاوہ بہنوئی بھی تھے کیونکہ مولانا سالار فخر الدینؒ کی دو صاحب زادیاں تھیں ایک لاولد فوت ہوگئیں اور دوسری صاحب زادی قطب جمال ہانسوی کی زوجیت میں دی گئیں جن سے سلسلہ نسب قطب جمال ہانسوی کا جاری ہوا۔

تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم دہلی میں حاصل کی لیکن باوجود تحقیق کے آپ کے اساتذہ کے نام ہمیں معلوم نہیں ہوئے البتہ ایک معتبر روایت سے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے حضرت مولانا[3]

---

[1] بعض روایتوں میں لکھا ہے کہ شاہ جمال قلندر چرم پوش نے آپ کو اسم اعظم کی تعلیم دی واللہ اعلم بالصواب

[2] پہلے پہل یہ لقب شاہ جمال قلندر کی زبان سے نکلا تھا جو بعد میں مشہور الکل ہوگیا۔

[3] مولانا سراج الدین کی کا مزار عقب ننگار خانہ درگاہ شریف حضرت قبلۂ عالم پناہ پانی پت میں ہے!

سراج الدین مکّی رحمتہ اللہ علیہ سے قرآن شریف حفظ کیا اور فقہ و حدیث پڑھی حافظہ اس
قدر تیز تھا کہ جب ایک دفعہ مضمون کو سرسری نظر سے دیکھ لیا وہ کالنقش فی الحجر ہو گیا چونکہ
آپ حافظِ قرآن تھے اس لئے عربیت میں آپ کو کافی دست گاہ حاصل تھی چنانچہ اپنے
منظوم کلام میں عربی اشعار اس قادر الکلامی سے بلاتکلّف لکھے ہیں جن سے آپ کی اس
فن میں اعلیٰ دست گاہ ثابت ہوتی ہے منظوم کلام کے علاوہ فارسی نثر میں آیاتِ قرآنی
واحادیثِ نبوی اور اقوالِ صوفیائے کرام کا اندراج اس خوبصورتی کے ساتھ کیا گیا ہے
اور آیاتِ قرآنیہ سے ایسے ایسے عارفانہ نکات اخذ کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ
کلامِ ربانی کی شرح و بیان کرنے میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ اور آپ کی طبیعت کی افتاد
زیادہ تر اسی طرف مائل تھی۔ آپ اعلیٰ درجہ کے مضمون نگار اور شارح تھے غرضیکہ آپ
کی طبیعت کچھ ایسی موزوں واقع ہوئی تھی کہ جس طرف رُخ کیا مشکل اور ادق مضامین
کو پانی کی طرح بہا دیا۔ اس کے علاوہ آپ زبردست اور جیّد عالم تھے محدث اور فاضل
اجل تھے۔ آپ کے والد ماجد چونکہ عراق عجم کے رہنے والے تھے اور والدہ ماجدہ
عربی النسل سیّدہ تھیں بڑے بھائی شاہ نظام الدین عراقی بھی عراق میں پیدا ہوئے تھے
اس لئے حضرت قلندر صاحب کی مادری زبان بھی فارسی ہو گئی تھی

پانی پت چونکہ اس وقت علوم و فنون کا مرکز تھا۔ اس لئے وہاں بھی مختلف اساتذہ
سے علم ادب حاصل کیا آپ کے والد چونکہ صاحب تصانیفِ کثیرہ قادر الکلام شاعر تھے
برگزیدہ عارف اور مقبولانِ الٰہی میں ممتاز ترین کامل انسان تھے

لمعات کا مطالعہ اور دیوانِ عراقی اس بات پر شاہد ہے کہ علوم تصوف میں آپ
کو کافی دستگاہ حاصل تھی اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہٖ کے مصداق قلندر صاحب کو بھی عشق حقیقی کے
ساتھ جذبہ شاعری[1] بھی بطورِ وراثت عطا ہوا چنانچہ آپ نے بھی اپنے والدِ بزرگوار کی طرح

---

[1] باوجود کمال تحقیق کے بھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس فن میں قلندر صاحب کو کس صاحب کمال سے تلمذ تھا اور کس
کے سامنے آپ نے زانوئے ادب تہ کیا غالب قیاس ہے کہ شاید آپ نے اپنے والد ماجد سے استفادہ کیا ہو کیونکہ وہ اپنے زمانہ کے قادر الکلام صوفی
شاعر تھے اور اس وقت انکی شاعری کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا تھا اسکے علاوہ ہست آنچہ استاد ازل گفت ہماں میخوانم عطار و ...

اپنے جذباتِ باطنی کو فارسی غزلوں میں ظاہر کیا والد بزرگوار کی طرح آپ کے کلام میں بھی سوز و ساز اور معرفتِ الٰہی کے نکات و اسرار کا بڑا حصہ ہے اور ساتھ ہی چونکہ وطن ہندوستان تھا اس لیئے رائج الوقت ہندی زبان بھی مادری زبان ہو گئی اور اس میں بھی اچھی دسترس تھی اکثر موقعوں پر آپ نے ہندی زبان میں دوہے بھی لکھے ہیں۔

درس و تدریس

آپ نے اپنی عمرِ عزیز کا بہت سا حصہ درس و تدریس اور وعظ و نصیحت میں گذارا پرانی دہلی میں آپ کا قیام تھا وہاں مدتوں آپ درس دیتے رہے۔ زمانہ حاضرہ کے بڑے بڑے عالم فقیہہ اور محدث آپ سے استفادہ حاصل کرتے تھے اور مدرسہ یک مینارہ دہلی میں آپ مدرس اعلیٰ بھی تھے۔ علمائے وقت آپ کی علمیت کے اس قدر گرویدہ تھے کہ جب آپ دہلی سے عازم پانی پت ہوئے تو وقت کے نامور فضلاء کی ایک جماعت نے خواہش ظاہر کی کہ آپ چندے اور قیام فرمادیں تاکہ ہم آپ سے نکاتِ توحید کے چند رسائل پڑھ لیں اس واقعہ کی تصدیق قلندر صاحب کے اپنے کلام سے اس طرح ہوتی ہے فرماتے ہیں:-

"جمیع دانشمنداں بریں درویش گفتند کہ یک ماہ دیگر بیانید تا از ہر کتاب ورسالہ سبق بگیریم"

علاؤالدین خلجی کا زمانہ تھا آپ کی عمر مبارک کا یہ حصہ دربارِ شاہی سے بھی متعلق رہا آپ کی علمیت اور قابلیت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ آپ اسی دوران میں شہر کے مفتی بھی ہو گئے تھے اسلامی عہدِ حکومت میں مفتی کا عہدہ دربارِ شاہی سے عطا کیا جاتا تھا۔ اور بڑا مقتدر سمجھا جاتا تھا اور اس عہدے پر وہ لوگ فائز ہوتے تھے جو علومِ دینی یعنی فقہ و حدیث، صرف و نحو اصول و منطق اور علمِ ادب میں پوری دسترس رکھتے تھے۔

صاحبِ شرف المناقب کا بیان ہے کہ حضرت قلندر صاحب چالیس برس تک درس و تدریس اور ترویج علوم دینی اور فتوے نویسی کیلیئے پرانی دہلی کے کسی مقام پر جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے قریب تھا مشغول رہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قلندر صاحب کی شخصیت علمی دنیا میں کس قدر

دقیق نفی، چنانچہ آپ کی تصنیف سے حکمنامہ بھی ہے لیکن شوخیٔ تحریر سے معلوم ہوتا ہے
کہ وہ حضور کے کسی خادم کا مہمل کردہ ہے مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدّث دہلوی
رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب اخبار الاخیار میں اس حکم نامہ کے متعلق فرماتے ہیں :-
"رسالۂ دیگر در عوام الناس شہرت دارد کہ او را حکم نامۂ شیخ شرف الدین
مے گویند ظاہر آں است کہ او از مخترعات عوام است واللہ اعلم بالصواب"

تصانیف | آپ مصنّف تصانیفِ کثیرہ تھے منجملہ ان کے دیوانِ فارسی زیرِ تشریح جو
رموز و نکاتِ معرفت کا خزانہ ہے اس کی وقعت کا اندازہ شرح کے مطالعہ
سے ہو سکتا ہے۔

۲۔ مثنوی بو علی قلندر | کے نام سے مشہور مطبوعہ نسخہ ہے۔ گو یہ نسخہ مختصر ہے لیکن پند
و نصائح اور موعظت و رشد و ہدایت کا مکمل و جامع مجموعہ ہے
اس میں زیادہ تر سعیٔ عمل کی تعلیم ہے۔ اکثر جگہ رہنمائے شیخ و شاب مولانا جلال الدین رومی
کی مثنوی معنوی کے مصرعہ درج کر کے ان پر گرہیں لگا کر مضمون کو دوبالا کیا گیا ہے
دیباچہ میں روحِ انسانی پر ایک بسیط مضمون منظوم کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ تیرا وطن
عالمِ آب و گِل نہیں بلکہ عالمِ ملکوت ہے۔

۳۔ رباعیات | یہ بھی مختصر سا مجموعہ ہے لیکن معانی و مطالب کے لحاظ سے کہنا پڑتا
ہے کہ دریائے تصوف کو کوزہ میں بند کیا گیا ہے یہ تینوں کتابیں
مطبوعہ ہیں۔

۴۔ رسالہ سر العشق | یہ قریباً یک صد صفحہ کا غیر مطبوعہ رسالہ ہے مگر معانی کے لحاظ سے
تصوف کی بڑی بڑی کتابوں کا ہم پلّہ ہے حضرت قلندر
صاحب نے ابتدا سے انتہا تک فقر اور عشق کے تمام مدارج بالتفصیل بیان فرمائے
ہیں مختصر جامع اور موثر الفاظ میں چھوٹی چھوٹی فصلیں قرار دے کر ہر ایک مضمون کو واضح کیا
گیا ہے فصلوں کی تعداد سو سے زاید ہے کسی ایک مضمون کو سمجھانے کے لئے آیاتِ
قرآنیہ و احادیثِ نبویہ اور اقوالِ صوفیائے عظام و اشعارِ متقدمین اساتذہ کمال خوبصورتی

سے لکھے گئے ہیں جس سے مضمون کی زینت دوبالا ہوگئی ہے آپ کے تبحر علمی کا یہ عالم ہے کہ ایک ایک لفظ سے سینکڑوں نکات پیدا کئے ہیں اور ہر ایک نکتہ کی تشریح اس عالمانہ انداز سے کی ہے جس کے پڑھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو تصوف کے مشکل اور پیچیدہ عقدے اور لاینحل مسائل اور الجھنوں کو سلجھانے کا ایک خاص چسکا تھا طرز تحریر مقفےٰ ہے نثر پر بھی نظم کا دھوکا ہوتا ہے۔ شروع سے آخر تک مضامین کا سلسلہ مسلسل اور دلآویز ہے۔ توضیح سرام کو عمدگی سے نبھایا گیا ہے غرضیکہ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ ختم کئے بغیر طبیعت سیر نہیں ہوتی ہم نے شرح کے اکثر مقامات اسی رسالہ کے نکات سے استشہاد کرکے مزین کئے ہیں۔

۵۔ رسالۂ سلوک — نام سے ظاہر ہے کہ اس میں مراتب و درجاتِ درویشی کا بیان ہے قلندر صاحب نے منازلِ سلوک اور مراحلِ درویشی کی اپنی عارفانہ اور محققانہ اصطلاح میں شرح و بسط کے ساتھ تشریح کی ہے اپنی روحی بیعت اور امیر المومنین علیہ السلام سے روحانی فیض حاصل کرنے کی کیفیت اسی رسالہ میں ارقام فرمائی ہے طرزِ تحریر وہی عارفانہ اور عاشقانہ ہے غرضیکہ بے نظیر کتاب ہے۔

۶۔ رسالۂ عشقیہ — مختصر سا مجموعہ ہے۔ اس میں بھی سر العشق کی طرح عشق کی رفعت اور عظمت کا بیان کمال خوبصورتی سے قلمبند کیا گیا ہے۔

۷۔ اسرار العاشقین — یہ بھی چھوٹا سا رسالہ ہے اگر شائع ہو جاتا تو سالکانِ منازلِ سلوک اور راہِ خداوندی کا دستور العمل ہوتا طالبانِ حق اسے حرزِ جان بناتے کیونکہ یہ مجموعہ فی الواقع اس قابل ہے "قلندر صاحب نے طالبوں کو حقیقی طلب کے طریقے بتائے ہیں۔

۸۔ مکتوباتِ شرف فارسی — جس میں حضور قبلہ عالم پناہ نے اپنے برادر زادہ و مرید حضرت مولانا شاہ اختیار الدین قلندرؒ کو مخاطب کیا ہے تمام مکتوب "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور برادرم اختیار الدین بدانکہ" سے شروع ہوتے ہیں یہ ایک غیر مطبوعہ ضخیم مجموعہ ہے اور نوعیت کے لحاظ سے اس قدر بے نظیر

اور مفید ہے کہ تصوف کی بڑی بڑی کتابیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی فقر کا دریا ہے شریعت و طریقت حقیقت و معرفت کا خزانہ ہے قرآن مجید کی عارفانہ جامع تفسیر ہے پند و نصائح رشد و ہدایت کا مجموعہ سالکان راہِ خداوندی کے لئے بے نظیر دستور العمل ہے غرضیکہ ہر مکتوب رنگینی بیان۔ دلآویزی اور طرزِ تحریر کے لحاظ سے ایک نادر اور دلکش گلدستہ ہے جس میں سدا بہار پھولوں کی بہار ہے جن کی ایک ایک پتی سے حقیقت کی خوشبو آتی ہے۔ شرح لکھتے وقت یہ نادر گلدستہ ہمارے زیرِ مطالعہ تھا۔ ناظرین دیکھیں گے کہ ہم نے شرح کے اکثر مقامات کو انہی گلہائے معنی سے سجایا ہے انداز بیان ایسا انوکھا ہے جی چاہتا ہے کہ اس کاتب الحروف کے ہاتھوں کو بے اختیار دیوانہ وار بوسے دیئے جائیں۔

سید العارفین شاہ حمید الدین عارف شرف المناقب میں لکھتے ہیں کہ حضور قبلۂ عالم پناہ نے ان کتابوں کے علاوہ ایسی ایسی نادر تصانیف لکھی کہ جن کے بیان کرنے سے عقل و فکر عاجز و قاصر ہیں خاص کر زمانۂ حاضرہ میں لوگ انہیں سمجھ نہیں سکتے جب تک عشق کا ہما کسی پر اپنا سایہ نہ ڈالے ؎

تو چہ دانی زبانِ مرغاں را چوں ندیدی گہے سلیماں را

ان تصنیفات کے علاوہ اور بھی بہت سی تصانیف غیر مطبوعہ ہیں مگر افسوس کہ زمانے نے انہیں طاقِ نسیان پر رکھ دیا اور مخلوق کو اس نادر کلام کے فیض سے مستفید ہونے ..... کا موقعہ نہ دیا۔

عربیت ہم آپ کی تعلیم کے حال میں لکھ چکے ہیں کہ آپ حافظِ قرآن تھے فقیہ و محدث اور مفسر تھے علوم صرف و نحو میں پوری مہارت رکھتے تھے رموز و اسرارِ قرآنیہ کے بیان کرنے میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا مسجد قوۃ الاسلام دہلی میں مدتوں وعظ فرماتے رہے اس لئے ممکن نہیں کہ آپ عربی زبان میں شعر نہ کہہ سکتے ہوں بلکہ عربی اشعار لکھنے میں آپ کو کمال حاصل تھا اور اس فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے دیوان میں بعض جگہ عربی اشعار پائے جاتے ہیں مگر نسبتاً کم کہیں ایک جگہ فارسی مصرعہ

کے ساتھ عربی مصرعہ اس خوبی کے ساتھ استعمال کیا ہے کہ مضمون اعلیٰ پایہ کا ہو گیا ہے مثلاً ؎

اہل ملامتم فشکیبم بہ طلعتہا ل　　لورقت القلوب فی ان تشقق الجیوب
طال الفراق واحترقت لی ترائب　　من کربۃ التعشق یا کاشف الکروب

مگر طبیعت کی افتاد زیادہ تر فارسی کی طرف تھی اگر کوشش کرتے تو عربی دیوان مرتب کر سکتے تھے اپنی دیگر تصانیف میں کمال ہمہ دانی سے بکثرت عربی کلام کا استعمال فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن میں کمال کے علاوہ آپ کو عربی زبان سے خاص محبت تھی اور شغف و شوق سے عربی تصانیف کا مطالعہ کرتے تھے آپ کی عربیت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ وقت کے بڑے بڑے فاضل عالم آپ کے پاس تحصیل علوم کے لئے آتے تھے۔ اکثر علماء کو آپ سے تلمذ کا شرف حاصل تھا

ہندی

ہندی زبان میں بھی آپ کامل و مکمل تھے چونکہ آپ ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے اس لئے ہندی کا مادری زبان ہونا تو لازمی تھا قاعدہ ہے کہ روزمرہ بول چال کے علاوہ ہر ایک زبان کا ادبی مرتبہ جس میں موزوں کلام کہا جا سکے مادری زبان سے کہیں زیادہ ہوتا ہے قلندر صاحب گو مادر زاد ہندی تھے مگر روزمرہ کے علاوہ ہندی ادب پر بھی آپ کو عبور حاصل تھا کئی ایک دوہرے آپ کی تصنیف سے ہیں جو زبان زد خلائق ہیں جی نہیں چاہتا کہ ان کو چھوڑ کر ہم آگے بڑھیں اس لیے دو ایک دوہرے ناظرین کو سنائے دیتے ہیں

گھونگھٹ کھول بدن جیہیں لکھ دیکھن دی سوہے　　ناز نعرہ ماروں جو سب جگ دیکھے توہے

دراصل یہ دوہرہ قلندر صاحب کے اپنے فارسی شعر ؎

پردہ بردار کہ ما روئے چوں مہرت نگریم　　ورنہ از آہ جگر پردہ عالم بدریم

کا ہندی ترجمہ ہے

پنڈت پکھا باچ کر پوتھی پانی پور　　سگرے اچھر سبٹ کر من میں سائیں اوڑ
پوتھی بہی تھوتھی پنڈت بھیا نہ کوئے　　اکو اچھر پریم کا بڑھے سو پنڈت ہوئے

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ بھی ہندی میں خاص مہارت رکھتے تھے آپ نے فارسی اور بہاری کی آمیزش سے بکثرت اشعار لکھے ہیں آپ کے دوہرے، لطیفے بجھارتیں، پہیلیاں اور دوسخنے مشہور ہیں

بیعت اور ارادت

آپ کی بیعت اور ارادت کا حال کتابوں میں اس طرح مرقوم ہے کہ ایک روز آپ مسجد قوت الاسلام دہلی میں وعظ فرما رہے تھے کہ ایک فقیر مسجد کے دروازے پر آیا اور بلند آواز سے کہنے لگا کہ شرف الدین جس کام کے لئے پیدا ہوا تھا وہ بھول گیا کب تک اس قیل وقال میں رہے گا یہ کہہ کر وہ فقیر تو چل دیا مگر آپ کے دل میں جذبہ محبت الٰہی کی آگ بھڑک اٹھی اور فقیر کا وہ مختصر کلام آپ کے سمندِ شوق کے لئے تازیانہ کا کام کر گیا اسی وقت شیخ شہاب الدین عاشق خدا کے مرید ہوگئے جو شیخ امام الدین ابدال کے خلیفہ تھے اور وہ خلیفہ حضرت بدرالدین غزنوی کے جن کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی دہلوی سے سندِ خلافت عطا ہوئی تھی مگر یہ نسبت خلافِ قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ شیخ شہاب الدین عاشق خدا خود قلندر صاحب کے مجاہدات وریاضات اور باطنی تصرّفات کے گرویدہ تھے اور حسبِ ارشاد خواجہ قطب الدین صاحب بختیار کاکی اکثر اوقات آپ قلندر صاحب کی محفل میں حاضر ہوتے تھے اور فیضیاب ہو کر جاتے تھے ہم نے مسندِ خلافت کے تحت میں اس کا تفصیلاً تذکرہ کر دیا ہے ایک اور ضعیف روایت یہ ہے کہ قلندر صاحب کو سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی دہلوی سے بیعت حاصل تھی مگر یہ روائت بھی ناقابلِ تسلیم ہے۔

مولانا عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اخبارالاخیار میں اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان بزرگوں میں سے کسی کے ساتھ بھی کہیں ذکر نہیں گویا قلندر صاحب نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی البتہ مخلصانہ طور پر فیض حاصل کیا اور فیض پہنچایا۔

بعض روائیوں میں لکھا ہے کہ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی

دہلوی کے مرید تھے جو حضور خواجہ معین الدین حسن اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اس روایت پر بہت سے راوی متفق ہیں اگر اسے صحیح تسلیم کیا جاوے تو آپ کا شجرۂ طریقت حسبِ ذیل ہے

شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی مرید خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی دہلوی مرید و خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین حسن اجمیری سنجری چشتیؒ مرید خواجہ عثمان ہارونی مرید حضرت شاہ شریف زندنی الملقب بہ کریم الدین منعم مرید خواجہ مودود چشتی مرید حضرت شاہ ابو یوسف چشتی مرید حضرت شاہ ابو محمد چشتی مرید حضرت شیخ احمد ابدال چشتی مرید حضرت شیخ ابو اسحاق شامی چشتی مرید حضرت ممشاد علو دینوری مرید حضرت خواجہ امین الدین ابو ہبیرۃ البصری مرید حضرت شیخ سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ مرید حضرت شیخ ابراہیم بن ادہم بلخیؒ مرید حضرت شاہ فضیل بن عیاضؒ مرید حضرت خواجہ عبد الواحد بن زیدؒ مرید حضرت شیخ حسن بصریؒ مرید ہادیٔ دو عالم حضرت مولانا امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی مرتضیٰؑ مرید جانشین اور خلیفہ حضرت رسول الکل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور بابا شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد حضرت خواجہ قطب صاحب کے حالات و ملفوظات رقم فرمائے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قلندر صاحب خواجہ قطب صاحب کی مجلس کے حاضر باش تھے جس مقام پر حضور بابا صاحب نے حاضرینِ مجلس کے اسمائے گرامی تحریر فرمائے ہیں وہاں قلندر صاحب کو اس طرح لکھتے ہیں "کہ دوران وقت برادر شیخ شرف الدین وغیرہ حاضر بودند"

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب قلندر صاحب کو براہِ راست حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روحانی بیعت حاصل تھی تو آپ کو اس اویسیہ فیض کے علاوہ کسی سے ارادت رکھنے کی کیا ضرورت تھی اس لئے آپ ان کے سوا کسی کے مرید نہ تھے لیکن یہ خیال قلندر صاحب کی ظاہری بیعت کے قطعی منافی نہیں ہو سکتا کیونکہ اویسی اور روحانی فیض ظاہری بیعت کے بعد بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر طالبِ حق کے لئے دست بدست بیعت کا حاصل کرنا بھی عادت اللہ اور سنتِ نبوی کے

موافق ضروری ہے اس لئے غالب قیاس یہی ہے کہ آپ ضرور خواجہ قطب صاحب سے نسبت رکھتے تھے صاحب اقتباس الانوار خانوادہ صوفیا کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ "حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر از روحانیت حضرت خواجہ قطب الاسلام رح تربیت یافت"

ہم کو اس میں کلام نہیں کہ قلندر صاحب روحانی فیض سے نہیں مستفیض ہوئے بلکہ ضرور ہوئے اور تمام راوی اس پر متفق ہیں کہ آپ کو براہِ راست حضرت امیر المومنین سے روحانی فیض حاصل ہوا خود حضرت خواجہ قطب صاحب کا بیان ہے۔ کہ جب قلندر صاحب نے آپ سے مرید ہونے کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارا معاملہ حضرت علی کرم کے ساتھ ہے لیکن میں تمہیں اپنا مرید کر کے اُن کے سپرد کرتا ہوں چنانچہ آپ نے اپنے ہاتھ پر بیعت کر کے حضرت علی کے سپرد کر دیا۔ خود قلندر صاحب نے حضرت علی علیہ السلام سے استفادہ حاصل کرنے کا اعتراف اپنے رسالہ سلوک میں اس طرح فرمایا ہے:-

"اے برادر بدانکہ مرا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ علمِ حقیقت وعلمِ معرفت وعلمِ قیل وقال بیاموزانید از روحانیت یافتم اے برادر حاضر و آگاہ باشید کہ حق سبحانہ تعالیٰ از ازلاً ابداً بذاتِ خود موجود است مرا بہ صحبتِ حضرت

سلہ نوٹ صفحہ ۲۲ بیعت یا القبور کے جواب میں، حضرت خواجہ سید محمد بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلوی رحمۃ اللہ ۔۔۔۔ اپنے ملفوظات میں بیعتِ مسنونہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ مسنون طریقہ کے موافق شیخ کے ہاتھ پر بیعت چاہیئے مزارات کی بیعت میں یہ بات قائم نہیں رہتی اس لئے مشائخ عظام ایسی بیعت کو پسند نہیں فرماتے اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت شیخ الشیوخ العالم فرید الحق والدین رح کے بڑے صاحبزادے نے خود حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کے مزارِ مبارک پر دہلی آکر بیعت کی اور حضرت شیخ صاحب (بابا صاحب) کو اس کا حال معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اگرچہ قطب الاسلام میرے خواجہ ہیں مگر یہ بیعت درست نہیں کیونکہ بیعت وہ ہے جو ظاہر شیخ حی و قائم کے ہاتھ پر کیجائے (جس سے مراد یہ ہے کہ پیر عالم اسباب میں زندہ موجود ہونا چاہئے) (عطاء مظہر)

اسی سلسلہ میں حضرت بندہ نواز نے فرمایا کہ جو لوگ حضرت خضر علیہ السلام سے اپنی بیعت منسوب کرتے ہیں وہ بھی بے معنی ہے کیونکہ اس میں شیخ حی و قائم ظاہر کی صورت پیدا نہیں ہوتی (بقیہ صفحہ ۲۵ پر دیکھو)

امیر المومنین حضوری و آگاہی حاصل شد و پردہ حجاب از حقیقت ربانی مرتفع گشت و من باواسطہ حصول وے بر جمیع دقائق از ذاتِ حضرت شاہِ مردان مطلع مے گشتم و خود را در ملازمات حضرت محبوب صرف کردم و بذکرِ حضرتِ مولا مشتغل باشم و ملولِ خاطرش نہ کردم و ایں دولت یافتم"

صاحب شرف المناقب بھی اس اویسیہ فیض کی تائید میں فرماتے ہیں کہ آپ نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی روحِ مقدس سے تعلیم پائی ہے مگر سہلوتی اور پچھلوں کے علوم سے حصہ لیا اور فیض اٹھایا۔

القاب

۱۔ بو علی سلطان غیاث الدین محمد بلبن دہلوی کے ہاں اولادِ نرینہ نہ ہوتی تھی ہمیشہ لڑکی ہی پیدا ہوتی تھی جو بادشاہ کے غیظ و غضب کی نذر ہو جاتی۔

سوءِ اتفاق سے ایک حرم کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی اس نے بخوف اس کے کہ اگر جہاں پناہ کو خبر ہو گئی تو لڑکی مار ڈالی جائے گی اسے ایک بڑے مٹکے میں بند کر کے فی امان اللہ جنگل میں رکھوا دیا اتفاقاً ایک دھوبی نے جو لپکے چن رہا تھا مٹکے میں اس درِ شہوار

بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۲۴:۔ پس ان حقائق و ارشاد کی موجودگی میں یہ کسی طرح قرینِ قیاس نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی علیہ السلام سے روحانی اور معنوی فیوضات حاصل کرنے کے بعد یا اس سے پہلے حضور قبلہ عالم پناہ مخدوم شیخ شرف الدین بو علی قلندر نے مسنون طریقہ کے موافق کسی شیخ ظاہری زنا لحم کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہو کیونکہ حضرت قلندر صاحب حقائق و معارف کے دریائے بیکراں تھے پھر وہ بھلا اس سنتِ مروجہ کی خلاف ورزی کیونکر کر سکتے تھے پس ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے بیعت ضرور کی اور واقعات حضرت قطب الاسلام کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ و سلہ اس سے یہ حضرات مراد ہیں۔ شیخ شہاب الدین عاشق خدا اور سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

عطاء مظہر

کو دیکھا اور اٹھا کر گھر لے گیا اپنی بیوی کو کہنے لگا مسبب الاسباب نے نیک سبب پیدا کیا کہ ہمیں اولاد دے دی دھوبن نے اس لڑکی کو سگی ماں کی طرح پالا حتی کہ گیارہ برس کی عمر میں وہ لڑکی حسن وجمال میں شہرۂ آفاق ہوگئی چند سال کے بعد اتفاقاً سلطان غیاث الدین بلبن اسی جنگل میں شکار کھیلنے کے لئے آیا دھوبی کے ساتھ اس پری جمال لڑکی کو کپڑے چھٹتے دیکھا اور دل ہاتھ سے دے بیٹھا اور بے قراری کے عالم میں دھوبی کو بلا کر پوچھا کہ یہ لڑکی کس کی ہے دھوبی نے عرض کی کہ مجھ غلام کی لڑکی ہے سلطان نے لڑکی کے ساتھ شادی کی خواہش ظاہر کی دھوبی نے پہلے تو انکار کیا۔ آخر بادشاہ کی بیقراری دیکھ کر رضامند ہو گیا۔ اور نکاح کر دیا۔ بادشاہ لڑکی کو حرم سرا میں لے گیا سوائے عالم الغیوب کے اس بھید کو کوئی نہ جانتا تھا کہ حقیقت میں وہی لڑکی ہے جو مٹکہ میں بند کر کے جنگل میں رکھ دی گئی تھی الغرض جب بادشاہ نے اس لڑکی کے ساتھ مجامعت کی خواہش کی تو قدرت الٰہی سے اس پاک دامن کو خون جاری ہو گیا اور ایسے موقعوں پر ہمیشہ ہی ایسا ہوا کرتا...... سلطان کو سخت پریشانی ہوئی اور آخر یہ سربستہ راز ظاہر کر دیا حکیموں اور نجومیوں کو بلا کر اس واقعہ کا سبب پوچھا حکما نے ہر چند علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا نجومیوں نے زائچے کھینچے مگر اصل حقیقت کو معلوم نہ کر سکے آخر سب نے اپنے عجز کا اعتراف کیا جب سلطان کو بالکل مایوسی ہوگئی تو حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عقدہ کشائی کی التماس کرنے لگا قلندر صاحب نے فرمایا کہ غیاث الدین پرسوں جواب ملے گا۔ بادشاہ خوشی خوشی رخصت ہوا اسی دوران میں ایک رات قلندر صاحب روحانی طور پر براہ راست[1] دربار مصطفوی میں سلطان کی مشکل کشائی کے لئے حاضر ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ حضور پر نور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز

---

[1] بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ قلندر صاحب کو خواجہ قطب الدین کے ذریعہ اس سربستہ راز سے آگاہی ہوئی جب کہ آپ مسجد قوۃ الاسلام میں درس وتدریس میں مشغول تھے اور واقعہ کا انکشاف کے بعد قلندر صاحب نے آپ سے مرید ہونے کی خواہش ظاہر کی جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ تمہارا معاملہ حضرت علی کے ساتھ ہے آؤ میں تمہیں اپنا مرید کر کے ان کے سپرد کرتا ہوں چنانچہ انہوں نے اپنے ہاتھ پر بیعت لیکر حضرت علی کے سپرد کر دیا اور مرتضیٰ نے آپکو آغوش میں لیکر فرمایا کہ تو بو علی ہے اس روز سے آپ بو علی مشہور ہوئے۔ ۱۲۔

ہیں اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام آپ کی دائیں طرف تخت سے کہیں نیچے بیٹھے ہوئے ہیں قلندر
صاحب نے سلطان کی مشکل جناب مقدس میں عرض کی حضور نے امیر المومنین کی طرف متوجہ ہو
کر فرمایا۔ اے علی شرف الدین کی طرف دیکھ کہ اس کی کامیابی کا یہی وقت ہے۔ رہنمائی کر اور
غیبی اسرار اس پر منکشف کر دے امیر المومنین نے حکم کی تعمیل کی اور قلندر صاحب کو ان
غیبی رموز و اسرار سے مطلع کر کے رشد و ہدایت سے سرافراز فرمایا اور اپنا لعاب دہن[1] قلندر صاحب
کی زبان پر مل دیا اور بوعلی کی کنیت سے مشرف فرما کر رخصت کیا اس روز سے آپ بوعلی[2] مشہور
ہوئے چنانچہ قلندر صاحب نے اپنے دیوان کی ایک غزل کے مقطع میں اس واقعہ کی صحت
کا یوں اقرار کیا ہے:-

بوعلی لاابکیم و مولا علی   بوعلی باشد علی مولائے ما

سلطان بلبن جو بہت بے قرار تھا انبسرے دن علی الصبح اٹھ کر آپ کی خدمت
میں حاضر ہوا اور سوال کا جواب طلب کیا قلندر صاحب نے فرمایا وہ دلہن تیری بیٹی ہے
تو اس واقعہ کی تصدیق اپنے فلاں حرم سے کر بادشاہ اپنے حرم سرا میں آیا اور تحقیق کے بعد قلندر

---

[1] مشہور ہے کہ وہ شخص خوش نصیب ہوتا ہے جسکو حضرت خضر علیہ السلام سے شرف ملاقات و نیاز حاصل ہو کیونکہ اس پر علوم
کے دروازے منکشف ہو جاتے ہیں مثلاً خواجہ حافظ شیرازی کو یہ شرف حاصل ہوا تھا روحانی دنیا میں حضرت علی علیہ السلام کا مرتبہ نہایت
ہی بلند ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے آپ کے حق میں فرمایا ہے انا مدینۃ العلم و علی بابہا اسکے علاوہ آپکے روحانی درجات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سوائے ایک
کے جتنے سلاسل ہیں سوائے نقشبندیہ سلسلہ کے سب کے سب آپ سے مربوط ہیں پس جس شخص کو آپ سے شرف نیاز حاصل ہوا اور حضور علیہ
الصلوات اسکی سفارش بھی کریں کہ اسکی رہنمائی کر تو ایسے شخص کا علوم فقہ اور علوم ادب میں شہرۂ آفاق ہونا بعید از قیاس نہیں ہو سکتا
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قلندر صاحب کو جو علم میں جو دستگاہ حاصل تھی وہ اسی شاہ مشکل کشا کے طفیل تھی خود قلندر صاحب کا ارشاد ہے
کہ علوم معرفت و حقیقت قول و قال کی نعمت حضرت امیر المومنین سے حاصل ہوئی:-

درس شرف نبود از اوائی ابجدی   لوح جمال دوست ادراد رہا بہ سینہ

[2] ایسی بیعت کو بیعت اویسیہ کہتے ہیں جس کا سلسلہ حضرت اویس قرنی جو سیدنا التابعین سے شروع ہوتا ہے کہ آپ کو
حضور رسول مقبول سے براہ راست فیض روحانی حاصل تھا۔ ۱۱

صاحب کا ارشاد صحیح نکلا سلطان نے درگاہِ الٰہی میں توبہ و استغفار کی اور کمال ندامت کے ساتھ عفوِ تقصیرات کے لئے گڑگڑایا اور قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر فرزند کے لئے دعا چاہی حضرت نے بادشاہ کے حق میں دُعا کر کے چار لڑکوں کی بشارت دی اور فرمایا کہ لے سلطان بڑا لڑکا اس فقیر کی خدمت میں پہنچا دینا بادشاہ نے قبول کیا اور رخصت ہوا حسب وعدہ بادشاہ نے اپنے بڑے صاحبزادے شہزادہ مبارک خاں کو قلندر صاحب کی خدمت میں نذر کر دیا یہی مبارک خاں[سلہ] قلندر صاحب کے محبوب ترین مرید تھے اور عصائے پیری

۲۔ عاشقِ الٰہی پیچھے لکھا جا چکا ہے کہ عاشقِ الٰہی کا لقب آپ کو ایامِ طفلی میں حضرت شاہ جمال قلندر رچرم پوش رحمۃ اللہ علیہ نے عطا فرمایا تھا اُس وقت سے آپ عاشقِ الٰہی مشہور ہو گئے۔

۳۔ قتال چونکہ آپ کی عمر شریف کا آخری حصّہ جذب و استغراق اور محویت کا تھا اور آپ کی جلالیت اُس وقت مُسلّم تھی ایک دن بھگوٹی کے جنگل میں آپ یادِ الٰہی میں مصروف تھے کہ دفعتاً ایک برات شور و شغب کرتی ہوئی گذری طبل و ساز کی آواز ذکرِ خدا میں خارج ہوئی قوتِ جلالی نے جوش مارا اور آناً فاناً سب براتی غائب ہو گئے ادھر دلہن کے گھر میں برات کی آمد آمد کا انتظار ہو رہا تھا جب بہت دیر ہو گئی تو گھر والے بہت پریشان ہوئے اور ایک آدمی کو دریافتِ حال کے لئے دولہا کے گھر بھیجا خبر ملی کہ برات چلی گئی ہوئی ہے یہ سن کر اور بھی تعجب ہوا تین دن اسی جُستجو میں گذر گئے آخر ایک فقیر کے پاس گئے اور استمداد چاہی انہوں نے فرمایا کہ بھاگوٹی کے جنگل میں ایک خدا رسیدہ فقیر بوعلی قلندر نام محوِ عبادت ہے اُس کے پاس جاؤ چنانچہ سب لوگ قلندر صاحب کی خدمت میں دست بستہ حاضر ہوئے اُس وقت آپ دریا کے پانی سے کھیل رہے تھے چشم غضب کو دیکھ کر بولے کیا ہے؟ لوگوں نے برات کے غائب ہونے کا واقعہ سنایا اور مدد چاہی آپ نے کہا کہ تین من کی نیاز خدا کے نام پر قبول کرو ان شاء اللہ وہ مشکل آسان کر دے گا لوگوں نے قبول

سلہ آپ کا دوسرا نام مبارز خان ہے اور آپ دولہا میاں کے لقب سے بھی مشہور ہیں ۱۲

کی دلہن براتِ ظاہر ہوگئی اور تمام لوگ موعودہ نیاز دے کر ہنسی خوشی برات کے ہمراہ رخصت ہوگئے اکثر معتبر بزرگوں کا بیان ہے کہ اس برات کے واقعہ سے آپ کا نام شرف الدین قتال مشہور ہوگیا واللہ اعلم بالصواب ۔

۴۔ سخی ہند

یہ لقب مشہور ہے جو حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات ہمہ دوراں صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے عطا ہوا تھا جیسا کہ حضرت خواجہ غریب نواز کو سلطان الہند کا خطاب بارگاہِ رسالت پناہی سے عطا ہوا حضور خواجہ غریب نواز نائبِ رسول اللہ فی الہند ہیں اور قلندر صاحب نائبِ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فی الہند ہیں سہ

خدا نے ہند کی شاہی معین الدین کو بخشی　　قلندر کو کیا بخشی ولیکن کل کے دفتر کا

سید العارفین میر بیا اللہ دکنی قدس سرہٗ آپ کو امام البدلا اور بخشئ اولیا کے القاب سے یاد فرمایا کرتے تھے

۵۔ قلندریہ نعمت

آپ کو قلندریہ نعمت سید نجم الدین غوث الدہر قلندر غزنوی سے عطا ہوئی جو سید نظام الدین غزنوی کے صاحبزادے اور سید خضر رومی قلندر کے خلیفہ تھے جن کی پیدائش ۶۳۷ھ ہجری اور وفات ۲۰ ذی الحجہ ۸۳۷ھ بعمر ۲۰۰ سال ہوئی سید نجم الدین غوث الدہر قلندر نے ظاہری تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت خواجہ محبوب الٰہی کی خدمت اختیار کی حضرت محبوب الٰہی نے ارشاد فرمایا کہ تم ترکستان چلے جاؤ وہاں سید خضر رومی تم کو ملیں گے تمہاری باطنی نعمت ان کے پاس ہے چنانچہ آپ جب روم پہنچے تو ایک دن قلندروں کی جماعت کو سرِ بازار گذرتی ہوئے دیکھا حضرت خواجہ محبوب الٰہی کا بتلایا ہوا حلیہ یاد آگیا یقین کرلیا کہ اس جماعت کے سردار وہی خضر رومی قلندر ہیں قریب جاکر قدم بوس ہوئے سید خضر رومی نے کشفِ باطنی سے معلوم کرکے خود بخود حضرت محبوب الٰہی کی خیریت دریافت فرمائی اور روحانی فیوضات سے سرافراز فرماکر اجازت خلافت بخشی اس کے بعد آپ عرصہ تک سفر کرتے رہے انگلستان اور چین میں بھی گئے پچاس سال تک مکہ شریف میں مقیم رہے روزہ رکھتے اور بیر کے پتوں سے افطار فرماتے آپ نے کم و بیش چالیس سال تک حضرت خدیجہؓ کے مکان میں حاجیوں کو پانی پلایا ہے

آپ نے بیالیس حج کیئے اور کئی حج اکبر بھی نصیب ہوئے مجاہدا ایسے تھے کہ تین سال تک آپ ایک پتھر پر بیٹھے رہے آپ کے سینۂ مبارک سے ہو کی آواز آتی تھی آپ نے دو سو سال کی عمر پا کر چہار شنبہ کے دن ۲۰ ذی الحجہ ۸۳۷ھ میں پہلو پر ہاتھ مار کر حق حق کہتے ہوئے وصال فرمایا صوبۂ مالوہ کے قصبہ "الچہ نونہرہ گھاٹی اور سلطان محمد غوری کے محل کے قریب آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ فلندر صاحب کو قلندریہ نعمت انہیں سے عطا ہوئی

قلندریہ مشرب

ہزار سرہائے باریک تر ز مو اینجا ست ۔۔۔ نہ ہر کہ مو بتراشد قلندری داند

قبل اس کہ ہم قلندریہ سلسلہ کے صوفیوں کا مشرب، ان کی طاعت و عبادت جذب و اتباع اور طریق سلوک بیان کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ قلندر کی لغوی و اصطلاحی تحقیق کر دی جائے اور اس سلسلے کے صوفیوں کے اقوال و اشعار سے استشہاد کر کے دکھا دیا جائے کہ ہر قلندر مشرب صوفی نے اس مبارک و مسعود سلسلہ کے متعلق کیا کچھ کہا ہے اس کی ابتدا کہاں سے ہوئی اور ہندوستان میں بتدریج کن کن ذرائع سے اس کی ترویج و اشاعت ہوتی رہی گو اس صنف میں قلم اٹھانا ہمارے لئے محالات اور ناممکنات سے ہے مگر جس قدر معلومات ہمیں دستیاب ہو سکی ہیں اور جو کچھ ہماری ذہنی یادداشت میں محفوظ ہے ان کو اس مضمون کے تحت میں لکھ کر ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

ابتداء جاننا چاہیئے کہ یہ خانوادہ حضرت شیخ عبد العزیز مکی عبد اللہ علمبردار رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے جو شخص اس خاندان سے نسبت و ارادت رکھتا ہو اسے قلندریہ کہتے ہیں حضرت موصوف جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب صُفّہ میں سے تھے اور سب سے پہلے حضور علیہ الصلوات والتسلیم ہی نے آپ کو

خطاب قلندری سے ممتاز فرمایا ؎

چونکہ او از مصطفےٰ ایں نام یافت　　　　در جہانِ معرفت آرام یافت

حضرت عبد العزیز مکی قلندر بہت معمر شخص تھے اور مست و مجذوب فقیر تھے تذکروں میں ان کے جذبہ و استغراق کے متعلق لکھا ہے کہ ایک بار آپ حضور علیہ الصلوات والتسلیم کی معیت میں سفر کر رہے تھے کہ رستے میں استغراق ہو گیا کیفیات باطنی نے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا چنانچہ اسی وجد و محویت کے عالم میں کم و بیش تیس[۳۰] سال تک ایک ہی مکان میں بیہوش پڑے رہے اور استغراق میں کچھ افاقہ نہ ہوا چنانچہ جب امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب نے غزوۂ صفین یا جمل کے وقت لشکر کشی کی تو آپ طبل و نقارہ اور فوجی گھوڑوں کے پاؤں کی آہٹ پا کر بیدار ہوئے اور پوچھا محمد مصطفیٰ کہاں ہیں اور آپ کا لشکر کس طرف ہے حاضرین میں سے کسی نے جواب دیا وہ تو انتقال فرما گئے اور ان کے بعد تین خلفاء کا زمانہ بھی گذر گیا ہے اب رابع الخلفاء حضرت علی المرتضیٰ کا زمانہ خلافت ہے اس اثناء میں جب لشکر شاہی قریب آیا تو لوگوں نے حیرت و استعجاب کے لہجہ میں امیر المومنین سے دریافت فرمایا کہ یہ کون شخص ہے آپ نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمبردار اور اصحاب صُفّہ شیخ عبد العزیز قلندر مکی مجذوب فقیر ہیں اسی اثناء میں شیخ عبد العزیز حجرہ سے باہر آ گئے اور خلیفۂ وقت کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ بیعت حاصل کیا اور اسلامی لشکر کے دست و بازو بن گئے مولانا عبد القادر جونپوری نے اپنے منظوم رسالہ میں اس کی صراحت کی ہے :-

خواجہ عبد العزیز عبد اللہ　　　　آں علم دار مصطفےٰ زسپاہ

با نبی بود در سفر بوفاق　　　　در مکانے گرفتش استغراق

تا زمانے کہ حیدر صفدر　　　　سوئے صفین راند با لشکر

شغبِ لشکرش بگوشش رسید　　　　بہ افاقت درآمد و بدید

گفت کو مصطفےٰ و لشکرِ او　　　　من فدا و غلام و چاکرِ او

قوم گفتند رفت از دنیا　　　　وز پسِ او سہ مرد از خلفاء

ایں وصی و بہ بیت شیرِ خدا　　　　ایں علی مرتضیٰ اکرم امیرِ ہدا

تا بدولت بآنجناب رسید   ببنیش کرد و خدمتش بگزید

رسالہ غوثیہ میں مذکور ہے کہ شیخ عبد العزیز قلندر مکی ۱۲ ذی الحج کے دن مقام پاک پٹن ضلع ملتان پنجاب میں شہر سے باہر ایک سرداب میں روپوش ہو گئے وہاں ہر سال ۱۲ ر ذی الحج کو عرس ہوتا ہے شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکر کا روضہ شہر پاک پٹن کے اندر ہے

حضرت عبد العزیز مکی قلندر کو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت و تلقین اور فیضانِ روحانی کا شرف حاصل ہوا اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ سے بھی حاصل ہوا اس لئے قلندریہ خانوادے کے دو شعبے ہو گئے (۱) قلندریہ مکیہ (۲) قلندریہ علویہ حضرت عبد العزیز مکی کے مشہور خلیفہ سید خضر رومی قلندر ہیں آپ بھی عمر دراز رکھتے تھے اور صاحبِ حال فقیر تھے آپ کا وصال ۵۹۹ھ میں ہوا آپ کے معتمد خلیفہ سید نجم الدین غوث الدہر قلندر غزنوی تھے ہندوستان میں اسی برگزیدہ ہستی کے ذریعے خانوادہ قلندریہ کی ترویج و اشاعت ہوئی چنانچہ حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر کو قلندریہ نعمت آپ سے ملی

لفظِ قلندر کی لغوی و اصطلاحی تحقیق۔

اب ہم لفظ قلندر کی لغوی و اصطلاحی تحقیق لکھتے ہیں جس سے مرتبۂ قلندریت کی حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ سلسلہ تصوف کے دوسرے سلاسل سے کس قدر مشابہ ہے اور کن کن وجوہات کی بنا پر عوام اسے ایک الگ فرقہ تصور کرتے ہیں حالانکہ ہر ایک فرقہ کا منتہائے خیال اور غرض و غایت صرف توحیدِ ربانی ہے وحدت پرستی ہے صرف ہر خاندان میں خدا رسی کے آئین و اطوار اشغال و اذکار اور مراقبہ و مجاہدہ کے طریقے مخصوص ہیں ورنہ مقصد سب کا ایک ہی ہوتا ہے۔

قلندر اصل میں کاف عربی کے ساتھ کلندر ہے بمعنی کندہ و ناتراشیدہ یہ لوگ عموماً ناتراشیدہ اور خستہ حالت میں رہنا پسند کرتے ہیں تاکہ عوام اُن کی ظاہری حالت سے متنفر ہو کر اُن کے اذکار و اشغال اور عبادت میں حارج نہ ہوں جواہر الحروف میں لکھا ہے کہ قلندر در اصل قلندر ہے صاحب جواہر غیبی فرماتے ہیں کہ قلندر وہ ہے جو صرف ضروری عبادت (فرائض) کرے باقی وقت ذکر و شغل میں گذارے بخلاف اس کے ملامتیہ فرقہ کے صوفی فرائض کے ساتھ نوافل و سُنن کے بھی پابند ہوتے ہیں مگر چونکہ اپنے حال کو لوگوں کی نظروں سے مخفی

رکھنا چاہتے ہیں اس لئے کوئی ایسی شکل و صورت اختیار کرتے ہیں جس سے کوئی شخص اُن کے رجوع الی اللہ میں حارج نہ ہو صاحب برہان کی رائے ہے کہ "قلندر پرورزن ہمسند رعبادت از ذاتے است کہ از نقوش و اشکال عادتے و آمال بے سعادتے مجرد و با صفا گشتہ باشد و بہ مرتبۂ روح ترقی کردہ از تکلفات رسمی و تعریفات اسمی خلاص یافتہ و دامن وجود خود را از ہمہ در چیدہ و از ہمہ دست بدل و جان بریدہ و طالب جمال و عاشق ذوالجلال حق گشتہ و بدانحضرت رسیدہ اگر ذرہ بہ کونین و اہل آں میلے داشتہ باشد از اہل غرور است نہ قلندر"۔

رسالہ غوثیہ میں مذکور ہے "القلندر بلسان السریانۃ اسم من اسماء اللہ تعالیٰ" یعنی قلندر سریانی زبان میں اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندی قدس سرہٗ کا قول ہے کہ "قلندری تجرید بحقیقت خود است از موانع و دور کردن آنچہ از جانب او است و باقی داشتن آنچہ از جانب حق است سبحانہ تعالیٰ و گم کردن خود را بہ حیثیتے کہ ہر چند خود را بجوید نیابد" مراد یہ کہ جذبات حق میں اس قدر محو در محو ہو جائے کہ اپنی وہمی ہستی خودی و خود داری کی اصلا خبر نہ رہے اور یہی عین قلندری ہے قلندر صاحب کو یہ نعمت بدرجۂ کمال حاصل تھی چنانچہ غزل ۲۷ تمام تر اسی وجد و محویت کا نمونہ ہے مثلاً یہ شعر۔

منم محو جمال او نمی دانم کجا رفتم شدم غرق وصال او نمی دانم کجا رفتم

سید اشرف جہانگیر سمنانی رح "قلندر" کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ کہ "قلندریہ سلسلہ کے سالکین علائق و عوائق روزگار سے علیحدہ ہوتے ہیں۔ اور تجرید ظاہری و باطنی حاصل کرکے دقائق شریعت کا کوئی دقیقہ اور حقائق طریقت کا کوئی نکتہ فروگذاشت نہیں ہونے دیتے۔ اور معرفت اسمائے الٰہیہ کا جامع و مکمل نمونہ ہوتے ہیں بحر شہود کے غواص ہوتے ہیں۔ اور ہمیشہ دریائے وحدت میں غرق رہتے ہیں۔ شاہ نعمت اللہ رسالہ "قلندریہ" میں اسی مضمون کی تائید فرماتے ہیں۔ کہ "ذکر قلندر حق است کہ از ہمہ عالم مستغنی است و دین قلندر دانا کہ او ست بہ ہمہ توانا و دنیائے قلندر نفر ید کہ بشارت مید ہد توحید و علم قلندر محو و عمل قلندر محو در راہ قلندر عشق است غرضیکہ اس سلسلہ کے سالکین ہر وقت دریائے یقین میں غرق رہتے ہیں۔ جو کچھ سنتے یا دیکھتے ہیں اسی

سنتے اور دیکھتے ہیں ع:-

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

ان سب اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر قلندر مشرب صوفی اس پر متفق ہے کہ صوفی چوں منتہی شود و بمقصد رسد قلندر گردد"۔ کوئی تخصیص نہیں کسی سلسلہ کا صوفی ہو جب وہ روحانی مدارج کی انتہا پر پہنچ جاتا ہے تو وہ قلندر ہی ہے مثلاً شمس الدین تبریزیؒ جلال الدین رومیؒ فخر الدین عراقیؒ۔ خواجہ حافظ شیرازیؒ مسعود بک چشتیؒ۔ مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابرؒ سید شمس الدین ترک پانی پتیؒ۔ سید محمد گیسو دراز گلبرگوی خلیفہ شیخ نصیر الدین روشن چراغ دہلوی۔ یہ سب حضرات قلندریت کے مرتبہ پر فائز تھے:-

قلندر پرتو نور الٰہی است	قلندر مطلع انوار شاہی است
قلندر را نباشد کفر و ایمان	قلندر را نباشد علم و ایقان
قلندر را نباشد آبروئے	قلندر را نباشد تار موئے
قلندر را نباشد ابتدائے	قلندر را نباشد انتہائے
قلندر از ہمہ مذہب بروں است	قلندر را نداند کس کہ چون است
قلندر را نباشد ہیچ دینے	قلندر را نباشد حرص دکینے
قلندر خرقۂ از عشق دوزد	قلندر خرقۂ کونین سوزد
قلندر را علم از عشق باشد	قلندر را قدم از صدق باشد

مشرب یعنی دین و آئین

اس سلسلہ کا دین و آئین اور طریق سلوک نہایت آزادانہ اور بے باکانہ ہوتا ہے در حقیقت یہ لوگ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محترم ارشاد کے مطابق "اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ" یعنی اے اللہ ہم کو اشیاء کی حقیقتیں جیسی کہ ہیں دکھا دے "ہر چیز کی حقیقت معلوم کرنے کے طالب ہوتے ہیں الفاظ کو چھوڑ کر معانی کی طرف رجوع کرتے ہیں ظاہری آئین و اطوار اور رسمی علوم سے قطع نظر کر کے بجائے باطنی اور طیبۃ القلب کے دلدادہ ہوتے ہیں اور علم التحقیق کا جامع و مکمل نمونہ ہونے کی وجہ سے عبادات باطنی کے ساتھ شریعت ظاہری کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے الدنیۃ طر الکفس

کی پابندی کے علاوہ نوافل و مستحبات ادا نہیں کرتے گو اس سلسلہ کے اکثر سالکین ہر وقت
آغوشِ حق کی روح پرور لوریوں میں محو در محو رہتے ہیں اور ان کا مقام استغراق سے بھی بالاتر ہوتا ہے
لیکن اپنی جامعیت کی وجہ سے ظاہری طور پر بھی شریعت کو نہیں چھوڑتے ان میں سے بعض حضرات
ایسے بھی ہوتے ہیں جو حدیث پاک "اِسْتَعِیْنُوْا عَلٰی الْحَوَائِجِ بِالْکِتْمَانِ" یعنی اپنی ضرورتوں پر پوشیدگی
سے مدد لو" کے تحت میں اپنی ضرورتوں کی وجہ سے اپنے حالات کو مختلف طریقوں سے
پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں اس لئے یہ حضرات ایسے اصول اختیار کرتے ہیں جس سے کوئی
شخص رجوع الی اللہ میں ان کا حارج نہ ہو بلکہ ہر دنیا دار ان کی ظاہری حرکات و سکنات خراب ہونے
کی وجہ سے خود بخود ان سے نفرت کرتا ہے چونکہ ایسے درویش اپنی نادر محویت کی وجہ سے ہر وقت
فانی و باقی ہوتے رہتے ہیں اور یقین کے انتہائی قرب میں پہنچ جاتے ہیں اس لئے ان پر ظاہری
آداب کی پابندی ضروری نہیں رہتی ان کا یہ سلوک اس آیت کے تحت میں ہوتا ہے "وَاعْبُدْ
رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ" یعنی اپنے رب کی یہاں تک عبادت کرو کہ تم کو یقین کا رتبہ حاصل ہو جائے
لطائف قدوسی[1] میں لکھا ہے کہ "فرقۂ قلندریہ را چوں طیبۃ القلب و سرورِ دل و حضورِ حق و مشاہدۂ
دوست پدید آمدہ است و سکرِ حال و مستی باطن ایشاں را مالک شدہ است بنا براں ایشاں
در قلتِ اعمالِ ظاہری از نوافل و آداب و تناولِ لذاتِ مباحات بر حقیقتِ شرع پاک نمی آرند و بر
سرور و حضورِ باطن خود اکتفا کردہ اند الّا فرائض را بے آرند" چنانچہ شاہ علیؒ قلندر کی نسبت مشہور
ہے کہ آپ اکثر جذب و محویت کی حالت میں رہتے تھے لیکن آپ کے دل پر ظاہری شریعت کی
پابندی اس قدر قوی ہو چکی تھی کہ آپ ہوش آتے ہی قضا نمازیں ضرور پڑھ لیا کرتے تھے لطائف
قدوسی میں یہ بھی مرقوم ہے کہ "ما قلندریہ را دیدہ ایم کہ در ترکِ فرائض ہم باک نہ دارند چنانچہ شاہ
شرف الدین بوعلی قلندر[2] پانی پتی و خواجہ محمدؒ قلندر را مثالہا و ما خود دیدہ ایم کہ شیخ حسین قلندر سرہری

---

[1] یہ کتاب حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کردہ ہے اور مطبوعہ ہے ۱۲۔

[2] قلندر صاحب کی نسبت یہ خیال غالباً حالتِ سکر کا ہے جس میں یہ لوگ مجبور سمجھے جاتے ہیں ورنہ آپ فرائض و سنن کے
سختی سے پابند تھے اور شریعتِ ظاہری کی بزرگی آپ کے دل پر نہایت قوی تھی ۱۲

بوری مطلقاً ترکِ فرائض داشت باوجود آں کہ او از علمائے فحول بود"

شیخ عبدالقدوس گنگوہی فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ محمد فخرالدین جونپوری سے دریافت کیا کہ شیخ حسین نماز نہیں پڑھتا۔ آپ نے فرمایا بھائی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ شیخ حسین نماز نہیں پڑھتا اس میں راز یہ ہے کہ حق سبحانہ تعالے نے اس سلسلہ کے صوفیوں کو روحی مرتبہ عطا کیا ہے اور اتنی قدرت دی ہے کہ وہ ایک وقت معین پر ایک ہی حال میں اپنے آپ کو کئی مقامات[1] پر دکھا سکتے ہیں ممکن ہے وہ ایک مقام پر تارکِ فرائض نظر آئیں لیکن اسی وقت کسی دوسرے مقام پر ادائے فرائض کر چکے ہوں یا وہ جذب و مستی میں ہوں اور اس محویت اور بیک سوئی میں مجبوراً ان سے ادائے فرائض نہ ہو سکے " لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی" تاہم چونکہ یہ لوگ اپنی جامعیت کے لحاظ سے پابندِ شرع ہوتے ہیں اس لئے ہوش آنے پر قضا نمازیں ضرور پڑھ لیتے ہیں۔ جیسے حضرت شاہ تجاؔ قلندر کا دستور العمل تھا اس لئے ایسے لوگوں پر ترکِ فرائض کا جرم عائد نہیں ہو سکتا۔

فرقۂ قلندریہ اور ملامتیہ میں صرف اتنا فرق ہے کہ ملامتی فرائض کے علاوہ نوافل سنن اور مستحبات کے پابند ہوتے ہیں لیکن قلندریہ حدِ فرائض سے آگے نہیں بڑھتے

چار ابرو کا صفایا

اس عنوان کے تحت میں ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قلندریہ سلسلہ کے صوفیوں میں چار ابرو کا صفایا جو عموماً کیا جاتا ہے کس بنا پر ہے اور سب سے پہلے اس سنت کا بانی کون شخص ہوا درحقیقت وجہ یہ ہے کہ حضرت عبدالعزیز مکیؒ قلندر اس قدر عمر رسیدہ ہو گئے تھے کہ بوجہ پیری و ناتوانی آپ کے جسم کے تمام بال خود بخود گر گئے تھے میر سیّد جمال رحمۃ اللہ علیہ کو آپ سے قلندریہ نسبت تھی۔ آپ پیر کی محبت میں اس قدر غرق ہو چکے تھے اور عقیدت و اس قدر بڑھ گئی تھی کہ آپ نے صرف باطنی یک رنگی پر اکتفا نہ کیا اور چاہا کہ جلائے باطنی کے ساتھ اپنی ظاہری شکل شباہت بھی پیر کے ہم رنگ ہونی چاہئے غرضیکہ آپ نے چار ابرو کا صفایا کرایا اور پیر کے ظاہر و باطن سے ہم رنگ

---

[1] اولیاء کے جسم مثالی سے اس کی صحت ہو سکتی ہے

وہم شکل ہو گئے یہ صرف قلندریہ خاندان کے ایک بزرگ کا مُحبّی فعل تھا عوام نے اس کو خاندانی[1] فرائض سمجھ رکھا ہے خواجہ حافظ نے خوب کہا ہے ۔

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اتباع

اسلام نے اتباع کی تعلیم ضروری اور لابدی قرار دی ہے اور یہی ایک واحد چیز بارگاہِ ایزدی میں باریابی کا وسیلہ ہے اس کی کئی قسمیں ہیں جو ایک مسلم کلمہ گو پر سب کی سب فرض ہیں جن کی عدم پابندی پر یہ اشرف المخلوق انسان اُن حقیقی راحتوں سے محروم رہ جاتا ہے جو اس کے بدلے میں ملتی ہیں چنانچہ اتباعِ رسولِ مقبول صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی اولیائے کرام و صوفیائے عظام کی طرز و روش پر قدم بہ قدم چلنا ان اقسام میں داخل ہے بسلسلۂ قلندریہ کے صوفیوں کے اتباع کے متعلق خواجہ محمد پارسا بخاری اپنی کتاب فصل الخطاب میں رقم فرماتے ہیں ۔

"کہ ایں زندہ دلان بر روش حضرت رسولِ مقبول و بر روش اصحابۂ کرام و تابعین عظام و سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اند و حسنِ اقتدار باخبار صدق و افتقار بہ آثار لازمہ روش ایشان است و ہمچنیں صدق نیت بحضرت وہاب جل ذکرہٗ و حسنِ اعتصام علی الدوام بفضلِ الٰہی و فیضِ نامتناہی طریقۂ ایشان است دلہائے ایشان بوجدانِ محبتِ الٰہی از محبتِ دنیا و اغراض و اعراضِ کلی نمودہ و در صورتِ اعتقادِ صحیح حقِ صریح بر ایشان کشودہ و عنایتِ ازلی بیخ مواد و طریقِ نزاع و خلاف از دلہائے ایشان بر کندہ و دلہائے ایشان را محل نظر رحمتِ خود گردانیدہ چنانکہ فرمود لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ و بنا بریں توفیق رفیق ایشان شدہ تا بنظرِ رحمت و شفقت در کافۂ خلائق نظر کردند و از عذاب عداوت و مخالفت خلاص یافتند"۔

---

[1] قلندر صاحب نے چار ابرو کا صفایا بالکل نہیں کرایا۔ کیونکہ آپ اس کی حقیقت سے واقف تھے تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس سنتِ مروجہ سے ہمیشہ اجتناب کرتے رہے ۱۲۔

اتباع کے متعلق خود قلندر صاحب نے اپنے مکتوبات شریف میں یہ وجد انگیز رائے لکھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ سنتِ نبوی کے عاشق تھے اور اصحابہ کرام وسلف صالحین کی طرز و روش پر قدم بقدم چلنا اپنی زندگی کا مقصود سمجھتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں:-

اے برادر تنہ شریعت در دست بگیر زیرا کہ تنہ شریعت کالبد است چوں کالبد را از شریعت پاک کنی ظاہر آراستہ باشی و تن را راست کردہ باشی از شرع چوں شریعت استقامت یابد گلِ طریقت در دل نو شگفتہ بوئے آں معطر گرداند تنہ شریعت را چوں بوئے طریقت را شریعت بداند باز حقیقت ازیں شریعت پیدا آید و روح را از نفس جدا نماید چوں از حقیقتِ نفس ترا ظاہر بنماید مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ در آئینہ دل بنماید"۔

اے شرف دو جہاں اگر خواہی　　ہمہ در بندگیِ حضرت اوست

جذب و محویت

منزلِ عشق میں جذب و محویت مستی اور بیخودی ضروری چیز ہے اس کے بغیر عشق کے دشوار گزار مقامات سے عبور متعذر ہے عارف لوگوں کے کلام میں جام و شراب کی طلب اور اس کے چرچوں سے یہی مستی مراد ہوتی ہے جو مسافر کے لئے خضرِ راہ کا کام دیتی ہے جس کے بغیر سالکِ منزلِ مقصود تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا چنانچہ خواجہ حافظ شیرازی بھی رستے کی مشکلات سے خائف ہو کر اَدِرْ کَاْساً وَّنَاوِلْہَا کہنے پر مجبور ہوئے قلندریہ سلسلہ کے سالکین جذب و محویت میں اس درجہ بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور اُن کی بیخودی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنی نادر محویت کی وجہ سے جذباتِ حق کی لوریوں اور وجدانِ حقیقی کی روح پرور تمناؤں میں ہمیشہ محو و مخمور رہتے ہیں بعض سالکوں کا مقام استغراق سے بھی بالاتر ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عبدالعزیز مکی قلندر کے متعلق مشہور ہے کہ آپ کا ہر استغراق[1] چالیس سال کا ہوتا تھا

---

[1] تذکروں میں لکھا ہے کہ حضرت زکریا ملتانیؒ و فریدالدین گنجشکرؒ کو حضور رسولِ مقبول نے ارشاد فرمایا کہ تم کو لے

تذکروں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت قلندر صاحب کبھی جذب و محویت میں یکتائے روزگار تھے آپ کبھی کئی کئی سال تک غریقِ حیرت رہتے خشکیوں پر ریاضاتِ شاقہ کھینچیں پانیوں میں سالہا سال تک کھڑے رہ کر عبادت کی اور ایک روایت کے مطابق چالیس سال تک آپ نے دالنے پانی کی طرف اصلاً التفات نہیں فرمایا غرضیکہ آپ کبھی اپنے سلسلہ کی اس باطنی نعمت سے محروم نہ رہے آپ نے دیوان میں جا بجا بیخودی اور جذب و محویت کی طرف اشارہ کیا ہے مختلف تشبیہات سے اپنے استغراق کے سین کھینچے ہیں نقل کرتے ہیں کہ قلندر صاحب کے جذب اور استغراق کا یہ عالم تھا اور مستی اس درجہ غالب تھی کہ آپ کی لبیں خلافِ شریعت بڑھ گئی تھیں لیکن کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے کترنے یا توجہ دلانے پر آمادہ ہو پانی پت کی سالار بیٹا چک قوم کے بعض معزز آدمی قاضی ضیاء الدین سنامی المعروف بجلی مفتی کے پاس آئے جو اس وقت شرع کے عالموں کے پیشوا تھے اور مفتی پانی پت اور عرض کی یہ مست درویش راہِ شریعت سے منحرف ہے اس مفتی نے جو راہِ حقیقت سے غافل اور کیفیاتِ باطنی کا نا اہل تھا ایک محضر لکھا جو بعینہٖ اردو ترجمہ کی شکل میں درج ذیل ہے۔

ترجمہ محضر نامہ

شرف الدین فاضل و عالم ہے چالیس سال تک دہلی میں درس و تدریس وعظ و نصیحت اور علمی مشاغل میں مصروف رہا اب اپنے وطن پانی پت آیا ہے اور علومِ ظاہری کے دروازے بند کر کے عالموں اور فاضلوں کی صحبت سے متنفر ہو کر گوشہ نشین ہو گیا ہے متاعِ شریعت سے تہیدست ہے لہٰذا سزا دینے کے قابل ہے۔

فٹ نوٹ بقیہ صفحہ ۲۸
شکوک ہیں جو شکوک ہیں ان کو عبدالعزیز مکی سے جا کر حل کر لو چنانچہ یہ دونوں حضرات پاک پٹن آئے حضرت کے سرداب کو صاف کیا سرداب شق ہوا اور آپ باہر نکلے اور حسب الحکم آں جناب تمام شکوک حل فرما دئیے پھر آپ نے فرمایا کہ میں اب انشاء اللہ تعالیٰ مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں نکلوں گا خدا کی عبادت میں مشغول ہوتا ہوں سرداب بند کر دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اب تک یہ سرداب پاک پٹن میں موجود ہے اس سرداب میں ایک سوراخ ہے جس سے ہوا اندر جاتی ہے ۱۲

عطاء مظہر

جب یہ محضر مکمّل ہوگیا تو قاضی نے اُس قوم کے بزرگوں اور معزز سرداروں کی شہادت لے کر محضر نامہ کو بند کیا اور خواجہ ملک علی انصاری کے پاس مُہرِ تصدیق کے لئے بھیجا یہ خواجہ ہرات کے فاضلوں کے پیشوا تھے اور ٹھٹھہ میں مقیم تھے خواجہ موصوف نے محضر کھول کر مطالعہ کیا چونکہ حقیقت شناس تھے رازہائے عرفانی سے آگاہ رکھتے تھے اس لئے مضمون پڑھ کر محضر کو چاک کر دیا حامل محضر نے قاضی صاحب کو خواجہ ملک علی انصاری کی اس جسارت کا واقعہ سنایا قاضی بہت کڑھا اور خواجہ موصوف کو محکمہ عدالت میں بلوایا حقیقت شناس خواجہ مسلح ہو کر حاضر عدالت ہوئے قاضی پوچھنے لگا کہ آپ نے محضر کو کیوں چاک کر دیا آپ نے جواب دیا کہ یہ درویش مست الست ہے اس آیتِ کریمہ کے مطابق لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی۔ شرعی احکام کی پابندیوں سے معذور ہے تم لوگ اس کی نظرِ فیض اثر کو نہیں دیکھ سکتے ایسے اہل اللہ بزرگ کو تکلیف دینی کسی مذہب و ملّت میں روا نہیں اے مُفتی اگر تجھے اِس کے کمالاتِ باطنی اور تصرّفاتِ روحانی کا یقین نہیں تو بالفعل اِس کی لبوں کے بال کتر ڈال مفتی کے سات لڑکے تھے یکے بعد دیگرے سب کو مقراض ہاتھ میں دے کر قلندر صاحب کے پاس بھیجا مگر رُعبِ جلال کہ ساتوں ہی آپ کی نظرِ قہر سے بچ نہ سکے اور جان دے دی اب قاضی خود اٹھا اور مقراض ہاتھ میں لے کر قلندر صاحب کے پاس گیا گو عاشقِ الٰہی حالِ محبوب کے مشاہدہ میں غرق تھے مگر اس وقت احترامِ شریعت کی وجہ سے سر جھکا دیا مفتی نے آپ کی لبیں کتریں جس کے بعد ہر بال کی جڑ سے خون ٹپکنے لگا پس عاشقِ الٰہی نے کٹے ہوئے بالوں کو بوسہ دے کر فرمایا الحمد للہ کہ یہ بال شریعتِ نبوی کی راہ میں کٹ گئے چونکہ آپ کے بدنِ مبارک کا ایک ایک بال شاغلِ حق تھا۔ اس لئے آپ نے ناراض ہو کر فرمایا ضیاء الدین تیری قبر گدھوں کی چراگاہ ہوگی ۔ اور گمشدہ گدھے تیری ہی قبر پر ملا کریں گے [1]

---

[1] اس بد دعا کے جواب میں ضیاء الدین نے کہا تھا۔ کہ آپ کی قبر پرستوں کا ہجوم رہا کرے گا۔ ہم نے پانی پت پہنچ کر اکثر بزرگوں سے تحقیق کیا معلوم ہوا کہ فی الواقعہ قلندر کی دعا کا اثر ہنوز باقی ہے۔ کہ گمشدہ گدھے ضیاء الدین کی قبر پر ملتے ہیں۔ اور مزارِ قلندر پر پرستوں کا ہجوم ہم نے بچشم خود دیکھا

بالآخر مفتی نے منفعل ہو کر نماز پڑھنے کی تاکید کی آپ نے فرمایا ضیاء الدین میں[1] معذور ہوں مجھ جناب الٰہی سے نماز معاف ہو گئی ہے کیونکہ میرا بہت سا وقت استغراق میں گذرتا ہے مفتی نے کہا حضور رسولِ مقبول کو تو نماز معاف نہیں ہوئی تم کیوں کر مستثنیٰ ہو سکتے ہو قلندر صاحب نے فرمایا:۔

"مغضوبِ الٰہی ادل مادر اختیارِ ما نیست و ما ستانِ الست نماز نکرد
نزویر نمے گزارم"

مفتی در پئے اصرار ہوا کہ شرع شریف میں حیلہ بازی جائز نہیں اس اصرار کے استماع پر آپ جوش میں آ گئے اور فرمایا۔

"ضیاء الدین برخیز و بناؤ مرا زیں کمر بند چہ می بہ بند اگر بستہ مانم بداں کہ بر
من حدودِ شرع واجب است و اگر نہ معذورم داں"

---

[1] تذکرۂ غوثیہ سے روایت ہے کہ حالتِ جذب و استغراق میں شیخ احمد معشوقِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اسد ربہ برآئے ہوئے تھے اور محویت کا یہ عالم تھا کہ آپ سے نماز پنجگانہ بھی ادا نہ ہو سکتی تھی علمائے وقت نے ترکِ نماز پر یہ فتویٰ لکھا کہ شیخ احمد واجب التعزیر ہے سر لغذہ کے وقت حضرت شیخ نے جواب دیا کہ میں معذور ہوں ہاں اگر تم مجبور کرو تو نماز پڑھ لیتا ہوں مگر اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھوں گا۔ علما نے فرمایا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا اچھا ساری پڑھوں گا الّا اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ نہیں پڑھوں گا علما نے کہا اس آیت کے بغیر سورۂ فاتحہ مکمل نہیں ہوتی۔ جب علما کے آپ کو وضو کرانا شروع کیا تو پانی کے بہت سے مشکیزے صرف ہو گئے مگر شیخ کے ہاتھ کی کوئی جگہ بھی نہ بھیگی تو خشک ہو جاتا بالآخر علما نے تنگ آ کر شیخ احمد کو پانی میں غوطہ دیدیا غوطہ دینا ہی تھا کہ پانی اس طرح سے اُبلنے لگا جیسے چولہے پر دیگ ابلتی ہے جب وضو ہو چکا تو شیخ احمد نماز میں شریک ہوئے جب امام آیت کریمہ ایاک نعبد و ایاک نستعین پر پہنچا تو شیخ احمد موصوف کا تمام جسم پھٹ گیا اور بال بال سے خون جاری ہو گیا تھا کہ آپ کی تمام پوشاک بھی آغشتہ بخون ہو گئی شیخ نے نماز توڑ کر فرمایا کہ میں زنِ حائضہ کی مانند ہوں حیض والی عورت کو نماز معاف ہے علما یہ حالت دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ شخص فی الحقیقت معذور ہے آپ کی وفات ۷۲۷ھ میں ہوئی مزار آپ کا ملتان میں ہے ۱۲

"قاضی صاحب اس پر بھی آمادہ ہو گئے اور قلندر صاحب کے جسمِ مبارک کو خوب کس کر باندھا مگر وہ جسدِ پاک چونکہ فرشتوں کی سی صفت رکھتا تھا اور لطافتِ ذات کے سبب انوارِ الٰہی سے بدل چکا تھا اس لئے بندھا نہ رہا بلکہ کمر بندھوں کا توں قاضی کے ہاتھ میں پکڑا رہ گیا اور قلندر صاحب ویسے کے ویسے آزاد کھڑے رہے آخر جب جلال کے پردے سے نکل کر جمال میں آئے تو فرمایا ۔

"اے ضیاء الدین من عاشقِ شوریدہ سرِ عشقِ محبوب مُبتلا ہستم برخیزو نماز بگذار و نیز من در فرائض شریکِ شما مے شوم"

مفتی امام بن کر کھڑا ہوا قرأت شروع کی حضرت بھی نماز میں شریک ہو کر استغراق میں چلے گئے جب مفتی نماز پڑھ چکا تو دیکھا کہ قلندر صاحب رکوع میں سر جھکائے ہی کھڑے ہیں عرض کی اے درویش کیوں کھڑا ہے آپ نے سر اونچا کیا اور کہا "ضیاء الدین ۔

اکھیں گھائی گورو ہاوے ایہہ نماز شرفا نہیں بھاوے

اس پر خواجہ ملک علی انصاری نے عرض کی کہ یہ آپ نے کیا فرمایا قلندر صاحب نے جواب دیا۔

"لَاصَلٰوۃَ[1] اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ نماز جائز نہیں ہوتی جب تک دل حاضر نہ ہو" ۔

اس حکایت سے ثابت ہوتا ہے کہ قلندر صاحب کا جذبِ باطنی اس درجہ ترقی پذیر تھا کہ آپ بہت کم ہوش میں آتے تھے چنانچہ آپ کی عمر شریف کی تقسیمِ حصص سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کی عمر کا آخری حصہ بالکل جذب و محویت اور استغراق کا تھا اور غالباً یہ سب روایات اسی وقت کی ہیں اس پر بھی ہم کو یہ لکھنے میں کوئی کلام نہیں کہ یہ لوگ شرع شریف کے پابند ہوتے ہیں اور اکثر ہوش آنے پر قضا نمازیں ضرور پڑھ لیا کرتے ہیں دوسرے بارگاہِ الٰہی سے ایسے حضرات کو جسمِ لطیف عطا ہوتا ہے جس سے وہ خود کو ایک وقت میں کئی جگہ دکھا سکتے ہیں

---

[1] یہ اشارہ ہے خاصانِ درگاہِ خداوندی کیلئے ہیں جنکا قلب حضوریٔ حق میں ہر وقت حاضر رہتا ہے عوام کو یہ خیال نہ کرنا چاہئے کیونکہ عوام میں اکثر کو حضورِ قلب میسر نہیں اور یہ جب اسوجہ ہی نماز چھوڑ دیں گے کہ قلب حاضر نہیں تو پھر نماز کیسی صورت میں حضورِ قلب کہاں سے آئیگا جب تا

اس لئے ممکن ہے کہ وہ ایک جگہ تارکِ فرائض نظر آئیں لیکن اسی وقت کسی دوسرے مقام پر فرائض ادا کر چکے ہوں جیسا کہ ہم اس مضمون کی ایک شق میں اس کی صراحت کر چکے ہیں قلندر صاحب اپنے مکتوبات میں ادائے فریضہ کے متعلق عاشقانہ انداز میں فرماتے ہیں۔

"اے برادر عشق دل را سجدہ دائم عاشق نماز عشق در دل گذارد
و از عشق سجدۂ پیشِ معشوق بیارد و او را دائماً در دل حضور دارد و فرضِ حق تعالےٰ و
سنتِ رسول بجا آرد و بیرونِ خود بے نماز دارد خلق گوید کہ این نماز نمے گذارد"

و نیز حکایتِ مندرجہ بالا سے ثابت ہو سکتا ہے کہ باوجود اس قدر معذوری کے جب آپ ہوش میں آئے تو بلا حجت لیلیں کنڈالیں اور قاضی ضیاء الدین کی اقتدا میں شریکِ نماز ہو گئے گو اپنی معذوری کی وجہ سے مشاہدۂ جمالِ دوست میں غرق ہو گئے اور نماز تمام نہ کر سکے اس لئے یہ کہنے میں ہم کو تامل نہیں کہ آپ کو شریعتِ مصطفوی کا احترام اور لحاظ بدرجۂ غائت تھا اِلّا معذور تھے اور کیوں نہ ہوتا جب کہ بجز متابعتِ نبوی کسی کو بارگاہِ الٰہی میں بار نہیں ملتا۔

مزن بے رہنمائے محمد نفس ... رہِ رستگاری ہمیں است و بس

مسندِ خلافت

جس طرح حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے منصبِ رسالت کے عطا ہونے پر عبادتِ الٰہی میں زیادہ انہماک شروع کیا بعینہٖ اسی طرح حضرت قلندر صاحب نے بھی اتباعِ نبوی خدادانی خداطلبی خداجوئی اور عرفانِ یزدانی کے لئے ریاضتہائے شاقہ اور جلائے روح و تربیتِ نفس کے لئے بے انتہا مجاہدات شروع کئے آپ کے بعض حالات پڑھ کر انسان کا زہرہ پانی پانی ہو جاتا ہے کہ کس طرح اس کامل انسان نے عرفانی دنیا میں اتنا

بقیہ صفحہ ۴۳ کہ جس چیز سے حضورِ قلب جاتا رہے چھوڑ دیجائے البتہ کوشش کرنی چاہئے کہ حضورِ قلب ہو اور نماز میں الصلوٰۃ معراج المومنین کا مزہ حاصل ہو

بلند درجہ حاصل کیا

مجاہدات

مجاہدہ کے لغوی معنی رنج و مشقّت اور کوشش کے ہیں کہ اپنے نافرمان نفس کے ساتھ جہاد کر کے اس کو مغلوب کر کے وصول الی اللہ کا مرتبہ حاصل کیا جائے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جہاد کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے

" رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر"

بقائے اسلام کے لئے کفار و مشرکین کے ساتھ جنگ کرنا جہادِ اصغر ہے لیکن اپنے نفسِ امارہ کے ساتھ جنگ کرنا جہادِ اکبر کہلاتا ہے اور اس کا مرتبہ کہیں اس سے زیادہ بلند ہے قلندر صاحب نے جس قسم کے مجاہدات کئے وہ عرفانی دنیا پر اظہر من الشمس ہیں کہ آپ نے علوم ظاہری اور رسمی کو دل سے بھلا کر جنگل کی راہ لی دن رات مستغرق بحق رہنے لگے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بارہ سال[1] پانی میں کھڑے ہو کر عبادت کی نفس کو مغلوب کیا حتیٰ کہ آبی جانور پنڈلیوں کا گوشت تک کھا گئے لیکن آپ کی وجدانی کیفیتوں میں سر مو فرق نہ آیا آپ نے چالیس سال تک آب و دانہ کی طرف اصلا التفات نہیں کیا آپ کو وصول کا وہ مرتبہ حاصل تھا کہ جو کوئی آپ کے پاس سے گذرتا اگر اس کو جمالی نگاہ سے دیکھتے تو وہ ولی کامل ہو جاتا مگر جلالی نگاہ اس قدر تیز تھی کہ جسے بھی بنظرِ جلال دیکھا خاکستر کر دیا مغلوبیت نفس آپ کا شعار تھا آپ کو ایک رات سردیوں کے موسم میں ستّر دفعہ نہانے کی حاجت ہوئی آپ نے ستّر دفعہ غسل[2] فرمایا اور بھی کئی راتیں اسی طرح گذریں ایک سردی کی کثرت دوسرے پانی کی ٹھنڈک

---

[1] حضرت غوث علی صاحب قلندر پانی پتی سے کسی نے دریافت کیا کہ حضور قبلۂ عالم پناہ بارہ سال تک پانی میں کیونکر کھڑے رہے آپ نے جواب دیا کہ جس تجلّی نے حضور قبلۂ عالم پناہ پر ظہور کیا تھا اگر مجھ پر کرے تو میں بارہ ہزار سال تک پانی میں کھڑا رہوں اے نادان مشاہدۂ حق ذات بھی کہیں اٹھنے دیتا ہے۔

[2] حضرت بایزید بسطامی کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ کو بھی ایک رات سخت سردیوں کے موسم میں کئی دفعہ نہانے کی حاجت ہوئی اور آپ نے ہر بار برف توڑ کر غسل کیا آپ کا اپنا بیان ہے کہ میں ہر دفعہ غسل کے بعد کثرت سردی کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتا اور گدڑی بھگو کر اوڑھ لیتا تاکہ پھر غفلت نہ ہو ۱۲

عطاء مظہر

یہاں تک کہ آپ کا جسم پھٹ گیا ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ اے شرف الدین اب تو معاذ ہے خدا اور رسولِ خدا کی بارگاہ سے نمازیں[1] تجھے معاف ہو گئیں غرضیکہ آپ نے بڑے مجاہدے کئے لڑکے اکثر آپ کو پتھر مارا کرتے تھے لیکن سبحان اللہ آپ اپنی زبانِ مبارک سے فرماتے کہ ساتویں آسمان پر فرشتے تو میری عزت کرتے ہیں اور فرما بجا لاتے ہیں مگر یہ لڑکے بوجہ نادانی اور لافہمی کے پتھر مارتے ہیں آپ پانچویں آسمان کے حاضر باش تھے اور ہمیشہ مشاہدہ میں رہتے تھے۔

صاحب شرف المناقب نے لکھا ہے کہ جب حضرت رسالت پناہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم معراج کی رات کو فردوسِ اعلےٰ کی بلندی پر گذر رہے تھے وہاں دیکھا کہ سرخ رنگ کا ایک مست ہاتھی ناچ رہا ہے آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ خداوند کریم کا یہ کیا بھید ہے جبرائیل نے جواب دیا یا محمد صلعم یہ مست ہاتھی شرف الدین بو علی قلندر عاشق الٰہی ہے اور آپ کی امت کے گروہِ عشاق میں ایک عاشق ہے حضرت نے خوش ہو کر درگاہ الٰہی میں شکریہ ادا کیا اور فرمایا الحمد للہ کہ میری امت میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں اس حکایت سے قلندر صاحب کی عظمت کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ الست ہی سے مست اور وجدانی کیفیات میں غرق تھے جب آپ ذکر و شغل میں مصروف ہوتے تو آپ کے ہر بال کی جڑ سے پسینہ جاری ہو جاتا اور جو بوند زمین پر گرتی اس سے ہو کا نقش پیدا ہوتا کثرتِ استغراق کی وجہ سے دونوں جہاں کا نقشہ آپ کی نظروں کے سامنے رہتا تھا آپ کو بھی اسی مشرب کا پیالہ عطا ہوا تھا جو جنیدؒ و بایزیدؒ کو ملا۔

باطنی تصرف اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ جنگلی جانور آپ کی خدمت میں آتے اور باعاشق

---

[1] لطیفہ۔ نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی اپنے ایک شاگرد کے کلام پر اصلاح دیتے ہوئے خط میں لکھتے ہیں کہ بو علی قلندر کو بوجہ کبر سنی خدا نے فرض اور پیغمبر نے سنت معاف کر دی تھی لہذا احباب بھی مجھے اصلاح اشعار سے معاف رکھیں (نکاتِ غالب مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)۔

عطا و مظہر۔

خداکہ کر ذبح ہونے کی التماس کرتے مگر چونکہ آپ عالمِ باعمل تھے شفیق تھے دل آزاری کو بدترین گناہ خیال کرتے تھے اس لئے قبول نہ فرماتے اور نرمی سے جواب دے دیتے ۔

مباش در پئے آزار ہرچہ خواہی کن　　　که در طریقتِ ما غیر ازیں گناہے نیست

نقل کرتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین عاشق خدا رح و دیگر اولیائے کرام حضرت قطب الاولیاء کی خدمت میں حاضر تھے اور خدا کی طاعت و عبادت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی حضرت قطب صاحب نے فرمایا کہ یادِ الٰہی اس طرح کرنی چاہیئے جیسے قلندر عاشقِ الٰہی پانی پتی کرتے ہیں اے بھائیو شرف الدین قلندر نے ایّامِ شباب میں ایسی عبادت کی اور ایسے ایسے مجاہدے کیئے ہیں کہ میں نے آج تک کسی کو اس قسم کی عبادت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جب شیخ شہاب الدین نے قطب صاحب کی زبانِ مبارک سے اتنی تعریف سنی تو قلندر عاشق الٰہی کی زیارت کا شوق پیدا ہوا انجام کار ایک دن شیخ موصوف قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت درس و تدریس میں مشغول تھے جب فارغ ہوئے تو عرصہ تک آپس میں راز و نیاز کی گفتگو ہوتی رہی فراغت کے بعد شیخ واپس اپنے مکان چلے آئے آپ کا معمول تھا کہ دوسرے تیسرے دن ضرور حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور راز و نیاز کی باتیں اور مسائل ادب پر عالمانہ گفتگو کرتے اتفاقاً ایک دن قلندر صاحب علمی مشاغل سے فارغ ہو کر عبادتِ الٰہی کے لیے جنگل جانے کو تیار تھے کہ عین اس وقت شیخ بھی آپہنچے مصافحہ کے بعد قلندر صاحب نے فرمایا کہ مجھے خدا کی عبادت کا زیادہ شوق ہے اور وہ بغیر تخلیہ اور خلوت کے پورا نہیں ہو سکتا اس لیے آج وزیرآباد[1] کے جنگلوں میں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں شیخ نے آپ کی معیت کی خواہش کی آپ نے فرمایا تمہیں اختیار ہے چلو اتنی بات کہہ کر قلندر صاحب تو چلے گئے لیکن شیخ کچھ عرصہ وہیں پڑے رہے جب ایک پہر رات گذر گئی تو شیخ بھی

---

[1] دریائے جمنا کے کنارے ایک گاؤں کا نام ہے جہاں آج کل نئی دہلی کے سلسلہ میں بنگالی کوارٹر کے نام سے ایک عمارت مشہور ہے وہاں آج تک ایک مسجد کے اندر حضور کی مخصوص چلہ گاہ بھی ہے یہ وہ وزیرآباد ہے جس کے متعلق دہلی میں یہ مثل زبان زدِ خاص و عام ہے "دس دلّی نو شاہ دلی قلعہ وزیرآباد"

وزیرآباد کی طرف روانہ ہوئے آدھی رات کا وقت تھا کہ قلندر صاحب کی ریاضت گاہ پر پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نورانی برج انبار آتش کی طرح زمین سے آسمان تک ستون کی مانند کھڑا ہے اور اس برج کے ہر پہلو سے اسمِ ذات کی آواز آتی ہے قلندر صاحب کی عبادت کا عجیب منظر دیکھ کر شیخ ششدر رہ گئے قریب گئے کیا دیکھتے ہیں کہ قلندر صاحب الٹے کھڑے ہیں اور آپ کا سر مبارک ایک "کلے" کی نوک پر لٹکا ہوا ہے اور پاؤں آسمان کی طرف کرکے یادِ خدا میں اس قدر محو و مستغرق ہیں کہ اپنی کچھ خبر نہیں اور بال بال کی جڑ سے خون کے قطرے جاری ہیں جب شیخ نے اس خون کو دیکھا تو معلوم کیا یہ وہی نور ہے جو پھلجھڑی کی طرح زمین سے آسمان تک ضو پاشی کر رہا ہے حسب معمول قلندر صاحب ذکر و شغل سے فارغ ہو کر اپنی اصلی حالت پر آئے اور شیخ کو اپنے پاس بٹھا کر عرصے تک گفتگو کرتے رہے سلسلہ کلام کے خاتمے پر قلندر صاحب اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے اور شیخ نے دہلی کی راہ لی۔

اب جو بے خبر لوگ قلندر صاحب کی بیعت کو شیخ شہاب الدین عاشق خدا سے منسوب کرتے ہیں وہ ہمیں بتلائیں کہ ان واقعات کے ہوتے ہوئے شیخ صاحب سے قلندر صاحب کی بیعت قرینِ قیاس ہو سکتی ہے۔ جب کہ شیخ بذاتِ خود قلندر صاحب کے مجاہدات اور ریاضات کے گرویدہ تھے اور خلوت و جلوت میں ان کا طریق عبادت دیکھنے کے اس قدر مشتاق تھے کہ اکثر اوقات دہلی سے وزیرآباد تک اسی مقصد کے لئے پاپیادہ سفر کرتے تھے اور فیوضاتِ روحانی سے فیض یاب ہو کر واپس جاتے۔ ہم شیخ صاحب کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ بھی اہل اللہ بزرگ تھے پے در پے تصرفوں کے ظہور تھے مگر آپ سے قلندر صاحب کا بیعت ہونا خلافِ قیاس ہے البتہ فیض پہنچانا اور فیض حاصل کرنا کچھ اور بات ہے اس سے ہمیں انکار نہیں کیونکہ بزرگوں میں ان باطنی نعمتوں کی تقسیم کا طریقہ مروج ہے اور احسن قرار دیا گیا ہے۔

آپ کی ریاضات اور مجاہدات کے ثمرات

آپ نے اپنی عمر میں جس قدر مجاہدات کئے اُن کا ثمرہ یہ ہے کہ دنیا میں آپ کا نامِ نامی واسمِ گرامی آفتاب و ماہتاب سے زیادہ روشن ہے وقت کے بڑے بڑے کامل و مکمل بزرگ

آپ کی ارادت کو فخر سمجھتے تھے انہی ریاضات کا صلہ تھا کہ حق تعالےٰ نے آپ کو متاعِ دنیاوی سے بے نیاز کر کے اس قدر عالی حوصلہ بنا دیا تھا کہ متاعِ دنیاوی کی قدر و قیمت آپ کی نظروں میں بالکل نہ تھی باوجودیکہ شاہانِ وقت آپ کی عتبہ بوسی اور نعلین برداری کو سعادتِ دارین تصور کرتے تھے مگر آپ کو اپنے محبوب سے اس قدر گہرا تعلق تھا کہ آپ کی نظر دنیا کی کسی چیز پر نہ جھکی اور جو مقصود آپ نے اپنی زندگی کا قرار دیا تھا عمر بھر اُس میں سرِ مو فرق نہ آیا اور سب سے بڑا ثمرہ جو اس نفس کُشی اور ریاضت سے حاصل ہوگا وہ تفقد دیدارِ محبوب ہے جو افضل از نعمائے بہشت ہوگا قلندری مجاہدات اور ریاضات کے ثمرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ اولیائے حق میں ایسا درجہ رکھتے تھے جیسے ستاروں میں ماہتاب۔

کسی نے حضرت غوث علی صاحب قلندر رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ قلندر صاحب اور مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر رحمتہ اللہ علیہ کس کس حال میں تھے آپ نے فرمایا کہ مخدوم صاحب تو سیرِ جہاں میں تھے لیکن قلندر سیرِ جان میں! یہ دونوں حضرات ہر وقت دریائے حیرت میں مستغرق رہتے تھے۔

عارفِ کامل مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ قلندریہ مقام کی نسبت یہ وجد انگیز رائے رکھتے ہیں کہ اہلِ وصول کے دو گروہ ہیں اوّل مشائخ صوفیا جنہوں نے حضور رسول مقبولؐ کی فرمانبرداری کی وجہ سے مرتبۂ وصول حاصل کیا اور بطریقِ متابعت خلق خدا کی حاجت روائی کے لئے مقرر ہوئے یہ وہ فرقۂ کاملان ہے جو ہر وقت بحرِ توحید میں مستغرق ہو کر تفرقۂ فناہ سے ساحلِ بقا پر پہنچا تاکہ خلق کی رہبری کرے دوسرا گروہ وصول کو بدرجۂ کمال حاصل کر کے بحرِ جمع میں ایسا فنا فی اللہ ہوا کہ اُن کا نشان ہی نہیں ملتا ولایت کے پورے طور پر حاصل ہونے کے بعد اوروں کی تکمیل اُن کے سپرد نہ ہوئی یہ لوگ زمرۂ سالکان قبابِ عیرت اور متوطنانِ دریائے حیرت میں شمار کئے جاتے ہیں قلندر صاحب اس دوسرے گروہ میں سے تھے اس گروہ کے بھی تین درجے ہیں ادنیٰ۔ اوسط۔ اور اعلیٰ قلندر صاحب درجۂ اعلیٰ پر فائز تھے مجاہدہ مکاشفہ اور مشاہدہ میں اپنے معاصرین سے بڑھے ہوئے تھے سب سے زیادہ علوِ مرتبت کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو براہِ راست امیر المومنینؓ سے شرفِ نیاز حاصل تھا جو بہت کم

لوگوں کو نصیب ہوا ہے پس ایسے ریاضات اور مجاہدات عجیبہ کا ثمرہ ایسا ہی مترتب ہونا چاہیئے تھا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

شاہانِ وقت اور قلندر صاحب

قلندر صاحب کی سرشت میں آزادی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جو ہر انسان کا طرۂ امتیاز ہونی چاہیئے کہ وہ آزاد رہے اور آزادی سے وقت گذارے آپ بڑے بڑے سرکشوں اور سربلندوں کو آوازہ حق کھرے کھرے لفظوں میں سُنا دیتے تھے دُنیا کے اُن تعلقات سے جن کو روح فرسا کہتے ہیں قلندر صاحب نے اپنا دامن بالکل قطع کیا ہوا تھا تاہم وہ دُنیا کے تارک نہ تھے بلکہ برخلاف اس کے اعلیٰ درجہ کے ہر دل عزیز بزرگ اور انسانیت کا مکمل نمونہ تھے صوفیائے کرام کی مجالس کی شمع اور بزمِ ادب کی زینت تھے تمام اولیاء اللہ آپ کی تعظیم و تکریم پر متفق ہیں اور آپ کو اپنے وقت کا پیشوائے اعظم مانتے ہیں ہم آپ کے گذشتہ حالات میں لکھ چکے ہیں کہ آپ کی عمر کا پہلا دور دربارِ شاہی سے متعلق تھا جب کہ آپ مفتی کے ممتاز ترین عہدے پر فائز تھے اور درس و تدریس کا شغل رکھتے تھے لیکن آپ کی حیثیت اور قدر و منزلت محض درباری شعرا کی طرح نہ تھی بلکہ آپ عالمانہ حیثیت سے مجالسِ شاہی میں جلوہ گر ہوتے تھے اور علمی حلقوں میں شمعِ انجمن سمجھے جاتے تھے آپ کا زمانہ وہ مبارک زمانہ تھا جب کہ علم و فضل کا آفتاب اپنی ضیا بار رہی سے ایک عالم کو منور کر رہا تھا بڑے بڑے اکابر اولیا اور صوفی شعرا آپ کے ہمعصر تھے لیکن قدرت نے آپ کو متاعِ دنیا سے بے نیاز کر کے ایسا مستغنی المزاج بنا دیا تھا کہ باوجود قادر الکلام شاعر ہونے کے آپ نے دیگر شعرا کی طرح کبھی کسی سے صلہ یا انعام کی توقع نہ رکھی کسی بادشاہ کی خدمت میں قصیدہ لکھ کر پیش نہیں کیا اور نہ کسی سے صلہ کی تمنا رکھی صرف دو ایک قصیدے سلطان غیاث الدین محمد بلبن کے حالات میں لکھے ہیں جن میں اُس کی سلطنت کے نظم و نسق کی تعریف کی گئی ہے یہ قصیدے بھی صلہ و انعام کی توقع پر نہیں لکھے گئے کیونکہ

سلطان موصوف سے آپ کے تعلقات مخلصانہ اور برادرانہ تھے۔

آپ نے ارشادِ خداوندی وسنتِ نبوی وسنتِ پیرانِ طریقت کے موافق اپنی معاش آپ پیدا کی۔ ملازمت بھی کی مدرس اعلےٰ بھی رہے مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے اور ایک کامل انسان کی طرح اپنی زندگی گذاری آپ کے استغنا کا یہ ایک بدیہی ثبوت ہے کہ آپ نے مختلف بادشاہوں کے زمانے دیکھے لیکن اپنے دامن کو ذلتِ سوال سے کبھی آلودہ نہ کیا حالانکہ آپ کے پیش رو آپ کے طریقہ کے برخلاف مداحیہ قصائد سے اپنی معاش پیدا کرنے کے عادی تھے۔ نذرونیاز مخالف وہابیہ آپ کے دربار میں ہی آتے تھے مگر آپ کے دل میں اُن کی محبت بالکل نہ تھی وہ مستحقین کی نذر ہوتے تھے اور جس گردن کو خدا نے بلند پیدا کیا وہ سوائے رب العالمین کے دنیا کے کسی دروازے پر نہ جھکی اس عنوان کے تحت میں ہم یہ دکھائیں گے کہ شاہانِ وقت کی نظروں میں آپ کی کیا وقعت تھی اور ان کے ساتھ آپ کا سلوک اور برتاؤ کیسا تھا۔

غیاث الدین بلبن

خاندانِ غلاماں کا بادشاہ تھا ناصر الدین کے عہد میں مرتبہ وزارت پر فائز تھا صاحب ناصر الدین نے انتقال کیا اس کی رحلت کے بعد ۶۶۶ھ میں تختِ سلطنت پر قابض ہو گیا بڑا بہادر متین اور بارعب شخص تھا سوانح عمری میں ہم لکھ آئے ہیں کہ اس کے گھر نرینہ اولاد نہ ہوتی تھی مجبور ہو کر قلندر صاحب کی طرف رجوع کیا اور اولاد کے لئے دعا چاہی قلندر صاحب کی دعا سے خدا تعالےٰ نے اسے چار لڑکے عنایت فرمائے چنانچہ بڑے صاحبزادے مبارز خان قلندر صاحب کے محبوب ترین مرید تھے قلندر صاحب سے اس کی عقیدت اور محبت اس قدر تھی کہ اکثر اوقات حضوری میں شرف نیاز حاصل کرتا تھا اور ساری عمر قلندر صاحب کی غلامی کا دعویدار رہا یہ قلندر صاحب ہی کی دعا کا اثر تھا کہ دہلی کے گرد و نواح کے تمام راجپوت حاکم اس کے جاہ و جلال سے خوف کھاتے تھے اور اس کی ہیبت و سطوت کا نقارہ وسط ایشیا تک بجتا تھا علماء اور شعرا کا قدردان تھا شعر و شاعری سے قدرتی طور پر لگاؤ رکھتا تھا شاہی دربار میں اکثر مشاعرے ہوا کرتے تھے جن سے اس کو خاص دلچسپی تھی کہتے ہیں کہ سلطان الشعراء حضرت امیر

خسرو دہلوی اس کے دربار کے حاضر باش تھے ایک دفعہ ایک رباعی لکھ کر قلندر صاحب کی خدمت میں بھیجی اور جواب طلب فرمایا وہ رباعی یہ ہے۔

کہ راست کند صورت مردے زنے   کہ بشکند این جسم وجان وتنے
کس نیست کہ استادِ قضا را پرسد   کز بہر چہ سازی و چرا مے شکنے

قلندر صاحب نے رباعی پڑھی اور جواب میں لکھا۔

سرِ طشت کہ در امر خدا دم نہ زنے   این گو ہمنی کہ نہ مردے نہ زنے
گل را چو جمال است کہ گوید بہ کلال   کز بہر چہ سازی و چرا مے شکنے

علاوہ اس کے کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا غیاث الدین قلندر صاحب کے روحانی تصرفات اور باطنی مکشوفات کا گرویدہ ہو چکا تھا اور قلندر صاحب بھی اسے اپنے عزیز اور محرمِ راز تصور کرتے تھے چنانچہ آپ نے اس کی مدح وثنا اور نظم ونسقِ سلطنت میں دو قصیدے بھی تحریر فرمائے ہیں نمونۃً چند اشعار درج ذیل ہیں۔

شہِ اعظم غیاث الدین کہ از دانش مشرف شد   یکے بخت ویکے تخت ویکے خاتم یکے افسر
بعزم وجزم وکرّ وفرّ وہیبت بے سر اندیشا   یکے بہمن یکے کسریٰ یکے دارا یکے نوذر
جواد شاہی در عالم در نیاید از عدم بیشک   یکے عادل یکے باذل یکے ضابط یکے داور
زہی شاہیکہ در حلم وحیا وعدل وبذل ہستی   یکے بکر ویکے عمر ویکے عثمان یکے حیدر
توئی شاہا درین عالم برزم وبزم ودست ودل   یکے حاتم یکے رستم یکے خاقان یکے سرور
زعون تو شدہ شائع زفخر تو شدہ قائم   یکے خطبہ یکے سکہ یکے مسی یکے منبر

کہتے ہیں ایک دفعہ سلطان دہلی قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے دیکھ کر فرمایا کہ سلطان یہاں کتنے دن رہیگا غرض کی حضور چار دن آپ نے فرمایا نہیں چار برس یہ کہہ کر آپ مسکرائے سلطان اپنی فہم وفراست سے پہچان گیا کہ اب اپنی عمر چار برس سے زیادہ نہیں جب سلطان چار دن حضوری میں رہ کر دہلی اپنے پایہ تخت میں آیا تو شاہی خزائن کے دروازے کھول کر جود وسخا کا بازار گرم کر دیا اور حسبِ بشارت چار برس کے بعد جان بحق تسلیم ہوا اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قلندر صاحب کی نظرِ مبارک ہر وقت لوحِ

محفوظات کے قلمی نوشتوں پر مبنی تھی جبھی تو آپ نے سلطان کی وفات کا وقت کنایۃً و اشارۃً بتلا دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے خلقِ خدا کے ساتھ نیکی کی اور جود و سخا سے غربا و مساکین کو مالا مال کر دیا اور نیکیاں اپنے نامۂ اعمال میں لکھوا گیا یہ بھی قلندر صاحب کا روحانی اور باطنی فیض تھا۔

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں　　گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

علاؤالدین خلجی

۱۲۹۵ء میں اپنے حقیقی چچا جلال الدین کے بعد تخت نشین ہوا مورخین لکھتے ہیں کہ علاؤالدین اوائلِ عمر میں بڑا بے رحم اور ضدی تھا آوارہ مزاج اور شراب بکثرت پیتا تھا ان دنوں قلندر صاحب مسندِ خلافت پر متمکن تھے کہ یک لخت اس کی طبیعت میں ایک نمایاں انقلاب پیدا ہو گیا مورخین کا بیان ہے کہ وہ قلندر صاحب کے تصرفاتِ باطنی اور مکشوفاتِ روحانی کا نتیجہ تھا چنانچہ ایک شب کسی پیر مرد نے علاؤالدین کو خواب میں کہا:۔

"علاؤالدین خلجی مکرر داند کہ با بندگانِ خدا نیکو کند و از جمیع ممنوعات خود اجتناب نماید و دیگراں را بہ احکامِ سخت ازیں افعالِ قبیحہ باز دارد"

وہ بزرگ قلندر صاحب تھے اس زجر و تنبیہ سے علاؤالدین کی کایا پلٹ گئی نظامِ سلطنت کو از سرِ نو ترتیب دیا شراب کی تمام دکانیں بند کرا دیں شراب خواروں کے لئے سخت سزائیں مقرر کیں اور خود بھی شراب پینا چھوڑ دیا اور شراب کے تمام برتن توڑ دئے

قلندر صاحب آوازۂ حق سنانے میں بڑے بیباک تھے اس لئے علاؤالدین کو مفید پند و نصائح سے اہلِ تصوف کا حلقہ بگوش بنا دیا اور قلندر صاحب سے اس کی محبت اور ارادت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اکثر تحائف و ہدایہ آپ کے پاس بھیجتا رہا۔

ایک دفعہ کچھ نذر اور تحائف آپ کی خدمت میں بھیجنے کا ارادہ کیا قلندر صاحب کے جاہ و جلال اور ہیبت و سطوت کا یہ عالم تھا کہ کسی کی طاقت نہ ہوئی کہ حضرت کے روبرو جا کر کلام کرے علاؤالدین باوجود بادشاہِ وقت ہونے کے آپ کے جاہ و جلال اور تصرفِ باطنی سے دامن کترانا تھا۔ آخر تجویز یہ ہوئی کہ حضرت امیر خسرو کو روانہ کیا جائے جو اس وقت بادشاہ

کے خاص مُقرّب ملازمین سے تھے چنانچہ حضرت محبوب الٰہی کے فرمان کے بموجب امیر خسرو تحائف وہدایہ لے کر پانی پت کی طرف روانہ ہوئے تین دن کی مسلسل مسافت کے بعد پانی پت پہنچے اور درِ اقدس پر حاضر ہوئے خادموں نے قلندر صاحب کو امیر کی آمد کی خبر کی آپ نے فرمایا اندر آنے دو حضرت امیر حاضر خدمت ہو کر آداب بجالائے اور عرض کی یا عاشق الٰہی سلطان وقت کے تحائف لے کر آیا ہوں قبول فرمائیے قلندر صاحب کا استغنا اس قدر بڑھا ہوا تھا اور طبیعت متاع دنیا سے اس قدر لاابالی تھی کہ آپ نے فرمایا خسرو مجھے چالیس برس ہوئے کہ میں اپنے تئیں نہیں جانتا اور نہ دنیا اور دنیا کے کاروبار سے محبت ہے یہ چیزیں میرے کس کام آئیں گی اپنے کلام سے کچھ سناؤ اس وقت امیر خسرو نے یہ غزل شروع کی

ایکہ گوئی ہیچ مشکل چوں فراقِ یار نیست　　گر امید وصل باشد ہمچناں دشوار نیست

عاشقاں را در جہاں یکساں نباشد روزگار　　زانکہ ایں انگشتہا بر دستِ من ہموار نیست

قلندر صاحب غزل سن کر بہت خوش ہوئے[1] اور دعا دی خسرو خوش رہے گا اور خوش جائے گا پھر اپنی یہ غزل پڑھ کر سنانے لگے :۔

دیہیم خسرواں بر ما نعلِ استر است　　خسرو کسے کہ خلعتِ تجرید در بر است

پوری غزل کے لئے دیکھو شرح غزل نمبر ۱۳

امیر صاحب کو رقت ہوئی پوچھا خسرو! رونا ہے کچھ بھید اسی سے ہے حضرت امیر

[1] تذکرہ غوثیہ میں مذکور ہے کہ جب حضرت امیر غزل سنا چکے تو قلندر صاحب نے ہاتھ بڑھا کر فرمایا لاؤ میں تمہیں کچھ دیتا ہوں اُسی وقت غیب سے دو ہاتھ ظاہر ہوئے اور اُس فیضان کو لے گئے دو تین بار ایسا ہی ہوا آخر قلندر صاحب نے کہا تمہارے مقسوم میں نہیں ہے حضرت امیر جب خواجہ محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت محبوب پاک نے فرمایا خسرو قلندر صاحب تمہیں اپنے جیسا بنانا چاہتے تھے لیکن تم متحمل نہ ہو سکتے اس لئے اس فیض کو ہم نے لے لیا تھا اور بعد موت تم کو دے دیا جائے گا ۱۲۔

عطاؔ نلہر۔

نے جواب دیا حضور اسی لئے تو رو رہا ہوں کہ سمجھ نہیں سکتا۔ اس پر قلندر صاحب بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کی نذر قبول فرمائی اور مستحقین میں تقسیم کرادی اور اپنے بھانجے شیخ احمد زندہ پیر کو حکم دیا کہ امیر کو خانقاہ میں لے جاؤ اور تین دن تک اپنے پاس رکھو ضیافت اور مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا غرض تین دن کے بعد امیر صاحب کو رخصت کیا اور علاؤالدین کے نام ایک رقعہ اس مضمون کا تحریر فرما کر بھیجا۔

"علاؤالدین قطب دار دہلی مکرر جانے کہ بندگانِ خدا کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیئے رعایا کو فارغ البال رکھنا فرمانروائے وقت پر فرض ہے"

جب یہ نصیحت نامہ سلطان کے پاس پہنچا تو چھوٹے خوشامدیوں نے عقیدت و ارادت میں رخنہ اندازی کے طور پر سلطان سے عرض کی کہ بادشاہِ وقت کی نسبت ایسی شوخ عبارت لکھنا روا نہیں علاؤالدین جو حضرت کے تصرفاتِ باطنی کا متوالا بن چکا تھا کہنے لگا خدا نے لاکھوں رحم مجھ پر فرمائے کہ حضرت نے دہلی کی قطب داری میرے نام کردی ورنہ اس سے پہلے ایک دفعہ تو شحنۂ ہند کہہ کر یاد کیا گیا تھا اس حکایت سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہانِ وقت کی نظروں میں قلندر صاحب کی کیا وقعت تھی اور آپ علاؤالدین جیسے جری فرمانروا کو کس استغنا کے ساتھ یاد فرمایا کرتے تھے سلطان کی عقیدت حضرت سے اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ حضور کو اپنا حاجت روا خیال کرتا تھا یہاں تک کہ امورِ ملکی میں بھی دعا اور استمداد کا طالب ہوتا تھا اور اکثر بارگاہِ قلندریہ سے فیضیاب ہوتا۔

اس کا عقیدہ تھا کہ ضدی جانور حضرت کے دیدار سے اپنی ہٹ چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ ایک دفعہ عراقی نسل گھوڑا جو نہایت شریر تھا اور کبھی شہسوار سے رام نہیں ہوتا تھا قلندر صاحب کی خدمت میں درست کرنے کو بھیجا خادم گھوڑا لے کر آستانۂ عالی پر حاضر ہوا اور ساری کیفیت سنائی آپ نے فرمایا اس کی زنجیر اتار لو اور میری چارپائی کی پٹی نکال کر چارپائی کے بازو کے ساتھ باندھ دو خادم نے حکم کی تعمیل کی آپ نے گھوڑے سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"اے اسپ میں پیدائش سے سیدھا ہوں تو بھی سیدھا ہو جا اور

یہ شرارت چھوڑ دے"

ان موثر الفاظ کے سنتے ہی گھوڑا مطیع اور فرمانبردار ہو گیا حضرت نے تین دن کے بعد گھوڑا بادشاہ کے پاس بھجوا دیا جب علاؤالدین نے گھوڑے کی اس پہلی سی خصلت میں نمایاں تبدیلی دیکھی تو اس کی عقیدت میں بھی نمایاں اضافہ ہو گیا ایسے بہت سے واقعات ہیں جو بخوف طوالت قلم انداز کر دیئے ہیں علاؤالدین کی وفات ۷۱۶ھ میں ہوئی۔

مبارک خان

قلندر صاحب کے محبوب ترین مرید اور سلطان غیاث الدین بلبن کے صاحبزادے تھے قلندر صاحب کی دعا ہی سے عالم وجود میں آئے ہم نے سوانح عمری میں اس کی تصریح کر دی ہے کہ آپ کے والد بزرگوار کس قدر اولاد کے لئے پریشان تھے اور قلندر صاحب کی دعا کا کیا اثر ہوا اس لئے قلندر صاحب کو شہزادہ مبارک خان سے دلی محبت اور واقعی لگن تھی شہزادہ کو ایک لمحے کے لئے آنکھوں سے دور کرنا بار خاطر معلوم ہوتا تھا اور ان کے حسن و جمال پر اس قدر فریفتہ تھے کہ بغیر ان کے کھانا پینا بھی گوارا نہ تھا۔ مگر یہ محبت بالکل پاک تھی نفسانی خواہشات کو اس میں ذرا بھی دخل نہ تھا بلکہ دیدار حق کے لئے مبارک خان ایک آئینہ کا کام دیتے تھے ان کے خداداد حسن و جمال سے خدا کی صنعت یاد آتی تھی جس کسی کو کوئی حاجت ہوتی مبارک خان سے عرض کرتا اور آپ قلندر صاحب سے کہہ کر حاجت روا کرا دیتے علاوہ ازیں شاہ مبارک خان کو آپ کی صحبت فیض اثر سے وہ روحانی فیوضات حاصل ہوئے کہ بعد وفات بڑے بڑے اکابر اولیائے کرام نے آپ کی روح سے تربیت پائی اور فیض حاصل کیا آپ ایک باعمل عارف تھے۔

ایک دن شاہ مبارک خان سیر و شکار کے لئے جنگل کی طرف نکل گئے تاچک قوم کا ایک سپاہی بھی خفیہ طور پر شاہ مبارک خان پر عاشق تھا مگر بادشاہ کا صاحبزادہ اور قلندر صاحب کا محبوب ہو مرید خیال کر کے اپنی محبت ظاہر نہ کرتا تھا سوء اتفاق سے وہ سپاہی شاہ مبارک خان کو پکڑ کر اپنے مکان پر لے گیا رات ہو گئی قلندر صاحب کشف باطنی سے معلوم کر کے اس سپاہی کے دروازے پر پہنچے رات ہو چکی تھی دروازے پر بیٹھ کر بے قراری کی حالت میں یہ اشعار پڑھنے لگے:-

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم   گوش را نیز حدیث تو شنیدم ندہم

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ وہ رات اس قدر طویل ہوگئی کہ لوگ سوتے سوتے اکتا گئے نالائق سپاہی بھی عاجز آگیا شدہ شدہ لوگوں کو معلوم ہوا کہ قلندر صاحب اپنے محبوب شاہ مبارک خان کی جدائی میں دروازے پر کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں :-

تا نگیرد دامن محبوب جان ما پیش ما نیاید صبح ہرگز نخواہد دمید[1]

غافل سپاہی مجبور ہوگیا اور صاحب زادہ صاحب کو آپ کی خدمت میں بھیج دیا اسی وقت ضیائے آفتاب نے اپنی نورانی شعاعوں سے اطراف عالم کو منور کر دیا جب قلندر صاحب نے اپنے نور نظر کو دیکھا۔ وجد میں آئے قوال نے یہ غزل پڑھنی شروع کی۔

اگر بینم شبے ناگاہ من آں سلطان خوباں را   سر اندر پائے وے آرم فدا سازم دل و جاں را

ایک تو آواز موزوں دوسرے معانی و مطالب کا اثر اور حسب حال، آخر ہوا کہ آپ تحیر و فکر میں ڈوب گئے اور وجدانی کیفیتوں نے ایک نیا منظر سامنے کھڑا کر دیا۔

المجاز قنطرۃ الحقیقت وہ وجدانی کیفیات آپ کو آغوش محبوب حقیقی میں لے پہنچیں کیونکہ آپ ہمیشہ جذبات حق میں محو رہتے تھے اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں شاہ مبارک خاں صرف آئینہ کا کام دیتے تھے جن میں حضرت قلندر صاحب جمال محبوب کا ملاحظہ کر کے کیفیات باطنی میں محو و مستغرق ہو جاتے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ محبت پاک تھی اور اکثر اہل حق پر ایسی کیفیات طاری ہوتی رہی ہیں اور ایسے واقعات اکثر پیش آتے ہیں جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو آپ نے اپنا گھوڑا اس مطرب کو عنایت کر دیا اور صاحب زادہ موصوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مقام پر واپس تشریف لائے۔

شاہ مبارک خان کی وفات

۱۰ جمادی الثانی ۱۱۵۱ھ ہجری بوقت صبح حضرت مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ

[1] مشہور ہے کہ اس موقعہ پر آپ نے ایک دوہا بھی کہا۔

سجن سکارے جائیں گے اور نین مرینگے رو   بدھنا ایسی کیجیو بھور کبھوں نہ ہو

حضور قبلہ عالم پناہ شیخ شرف الدین بو علی قلندر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حسب عادت
قدیم قدم بوسی کے بعد دست بستہ عرض کی حضور خادم کو بیعت فرما لیجئے پہلے تو حضور اس جملہ کے
جواب میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ تیرا پیر (شوہر) آنے والا ہے ہم تو تجھ کو جہیز دیں گے مگر
آج حضور نے تبسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ تمہارے پیر آگئے اور وہ حضرت امام صاحب قبلہ
میں فروکش ہیں مگر خوب بن سنور کر جانا حضرت شیخ جلال حسب ارشاد حضور قبلہ عالم بہت عمدہ
پوشاک سے مزین ہو کر ایک صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہوئے اور حضرت امام صاحب کی طرف
روانہ ہو گئے حضرت امام صاحب میں اسی روز حضرت خواجہ خواجگان خواجہ شمس الدین ترک پانی
پتی صاحب ولایت پانی پت ہو کر تشریف لائے تھے کہ اتنے میں شیخ جلال گھوڑے پر سوار
ہو کر خواجہ صاحب کے سامنے سے نمودار ہوئے حضرت خواجہ نے سوار کو دیکھ کر تبسم
فرمایا اور کہا کہ میاں شاہسوار ذرا ہمیں بھی اپنے گھوڑے کی چال دکھاؤ حضرت شیخ جلال نے
توسن کو مہمیز کیا گھوڑا الف ہو گیا اور شیخ زمین پر در آئے حضرت خواجہ نے شیخ صاحب کو سینے
سے لگایا اور نعمت ولایت سے مالا مال کر دیا۔

اس واقعہ کا علم کہ حضور خواجہ صاحب تشریف فرما ہیں اہل شہر کو ہو گیا لوگ
جوق در جوق حضور خواجہ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہونا شروع ہوئے تھوڑے عرصہ میں
ایک جم غفیر ہو گیا عصر کی نماز کے لئے اذان ہوئی حضور خواجہ نے حضرت شیخ جلال کو حکماً
جماعت کی امامت کے لئے کھڑا کیا شیخ جلال نے حسب الارشاد عصر کی نماز پڑھائی جب
پہلا سلام پھیرا تو جتنے اشخاص داہنی طرف تھے وہ سب کے سب صاحب وقت ہو گئے
اور جب بائیں طرف سلام پھیرا تو اُس طرف کے سب اشخاص صاحب کشف ہو گئے

اس واقعہ کی شہرت آگ کی طرح تمام شہر میں پھیل گئی نوبت باینجا رسید کہ نماز مغرب
کے بعد حضور مبارک خان صاحب حسب عادت قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے
قلندر صاحب نے مبارک خاں کو دستر خوان پر طلب فرمایا لیکن آپ کچھ کبیدہ خاطر ہو کر دستر
خوان کے قریب آئے قلندر صاحب نے وجہ کبیدگی دریافت فرمائی آپ نے نہایت افسردہ
دل ہو کر عرض کی کہ میں مدتوں سے حضور کا کھانا کھاتا ہوں لیکن آج تک میں جیسا تھا ویسا ہی رہا

دیکھئے شیخ جلال الدین آج ہی بیعت ہوئے ہیں اور آج ہی انہوں نے کئی صاحب ولایت
وکشف کر دیئے قلندر صاحب پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور سہ منی طعام سے ایک ہڈی
اٹھا کر دہن مبارک سے لگا کر شہزادہ صاحب سے فرمایا اسے اونچے کنوئیں میں ڈال آؤ
قیامت تک جو اس کنوئیں کا پانی پیئے گا وہ قطب وقت ہوگا مبارک خاں ہڈی ہاتھ میں لے
کر خوشی خوشی کنوئیں کی طرف روانہ ہوئے جب قریب پہنچے تو انہیں خیال پیدا ہوا کہ اگر میں
اس ہڈی کو اکیلا چبا جاؤں تو شاید مجھ میں کتنی قوت ہو جائے اسی خیال پر ہڈی کو منہ میں
رکھ لیا منہ میں رکھنا ہی پیغام اجل تھا فوراً جاں بحق تسلیم ہوئے۔

جب دیر تک مبارک خاں قلندر صاحب کی خدمت میں نہ پہنچے تو آپ نے مولانا
سراج الدین رکوعی کو دریافت حال کے لئے روانہ فرمایا مولانا نے کنوئیں کے قریب آ کر دیکھا
تو معاملہ کچھ اور ہی نظر آیا جلدی سے قلندر صاحب کو کیفیت واقعہ سنائی قلندر صاحب سنتے
ہی وجد میں آ گئے اور اسی جوش میں "اناللّٰہ وانا علیہ راجعون" پڑھتے ہوئے کنوئیں پر آئے اور
محبوب کی نعش اپنے کندھے پر اٹھا کر قیام گاہ پر لائے خود ہی غسل دیا خود ہی تجہیز و تکفین
کے تمام مراحل طے فرمائے اور خود ہی نماز جنازہ پڑھا کر دفن کیا۔

جب اس واقعہ کی خبر بذریعہ عامل پانی پت علاؤ الدین خلجی بادشاہ وقت کو پہنچائی
وہ سنتے ہی دہلی سے پانی پت پہنچا اور قلندر صاحب سے حضرت مبارک خاں
کے گنبد کی تعمیر کی اجازت چاہی آپ نے قبول فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا
کہ ایک چھتری نما گنبد ہمارے لئے بھی محبوب کے پاؤں میں بنوا دو ہم بھی اپنے محبوب کے
قریب رہیں گے مگر اس کے معمار حافظ قرآن ہوں۔

علاؤ الدین نے حسب الارشاد گنبدوں کی تعمیر شروع کرا دی خضر خاں کو تا اختتام پانی پت رہنے
کی تاکید کی شاہزادے نے تھوڑے عرصہ میں دونوں گنبد تعمیر کرا دیئے قلندر صاحب نے
جب گنبدوں کا ملاحظہ کیا تو شہزادے کو فرمایا تو نے ہماری ہدایت کے موافق گنبد کیوں
تعمیر نہیں کرایا اور اس کا رخ کیوں بدلا شہزادہ نے دست بستہ عرض کی کہ جانب شمال ایک
یتیم کی اراضی تھی جو میں خرید نہ سکتا تھا اس جواب سے قلندر صاحب بہت خوش ہوئے

اور تعمیر بنا فرمائی حضور کا گنبد وہی ہے جو علاؤالدین خلجی نے بنوایا تھا گنبد کے آگے دالان وغیرہ کا اضافہ رزق اللہ خاں نے کرایا جس کی صراحت روضہ کے بیان میں کی گئی ہے مگر حضرت مبارک خاں کا گنبد سنہ ۱۱ھ میں خواجہ معین الدین مولائے انصاری پانی پتی نے دوبارہ تعمیر کرایا۔

کمال الدین فیروز تغلق

خاندان تغلق کے دوسرے فرمانروا محمد تغلق کے چچا زاد بھائی تھے محمد تغلق کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے انہیں بھی حضرت قلندر صاحب سے نیاز حاصل تھا۔

ایک دفعہ عین عالم شباب میں قلندر صاحب کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا آپ نے فرمایا تیرا کیا نام ہے عرض کی کمال الدین اور فیروز شاہ لقب ہے آپ نے فرمایا تیری عمر بھی کمال کے ساتھ دولت بھی کمال کے ساتھ اور نعمت بھی کمال کے ساتھ ہوگی

کہتے ہیں کہ سلطان تغلق سلطان محمود تغلق اور سلطان فیروز لڑکپن میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے قلندر صاحب نے اپنے ایک خادم کی طرف اشارہ کیا کہ جو کچھ حاضر ہے ان کے کھانے کے لئے لے آؤ خادم کاسہ میں کھانا لایا اور ان تینوں شہزادوں کے آگے رکھ دیا جب تینوں کھانے میں مشغول ہو گئے تو اس موقعہ پر قلندر صاحب نے فرمایا سبحان اللہ کیا مبارک گھڑی ہے کہ اس وقت تین بادشاہ ایک کاسے میں کھانا کھا رہے ہیں قدرت الٰہی سے تینوں شہزادوں نے سلطنت کی

ظاہر ہے کہ قلندر صاحب نے ایک طویل عمر پائی اور مختلف بادشاہوں کے زمانے دیکھے اس مضمون میں ہم نے صرف انہیں بادشاہوں کا تذکرہ کیا جن سے قلندر صاحب کے تعلقات وابستہ رہے ہیں انکے علاوہ ناصرالدین، جلال الدین خلجی غیاث الدین تغلق بھی قلندر صاحب کے دور حیات میں تخت سلطنت پر متمکن رہے ہیں مگر چونکہ اس وقت حکومت میں نت نئے انقلاب ہوتے رہتے تھے اس لئے وثوق کے ساتھ کہا نہیں جا سکتا کہ آیا ان بادشاہوں نے قلندر صاحب کا سلوک اور برتاؤ کیسا تھا کتب سیر میں ان کے حالات دستیاب نہیں ہوئے لہذا ہم نے یہ مضمون اسی پر ختم کر دیا۔

معاصرین

حضرت محبوب الٰہی رضؔ آپ اصل نسل فاطمی سیادت تھے آپ کے والد ماجد مولانا سید احمد سادات بخارا میں ایک معزز خاندان کے برگزیدہ فرد تھے

سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں بخارا سے بدایوں آکر آباد ہوئے حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء ۶۳۶ھ میں وہیں پیدا ہوئے آپ کی والدہ کا نام سیدہ زلیخا تھا جو بڑی عابدہ۔ زاہدہ اور حافظہ قرآن تھیں

حضرت نے سولہ برس کی عمر میں علوم دینیات اور فلسفہ سے فراغت حاصل کی آپ کی والدہ صاحبہ نے علمائے وقت کو جمع کر کے اپنے ہاتھ سے کاتے ہوئے سوت کا عمامہ اس نوعمر فاضل کے سر پر باندھا اس کے بعد آپ والدہ اور ہمشیرہ صاحبہ کی معیت میں بدایوں سے دہلی چلے آئے یہاں آکر مولانا شمس الملک استاد سلطان شمس الدین التمش سے سند حاصل کی اور شیخ الاسلام خواجہ فریدالدین گنج شکر کے مرید ہو کر علم تصوف ان سے حاصل کیا اور نیابت و خلافت دہلی پر مامور ہو کر یہاں تشریف لائے چہار شنبہ کے دن ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

آپ قلندر صاحب سے مخلصانہ نیاز رکھتے تھے جس وقت سلطان علاؤالدین خلجی نے امیر خسرو کو تحائف و ہدایہ دے کر قلندر صاحب کی خدمت میں بھیجا تو امیر خسرو کو حضرت محبوب الٰہی کا یہ فرمانا کہ "قلندر صاحب جو کچھ فرمائیں اُسے تسلیم کرنا اور معترض نہ ہونا" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی کے دل پر قلندر صاحب کی بزرگی اور روحانی ترقی بہت قوی تھی جب ہی تو آپ نے فرمایا کہ وہاں چوں و چرا کی گنجائش نہیں قلندر صاحب کے تعلقات بھی حضرت محبوب الٰہی سے نہایت خوش گوار اور برادرانہ تھے آپ بھی حضرت کی شان محبوبیت کے متوالے تھے۔

تذکروں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ قلندر صاحب اور امیر خسرو باطنی طور پر

حضور رسول مقبول کی محفل اقدس میں حاضر رہتے کچھ عرصہ کے بعد مراقبہ سے فارغ ہو کر عالم ظاہری
کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص دست بستہ کھڑا ہے قلندر صاحب نے پوچھا تو کون
ہے اور کیوں کھڑا ہے اس نے عرض کی بندہ بخارا کا رہنے والا ہے اور مرشد کامل کی
تلاش میں یہاں آیا ہے مگر اب تک حسب مراد کوئی شیخ نظر نہیں آیا اب دہلی سے آپ کی خدمت
میں حاضر ہوا ہوں قلندر صاحب فرمانے لگے بھائی تو دہلی چھوڑ کر یہاں کیوں آیا سلطان
المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی دہلوی کی خدمت میں کیوں نہیں گیا وہاں تیرا
مطلب بھی حاصل ہو جاتا۔ اس پر وہ شخص عرض کرنے لگا کہ جب بندہ بہاؤ الدین شیخ کامل کی
تلاش میں دہلی پہنچا تو خلق اللہ سے سنا کہ یہاں نظام الدین اولیا اور پانی پت میں شیخ شرف الدین
بو علی قلندر رہتے ہیں خلائق میں یہ سنتے ہی بندہ حضرت خواجہ کی خانقاہ میں گیا اور دیکھا کہ حضور
کے تمام مریدین اور طلبا ء عالم تحیر میں غرق ہیں کسی آئے گئے کی انہیں خبر نہیں وہاں سے
سیدھا اس حجرہ کی طرف گیا جو حضور کی مخصوص نشست گاہ ہے کیا دیکھتا ہوں کہ حجرہ کی چھت
نہیں ہے اور زمین سے آسمان تک نور برس رہا ہے اور ایک نوجوان شکیل آدمی حسینانہ
لباس پہنے ہوئے بیٹھا ہے اور اس کے آگے ایک دلہن سرخ جوڑا میں ملبوس ناز و انداز
کے ساتھ دو زانو بیٹھی ہے جب میں نے یہ عجیب منظر دیکھا تو خائف ہو کر خانقاہ سے باہر نکل
آیا اور خیال کرنے لگا کہ شاید یہ مکان کسی امیر کا ہے اچھا ہوا کہ کسی نے دیکھا نہیں ورنہ نامعلوم
مجھے اس ناشائستہ حرکت کے عوض میں کیا سزا ملتی وہاں سے ناامید ہو کر حضوری میں آیا ہوں

"قلندر صاحب سارا واقعہ سن کر کیفیت میں آ گئے اور بار بار وہی داستان اس
شخص سے پوچھتے تھے اور کیفیت میں آتے تھے اور اس شخص کی آنکھیں چومتے تھے
اور فرماتے تو بڑا خوش نصیب ہے جو تو نے ایسا عمدہ موقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے
جو کسی کو میسر نہیں بیٹھ جاؤ میں تیرے قدم لوں اس کے بعد اپنے مریدوں اور طالب علموں
کو بلا کر فرمایا اس شخص کی اچھی طرح زیارت کر لو کیونکہ یہ محبوب الٰہی کی شان محبوبیت دیکھ کر
آیا ہے پھر اس آدمی سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے بھائی مجھ سے کیا چاہتا ہے مجھ کو اس مرتبہ
کا دسواں حصہ بھی نصیب نہیں جا آپ ہی کی خدمت میں حاضر ہو اور اسے حضرت امیر خسرو

کے ساتھ محبوب الٰہی کی خدمت میں بھیج دیا۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قلندر صاحب حضرت محبوب الٰہی کی شانِ محبوبیت کے عاشق تھے اور ان کے مکاشفات روحانی کے مقابلہ میں اپنی قلندریت کو ہیچ سمجھتے تھے گو اس میں ایک طرح کی کسرِ نفسی ہے لیکن حسنِ عقیدت کا کیسا بیّن ثبوت ہے۔

تذکروں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ امیر خسرو ملاقات کے لئے قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے امیر سے فرمایا خسرو میں اکثر رسول مقبول کی بزمِ قدسی میں تمام اولیاء اللہ کو دیکھتا ہوں مگر شیخ نظام الدین صاحب مجھے اس محفل میں دکھائی نہیں دیتے اس کا کیا سبب ہے حضرت امیر اس وقت تو خاموش رہے جب دہلی آئے تو پیرِ طریقت حضرت محبوب الٰہی کو اس واقعہ سے آگاہ کیا حضرت نے فرمایا خسرو جا اور قلندر صاحب سے کہنا کہ اگر آپ بزمِ نبوی میں جائیں تو جہاں آنحضرت جلوہ افروز ہوں گے اُن کی پشت کی طرف ایک حجرہ ہے فقیر کو اُس میں دیکھ لینا حضرت امیر اتنی بات سن کر قلندر صاحب کے پاس آئے اور سارا حال سُنا دیا قلندر صاحب نے فرمایا آؤ آج ہم دونوں آنحضرت کی انجمنِ فیض موطن میں چلیں اور شیخ نظام الدین کو دیکھیں جب دونوں حضرات بزمِ نبوی میں پہنچے تو تمام اولیاء اللہ کو کھڑے ہوئے دیکھا امیر خسرو بھی اسی جگہ کھڑے ہو گئے لیکن قلندر صاحب اُس حجرہ کی طرف گئے اور چاہا کہ شیخ نظام الدین کو دیکھوں مگر پاسِ ادبِ آنحضرت کے قدم نہ بڑھا سکے ایک نعرہ مارا اور کہا ؎

پردہ بردار کہ ما روئے چوں مہرت نگریم ورنہ از آہ جگر پردۂ عالم بدریم

حضرت رسالت پناہ نے قلندر صاحب کو بیتاب دیکھ کر فرمایا "شرف الدین کیا چاہتا ہے" عرض کی حاشیہ بوستان بساط پر سب روشن ہے" فرمایا "محبوب نظام الدین کے دیدار کا طالب ہے" آپ نے عرض کی "ہاں یا رسول اللہ" آپ نے فرمایا آؤ دیکھو محبوبیت کے پردے میں بیٹھا ہوا ہے قلندر صاحب زمینِ ادب کو بوسہ دے کر حجرہ کی طرف دوڑے کیا دیکھتے ہیں کہ خواجہ نظام الدین ایک سفید مصلّے پر نہایت عشوقی و رعنائی کے ساتھ حسینانہ لباس میں بیٹھے ہوئے ہیں قلندر صاحب نے آپ کے اس مرتبہ کو دیکھا اور گرویدہ ہو گئے

ایسے واقعات اور بھی بکثرت ہیں مگر ہم نے بخوفِ طوالت انہیں قلم انداز کر دیا ہے۔

امیر خسرو دہلوی

ترک قوم کے تھے پٹیالی ضلع ایٹہ میں تولد ہوئے آپ کے والد ماجد کا نام امیر سیف الدین محمود تھا حضرت امیر نو برس کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا آپ کی طبیعت ابتدا ہی سے موزوں واقع ہوئی تھی۔ والد کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

سیف از سرم گذشت و دلِ من دو نیم شد   دریائے من روان شد و دُرِّ یتیم ماند

آپ کے والد نے جب آپ کی طبیعت صوفیہ کی طرف متوجہ پائی تو آپ کو حضرت محبوبِ الٰہی کی خدمت میں لے گئے دروازے پر پہنچ کر آپ نے والد سے پوچھا مجھے کہاں لیے جاتے ہو۔ والد نے فرمایا حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں مرید کرانے کو لایا ہوں یہ سن کر امیر صاحب نے بے ساختہ فرمایا کہ جناب پیر کا پسند کرنا میرا فعل ہے نہ کہ آپ کا حضرت کے والد آپ کو دروازے پر چھوڑ کر اندر چلے گئے حضرت امیر نے دروازے پر بیٹھ کر ایک رباعی موزوں لکھی با ایں خیال کہ اگر پیر روشن ضمیر ہے تو خود بخود جواب دے گا۔ وہ رباعی یہ ہے:۔

تو آں شاہے کہ بر ایوانِ قصرت   کبوتر گر نشیند باز گردد
غریبے مستمندے بر در آمد   بیاید اندروں یا باز گردد

دل را بدل رہیست حضرت محبوب الٰہی کو کشفِ باطنی سے امیر کا ارادہ معلوم ہو گیا خادم کو بلا کر فرمایا ایک ترک بچہ ہمارے دروازے پر بیٹھا ہوا ہے تم جا کر یہ رباعی اُس کو سناؤ:۔

بیاید اندروں مردِ حقیقت   کہ با ما یک نفس ہمراز گردد
اگر ابلہ بود آں مردِ ناداں   ازاں راہے کہ آمد باز گردد

خادم نے رباعی پڑھی امیر اندر آئے اور مرید ہو گئے پھر تو پیری و مریدی کے تعلقات ایسے بڑھے کہ حضرت نے امیر کو ترک یعنی معشوق کا خطاب دیا ؎

گر برائے ترکِ تُرکم ارہ بر تارک نہند   ترکِ تارک مے کنم ہرگز نہ گیرم ترکِ تُرک

حضرت امیر کی ارادت کا یہ حال تھا کہ دن دربارِ شاہی میں کٹتا اور رات

شہنشاہِ دین کے قدموں میں بسر ہوتی حضرت امیر کا وصال ۷ شوال ۷۲۵ھ میں ہوا۔

بارہا انہیں بھی قلندر صاحب سے شرف نیاز حاصل ہوا اور آپ ہر دفعہ فیضِ روحانی سے فیض یاب ہو کر واپس آئے علم دوست تھے شاعر تھے قلندر صاحب کو اپنا کلام سنا کر خلعتِ پسندیدگی حاصل کی قلندر صاحب آپ کے اشعار سن کر وجد کرتے تھے اور حضرتِ امیر کا یہ حال تھا کہ قلندر صاحب کا کلام سن کر زار زار روتے تھے۔

مولانا جلال الدین رومی رح

قلندر صاحب نے سیر و سیاحت بہت کی ہے اسی سلسلہ میں حضرت مولانا روم و حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ملے اور اُن سے فیض حاصل کیا مولانا آپ کو شرف الدین ہندی سوداگر کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے مولانا شبلی نعمانی نے بحوالہ ریاض العارفین سوانح مولانا روم میں لکھا ہے کہ۔

"شاہ بو علی قلندر پانی پتی جن کو تمام ہندوستان جانتا ہے مدت تک مولانا کی صحبت میں رہے اور اُن سے مستفیض ہوئے"

قلندر صاحب کا اپنا بیان ہے کہ۔

"در روم بمولانا شمس الدین تبریزی و جلال الدین رومی رسیدم و از ایشاں نوازش یافتہ باز در پانی پت آمدہ مقیم گشتم"

شرف بہ ہند در عارفی فرود کشاد | ولے بہ روم و خراساں ولائیتش فی اسند

جلال الدین کبیر الاولیا

آپ نسباً عثمانی تھے شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کے مرید اور خلیفہ تھے آپ کا اصلی نام خواجہ محمود ہے مادر زاد ولی تھے اکثر لڑکپن میں صحرا کی جانب نکل جاتے اور ذاتِ حق میں مستغرق رہتے استغراق کا یہ عالم تھا کہ کسی غیر کی اصلاً خبر نہ رہتی مگر آپ کے مریدین نماز کے وقت آپ کو ہشیار کر دیتے آپ کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز مکہ شریف میں ادا فرماتے آپ کے جدِ امجد شیخ داؤد خواجہ نصیر الدین روشن چراغ دہلوی سے ارادت رکھتے تھے جو حضرت محبوب الٰہی کے خلفا میں سے تھے مخدوم جلال الدین کے جدِ امجد ہلاکو خاں کے حادثہ میں بلخ سے علاؤ الدین کے عہد میں

ہندوستان آئے آپ کی ولادت پانی پت میں ہوئی قلندر صاحب نے آپ کو اپنی گود میں کھلایا تھا۔ قلندر صاحب آپ کو اپنا محرم خاص اور عزیز سمجھتے تھے زاد الابرار میں لکھا ہے کہ

"شرف الدین بوعلی قلندر را او بسیار دوست میداشت"

شیخ جلال الدین بھی قلندر صاحب کے مکشوفات روحانی پر فریفتہ تھے بارہا آپ نے قلندر صاحب سے شرف بیعت حاصل کرنے کے لئے التجا کی مگر حضور قلندر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تیرا شوہر (پیر) آنے والا ہے ہم تو تم کو بہبزدیں گے چنانچہ ایک روز شیخ شمس الدین ترک پانی پتی پانی پت تشریف لائے اور مخدوم جلال الدین شمس الدین ترک کے مرید ہو گئے۔

قلندر صاحب کی بشارت صحیح نکلی قلندر صاحب کو آپ کی صحبت اس قدر پسند تھی کہ جب حضرت شمس الدین نے حضرت جلال الدین کو پانی پت کی ولایت تفویض فرمائی تو آپ نے فرمایا الحمد اللہ میرا وطن بغیر چوکیدار کے تھا برادرم شمس الدین نے جلال الدین کو اس کا نگہبان مقرر کر دیا جس کی اس جگہ اشد ضرورت تھی۔

جب یہ خبر خواجہ شمس الدین کو پہنچی تو آپ نے ایک پیالہ پانی کا بھر کر حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں بھیجا قلندر صاحب نے تبرکاً اس میں گلاب کا ایک پھول ڈال کر پیالہ واپس بھجوا دیا۔

مخدوم جلال الدین کے ساتھ قلندر صاحب کے مخلصانہ تعلقات بہت ہیں مگر ہم نے بخوف طوالت اتنے پر ہی اکتفا کیا مخدوم کی وفات ایک سو ستر برس کی عمر میں ۵ ذی قعدہ یا ۱۳ ربیع الاول ۷۶۵ھ میں بمقام پانی پت ہوئی۔ اور آپ کا وہیں مزار ہے جس کا گنبد ابراہیم لودھی نے بنوایا تھا حضرت مخدوم کے وصال کی تاریخ ذیل کی رباعی سے ظاہر ہوتی ہے:۔

جلال از جہاں چوں بجنّت رسید	بنہ رحل آں شیخ اہل کمال
رقم ساکن خلد شد از رقم	دوبارہ خدا و ناہ اہل جلال۔

آپ کے دونوں پہلوؤں پر آپ کے صاحبزادے خواجہ جیلی شہباز و خواجہ

محلہ ابراہیم کے مزارات میں خواجہ شبلی کی وفات کی تاریخ اس رباعی سے ظاہر ہوتی ہے۔

حضرتِ شبلی شہ ہر دوسرا	شد چوں از دنیا بجنت یافت جا
نیز شبلی واصل دیں پیشوا	سالِ وصلِ او بگو شبلی تقی

ملک علی انصاری

یہ بزرگ ہرات کے فاضلوں کے پیشوا تھے اور قلندر صاحب سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔ لکھا گیا ہے کہ جب قاضی ضیاء الدین نے پانی پت کے تاجک سرداروں کے اغوا پر قلندر صاحب کے خلاف محضر تیار کرکے خواجہ موصوف کے پاس مُہر تصدیق کے لئے بھیجا تو آپ نے محضر کے پُرزے پُرزے کر دئے یہ صرف حسنِ عقیدت کا نتیجہ تھا۔

آپ قلندر صاحب کو فخریہ اپنے پیر و مُرشد کہا کرتے تھے اور بے حد فیوضات آپ سے حاصل کئے قلندر صاحب کو بھی آپ سے انتہائی محبت تھی کئی دفعہ ایک دستر خوان پر کھانا کھایا غرضیکہ ملک علی قلندر صاحب کے معتقد معاصرین میں سے تھے قلندر صاحب ہی کے ارشاد کے مطابق پانی پت میں سکونت اختیار کی ایک دفعہ قلندر صاحب نے دانہ جو کو انگشتِ شہادت سے زمین میں گاڑ کر ملک موصوف سے فرمایا کہ ہم نے تمہاری اولاد کی جڑ تحت الثریٰ تک بٹھا دی ہے انشاء اللہ قیامت تک آباد رہے گی۔

انہی ایام میں سُلطان غیاث الدین بلبن نے قلندر صاحب کی ملاقات کی خواہش پر پانی پت آنے کی اجازت چاہی حضور نے اُسے منع فرما دیا اور کہلا بھیجا کہ اگر مُجھ سے ملنا چاہتے ہو تو سونی پت آجاؤ میں بھی سیّد ناصر الدین شہید کی زیارت کے لئے وہاں حاضر ہوؤں گا چنانچہ سلطان بلبن بموجب ارشاد سونی پت پہنچا اور شرفِ ملاقات سے مشرف ہو کر خواہش ظاہر کی کہ حضور مجھے کچھ کام فرمائیں تاکہ بسر و چشم بجا لاؤں قلندر صاحب نے نہایت استغنا سے جواب دیا کہ مجھے کوئی کام نہیں سلطان دست بستہ اصرار کرنے لگا بالآخر قلندر صاحب نے فرمایا کہ اگر تمہیں زیادہ خواہش ہے تو ایک ایلچی پانی پت بھیج کر ملک علی انصاری کو یہاں بلاؤ اور جو کچھ تمہارا دل چاہے اُس کی خدمت کرو سلطان نے ارشاد کی تعمیل کی اور ملک مذکور کو پانی پت سے بلا کر کئی ہزار بیگہ زمین عطا کی قلندر صاحب کے

زمانہ سے لے کر اب تک قوم انصار قصبہ پانی پت میں معزز ہے اور ملک علی کی اولاد اب تک چلی آرہی ہے جن میں بعض صاحب کمال اپنے زمانے کے عارف بھی ہوئے ہیں چنانچہ شیخ امان، خواجہ عبدالحی صاحبؒ، شیخ حسین مرید سید عبدالرزاق جھنجھانوی و مولانا خواجہ الطاف حسین حالی وغیرہ۔ ملک علی انصاری کی تاریخ وفات ہمیں دستیاب نہیں ہوسکی۔

مولانا سراج الدین رکوعی

قلندر صاحب کی محفل کے حاضر باش تھے اور قلندر صاحب اپنے دل کی باتیں اور منازل سلوک کے سربستہ راز ان کو اپنا محرم خاص سمجھ کر سنایا کرتے تھے آپس میں فقیرانہ صحبت تھی ایک دفعہ قلندر صاحب اپنی بیعت کے متعلق مولانا موصوف سے فرمانے لگے۔

"اے سراج الدین مجھے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی اس طرح فیض پہنچا ہے جس طرح آفتاب کی شعاع سے دیوار چمک اٹھتی ہے"

ایک دفعہ ایک شخص نے مولانا سراج الدین سے قلندر صاحب کی بیعت کے متعلق دریافت کیا کہ حضرت قلندر صاحب کس کے مرید تھے تو مولانا نے جواب دیا امیر علی علیہ السلام کے اس نے کہا یہ بات لوگوں میں کم مشہور ہے مولانا نے فرمایا سچائی جو ارادت ظاہری طور پر ہوتی ہے وہ عوام میں مشہور ہو جاتی ہے لیکن یہ ارادت روحانی ہے اس کا شہرہ عوام میں کیوں کر ہو سکتا ہے ہاں جو لوگ صاحب باطن ہیں وہ جانتے ہیں۔

حضرت لال شہباز قلندرؒ

یہ بزرگ بھی قلندر صاحب کے معاصرین میں سے تھے اپنے زمانے کے کامل بزرگ تھے سوہان کی ولایت آپ کے سپرد تھی قلندر صاحب کے کشف و کرامات اور بندہ نوازی کا شہرہ سن کر ایک دفعہ موضع لوہاری کھیڑ میں حضور کی ملاقات[1] کے لئے تشریف لائے قلندر صاحب نے عارفانہ

[1] حضرت شہباز قلندر شیر کی پیٹھ پر سوار ہو کر آئے تھے اس وقت حضرت قلندر صاحب ایک دیوار پر بیٹھے ہوئے تھے حکم دیا کہ تو بھی استقبال کے لئے چل دیوار پانچ یا گیارہ قدم چلی دیوار مذکور ۱۹۱۱ء تک محفوظ تھی لیکن اب اس کو چھپا کر تعزیہ کی شکل میں کر دیا گیا ہے گنبد دیوار پر پہلے سے تھا۔

نوازش فرمائی کئی روز تک اپنی صحبت میں رکھا شہباز بھی آپ کے معتقد ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد روحانی فیوضات سے مستفیض ہو کر اپنی ولایت (سوہان) کو چلے گئے چونکہ عقیدت بڑھ چکی تھی اس لئے بعد میں بھی کئی دفعہ شرف حضوری و نیاز حاصل کرتے رہے آپ کی وفات سوہان میں ہوئی اور وہیں آپ کا مزار ہے۔

شیخ احمد یحییٰ سہروردی منیری رحمۃ اللہ علیہ

آپ سلسلہ فردوسیہ کے کامل و اکمل ترین بزرگ صاحب وقت تھے شہر بہار آپ کا مولد و مسکن ہے آپ کے ہاں اولاد نہ ہوتی تھی چنانچہ اسی پریشانی میں قلندر صاحب سے دعا کرانے کے لئے حاضر آستانہ ہوئے قلندر صاحب نے فرمایا بھائی احمد تیری قسمت میں اولاد نہیں ہے خیر اپنی پشت کو میری پشت سے رگڑ میرے ایک لڑکا ہے وہ تجھے دے دوں شیخ نے حسب الارشاد پیٹھ رگڑ دی اور وہ نور حضرت سے شیخ کی طرف منتقل ہو گیا قلندر صاحب نے اس تفویض و عنایت کے بعد شیخ موصوف کو وطن کی طرف رخصت کیا اور ہدایت فرمائی کہ بھائی احمد راستہ میں آگرہ کے قریب ایک حسینہ تیری انتظار میں سر راہ بیٹھی ہے وہ تجھے کتنا ہی ورغلائے نکاح کی التجا کرے لیکن تم اس کی ایک نہ سننا اور سیدھا اپنے وطن جا کر اس نور کو اپنی بیوی کی طرف منتقل کر دینا[1] شیخ نے ایسا ہی کیا اور بحسن تقدیر لڑکا پیدا ہوا شیخ نے اس کا نام شرف الدین رکھا آپ شرف الدین بہاری کے لقب سے مشہور ہیں اور بہار میں آپ کا مزار ہے ۱۴ ماہ شوال کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔

اس واقعہ سے شیخ کے دل پر قلندر صاحب کی عقیدت اور بھی نقش ہو گئی شیخ احمد کا وصال بروز جمعرات ۱۱ شوال سنہ ۶۸۲ھ میں شہر منیر میں ہوا آپ نے استراحت فرمائی

آپ کے معاصرین میں سے حسب ذیل حضرات قابل ذکر ہیں:-

حضور بابا صاحبؒ۔ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتیؒ۔ مخدوم صابرؒ۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ۔ خواجہ نصیر الدین روشن چراغ دہلویؒ۔ سید محمد بندہ نواز گیسو درازؒ۔ سید شرف الدین امروہوی

---

[1] اور شیخ موصوف کو آپ نے یہ بھی ہدایت کی تھی کہ جو لڑکا پیدا ہو اس کا نام ہمارے نام پر رکھنا۔ ۱۲منہ

شاہ کمال کیتھلی، شاہ عالم گھانوی، مولانا رومؒ، خواجہ حافظ شیرازی، مولانا وجیہہ الدین پائلی، ظہیر الدین بخاری، صدر الدین قونوی، شریعت الدین، فخر الدین ناقلی، شریعت الدین ترکی، معین الدین دولت آبادی، نجم الدین سمرقندی، قطب الدین مکیؒ، مولانا احمد بخاری رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

مشاغل

درس شرف نبود از الواح ابجدی لوح جمال دوست اورا در برابر است

جن عاشقانِ حق کے رجوع الی اللہ اور مشاغل عن الحق میں بڑے سے بڑے موانع بھی بڑھی نہ پھیلا سکیں ان کے مشاغل پر قلم اٹھانا محالات سے ہے کیونکہ وہ جس شغل میں بھی ہونگے رجوع الی اللہ ہوں گے اور ان کے حضورِ قلب میں فرق نہ آئے گا لیکن لازمۂ انسانی سے گریز نہیں ہو سکتا اس لئے ہم قلندر صاحب کے مشاغل پر تیمناً کچھ لکھتے ہیں

قلندر صاحب ان قدسی صفات بزرگوں سے ہیں جن کی شان میں "الشعراء تلامیذ الرحمان" جیسا خطاب وارد ہے تذکرہ نویسوں نے آپ کی عمر شریف کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا حصہ حصول تعلیم کا ہے جس میں نامور استادوں سے علم حاصل کیا بالخصوص عربیت سے آپ کو خاص لگاؤ تھا قرآن مجید حفظ کیا اور دیگر علوم متداولہ حاصل کئے اس دور میں یہی شغل رہا۔

دوسرا حصہ تعلیم دینے اور موعظت و نصیحت میں صرف ہوا تذکرہ نویس بتلاتے ہیں کہ آپ مسجد قوت الاسلام میں وعظ فرمایا کرتے تھے چونکہ حافظ قرآن تھے نیز رموز و نکات قرآنیہ کے بیان کرنے میں آپ کو کمال حاصل تھا اس دور میں شعر کے متعلق کبھی سوچتے کہ مناصب اسی دور کی تصنیف ہے جو آپ کے افتا کا مجموعہ ہے قلندر صاحب کا اپنا بیان ہے۔

"جمیع درویشاں و دانش مندان جمع شدہ بایں درویش گفتند کہ میان ما بزرگ ترونی مولانا وجیہہ الدین پائلی مولانا ظہیر الدین بخاری مولانا فخر الدین

نافلی، مولانا شریعت الدین ترکی، مولانا معین الدین دولت آبادی، مولانا نجم الدین سمرقندی، مولانا قطب الدین مکیؒ، مولانا احمد بخاری و علمایانِ دیگر رحمۃ اللہ علیہ و الغفران ہر یک باتفاق بریں درویش آمدند و اجازتِ فتویٰ کردند از ایشاں قبول کردم بست سال فتویٰ دادم"

آپ کی تصانیف کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ متقدمین صوفیہ کا کلام منظوم و منثور آپ کے اکثر زیرِ مطالعہ رہتا مکتوبات شریف میں متقدمین صوفیاء کے اشعار و اقوال بکثرت آپ نے نقل فرمائے ہیں سر العشق میں آیاتِ قرآنیہ کی عارفانہ تشریح کے علاوہ عشق کی رفعت و عظمت کمال بلند آہنگی سے بیان فرمائی ہے روح الارواح آپ کے زیرِ مطالعہ رہتی تھی سر العشق میں اس کے حوالے بھی درج ہیں حضرت بو علی فارمدی نقشبندی کے اقوال سے بھی آپ کو دلچسپی تھی دیوان عراقی اور لمعات کا مطالعہ بکثرت کرتے تھے رموز و نکات کا بالوضاحت بیان کرنا آپ کو آسان تھا مکتوبات میں اپنے بعض اشعار کی تشریح اور دیگر متقدمین کے کلام کی شرح نہایت ہی عالمانہ اور فاضلانہ انداز میں لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اعلیٰ درجہ کے عالم باعمل نامور فقیہ و محدث اور اعلیٰ درجہ کے ادیب تھے اس دور میں الفیہ تصانیف بھی لکھی گئی ہیں مولانا رومؒ کی مثنوی شریف بھی آپ کے مطالعہ میں تھی آپ نے اپنی مثنوی میں مثنوی معنوی کے اکثر مصرعے استعمال کیے ہیں۔

تیسرا دور رشد و ہدایت و تلقین مریدین اور سیر و سیاحت کا ہے اس دور میں وقت کے بڑے عارفوں نے آپ سے فیض حاصل کیا اور اسی زمانہ میں آپ نے ریاضت ہائے شاقہ اور سخت مجاہدات سے نفس کو مغلوب کیا بھاگ دڑی کے جنگلوں میں مناظرِ قدرت اور معرفتِ کردگار کا مطالعہ کرتے رہے۔

یہ وہ صحرائی مقام ہے جو موجودہ قصبہ پانی پت سے جانب شرق دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے کہتے ہیں قلندر صاحب وہاں جا کر شیروں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے ہم عمر بچے بھی آپ کے ساتھ رہا کرتے تھے و نیز جمعہ کے روز آپ وہاں ضرور جایا کرتے تھے زمانہ اخیر میں آپ نے وہاں سکونت اختیار کر لی تھی اب تک وہاں آپ کی مخصوص نشستگاہ

ہے جس کے آثار ہنوز باقی ہیں اور یہ جگہ پیر گوٹی کے نام سے مشہور ہے۔

چوتھا حصہ سکوت و محویت اور جذب و استغراق کا ہے یہ وہ دور ہے جس میں نہ اپنی خبر نہ خبر کار جس نہ ہمہ کا نشان نہ اوست کی ضرورت تھی یہ ہو کا مقام تھا اس مقام میں جس کو نگاہِ جمال سے دیکھا کامل کر دیا چنانچہ اس نگاہِ جمال نے صدہا پتھر پارس اور آہن کندن کر دئے اور اگر کسی کو بنظرِ جلال دیکھا تو فنا کستر کر دیا اس مقام میں آپ کی نظر لوحِ محفوظ کے غیبی نوشتوں پر تھی جو کچھ زبان سے کہا پورا ہو کر رہا غرضیکہ یہیں اس پاک ہستی کے مشاغل جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حیاتِ قلندری ایک متقی اور نیک انسان کی زندگی کا مکمل اور جامع نمونہ تھی

دعوت و تبلیغِ اسلام

یہ امرِ واقعہ ہے کہ دعوت و تبلیغِ اسلام کا اہم کام جس قدر ہندوستان میں ہوا ہے اس کے واقعات تاریخ میں سنہری حرفوں کی حیثیت سے خطِ پاشاں کا حکم رکھتے ہیں اس دعوت و تبلیغ میں زیادہ حصہ بنی فاطمہؓ کا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بنی فاطمہؓ کون ہیں اس کی تشریح یہ ہے کہ اولاد دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو صلبی جو دنیا کے دستور کے موافق ماں اور باپ سے پیدا ہوتی ہے ایک روحانی و معنوی جو کسی شخص کو راہِ سلوک میں اپنا ہادی اور پیشوا تسلیم کرے اور اس کی پیروی کو سعادتِ ابدی تصور کرے ایسی اولاد روحانی و معنوی اولاد کہلاتی ہے۔ پس حضرت امیر المومنین مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ کی صلبی اولاد بھی تمام اقصائے عالم میں پھیلی ہوئی ہے اور روحانی اولاد بھی بکثرت موجود ہے اس لئے اس روحانی اولاد کے کارنامے بھی بنی فاطمہ کے کارنامے شمار کئے جاتے ہیں۔

ہادیٔ برحق داعیٔ اسلام مبلغ اعظم قبلۂ عالم پناہ پانی پتی داعیانِ اسلام میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں آپ کو چونکہ حسب الارشاد فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مولائے کائنات رضی اللہ عنہ سے براہِ راست فیض پہنچا اور آپ کی روحانی تربیت بھی امیر علیہ السلام نے فرمائی اس لئے آپ کا نام امیر علیہ السلام کی روحانی اولاد میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے

لہذا بنی فاطمہ کے تبلیغی کارناموں اور داعیانِ اسلام میں آپ کا درجہ بھی نہایت ممتاز تسلیم کیا گیا ہے آپ نے تبلیغ اور دعوتِ اسلام کا کام نہایت وسیع پیمانہ پر کیا بہت سے غیر مسلموں نے آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ فرداً فرداً اشخاص کے علاوہ پانی پت کے راجپوتوں کا آپ کی دعوت سے زمرۂ اسلام میں داخل ہونا ایک ایسا واقعہ ہے جس کی نظیر اشاذ کالعدم کا حکم رکھتی ہے۔

مسٹر آرنلڈ بی۔ اے۔ نے پریچنگ آف اسلام میں آپ کے سلسلۂ تبلیغ و ارشاد کے ضمن میں لکھا ہے کہ تیرھویں صدی کے اخیر میں ایک بزرگ بو علی شاہ قلندر رہتے جو عراق عجم کے رہنے والے تھے پانی پت میں سکونت اختیار کی اور کم و بیش سو برس کی عمر پا کر ۱۳۲۴ء میں انتقال کیا پانی پت کے مسلمان راجپوت جن میں تین سو مرد ہیں امر سنگھ کی اولاد سے ہیں جس کو شاہ صاحب نے مسلمان کیا تھا قلندر صاحب کے مزار کی یہ لوگ بہت تعظیم کرتے ہیں اور اس کی زیارت کو جاتے ہیں"۔

ہم کو راجہ امر سنگھ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ جو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے مسٹر آرنلڈ کی اس تحریر کا حاشیہ سمجھنا چاہیئے امر سنگھ کے آبا و اجداد قصبہ پانی پت کے قدیم سے راجے چلے آتے تھے پانی پت کے مضافات ان کے قبضہ میں تھے اس وقت پایۂ تخت دہلی پر خاندانِ خلجی کا ایک بادشاہ قابض تھا چونکہ وہ مسلمانوں کے عروج و ارتقاء کا زمانہ تھا اس لیے اس نے پانی پت پر چڑھائی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجپوت سب کے سب لڑائی میں مارے گئے صرف راجہ امر سنگھ کی والدہ جو ان دنوں حاملہ تھیں بچ گئیں اپنی جان اور عصمت بچانے کے لیے ایک کمہار کے ذریعے گون میں چھپ کر خفیہ طور پر اپنے باپ کے پاس جو الہ پور ضلع سہارنپور جو وہاں کا راجہ تھا چلی گئیں چنانچہ راجہ امر سنگھ وہیں پیدا ہوئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ امر سنگھ بچپن ہی سے بڑا بہادر اور سینہ زور تھا جب ہوش سنبھالا تو ایک دن اپنے ماموں زاد بھائیوں سے کشتی لڑ رہا تھا کہ اس کی تعدی دیکھ کر انھوں نے طنزاً کہا کہ مدت سے ہمارے دروازے پر پڑا ہوا ہے اور ہمیں کو گھورتا ہے یہ بھی معلوم نہیں کہ شاید کس کا زائیدہ ہے امر سنگھ کو یہ طعن نہایت ہی ناگوار گذری فوراً شمشیر بکف اپنی ماں کے پاس

آیا اور اپنے باپ کا نام اور وطن پوچھنے لگا جس کے جواب میں اُس کی ماں نے کہا کہ تیرا باپ پانی پت کا راجہ تھا جو مسلمانوں کی لڑائی میں مع اپنی افواج کے مارا گیا صرف میں اپنی جان کی خاطر یہاں چلی آئی اور تیری پیدائش یہیں ننھیال میں ہوئی اور جن کو تو اپنا حقیقی باپ تصور کرتا ہے وہ میرے بھائی اور تیرے ماموں ہیں۔

چونکہ امر سنگھ کے دل میں راجپوتی خون جوش مار رہا تھا اس لیئے اُس نے والدہ کو کہا کہ اب مجھ پر جوالہ پور کا دانہ پانی حرام ہے میں اپنے اصلی وطن میں جا کر مسلمانوں سے اپنے باپ کا بدلہ لوں گا یا خود مارا جاؤں گا اسی جوش میں ایک اشہب تیز رفتار پر سوار ہو کر تہور و مردانگی کے ساتھ پانی پت کی طرف مسلح ہو کر روانہ ہوا جب دریائے جمنا کے کنارے پہنچا تو ایک درویش محو عبادت نظر آئے وہ درویش قبلہ بو علی قلندر تھے امر سنگھ کی سج دہج دیکھ کر قلندر صاحب نے فرمایا کہ بیٹا تجھ سے اسلام کی بو آتی ہے جس ارادہ پر تم گھر سے نکلے ہو وہ بالکل خام ہے تمہارے لیے اسلام کی حلقہ بگوشی ہی باعث عزت ہے امر سنگھ نے عرض کی کہ میں نے اپنی والدہ سے مشورہ نہیں لیا اگر اجازت ہو تو پوچھ آؤں آپ نے اجازت دی اُس نے واپس آ کر اپنی ماں سے پوچھا راوی کا بیان ہے کہ جب وہ مشورہ کر رہے تھے تو قلندر صاحب بھی وہاں موجود تھے اُس کی والدہ سے کہنے لگے کہ تم اسے اسلام قبول کرنے کی اجازت دے دو اُس نے سوال اٹھایا کہ مجھے اس میں کوئی عذر نہیں میرا صرف ایک ہی بیٹا ہے اسے اگر اجازت دے دوں تو اس کا ناطہ رشتہ کہاں ہو گا آپ نے فرمایا غم نہ کرو اس کے توافقین بھی دائرۂ اسلام میں آ جائیں گے۔

بالآخر والدہ نے اجازت دے دی مگر قلندر صاحب اسی وقت غائب ہو گئے جب امر سنگھ اجازت لے کر جمنا کے کنارہ پر آیا تو آپ وہیں ٹہلتے ہوئے نظر آئے قلندر صاحب نے پاس بُلا کر نعمت اسلام سے مالا مال کر کے امر اللہ خاں نام رکھا اور ایک ٹھیکری پر سفارش نامہ بنام سلطان علاؤالدین خلجی تحریر فرما کر امر اللہ خاں کو دیا کہ اسے سلطان کے دربار میں پیش کرنا وہ مفتوحہ علاقہ تمہیں واپس کر دے گا امر اللہ خاں پایۂ تخت دہلی میں پہنچ کر حاضر دربار ہوئے جس پر سلطان نے مفتوحہ علاقہ بخوشی واپس دے دیا اور آپ پانی پت میں آ کر

منصب راجائی پر مامور ہو گئے۔

قلندر صاحب کے تصرف باطنی سے امر اللہ خاں کے ننھیال والے تمام راجپوت مسلمان ہو گئے آپ کی شادی انہیں میں ہوئی۔ شہاب خان، شہباز خان اور دولت خاں آپ کے صاحبزادے تھے جن کی اولاد اب تک پانی پت میں موجود ہے اور ان راجپوتوں سے بھی ان کی رشتہ داریوں کا سلسلہ جاری ہے۔ پانی پت کے راجپوت آج تک حضور قبلۂ عالم پناہ سے انتہائی عقیدت رکھتے ہیں اور حضور کے مزار فائض الانوار پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں۔

خلفاء

حضور کا حلقۂ ارشاد بے حد وسیع تھا اور وقت کے اکثر اہل کمال نے آپ سے استفادہ کیا ہے حضور حکمنامہ میں خود فرماتے ہیں کہ میں وقت کے بڑے عالی پایہ اور متبحر علماء کے پیہم اصرار پر منصب فتویٰ نویسی پر مامور ہوا مگر چونکہ قلندر صاحب کے حالات حیات کسی جامع صورت میں ضبطِ تحریر میں نہیں آئے اس لئے حضور کے خلفا کی پوری تعداد معلوم نہیں ہو سکی تاہم جس قدر اسمائے گرامی معلوم ہو سکے وہ ذیل میں درج ہیں:۔

حضور مبارک خاں صاحب

حضرت کے اجل خلفا میں سے سب سے بڑے اور مقبول خلیفہ تھے جن کا فیض اس وقت تک جاری و ساری ہے آستانۂ قلندریہ میں اس وقت تک جس کو باریابی نصیب ہوتی ہے وہ شہزادہ صاحب ہی کے توسط سے ہوتی ہے جس کا سلسلہ انشاء اللہ قیامت تک یونہی رہے گا۔

مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء

آپ اگرچہ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کے مرید تھے مگر سلوک کے جملہ مراتب حضور قلندر صاحب ہی نے آپ کو طے کرائے مخدوم صاحب کو قلندر صاحب نے اپنی گود میں

کھلایا تھا جب آپ حضرت مخدوم کو سلانے تو یہ لوری پڑھتے۔

تیری کھری نے لاگا کار ہے ۔ باوری بھائی میرسانو رہے بھائی

مولانا سراج الدین رکوعی یہ بھی قلندر صاحب کے مرید اور خلیفہ تھے

مولانا سراج الدین مکی اگرچہ حضور قبلہ عالم پناہ کے استاد تھے لیکن آپ کو فیض روحانی حضور ہی سے حاصل ہوا تھا۔

مولانا شاہ اختیار الدین قلندر آپ قلندر صاحب کے برادر زادہ تھے قلندر صاحب کو آپ سے کمال درجہ محبت اور الفت تھی قلندر صاحب کے ارشاد کے مطابق آپ صاحب ولایت قنوج ہو کر وہاں تشریف لے گئے اب تک آپ کی اولاد قنوج شریف اور اس کے مضافات میں آباد ہے آپ کا مزار اقدس قنوج شریف میں ہے۔

شیخ احمد قلندر زندہ پیر رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضور قبلہ عالم پناہ سے اور مولانا شاہ اختیار الدین سے سند خلافت حاصل تھی چونکہ آپ کی بیعت حضرت خواجہ محبوب الٰہیؒ دہلوی سے تھی اور خلافت بھی اس لئے لوگ اسی بیعت کو حضرت قلندر صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ آپ کو خواجہ سلطان المشائخ دہلوی سے ارادت تھی مگر اصل یہ ہے کہ وہ بیعت حضرت کے برادرزادہ شیخ احمد قلندر کی تھی۔

مخدوم راجی جمشید راج گیری بھی آپ کے خلیفہ تھے

مشرب وطریق

شرف درعشقِ تو گشت آں قلندر　　　کہ ہنشاد و دولت یار دارد

قلندر صاحب کی زندگی کے متعلق شیعہ سُنّی کا کوئی جھگڑا نہیں کیونکہ آپ کو تاجدار احناف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوفیؒ کی اولاد ہونے کا فخر حاصل ہے اس لئے آپ کے مشرب پر قلم اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی لیکن ہم نے مناسب سمجھا کہ عام حالات کی طرح اس سے بھی ناظرین کو آگاہ کر دیا جائے کہ قلندر صاحب کا مشرب کس قدر فراخ تھا یہ لوگ ایسے جھگڑوں میں عمداً نہیں پڑتے اور ان کا مذہب قرآن شریف خدا اور رسول ہوتا ہے تاہم ہم یہ لکھنے میں کوئی تامل نہیں کہ قلندر صاحب ہر دلعزیز بزرگ تھے اپنے وقت کے تمام اہل اللہ سے نیاز حاصل تھا البتہ ان واعظوں اور مولویوں سے آپ کو خاص نفرت تھی جو سع

چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند

کے عامل تھے اور جنہوں نے مذہب کو میدان رزم بنا دیا تھا اُن کی بے راہ رویوں اور شرب الیہود کے متعلق اپنے دیوان میں اشارے کئے ہیں چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں سہ

بترس از نگہ قہر او و دم درکش　　　بزہد و طاعت خود زاہدا مشو مغرور

سماع سے آپ کو خاص لگاؤ تھا جو چشتیہ طریق کی خاص نعمت ہے اور اس خراب آباد میں اپنی کھوئی ہوئی دولت عشرت آباد نورانی جنت اور وہاں کے مناظر کو مزامیر النس کے ذریعے یاد کر کے حظ اٹھاتے تھے منکرین سماع کے متعلق فرماتے ہیں کہ اُن کے کان بہرے ہیں اور سر سودائے یار سے خالی ورنہ اشترِ بے عقل بھی جرس کی آواز پر رقص کرتا ہے سہ

گوش کر ہست یا اسد و سر خالی از سودائی یار　　　شیخ گر حظے نمیگیرد ز آہنگ سماع

یہ شغل اور شوق اس درجہ ترقی پذیر تھا کہ آپ کی وفات کے بعد جائے مدفن

پر جو تنازع برپا ہوا اُس کے فیصلہ کی ایک شرط حسب تجویز مولانا سراج الدین کی یہی تھی کہ قلندر صاحب کی لاش مبارک پر مطرب راگ گائیں اگر لاش کو جنبش ہو تو صحیح فیصلہ ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس کے علاوہ اہل بیت سے آپ کو دلی محبت تھی[1] اور عقیدے کے لحاظ سے آپ غیر متعصب سُنی تھے آخر میں ہم مشرب و طریق کے متعلق قلندر صاحب کے اپنے فیصلہ سے عنوان کو مزین کر کے ختم کر دیتے ہیں :-

" اے برادر در عشقِ محبوب چنانم کہ من خود را نمے دانم واز ہفتاد و دو ملت درمیان کیانم ہمہ را در غور مے دانم مگر بجز حسنِ معشوق دیگر نخوانم "

جنگ ہفتاد و ملت ہمہ را عذر بنہ چوں حقیقت نشناسند رہِ افسانہ زدند

تجرد و اتقا

نہ یک پسر بدلم جا کند نہ یک دختر ہزار عشق بدیں ساں بزاد و باز بمرد

ہم نے دیباچہ میں افسوس کے ساتھ اس امر کا تذکرہ کیا ہے کہ جہلا اور عوام نے قریب قریب ہر بزرگ کے متعلق من گھڑت افسانوں اور بعید از قیاس روایات کا

---

[1] آپ کے پاس ہمیشہ بچوں کا ہجوم رہتا تھا جن میں اکثر اہلِ بیت بھی ہوتے تھے ادب اور احترام کا یہ عالم تھا کہ جب تک وہ سید زادے آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جاتے آپ بدستور کھڑے رہتے اور جب بچے آپ کے گرد حلقہ باندھ کر علی علی کہتے تو آپ بہت خوش ہوتے اور جو کچھ اپنے پاس موجود ہوتا سب لٹا دیتے غرضیکہ چھوٹے بچوں کے ساتھ آپ کو انتہائی محبت تھی اسی نسبت کہ اب بھی آپ کے آستانہ مقدس پر بچوں کا ہجوم رہتا ہے یہ ہم نے بچشم خود دیکھا حضرت سید غوث علی شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ بچے ولی گر ہیں

عطاؤ مظہر۔

ایک طومار تصنیف کر لیا ہے اور پھر وہ واقعات اس رنگین بیانی سے پبلک میں لائے جاتے
ہیں کہ گو ان کو عقلِ سلیم باور کرنے کو تیار نہیں ہوتی تاہم کوئی انکار نہیں کر سکتا چنانچہ قلندر
صاحب بھی اس مشق افسانہ سازی سے بچ نہ سکے اور ان کی نسبت بھی ایسی ہی روایات
کا سلسلہ نسلاً بعد نسلاً جاری ہو گیا جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ صوفی شعرا کے کلام میں شراب
اور شاہد کا استعمال اس کثرت سے ہوا ہے کہ رفتہ رفتہ عوام نے ان تشبیہات و استعارات
اور طلبِ شرابِ حقیقی سے نفسانی نتائج اخذ کر لئے حالانکہ اصطلاحِ تصوف کے مطالعہ سے
اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ شراب و معشوق سے ان حضرات کی مراد کیا تھی اور کس بنا پر
ان الفاظ کا استعمال کیا گیا۔ اگر بنظرِ امعان و تحقیق دیکھا جائے تو ان نفسانی نتائج کی تکذیب ہو سکتی
ہے جو عوام میں مشہور ہیں پہلے ہم قلندر صاحب کی شخصیت ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں
اور پھر وہ ایک غلط العام روایات بیان کریں گے اور ان کا فیصلہ ناظرین کے مذاقِ سلیم پر چھوڑ
دیں گے کہ آیا ان روایات سے قلندر صاحب کے تقدس و اتقا پر کیا اثر پڑتا ہے۔

ہم آپ کے حالات میں لکھ چکے ہیں کہ آپ کو شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی صاحب
لمعات کے نور العین اور لختِ جگر ہونے کا فخر حاصل ہے جو طبقہ صوفیہ میں امام اور صاحبِ تصانیف
کثیرہ تھے نیز آپ کی والدہ ماجدہ سید نعمت اللہ ہمدانی کرمانی کی ہمشیرہ تھیں اور حافظہ قرآن ہونے
کے علاوہ زہد و ورع التقوہ و پرہیزگاری کا کامل نمونہ تھیں۔

آپ کی ولادت کے بیان میں لکھا گیا ہے کہ شاہ جمال قلندر چرم پوش رح نے آپ
کے کان میں آیتِ قرآنی پڑھی اور بقول بعض اسمِ اعظم پڑھا پھر حضرت مولانا سراج الدین مکی
سے قرآن شریف حفظ کیا اور دیگر علومِ مروجہ کی تکمیل کی سب سے بڑی نعمت جو آپ کو حاصل ہوئی
وہ یہ تھی کہ آپ نے حضرت امیر المومنین سے روحانی فیض حاصل کیا جس کی صراحت آپ نے
اپنے قلم سے رسالہ سلوک میں بیان فرمائی ہے۔

آپ نکاتِ قرآنیہ کے بیان کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں علم فقہ و حدیث پر پورا عبور
حاصل تھا ہمارے اس دعوے کی تصدیق آپ کی زندگی کا وہ دور کر سکتا ہے جس میں آپ
مفتیٔ شہر تھے یا وہ حضرات جانتے ہیں جنہوں نے حکمنامہ اور دیگر تصانیف کا مطالعہ کیا ہے

قلندر صاحب کی تصانیف کے تذکرے میں اجمالاً ان پر بحث کی گئی ہے جس سے قلندر صاحب کی انتہائی عظمت ثابت ہوتی ہے آپ ایک باشرع متبحر عالم اور فقیہ تھے شریعت مصطفوی کے پورے پابند اور اس پر نہایت سختی سے عامل تھے فخر کائنات کے اتباع کو فلاح کونین وسعادت دارین سمجھتے تھے جیسا کہ اپنے دیوان میں ایک نعتیہ غزل کے مقطع میں فرماتے ہیں۔

اے شرف دو جہاں اگر خواہی — ہمہ در بندگی حضرت اوست

نیز اپنے مکتوبات میں شریعت اور طریقت کا تعلق ان پر معنی الفاظ میں تمثیلات کے ذریعہ بیان فرمایا ہے۔

"در گرفتہ شریعت در دست بگیر زیرا کہ تنہ شریعت کالبد است چوں کالبد را از شریعت پاک کنی ظاہر آراستہ باشی وتن را راست کردہ باشی از شرع چوں بشریعت استقامت یابی گل طریقت در دل تو بشگفد بوئے آں معطر گرداند تنہ شریعت را چوں بوئے طریقت را شریعت بدانی و در خود بشناسد باز حقیقت ازیں شریعت پیدا آید"

اس بیان سے آپ کی وسعت نظر اور اس دستگاہ کا علم ہوتا ہے جو آپ کو علوم متداولہ اور بالخصوص تصوف میں حاصل تھی اور اگر کوئی مشتبہ الاصل واقعہ ہو بھی تو وہ حالت سکر کا ہے جو قابل گرفت نہیں۔

صوفی کے لیے کائنات کا ذرہ ذرہ معرفت کردگار کا دفتر ہے چونکہ اس کی نظر مخلوق سے خالق پر پڑتی ہے لہذا اگر وہ انسانی خط وخال میں نور مطلق کا مشاہدہ کرے تو وہ کونسی قباحت ہے کہ اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ حدیث قدسی وارد ہے اور اَلْاِنْسَانُ مِرْاٰۃُ الرَّحْمٰنِ حدیث نبوی ہے پس واقعات کی بنا پر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آپ کی نسبت افسانہ سازی کی مشق محض جہالت کا باعث ہے ورنہ عقیدت اور اصلیت ان واقعات کے خلاف ہے جو ہستی عرفانی دنیا میں امام کا درجہ رکھتی ہو جس کی عظمت طبقہ صوفیا میں مسلم اور ہمہ گیر مانی گئی ہو اس کی نسبت ایسی مشق نہایت ہی افسوسناک ہے ناظرین نے اس مختصر سی تشریح سے قلندر صاحب کی شخصیت اور عظمت کا اندازہ کرلیا ہوگا اب ہم وہ

روایات نقل کرتے ہیں جو عوام میں مشہور ہیں۔

شاہ مبارک خان

آپ سلطان غیاث الدین بلبن کے صاحبزادے تھے جو قلندر صاحب کی دعا ہی سے کتمِ عدم سے عرصۂ وجود میں آئے شاہ مبارک خان حسن و جمال میں لاثانی تھے قلندر صاحب کو آپ سے عشق کا دعویٰ تھا چنانچہ آپ نے اپنے دیوان میں اکثر اشعار صاحبزادہ صاحب کو مخاطب کر کے لکھے ہیں قلندر صاحب کو اپنے محبوب کی جدائی نہایت ہی شاق تھی اور ایک لحظہ بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے تذکرے آپ کے معاشقہ کو مختلف رنگوں میں پیش کرتے ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ شاہ مبارک خاں وجیہہ و جمیل شاہزادے تھے اور ایک تو ازل سے ہی قلندر صاحب کے اور آپ کے درمیان رشتۂ الفت اور فی سبیل اللہ فقیرانہ اور درویشانہ محبت کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا جس کو دنیا کی کوئی مادی طاقت ہٹا نہ سکتی تھی دوسرے یہ کہ قلندر صاحب حقیقتِ منتظر کو لباسِ مجاز میں دیکھنے کے عادی تھے اور حق تو یہ ہے کہ قلندر صاحب کو یہ نعمت اپنے والد بزرگوار سے بطور ورثہ عطا ہوئی حضرت شیخ پر بھی یہی کیفیت غالب تھی جس کو خواجہ ملتانی نے دوسری طرف منتقل کر دیا۔

حضرت محبوب الٰہی کو بھی اپنے محبوب مرید حضرت امیر خسرو سے عشق کا دعویٰ تھا اور آپ نے امیر کو ترک کا خطاب مرحمت فرمایا تھا جیسا کہ فرماتے ہیں

گر برائے ترک ترکم ارّہ بر تارک نہند — ترکِ تارک می کنم ہرگز نہ گیرم ترکِ ترک

"قلندر صاحب کی نظر بھی چونکہ صنعت سے صانع پر پڑتی تھی اس لئے اس پاک اور بے لوث محبت نے مبارک خاں کو محبوب کا خطاب دلوایا یہی مبارک خاں اپنے وقت کے باکمال بزرگ تھے جن کی وفات کے بعد بھی اکثر اولیا نے آپ کی روحِ مقدس سے فیض حاصل کیا یہی مبارک خاں آپ کے محبوب مرید تھے جو لوگوں کی حاجتیں اور عرضداشتیں دربارِ قلندری میں پیش کر کے جلد اجابت پر پہنچا دیتے تھے انہی مبارک خاں کی نسبت آپ کا ارشاد ہے کہ "جب زائرین میرے مزار پر آئیں تو اوّل میرے محبوب کے مزار پر حاضری دیکر میری قبر پر آئیں" پس یہ ہے اس خانہ ساز عاشقی کی حقیقت جس کو عوام نے اصلیت کا

رنگ دے کر دنیا کے سامنے پیش کیا

اب ہم اس عنوان کے دوسرے پہلو پر غور کرتے ہیں لیکن غور کرنے سے پہلے یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ جو لوگ اصطلاحِ تصوف سے ناواقف ہیں اُن کو جاننا چاہیئے کہ کلامِ صوفیاء میں عارض و لب، دہان و کمر، غمزہ و عشوہ، خط و خال، ساقی و شراب، شمع و شاہد لوازمات ہو گئے ہیں خدا کی حمد، رسولؐ کی نعت میں ممدوح کی مدح میں یہی الفاظ استعمال کیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ عاشق کو اپنے جذباتِ حقیقی بیان کرنے کا اس شاہراہ (غزل) کے سوا اور کوئی بہتر ذریعہ نہیں لیکن اِن الفاظ سے مراد وہ نہیں جو عوام سمجھتے ہیں شرح میں ہم نے اُن الفاظ کی مناسب تشریح لکھی ہے اور اگر ان واقعات کو کسی دوسرے رنگ میں لیا جائے تو بھی قلندر صاحب کے تقدس پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا کیونکہ حدیث میں آیا ہے "اَلْمَجَازُ قَنْطَرَۃُ الْحَقِیْقَۃِ" انسانی زندگی کے لیئے مجازی عشق بھی ایک مرحلہ ہے قلندر صاحب کے اِس شعر:-

گر عشق حقیقی است وگر عشق مجاز است   مقصود ازیں ہر دو مرا سوز و گداز است

کی شرح میں ہم نے مجاز و حقیقت پر مفصل بحث کی ہے مولانا جامیؒ نے عشقِ مجاز کو پل سے تشبیہ دے کر اُس پر سے جلدی گذر جانے کی تاکید کی ہے:-

متاب از عشق رو گرچہ مجازیست   کہ او بہر حقیقت کارسازیست
بلوحِ اول الف با تا نخوانی   ز قرآں درس کردن کے توانی
شنیدم شد مریدے پیش پیرے   کہ باشد در سلوکش دستگیرے
بگفت ار پا نشد در عشقت از جا   برو عاشق شو اول پیش ما آ
کہ بے جام مے صورت کشیدن   نیاری جرعۂ معنی چشیدن
ولے باید کہ در صورت نمانی   وزیں پل زود خود را بگذرانی
چو خواہی رخت در منزل نہادن   نباید بر سرِ پل ایستادن

خود قلندر صاحب مجاز و حقیقت کی نسبت لکھتے ہیں:-

"اے برادر عشقِ مجاز را اگر بدانی بر عشقِ حقیقی دائم سپانی چوں حسنِ مجا

راز معنی بینی بر عشق حقیقت ازاں دلِ نشینی مجاز راچوں تراز دانی بر حسنِ حقیقت
از عشق مانی چوں حقیقتِ حق نساید از حسن خود عشقت ربابد"

اخیر میں ہم یہ لکھنا چاہتے ہیں کہ اگر ان روایات کو کوئی اہمیت بھی دی جائے تو بھی قلندر صاحب کے تقدس و اتقا پاک بازی اور پاک باطنی پر کوئی بُرا اثر عاید نہیں ہو سکتا اور ان کا دامن افراط و تفریط کے ناگوار دھبّوں سے بالکل پاک رہتا ہے

ذاتی حالات

وقائع نگاروں نے قلندر صاحب کے سوانح حیات کچھ ایسے ہیبت ناک پیرایے میں ترتیب دیئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی ایسے پانی پت میں رہتے تھے جہاں انسانوں کا گذر نہ تھا۔ اور ایسے واقعات نہایت بے جگری سے نظر انداز کر دیئے جو ایک بااخلاص اور بے ریا درویش کے شایانِ شان ہوتے ہیں۔

موجودہ روایات کی بنا پر اگر کوئی شخص قلندر صاحب کی لائف مرتب کرنے کا تہیہ کرے تو ہر طرف سے اُسے ایسے مایوس کن اسباب سے ضرور دوچار ہونا پڑے گا اور مجبوراً اس کو قلم پھینک کر منصبِ سوانح نویسی سے دست بردار ہونا پڑے گا لیکن الحمد للہ کہ ہم اپنی لگاتار کوششوں سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اگر جامع اور مکمل نہیں تو کم از کم سنگِ بنیاد ضرور ہے تاکہ آنے والی نسلیں اس خاکہ پر بڑی سے بڑی عمارت تیار کر سکیں۔

یہ تو امرِ واقعہ ہے کہ قلندر صاحب نے شادی[1] نہیں کی اس لئے آپ کی کوئی

---

[1] حضرت مولانا عراقی رہ نے جب حضور کی شادی کا عندیہ ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا ابّا جان میری شادی کس لئے ...... کرتے ہو فرمایا "بیٹا اس لئے کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے میرا مقصد اس سے یہ ہے کہ سلسلۂ نسل قائم رہے جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ حضرت آپ اندیشہ نہ کیجئے انشاء اللہ میں ایسی بتّی ڈالوں گا کہ چراغ حشر تک نہ بجھے گا" چنانچہ یہ حق آپ کی دعا کا اثر ہے کہ شاہ نظام الدین عراقی کی نسل پیرزادوں کے نام سے معزز و ممتاز ہے!

صلبی اولاد نہ تھی البتہ روحانی اور معنوی اولاد بکثرت تھی اور آپ کے برادرِ کلاں شاہ نظام الدین عراقی کی اولاد میں مولانا اختیار الدین قلندر اور شاہ احمد زندہ پیر حضرات تھے جو آپ کے برادر زادے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد منصب سجادگی شاہ نظام الدین عراقی کی اولاد میں منتقل ہوگیا اور اُن میں سے شاہ احمد زندہ پیر پہلے سجادہ نشین ہوئے اُن کے بعد نسلاً بعد نسلاً اُن کی اولاد منصب سجادگی پر فائز ہوتی رہی چنانچہ موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا پیر محمد عبد الرشید صاحب پانی پتی قلندر صاحب کے برادر نظام الدین عراقی کی نسل سے ہیں آپ کے مکتوبات شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے برادر زادگان سے خاص محبت تھی جو سب کے سب آپ کے حلقہ بگوش اور حلقۂ ارشاد کے حاضر باش تھے اور یہی حضرات قلندر صاحب کی صلبی اولاد کی جگہ تھے ازاں جملہ شاہ اختیار الدین قلندر آپ کے خاص محبوب مرید اور معتقد تھے مکتوب تمام کے تمام انہی کو مخاطب کرکے لکھے گئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا درویشانہ اخلاق نہایت وسیع تھا خاندان والے آپ کے فتوح و برکات سے مستفید ہوتے تھے۔

آپ کی عمر کا کچھ حصہ دربارِ شاہی سے بھی بزمانہ سلطان علاؤ الدین خلجی متعلق تھا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ دنیا کے طالب تھے یا دنیا پرست لیکن یہ کہنے میں تامل نہیں کہ تارک دنیا بھی نہ تھے اور راہبانہ زندگی سے جس کی اسلام نے مخالفت کی ہے آپ کو سخت نفرت تھی آپ ایک مدرس یا معلم یا واعظ ہی نہ تھے بلکہ اعلیٰ پایہ کے فلسفی ادیب اور انجمن ادب کی شمع فروزاں تھے مہمان نواز تھے "نان دے اور آخرت کی جان لے" پر عامل تھے چنانچہ حضرت امیر خسرو جب تحائف سلطان لے کر آپ کی خدمت میں آئے تو حالانکہ آپ کی جلالیت کا شہرہ چہار دانگ عالم میں پھیل چکا تھا۔

تا جلالِ تو بپا پرتو فگند در جہاں شہرہ شدیم آتش مزاج

لیکن پھر بھی اپنے برادر زادہ شیخ احمد زندہ پیر کو ارشاد فرمایا کہ امیر کو تین دن تک مہمان رکھو اور خاطر

سلہ ملاقات کے وقت حضرت امیر خسرو نے عرض کی کہ حضرت میرا جی چاہتا ہے کہ اپنا سر آپ کے قدموں میں ڈال دوں اور اپنی آنکھیں آپ کے تلووں [illegible] قلندر صاحب نے فرمایا بھائی ہمارے نزدیک مت آؤ کیونکہ یہاں جلانے والی آگ ہے [illegible]

ومدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا اس کے علاوہ سلطان تغلق سلطان محمود اور سلطان فیروز کو شاہزادگی کے زمانے میں ایک دسترخوان پر کھانا کھلا کر سلطنت کی بشارت دی۔

سلطان غیاث الدین نے جب خواہش ظاہر کی کہ مجھے کوئی حکم ہو تا کہ تعمیل کر دں تو ملک علی انصاری کے لئے جاگیر اور معاش مقرر کرا دی غرضیکہ ایسے واقعات بکثرت ہیں جن کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سعادتِ دین کے ساتھ ساتھ سعادتِ دنیا بھی آپ کے حصہ میں تھی اور آپ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اچھی طرح برتنا جانتے تھے باوجود ان سب باتوں کے آپ کے مزاج میں استغنا اس درجہ ترقی پذیر تھا کہ وقت کے تمام بادشاہ حلقہ بگوش اور اشارۂ چشم پر تن من اور دھن لٹا دینا سعادتِ دارین تصور کرتے تھے لیکن آپ نے کبھی کوئی فرمائش نہ کی اور وہ بلند گردن جسے خدا نے اپنے دروازے پر جھکنے کے لئے بنایا تھا کسی امیر کے دروازے پر نہ جھکی اور زبانِ سوال سے اپنے استغنا کو آلودہ نہ کیا صحیح معنوں میں آپ نِعْمَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ و بِئْسَ الْاَمِیْرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیْرِ پر عامل تھے آپ کی شاعری اکتسابی نہ تھی بلکہ وہبی تھی معاش کا ذریعہ نہ تھی جیسا کہ آپ کے بعض پیش رو نہایت ارذل طریقوں سے اپنے اشعار کا صلہ طلب کرتے تھے آپ دنیا کی دولت پر لعنت بھیجتے ہوئے تھے آپ نے اپنی کسی کتاب میں کسی امیر یا بادشاہ کی مدح و ستائش نہیں لکھی کوئی انعامیہ قصیدہ تصنیف نہیں کیا صرف ایک دو قصیدوں میں سلطان غیاث الدین بلبن کے نظم و نسق کی طرف اشارہ کیا ہے آپ کی روزی کا مدار قصیدہ خوانی پر نہ تھا فتوحات کی آمد بے شمار تھی اس پر بھی آپ ایسے مستغنی المزاج تھے کہ دل چاہا تو رکھ لیا ورنہ مستردان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ذات میں جلال اور جمال کی دونوں شانیں بدرجہ اتم موجود تھیں اور گو دنیا کے روح فرسا تعلقات سے دامن کش تھے مگر بقول حافظ رح

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندی کردہ ایم ۔۔۔ باز مے گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

دنیا سے محمود کے تعلقات کو آخری دم تک اپنی زندگی کا مقصود بنائے رکھا اور راہبانہ زندگی سے مجتنب رہے مبارک ہیں وہ ہستیاں جو دنیا میں رہیں لیکن اپنے دامن کو اس کے روح فرسا تعلقات سے بچائے رکھا اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

وفات

قلندر صاحب کی وفات ۹ رمضان المبارک ۷۲۴ھ بعد نماز مغرب بوڑہ کھیڑہ ضلع کرنال میں ہوئی تین روز تک کسی کو آپ کے وصال کی خبر نہ ہوئی تیسرے دن چند زائرین حضور کی زیارت کے لئے پہونچے تو آپ کو سوتے ہوئے پایا زائرین نے فوراً کرنال جاکر خبر کی کہ قلندر صاحب اس کنج محنت آباد سے عشرت آباد نورانی کی طرف رخصت ہو گئے ہیں سب معتقدین خبر سنتے ہی موضع بوڑہ کھیڑا میں آئے کیا دیکھتے ہیں حضرت رو بقبلہ دیوار کرامت اور جال کے درخت کے نیچے عالی چبوترہ پر جاں سپار ہیں کرنال والے حضرت کی نعش مبارک کو اٹھا کر کرنال لے آئے زائرین کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہزارہا مشتاقان جمال کو کندھا دینا نصیب نہ ہوا ع :-

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

اس وقت پانی پت میں آپ کے استاد مولانا سراج الدین مکی و دیگر حضرات موجود تھے اسی اثنا مولانا سراج الدین کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا اٹھو میں اس جہان سے رخصت ہونے والا ہوں مجھے پانی پت لے آؤ اور یہیں دفن کرنا مولانا نے قلندر صاحب کے برادرزادہ شیخ احمد زندہ پیر اور قوم انصار کے بزرگوں کو اس واقعہ سے مطلع کیا سب حضرات کرنال کی طرف روانہ ہوئے جب وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کرنال والے آنحضور کی نعش مبارک کو غسل دے کر تجہیز و تکفین پر آمادہ ہیں

آپ کے بھتیجے شیخ احمدؒ اور دیگر بزرگوں نے اصرار کیا کہ ہم نعش مبارک پانی پت لے جاکر دفن کریں گے مگر کرنال والے قیل و قال کرنے لگے کہ حضور اسی جگہ استراحت فرمائیں گے کیونکہ حقیقتاً یہاں کرنال ہی آپ کی ولایت ہے مولانا سراج الدین نے فرمایا کہ ہم قلندر صاحب کے ایما پر آئے ہیں تم اس بات سے انکار نہ کرو اور شیخ احمد ان کے حقیقی وارث ہیں ان کو قبضہ

ہے جو چاہیں کریں مگر کرنال والے کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

جب مولانا نے دیکھا کہ کوئی فیصلہ نہیں ہوتا تو فریقین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگ کیوں بے فائدہ جھگڑتے ہو آؤ اس معاملہ میں حضرت کی لاش مبارک ہی سے فیصلہ لے لیں جو ارشاد ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا طرفین نے اس رائے کو تسلیم کیا مگر اس بحث میں دن تمام ہوگیا اور فیصلہ صبح پر چھوڑا گیا اور سب حاضرین لاش کے گرد اگرد بیٹھ کر فاتحہ شریف درود شریف اور سورۂ اخلاص پڑھنے لگے آخر صبح ہوئی مولانا سراج الدین نے مائیکوس بلاول راگنی جو قلندر صاحب کی مقبول و مرغوب تھی گوانی شروع کی اور فرمایا کہ اگر اثنائے راگ میں حضور کا جسم مبارک جنبش کھائے تو پانی پت والے مالک ہیں بصورت دیگر اہل کرنال! اور ساتھ ہی ایک یہ بھی شرط تھی کہ قلندر صاحب کی لاش مبارک کو پہلے کرنال والے اٹھائیں اگر اٹھا لیں تو انہیں اختیار ہے جس جگہ چاہیں دفن کریں بصورت دیگر پانی پت والے اٹھائیں گے اگر وہ اٹھا لیں تو انہیں پانی پت لے جانے کا اختیار ہے چنانچہ مطربوں نے گانا شروع کیا لاش مبارک کے ارد گرد اہل اللہ حضرات اور خاص و عام کا کثیر مجمع تھا دفعتاً حضرت کا ہاتھ اٹھا اور کفن سے باہر نکل آیا۔ اور بدن مبارک جنبش کھانے لگا مولانا نے پاس شریعت کی وجہ سے مطربوں کو گانے سے منع کیا جب گویے خاموش ہو گئے تو فرمایا دیکھو حضرت کی ایک کرامت تو ظاہر ہوگئی اب قول ثانی یہ ہے کہ اہل کرنال جنازہ اٹھائیں کرنال والے اٹھے اور جنازہ اٹھانا چاہا مگر سبحان اللہ لاش مبارک جگہ سے نہ ہلی اب پانی پت والوں کی باری آئی تو شیخ احمد زندہ پیر مولانا سراج الدین مکیؒ و ملک علی انصاریؒ اور دیگر حضرات نے بسم اللہ شریف پڑھ کر اس جسد پاک کو اٹھا کر صندوق میں رکھ لیا اور پانی پت کی راہ لی اور بتاریخ ۱۳ رمضان المبارک ۷۲۴ھ بعد نماز مغرب اس آفتاب ولایت کو سپرد زیر خاک کیا!

قلندر صاحب نے اپنے دور حیات میں سلطان علاؤالدین خلجی کے اہتمام سے جو چھتری نما گنبد بنوایا تھا اسی میں استراحت فرمائی اور وہیں آپ کے بالین کی طرف آپ کے محبوب شاہزادہ مبارک خانؒ آسودہ ہیں۔

دنیا میں مشہور ہے اور حضور کا ہر ایک معتقد جانتا ہے آپ کی وفات موضع بوڑہ کھیڑہ

میں ہوئی اور وہاں سے لاش مبارک کو اہل کرنال (ق۔) کرنال میں لے آئے اور وہاں سے حسب
فیصلہ مولانا سراج الدین کی جنازہ مبارک پانی پت لایا گیا مگر چونکہ حضور کے روضہ ہائے مبارک
بوڑھہ کھیڑا، کرنال اور پانی پت تینوں جگہ ہیں اس لئے آپ کے جائے مدفن میں اختلاف پڑ گیا
ہے اور ہر ایک کو اپنی عقیدت ایک طرف لے جا رہی ہے مگر یہ خیال سراسر غلط ہے کیونکہ
وقت کے بڑے بڑے نامور مشائخ، علماء و فضلاء کی ایک بڑی جماعت اس پر متفق ہے کہ
قلندر صاحب قصبہ پانی پت میں ہی مدفون ہیں چنانچہ منجملہ ان کے حضرت سید محمد گیسو دراز
گلبرگوی، سید محمد عبداللہ دکنی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ امان پانی پتی، میر مودود لاری، شیخ
عبدالرزاق جھنجھانوی، شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ درویش جلندھری، شیخ موسےٰ زبیری، شیخ
محمد شریف عظیم آبادی، شیخ عبدالرسول انبالوی، شیخ محمد نظام بلخی، شیخ محمد عثمان پانی پتی، شیخ
احمد زاہدی، اور شیخ مومن مست، وغیرہ حضرات سب اسی پر متفق ہیں کہ قلندر صاحب کا صحیح
مزار پانی پت میں ہے اور وہاں سے آفتاب کی طرح آپ کا فیض جاری و ساری ہے۔

ہمیں تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ قلندر صاحب کا مزار[سلہ] کرنال و بوڑھہ کھیڑا میں
بھی اب تک موجود ہے جہاں سلسلہ بعد سلسلہ نسلاً بعد نسلاً مجاور اور متولی رہے ہیں مگر حقیقت
یہ ہے کہ قلندر صاحب کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے وہاں یادگاریں قائم کی گئی تھیں
جو اب تک موجود ہیں ورنہ اصلی مزار پانی پت میں ہی ہے خواجہ حافظ شیرازی نے خوب کہا ہے

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود ‏ ‏ ‏ ‏ سالہا سجدہ گہ صاحب نظراں خواہد بود

کسی عاشق نے قلندر صاحب کی تاریخ پیدائش تعداد عمر شریف اور تاریخ وصال

سلہ حضور کی تعداد مزار کی وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کو مولائے کائنات حضرت علی علیہ الصلوات سے
ساتھ اس قسم کی فنائیت حاصل تھی جیسی کہ مرید کو پیر کے ساتھ ہونی چاہیے جس کو اصطلاح میں فنا فی الشیخ کہتے
ہیں طبقۂ صوفیاء میں مولائے کائنات کے مزار کی نسبت بھی تعدد مشہور ہے اس نسبت سے حضور کے مزار
میں بھی تعدد ہے مذکورہ مزارات کے علاوہ ریاست جودھپور میں بھی کسی پہاڑ کے اندر حضور کا مزار ہے جہاں
ایک جوگی جاروب کشی اور چراغ افروزی کرتا ہے۔ ‏ ‏ ‏ ‏ عطاء مظہر

ایک شعر میں اس طرح لکھی ہے ؎

نامِ خدا ظہورِ سنینش ابو علی ۔۔۔ تاریخِ رحلتش شرفِ شاہِ وحدتاست

خدا کے عدد ۶۰۵ ہیں جو آپ کا سنِ پیدائش ہے ابو علی کے عدد ۱۱۹ ہیں جو آپ کی عمر شریف ہے اور شاہِ وحدت سے سالِ وفات ۷۲۴ھ نکلتا ہے ۔

ہم نے قلندر صاحب کی تاریخِ پیدائش و وفات مع عمر شریف اس طرح نکالی ہے :-

شرف دادہ شرفِ دینِ خدا را ۔۔۔ خدا بخشد چنیں اہلِ صفا را
بعالم آمدہ از جلوۂ عشق ۔۔۔ کہ از حکمت کشاید مسئلۂ عشق ۶۰۵
ہمہ عمرش بطلبِ حق صرف شد ۔۔۔ بجملہ عاشقاں او را شرف شد
چوں مجنوں در وصالش بیقرارے ۔۔۔ چوں فرہاد عاشقِ شیریں عذارے
بروزِ سیزدہم ماہِ رمضاں ۔۔۔ بحق پیوست شاہِ اہلِ عرفاں
منقش روضہ اش کردہ مصوّر ۔۔۔ بجو سالش زتوحیدِ منوّر ۷۲۴
ابو علی عمرش بگوید ۱۱۹ ۔۔۔ زفیضش نخلِ مقصودم برویہ

روضہ شریف

روضہ شریف تمام سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے اور فرش بھی سنگِ مرمر کا ہے جو نواب ناصر احمد خاں صاحب انصاری پانی پتی متولی موضع ہرناڑی نے ہرناڑی کے محاصل سے ۱۹۰۲ء میں نصب کرایا اور روضہ منورہ کے گنبد کا کلس زریں ۱۹۲۳ء میں سیٹھ ابراہیم حاجی عرب بمبئی والوں نے نذر کیا اور بصرفِ زر کثیر دیش دالان میں جو سنہری کام ہے وہ بھی سیٹھ ابراہیم حاجی عرب کی سعی اور عقیدت کا نتیجہ ہے گلال باڑے کے اندر کا فرش ۱۹۱۶ء موضع پاوٹی اور ہرناڑی کی آمدنی سے باہتمام پیرجی لقاء اللہ صاحب نصب کرایا گیا ہے تعویذ کے اوپر چوبی سائبان بنا ہوا ہے جو بیل بوٹوں سے منقش ہے جس کے چاروں طرف خوبصورت قمقمے آویزاں ہیں مگر حضور مبارک خاں صاحب کے مزار پر سائبان نہیں ۔

چوکھنڈی لکڑی کی بنی ہوئی رنگین منقش اور جالی دار ہے ابتداء میں چوبی کٹہرہ

کی بجائے چاندی اور سونا کا گنگا جمنی کٹہرہ تھا لیکن جب نادر شاہ درّانی ہندوستان میں آیا تو اس نے یہ کہہ کر کہ

"ایں قلندر نیست بلکہ تونگر است"

تلوار کٹہرہ پر رکھی جس کے بعد اُس کے سپاہیوں نے کٹہرہ کو لوٹ لیا عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نادر شاہ کی یہ بے ادبی قلندر صاحب کو گوارا نہ ہوئی جس کی وجہ سے وہ ہندوستان میں رہ نہ سکا ورنہ اس کی کابل فتح کے بعد بجز اس باطنی وجہ کے اور کوئی باعث نہ تھا۔

حضرت مبارک خاں کے مزار پر بھی گنگا جمنی کٹہرہ تھا نادر شاہ نے اُس کو بھی لوٹا اور تلوار تعویذ کے اوپر ماری جس کا نشان اب تک قائم ہے

چوکھنڈی کی چاروں دیواروں میں چھوٹے چھوٹے دریچے رکھے ہوئے ہیں۔ جن کی راہ تعویذ کے پاس دوزانو بیٹھ کر عاشقانِ جمالِ قلندری اور مشتاقانِ روضۂ حیدری فاتحہ پڑھ کر حضرت کی مغفور روح کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ اور تیمناً و تبرکاً تعویذِ مبارک کو بوسے دیتے ہیں آنکھوں سے لگاتے ہیں جن کے اس ادب اور احترام کی وجہ سے مشتاقانِ حضرت کو بصیرت حاصل ہوتی ہے اور سائلوں کے دامن گہرہائے مقصود سے بھر جاتے ہیں عوام کو احاطہ چوکھنڈی میں جانے کی اجازت ہے خصوصاً اسے حضرت کے متوالوں کا حصہ سمجھنا چاہیئے۔

روضہ شریف سے شمال کی جانب وسطی دیوار میں ایک دروازہ ہے وہاں سے گذر کر حضرت کے محبوب شہزادہ مبارک خاں رحمۃ اللہ علیہ کا گنبد آتا ہے جو حضرت کے بالین کی طرف ہے مگر کچھ رخ بدلا ہوا ہے وہاں بھی یہی حال ہے اندر داخل ہوتے ہی شانِ محبوبیت کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے قلندر صاحب کے روضہ شریف کے بیرونی دروازہ پر خواجہ حافظ کا یہ شعر لکھا ہے ؎

برزمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود   سالہا سجدہ گہِ صاحب نظراں خواہد بود

روضہ شریف کے پائیں میں ایک چوکھٹا میں پنڈت امر ناتھ آشفتہ پانی پتی نے اپنی عقیدت سے ایک قصیدہ حضور کی مدح میں لکھا ہے وہ چوکھٹا روضہ کے کنگرہ کے ساتھ آویزاں ہے قصیدہ کے اشعار درج ذیل ہیں:-

اے ہادیِ راہِ ہدا اے دوستدارِ انبیاء — صلِ علیٰ اصلِ علیٰ اے دوستدارِ انبیاء
اے بخششی ہند اولیا مقبولِ ربِّ کبریا — اے مخزنِ جود و عطا اے دوستدارِ انبیاء
اے زگروہِ احمدی شاہ قلندر بو علی — محبوبِ محبوبِ خدا اے دوستدارِ انبیاء
اے دافعِ رنج و بلا اے شافعِ روزِ جزا — اے صاحبِ حاجت روا اے دوستدارِ انبیاء
اے ساکنِ خلدِ بریں منظورِ ختم المرسلین — مرغوبِ شاہِ مرتضےٰ اے دوستدارِ انبیاء
اے شاہِ شرفِ اولیاء اے واصلِ نورِ خدا — اے مظہرِ شمس الضحےٰ اے دوستدارِ انبیاء
اے دستگیرِ بیکساں کن پیشِ آنحضرت بیاں — بہرِ خدا این التجا اے دوستدارِ انبیاء
خاکِ درِ ذیجاہِ تو ہارِ خس درگاہِ تو — صد فخر و زیبِ فرقِ ما اے دوستدارِ انبیاء
آوارہ و سرگشتہ ام از خانماں وارستہ ام — دستِ عنایت بر کشا اے دوستدارِ انبیاء
آشفتہ ام بے بال و پر برحالِ زارم کن نظر
تحریر کردہ — اے بو علی مشکل کشا اے دوستدارِ انبیاء

روضہ شریف کے اندر غربی دیوار پر بقا اللہ صاحب کا یہ قطعہ درج ہے جس میں اپنی حسنِ عقیدت سے ثابت کیا ہے کہ جو مرادمند عقیدت کے ساتھ اس مزار پر آ کے درود و فاتحہ پڑھ کر سنتے حق تعالےٰ اس کا دامن گوہرِ مقصود سے بھر دیتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

در درگاہِ شاہِ شرف — ہر کہ آمد بہ اعتقادِ درست
شاہد و مدعا و مطلبِ خویش — از دہانش گرفت و بر در جست

سنہ ۱۰۷۱ھ مطابق سنہ ۱۶۶۱ء میں نورالدین جہانگیر کے وزیر مقرب خان عرف رزق اللہ خان نے روضہ شریف کی عمارت کو بڑھایا ایک دالان تمام کا تمام سنگِ مرمر کے فرش سے مزین ہے دیواریں سنگین ہیں جن پر سفیدی کرا کر اوپر آیاتِ قرآنیہ و قطعات وغیرہ رقم کیے گئے ہیں آٹھ ستون خالص سنگِ محک کے نصب کیے گئے ہیں جو ہندوستان کی کسی درگاہ میں نہیں پائے جاتے ان ستونوں کی وجہ سے حضرت کا روضہ بے مثل اور لاثانی مانا گیا ہے اور فی الحقیقت یہ ستون نادریت کا نمونہ ہیں جو بار بار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب رزق اللہ خان نے لاکھوں روپے اپنی عقیدت کی وجہ سے صرف کر دیے ہونگے دالان کے آگے سنگِ مرمر کا

ایک کشادہ صحن ہے یہ بھی روضہ کے احاطہ میں داخل اور رزق اللہ خاں کا بنوایا ہوا ہے صحن کے غربی رُخ پر ایک دروازہ ہے وہاں سے گذر کر مغرب خان کا مدفن آتا ہے اور وہیں اُن کے بعض متوسلین آسودہ ہیں روضہ شریف کے اندر جانے کے لئے تین چار دروازے سامنے کی دیوار میں ہیں یہاں نعلین وہاں اتاری جاتی ہیں جن کی حفاظت کم عمر بچے کرتے ہیں اور زائرین واپسی پر انہیں کچھ دے دیتے ہیں مگر درگاہ شریف کے بڑے صحن میں نعلین اتارنے کی کوئی پابندی نہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ وہ پورا احاطہ ادب و احترام کے قابل ہے ذیل کے اشعار سے امیر رزق اللہ خاں کی عمارت کی تاریخ تعمیر ظاہر ہوتی ہے جو دالان کی دیوار پر سیاہ اور سنہری حروف میں ارقام کئے گئے ہیں۔

مظہر نور جلال است جمال   ہمچو عیسیٰ مردہ را بخشد روان
از مغرب خان افلاطون دہر   خان بن خان است رزق اللہ خان
بوعلی چوں بوعلی سینا ش کرد   زاں شرف گشتہ ارسطوئے زمان
تا بنا فرمود ایوان را چوں گنبد   ہر ستون سنگ محک در زیر آن
از خرد جستم بنائے سال او   چوں طلا سے کیمیا کردم عیان
سال تاریخ و بنائش سوئے سحاب   شد بنا ایماہ رزق اللہ خان

دالان کی چاروں دیواروں پر قرآن مجید کی سورۃ الرحمٰن کا حاشیہ بنایا گیا ہے ظہور کے یہ شعر بھی اسی دیوار پر لکھے ہوئے ہیں۔

سرمۂ خاک درت در چشم مہر خاوری   سایۂ پیش بر آسماں دائم سپہر چنبری
اے خواجہ و پیر ولی شاہ شرف اے حبیب حق   نور کرامت منجلی را چار سوئے عنصری
محبوب ذات کبریا مقبول شاہ مصطفیٰ   شمع جمال اولیا رچوں مہر و مہر انوری
دیوار رحمت رواں انوار حق در تو عیاں   جائی تو فردوس جہاں با فرو شان حیدری

آمد ظہور بے نوا بر آستانت جبہ سا
رحمے بکن بہر خدا انشا با مسافر پر دری

درگاہ شریف کا صحن نہایت کشادہ اور پختہ اینٹ کا تعمیر شدہ ہے مغرب کی طرف

نواب مقرب خاں نے سنگِ سرخ سے ایک مسجد بھی بنوائی ہوئی ہے جہاں پنجگانہ نماز پابندیٔ وقت پڑھی جاتی ہے درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری ہے مسجد کے آگے نواب موصوف کا بنوایا ہوا ایک حوض ہے۔

مسافرین اور زائرین کی رہائش کے لئے چھوٹے چھوٹے حجرے تعمیر کئے ہوئے ہیں جو درگاہ کی ملکیت ہیں صحن کے وسط میں اسی زمانہ کا بنا ہوا ایک کنواں ہے جہاں سے وضو کے لئے پانی استعمال کیا جاتا ہے۔

درگاہ شریف کے احاطہ میں جانبِ جنوب چبوترہ کے اوپر جالی دار آہنی کٹہرہ کے اندر شمس العلما خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی مدفون ہیں اور خواجہ صاحب سے جانبِ شرق میر عمارت درگاہ شریف کا مزار ہے۔

درگاہ شریف کے اندر داخل ہونے کے لئے دو راستے ہیں ایک شمال کی طرف دوسرا جنوب کی جانب بازار میں اگر شمالی رخ سے درگاہ میں داخل ہوں تو ایک عالی شان مسجد راستہ میں آتی ہے کہتے ہیں کہ یہ مسجد قلندر صاحب کے محبوب مبارک خاں صاحب نے بنوائی تھی۔

جنوبی دروازہ پر مجذوب فقر احذب و محویت کے عالم میں پڑے رہتے ہیں بہت سے چلہ کش لوگ دور دور سے آکر اپنے اعمال و وظائف اس پاک احاطہ میں پورے کرتے ہیں اور روحانی فیوضات سے مستفیض ہو کر واپس جاتے ہیں احاطۂ درگاہ سے باہر درگاہ کے بالمقابل قلندر صاحب کا نقار خانہ ہے جس کو ۱۱۳۵ھ میں شمس الدولہ نواب لطف اللہ خان نے تعمیر کر دیا۔

در جہان کوسِ شرف زد صادق

سے تاریخِ تعمیر نکلتی ہے۔

غرضیکہ آپ کی درگاہ مرجعِ خلائق ہے قلندر صاحب کی وصیت ہے کہ جو شخص میری زیارت کے لئے آئے وہ پہلے میرے محبوب کے مزار پر فاتحہ پڑھے اور پھر میری قبر پر آئے چنانچہ بدستور اس وصیت کے مطابق عمل جاری ہے۔

ہم نے روضہ شریف کا جو اجمالی نقشہ اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کھینچا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے روضہ شریف کی زیارت کی ہے یا جو اس جگہ کے رہنے والے ہیں گو وہ اس مضمون سے لطف اندوز نہ ہوں لیکن جن لوگوں کو روضہ شریف کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوا وہ گھر بیٹھے ہی اس اجمالی نقشے سے قلندر صاحب کے روضہ کا تصوّر اپنے دل میں جما کر لطف اندوز ہوں۔

عرس شریف	عرس بفتحتین بمعنی طعامِ عروسی یا نکاح مجازاً طعام مجلسِ فاتحہ بزرگان کہ بروز وفات بعد از سالے کنند چرا کہ رحلت از غمکدۂ دنیا بمنزلہ شادیٔ عروسی است

بحقِ عاشقانِ حق چنانکہ سعدی فرمودہ

عروسے بود نوبتِ ماتمت — اگر نیک روزے بود خاتمت (غیاث اللغات)

جس روز کسی بزرگ کا وصال ہوتا ہے ہر سال اسی تاریخ کو اس بزرگ کے مزار پر ایصالِ ثواب کے لئے ایک مجلس قائم کی جاتی ہے جس کا نام اصطلاح میں عرس رکھا گیا ہے۔ اس موقعہ پر صاحبِ مزار کے وابستگانِ سلسلہ خصوصاً اور عام لوگ عموماً حسنِ عقیدت کے ساتھ حاضری دیتے ہیں جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ صاحبِ مزار کے روحانی برکات سے فیض حاصل کیا جاسے اور فی الحقیقت بزرگوں کے ارواح سے فیض حاصل کرنا بعید از قیاس نہیں اکثر عقیدت مند لوگ اس فیض سے فیضیاب ہوتے ہیں جو بزرگوں کے مزار سے حاصل ہوتا ہے پس ان وجوہات کی بنا پر یہ رسم سنّتِ صوفیائے کرام میں شمار کی جاتی ہے۔

اس سُنّتِ مروجہ کے مطابق ہر سال ۹ رمضان المبارک سے ۱۳ تک قلندر صاحب کا عرس[1] نہایت دھوم دھام سے ہوتا ہے بڑے بڑے مشائخ اہل اللہ بزرگ اور عقیدت مند لوگ حاضرِ آستانہ ہوتے ہیں سماع کی مجالس گرم ہوتی ہیں وعظ و نصیحت و دیگر ایسے مراسم کمال

---

[1] حضور کا عرس شریف ۹ رمضان سے ۱۴ رمضان تک ہوتا ہے جو ڈیڑھ کھیرا ہیں ۱۱ رمضان کو فاتحہ ہوتی ہے اور ساون کے مہینہ میں ہر جمعرات کو عرس ہوتا ہے ایک کا نام جوگیہ ہے جس میں اکثر فقرا شریک ہوتے ہیں دوسرے کا نام مکھو گیہ جس میں خاص و عوام سب شرکت کرتے ہیں تیسرے کا نام کمر ورچھ ہیں دور دور کے کمہار آتے ہیں اور چوتھے کا مجموعہ میں دور دور سے چمار آ کر اپنی منتیں ادا کرتے ہیں

خوش اسلوبی سے ادا کیے جاتے ہیں قرآء و حفاظ قرآن مجید ختم کرتے ہیں۔ نیازیں پکتی ہیں اور جود و سخا کے دروازے کھول کر قلندر صاحب کی مغفور روح کو ثواب پہنچایا جاتا ہے غرضیکہ یہ جملہ مراسم آپ کے موجود سجادہ نشین حضرت مولانا پیر محمد عبدالرشید صاحب پانی پتی کے اہتمام سے انجام پاتے ہیں جو آپ کے برادر شاہ نظام الدین عراقی کی نسل سے ہیں۔ اور درگاہ کے منصبِ سجادگی پر فائز ہیں۔

چونکہ مہمانوں کی آمد یکم رمضان المبارک سے شروع ہو جاتی ہے اس لیے پہلی تاریخ سے معمولی لنگر درگاہ سے ملتا ہے اور ۹ نانویں شب کو غیر معمولی طریقہ پر لنگر شریف تقسیم ہوتا ہے مشہور حفاظ اور قرآء پہلی شب سے تینوں مسجدوں میں قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے ہیں اور ساتویں شب کو قرآنِ پاک ختم کرتے ہیں ختمِ قرآن مجید کے موقعہ پر موضع ہرناڑی کی آمدنی سے تبرک تقسیم ہوتا ہے اور ۹ نانویں شب کو بعد نماز اور تراویح مسجد لال پتھر میں حضور کا پہلا ختم ہوتا ہے اس موقعہ پر ایک گھڑا پانی کا بھرا جاتا ہے اور شیرینی تقسیم ہوتی ہے یہ شیرینی اور گھڑا جناب سجادہ نشین کے یہاں سے آتا ہے اس کا خرچ یقیناً موضع پاوٹی کی آمدنی سے ہوتا ہے۔

ختم کے بعد گلال باڑہ کے اندر مجلسِ سماع نہایت عمدہ طریقہ پر ادب و احترام کے ساتھ منعقد ہوتی ہے جس میں ہر خاص و عام کو شرکت کی اجازت ہے خوش الحان و خوش گلو قوال دور دور سے آتے ہیں۔

باہر کے صحن میں مختلف قسم کی دکانیں عارضی طور پر بہ اجازت سجادہ نشین صاحب آراستہ کی جاتی ہیں اگرچہ اس صحن میں دکانیں کچھ موزوں معلوم نہیں ہوتیں تاہم ہمارے لئے ضروری ہے کہ جو نقشہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں اس کے حسن و قبح پر آزادانہ طریقہ سے رائے زنی کریں ہم نے اس کے متعلق سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں عرض کی ہے اور انھوں نے اس کی اصلاح کا وعدہ بھی فرمایا ہے ہمیں امید ہے کہ آپ وعدہ کا ایفا ضرور کریں گے۔

یہ امر بھی بہت تکلیف دہ ہے کہ حضور قبلہ عالم کے آستانِ مبارک کے بڑے صحن میں لوگ جوتیوں سمیت چلتے پھرتے ہیں یہ حرکت عقیدت کیش لوگوں کے لئے صدمہ کی

حد تک پہنچ جاتی ہے ہماری رائے میں یہ پورا احاطہ ادب و احترام کے قابل ہے جہاں پیروں کے بل چلنا بھی سوءِ ادبی ہے چہ جائے کہ جوتوں سمیت ایسے مقدس مقام پر پھرا جائے حقیقتاً یہ ایسا ہی مقام ہے جیسا کہ خواجہ حافظ شیرازی نے فرمایا ہے

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود　　سالہا سجدہ گہِ صاحب نظراں خواہد بود

علیٰ ہذا القیاس دسویں اور گیارہویں شب کو حسبِ معمول بعد نمازِ عشا اور تراویح مجلسِ سماع قائم ہوتی ہے اور سحر سے ایک گھنٹہ قبل ختم کی جاتی ہے بارہویں شب کو بھی حسبِ معمول مجلس قائم ہوتی ہے مگر یہ شب سہاگ کی رات کہلاتی ہے اس شب میں حضور دولہا میاں صاحب قبلہ اور حضور کے آستانہ مقدس کا غسل عرق کیوڑہ سے صاحبِ سجادہ کے ہاتھ سے ہوتا ہے غسالہ عرق کو زائرین تیمناً و تبرکاً ساتھ لے جاتے ہیں۔

ایک بجے شب کے بعد مجلسِ سماع میں سے خاص خاص حضرات حسبِ اجازت سجادہ نشین صاحب گنبد شریف کے اندر جاتے ہیں سب سے پہلے سجادہ نشین صاحب سنگِ سیاہ کی چوکی پر جو اس غرض کے لئے قدیم سے نصب ہے بیٹھ کر شیخ محمود الحسن صاحب بی اے، ایل، ایل بی کی معیت میں وضو فرماتے ہیں اس کے بعد چوبی کٹہرے کے اندر داخل ہوتے ہیں زمرۂ خدام سے کسی ایک کو اندر بلا لیا جاتا ہے وہ پائیں کی طرف ایستادہ ہوتے ہیں اور صاحبِ سجادہ بالیں کی طرف اور دونوں صاحبزادے دونوں پہلوؤں پر۔

عموماً مزار شریف پر دو غلاف ہوتے ہیں سب سے پہلے جب صاحبِ سجادہ اس پر اپنے سر دیتے ہیں تو تمام حاضرین صاحبِ سجادہ کے ہم آہنگ ہو کر اسمِ ذات کا ذکر بالجہر شروع کرتے ہیں غلاف شریف اٹھا کر پہلے سجادہ نشین صاحب اپنے سر پر رکھتے ہیں اس کے بعد دونوں صاحبزادوں کے۔

بعد ازاں دوسرا غلاف جس کو اصطلاح میں چوبی بادر پوش کہتے ہیں حسبِ بالا دستور پر اٹھا کر رکھ دیا جاتا ہے غسل شریف سے فارغ ہو کر ذکر بالجہر کرتے ہوئے حضور مبارک خان کے روضۂ منورہ پر جاتے ہیں وہاں بھی یہی مراسم بالالتزام ادا کئے جاتے ہیں۔

۱۳ رمضان کو صبح دس بجے بڑا غسل شریف ہوتا ہے اس میں فرق صرف اتنا ہے

کہ اس وقت عرق کیوڑہ کے علاوہ قریباً عطر بیس پچیس تولہ مزارات شریف پر ملا جاتا ہے بعد ازیں خدام درگاہ سقوں کو ہمراہ لے کر ہر دو مزارات کے فرشوں کو دھوتے ہیں قدیم سے رواج ہے کہ بڑے غسل کے شروع سے اختتام تک جس قدر نذرانات چڑھاوے، نقدی یا دیگر صورتوں میں آئے وہ سب سقوں کا حق ہوتا ہے جس کو وہ خود وصول کرتے ہیں اس کے علاوہ سجادہ نشین صاحب سوا گز سپید خزانہ درگاہ سے لے کر ان کے غلہ میں ڈال دیتے ہیں یہ بھی ان کا موروثی حق ہے

ہر دو غسل کے وقت قوالی درگاہ کے خاص قوالوں یعنی ابراہیم و ذکریا قوال کی اولاد کا موروثی حق ہے دورانِ عرس میں آستانہ شریف سے خاص چوکی کو دو سیر آٹا اور چار ٹکہ یومیہ دیے جاتے ہیں اور فصل پر کچھ غلّہ دے دیا جاتا ہے۔

نوٹ:۔ اس وقت ابراہیم و ذکریا قوال کی نسل سے صرف دو لڑکے رشید اور دہونی پسران باکھی قوال ہیں لیکن انہوں نے اپنا آبائی پیشہ بوجہ معذوری ترک کر دیا ہے اس لئے غسل شریف کے وقت جن قوالوں کو وہ اجازت دیں یہ فرائض انجام دیتے ہیں۔

۱۳ رمضان کی شب کو حسبِ معمول مجلسِ سماع منعقد ہوتی ہے دوسرے دن بعد نمازِ عصر آخری ختم درگاہ شریف کے اندر ہوتا ہے مہمان رخصت ہونے لگتے ہیں خاص خاص اور چیدہ چیدہ اشخاص جو حضور مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کے عرس شریف میں شرکت کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں رہ جاتے ہیں ۲۱ رمضان المبارک کو عصر کی نماز کے بعد سنگین مسجد میں حضور کا ختم پانچ (۵) قسم کی شیرینی پر ہوتا ہے اور رات کو آستانہ شریف کو بقعۂ نور بنا دیا جاتا ہے

۱۰ محرم الحرام کو آستانۂ مقدس کی طرف سے حضور امام علیہ التحیۃ والتسلیم کی سبیل شریف لگائی جاتی ہے اور تعزیہ داری بھی قدیم سے ہوتی چلی آ رہی ہے۔

۱۲ ربیع الاول کو بعد نمازِ عشا مجلسِ میلاد شریف چھوٹے صحن میں منعقد ہوتی ہے اور بہت اعلےٰ پیمانہ پر تبرک تقسیم ہوتا ہے۔

۱۳ ربیع الاول کو صبح کے وقت بعد قرآن خوانی حضور سرورِ کائنات قبلۂ دو جہان صلے اللہ علیہ وسلم کا ختم شریف احاطۂ درگاہ شریف کے صحن میں ہوتا ہے جس میں نقل تقسیم ہوتے ہیں۔

۱۰ رجمادی الثانی کو قبل نمازِ عشا بلا سماع حضرت شہزادہ مبارک خاں رحمۃ اللہ علیہ کا ختم ہوتا ہے اس موقعہ پر شیرینی یا حلوا بہت کثرت سے ہوتا ہے اور مزارات میں غیر معمولی روشنی کی جاتی ہے بسنت کے روز آستانہ شریف کی طرف سے حضور قبلۂ عالم پناہ کی والدہ صاحبہ کا ختم جنابہ کے مزار پر بعد نمازِ عصر ہوتا ہے جس میں سماع کی مجلسیں بھی ہوتی ہیں اور ختم کے بعد قندِ سیاہ تقسیم ہوتا ہے اس کے بعد درگاہ شریف میں دوسرے دن سماع کے بعد ختم ہوتا ہے اور نقل تقسیم کیا جاتا ہے۔

ہم نے زائرین کی سہولت اور وابستگانِ سلسلۂ قلندریہ کی معلومات کے لئے یہ حالات نہائت تحقیق اور تجسسِ بسیار سے فراہم کر کے درج کئے ہیں ان سب کی سب تقاریب پر جملہ اخراجات جناب سجادہ نشین صاحب کے اہتمام سے درگاہ شریف کی آمدنی یعنی پاوٹی وغیرہ کے محاصل سے ہوتے ہیں۔

قلندر صاحب کی نیاز

آپ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کو کوئی مشکل یا حاجت درپیش ہو تو وہ خدا کی نذر اور اس فقیر کی نیاز اس طرح پکائے کہ ایک من میدہ یا آٹا کی چپاتیاں ایک من دہی، اور ایک من گوشت پکا کر تقسیم کرے انشاء اللہ تعالےٰ اس کی مشکل خداوندِ کریم حل کر دے گا اور اس کی دینی و دنیاوی مرادیں بر لائیگا۔

طریقۂ تقسیمِ نیاز

پہلے یہ تھا کہ جو لوگ نیاز پکاتے تھے وہ درگاہ کے مجاوروں کو حصّہ نہیں دیتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد شریف عظیم آبادی نیاولی قلندر صاحب کی تربتِ مبارک کے روبرو مراقبہ میں مشغول تھے کہ باہر خادمانِ درگاہ یہی طعامِ نیاز کا ذکر کر رہے تھے بعدہٗ اندر آ کر عرض کرنے لگے" اے قلندر عاشقِ الٰہی جو لوگ آپ کی درگاہ میں نیاز پکاتے ہیں وہ ہمیں حصّہ نہیں دیتے شیخ محمد شریف نے ان کی تائید میں عرض کیا۔ "جو کچھ حکم ہو میں اس پر عمل کروں" اشارہ ہوا کہ اے محمد شریف حاجتمندوں سے کہہ دو کہ نیاز کے طعام کو تین حصص میں تقسیم کیا کریں ایک حصّہ درگاہ کے خادموں کے لئے اور ایک فقراء غرباء اور مساکین کے لئے اور تیسرا حصّہ پکانے والے کا ہے اس کو اختیار ہے جس طرح چاہے تقسیم کرے جو اس طرح تقسیم کرے گا اس کی نیاز قبول ہو گی چنانچہ اب تک

یہ عمل بدستور جاری ہے۔

منصبِ سجادگی

قلندر صاحب کے ذاتی حالات میں ہم لکھ چکے ہیں کہ آپ نے شادی نہیں کی اس لئے آپ کی وفات کے بعد منصبِ سجادگی آپ کے برادر مولانا نظام الدین عراقی کی اولاد میں منتقل ہو گیا اس عنوان کے تحت میں ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قلندر صاحب کی وفات کے بعد سے اب تک نسلاً بعد نسلاً کون کون حضرات اس منصب پر فائز ہوتے رہے ہیں :-

مولانا نظام الدین عراقی کے چار صاحب زادے تھے مولانا شاہ اختیار الدین قلندر[1] مولانا شاہ شمس الدین[2] مولانا شاہ احمدؒ زندہ پیر[3] مولانا شاہ محمد عثمان[4]

قلندر صاحب نے مولانا شاہ اختیار الدین کو سندِ خلافت اور منصبِ ارشاد اپنی حیات میں ہی عطا فرما دیا تھا جب آپ پر جذب و استغراق کی کیفیات طاری ہونے لگیں تو مولانا نے منصبِ ارشاد و تکمیلِ مریدین اپنے برادرِ خورد شیخ احمدؒ زندہ پیر رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیا اس لئے قلندر صاحب کی وفات کے بعد مولانا شاہ احمدؒ زندہ پیر منصبِ سجادگی پر فائز ہوئے

ان کی وفات کے بعد مولانا شاہ سراج الدین کو یہ نعمت عطا ہوئی ان کے بعد مولانا شاہ علیم الدین کو یہ منصب ملا ان کے بعد شاہ صدر الدین صاحب سجادہ ہوئے ان کے بعد شاہ وحید الدین مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے ان کے بعد مولانا شاہ رزق اللہ عرف شاہ عبد السلام کو رشد و ہدایت کا یہ منصب ملا ان کے بعد شاہ محمدؒ عرف شاہ بدھا زندہ پیر کو ان کے بعد منصبِ خلافت حضرت شاہ حمید الدین عارف عرف شاہ حمید قلندر کو ملا۔ آپ نے قلندر صاحب کے مناقب میں ایک مجمل فارسی نسخہ موسومہ شرف المناقب تحریر فرمایا ہے۔

شاہ حمید قلندرؒ کے بعد مولانا شاہ نظام الدین اس خدمت پر مامور ہوئے ان کے بعد مولانا شاہ محمد یسٰین ان کے بعد مولانا شاہ محمد عثمان پھر مولانا شاہ غلام محمد پھر شیخ محمد شرف الدین پھر مولانا شیخ احمد صاحب پھر شیخ محمد پناہ ان کے بعد شیخ امام بخش سجادہ پر بیٹھے شیخ امام بخش صاحب کی حسبِ ذیل اولاد تھی :-

شیخ علی بخش[1] شیخ محمد بخش[2] شیخ بو علی بخش[3] جن میں سے منصبِ خلافت شیخ

علی بخش کو عطا ہوا اُن کے بعد آپ کے صاحب زادے شاہ تفضل حسین صاحب سجادہ ہوئے شاہ تفضل حسین کی ایک لڑکی تھی وہ لاولد فوت ہوگئی (اس لئے منصبِ سجادگی شیخ محمد بخش برادر شیخ علی بخش مرحوم کی اولاد میں منتقل ہوگیا چونکہ شیخ تجمل حسین و شیخ خواجہ عبدالرحیم (والد موجودہ سجادہ نشین صاحب) شاہ تفضل حسین صاحب کی موجودگی میں رحلت فرما گئے اس لئے شاہ تفضل حسین کے بعد مولانا پیر محمد عبدالرشید صاحب منصبِ سجادگی پر فائز ہوئے آپ قلندر صاحب کے موجودہ سجادہ نشین ہیں۔

آپ نے دو شادیاں کی ہیں اہلیہ اول خواجہ محمد صادق صاحب خلف خواجہ کرامت علی صاحب پانی پتی کی دخترِ اولین ہیں جن کے بطن سے شیخ غلام محمد حمید الدین عارف سلمہ ہیں دوسری شادی مولوی محمد اسحاق صاحب ابن مولوی محمد وحید الدین عرف مولوی محمد میر سگو پاموی کی دخترِ نیک اختر سے ہوئی اُن کے بطنِ مبارک سے شیخ غلام محمد نظام الدین اور دو صاحب زادیاں ہیں)

اوپر لکھا گیا ہے کہ شیخ امام بخش صاحب کے تین صاحب زادے تھے فرزندِ ثالث شیخ بو علی بخش کی اولادِ نرینہ نہ تھی دو صاحب زادیاں تھیں دخترِ اول شاہ تفضل حسین صاحب سجادہ کی زوجہ تھیں دخترِ ثانی شیخ تجمل حسین صاحب کے عقد میں تھیں ممکن ہے کہ ناظرین اس عبارت سے ان تعلقات کی تشریح کو سمجھ نہ سکیں اس لئے ہم شیخ امام بخش سے لے کر موجودہ سجادہ نشین صاحب تک ایک شجرے میں ان کی تمام اولاد کے اسمائے گرامی درج کرتے ہیں

شجرہ ۱۵-

شیخ امام بخش صاحب سجادہ نشین

شیخ علی بخش مرحوم و مغفور سجادہ نشین	شیخ محمد بخش صاحب	شیخ بو علی بخش صاحب
↓	↓	↓
شاہ تفضل حسین صاحب سجادہ	شیخ تجمل حسین	دخترِ اول زوجہ شاہ تفضل حسین / دخترِ ثانی زوجہ شیخ تجمل حسین
↓	↓	
دخترِ لاولد	شیخ عبدالرحیم صاحب	

↓

پیر محمد عبدالرشید صاحب موجودہ سجادہ نشین

شیخ غلام محمد حمید الدین عارف سلمہ — شیخ غلام محمد نظام الدین سلمہ
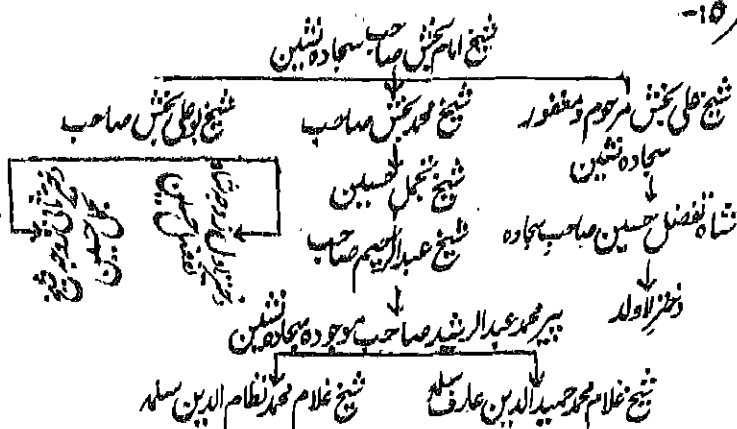
درگاہ شریف کی معاش

موضع اجاہ اور موضع برنشام قدیم ایام سے درگاہ شریف کے نام وقف چلے آتے تھے جن کی مالگزاری اور آمدنی درگاہ شریف میں خرچ ہوتی تھی غدر ۱۸۵۷ء میں یہ دونوں مواضعات ضبط ہو گئے بایں علت کہ اُن دنوں درگاہ شریف میں ایک مولوی صاحب نے انگریزوں کے برخلاف وعظ فرمایا تھا لیکن جب ثبوت دیا گیا کہ سجادہ نشین درگاہ اور متولی و خدام بارگاہ کو اس وعظ سے کوئی علاقہ نہ تھا اور نہ ہی کوئی اس تقریر کا مؤید تھا تو فیصلہ یہ ہوا کہ مواضعات مذکور تو بدستور ضبط ہی رہیں گے اِلّا درگاہ شریف کے مصارف کے لئے سرکار انگریزی سے موضع پاوٹی کے محاصل میں سے ایک ہزار گیارہ روپے پانچ آنہ چھ پائی (ایک ہزار ۱۱ / ۵ / ۶) سالانہ منظور ہو گئے جو اب تک بدستور جاری ہیں۔

قصبہ پانی پت میں ساٹھ بیگہ زمین زمانہ قدیم سے درگاہ شریف کے لئے وقف چلی آتی ہے جو حضرت شیخ محمد برہان کی پیدا کردہ ہے جس کے متولی سجادہ نشین صاحب درگاہ شریف ہیں اس کے علاوہ متعدد دکانیں اور نہ خانے بھی درگاہ شریف کے نام وقف ہیں جن کی آمدنی درگاہ شریف ہی میں صرف ہوتی ہے غرضیکہ یہ تمام آمدنی حضرت سجادہ نشین صاحب کے اہتمام سے مناسب جگہ پر خرچ کی جاتی ہے۔

موضع پاوٹی جو شمس الدولہ نواب لطف اللہ خاں صاحب صادق انصاری نبیرہ خواجہ ملک علی انصاری رحمۃ اللہ علیہ (جو بہادر شاہ اول شہزادہ محمد معظم کے عہد میں صوبہ بہار کے گورنر تھے) نے مزارات شریفہ یعنی مزار فائض الانوار حضور قبلہ عالم پناہ و مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء و خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کے مصارف کے لئے حسب ذیل طریقہ پر وقف کیا تھا۔

اس کے محاصل میں سے مبلغ نو سو روپیہ حسب ذیل صرف ہوتے ہیں:-

۱۔ درگاہ حضور قلندر صاحب ۲۔ درگاہ خواجہ شمس الدین ترک ۳۔ درگاہ حضرت مخدوم جلال الدین

-/600 (چھ سو روپیہ) -/150 (ماہانہ) -/50 (ماہانہ)

مصارف نواب خان صادق مرحوم کی اولاد میں نواب ناصر احمد خان صاحب موضع ہڑ ناڑھی کے حسب وصیت متولی ہیں اور اپنے اہتمام سے حسب ذیل طریقہ پر درگاہ حضور قبلہ پر خرچ کرتے ہیں:-

۱۲ رمضان المبارک کو ایک لنگر اُن کی طرف سے دیا جاتا ہے نوبت نوازوں کی تنخواہ ماہانہ انہی کے ذمہ ہے عوض متعلقہ مسجد کو بھروانا نیز مسجدوں کے چاہات کی صفائی و مرمت اور ڈول رسی کے تمام اخراجات کے وہی کفیل ہیں اور کفالتیں وہی ہیں جو نواب صاحب مرحوم کے وقف نامہ میں موجود ہیں۔

جب نواب صاحب موصوف نے موضع ہڑ ناڑھی کو ان مصارف کے لئے وقف کرنا چاہا تو اس کا مالیہ معاف ہونے کے لئے دربار شاہی میں درخواست دی گئی کہ اس کا سرکاری نزول معاف فرماکر مرفوع القلم فرمایا جاوے جس کے جواب میں شہزادہ غازی محمد معظم بہادر شاہ اول کے دربار سے یہ فرمان جاری ہوا جس کی صحیح نقل درج ذیل ہے۔

" فرمانِ والاشان محمد معظم ابوالنصر قطب الدین بہادر شاہ بادشاہ غازی بدستخطِ خود

دریں وقت میمنت اقتران فرمانِ والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ موضع ہڑ ناڑھی موسوم بہ نیاز صادق متعلقہ پرگنہ پانی پت سرکار و صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد بجمع دو یک وام کہ سہ ہزار سہ صد و ہشت روپیہ کہ حاصل آں است جہت صرف عرس و لنگر فقرا و در ماہہ نوبت نوازان روضہ متبرکات قدوۃ الواصلین شیخ شرف الدین بوعلی قلندر وغیرہ اولیائے کرام در طلب منصب لطف اللہ خان بہادر صادق منسوب شد و بعد ازاں بطریق انعام حسب الضمن مقرر باشد باید کہ حکام و عمال و متصدیان مہمات و جاگیرداران و کروڑیان

تھے۔

حکیم نابینا صاحب مفلوک الحالی کی حالت میں قلندر صاحب کے تصرفِ روحانی سے شاہی حکما کے زمرہ میں ایک ممتاز عہدہ پر فائز ہو گئے جن کی حسنِ تدبیر نواب مقرب خان کے لیے وزارت کا منصب چھوڑ گئی۔

سنہ ۱۰۷۱ھ میں نواب صاحب نے اپنے عہدِ وزارت میں قلندر صاحب کے روضہ شریف کی عمارت کو بڑھایا اسی دوران میں آپ کے بھائی شیخ حاجی نے جہانگیر سے درگاہ شریف کی سندِ تولیت اپنے نام کرالی تھی نواب موصوف اور شیخ حاجی کی وفات کے بعد شیخ محمود پسر شیخ حاجی نے بزمانہ فضیلت مآب شیخ محمد برہان سجادہ نشین اپنے والد بزرگوار کے کاغذات کی بنا پر تولیت کا دعوے کیا نوبت باینجا رسید کہ سجادہ نشین کو معہ خدام درگاہ بزور بیدخل کر دیا اُس وقت غازی شاہجہان کا عہدِ حکومت تھا اس تحریک کے دوران میں شیخ محمد برہان نے دربار شاہجہانی میں اپنی حق تلفی کی نسبت استغاثہ دائر کر دیا جس پر دربارِ شاہی سے فرمان صادر ہوا جس کی نقل بجنسہٖ درجِ ذیل ہے

اللہ سنہ ۱۱۲۵
محمد
محمد
شرعِ رسول
فضل خادم فا

مُہرِ شاہی

"والسنۃ حسب المسطور العمل آرند و خلافِ آں نہ کنند و در عہدِ او نہ شناسند تحریر فی التاریخ بست و پنجم شہر ذی قعدہ سنہ ۹۸۳ھ قلمی شد۔

چوں بموجب اسنادِ فرامین منقدمین بہ تحقیق رسید کہ خدمت تولیت روضۂ منورہ متبرکہ قطب العارفین زبدۃ الواصلین مخدوم ابو علی قلندر قدس سرہ العزیز واقعہ در بلدۂ پانی پت سرکارِ دار السلطنت دہلی موروثی باسم شیخ حمید الدین پیرزادہ مقرر بود چوں از دفترِ معلّٰی ظاہر شد کہ شیخ حاجی پسر شیخ بینا ابن شیخ حسن از روئے خلاف نمائی فرمانِ عالی شان از بارگاہِ عظمت و جلال حاصل کردہ بردہ فوت گردید

حال و استقبال موضع مذکور راجہت مصارف روضات مرقومہ بازگذار ندواز جمیع

وجوہ وعوارض معاف ومرفوع القلم شمارند درین باب ہر سال سند مجدد نہ طلبند۔

سطابق پنجم شہر رمضان المبارک سال دوم از جلوس والانوشتہ شد۔

موضع ہزارٹی اسی خاندان کی تولیت میں ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ نواب صاحب مرحوم نے اپنے وقف نامہ میں مفصل طور پر لکھ دیا ہے کہ اس موضع کی تولیت میرے خاندان میں ہی رہے اس وقت نواب مرحوم کی نسل سے نواب ناصر احمد خاں صاحب موضع مذکور کے متولی اور اپنے بزرگوں کے لائق جانشین ہیں۔

آپ نے ۱۹۱۱ء میں درگاہ شریف کے متعلقہ حجروں کی مرمت بصرف زر کثیر موضع ہزارٹی کی آمدنی سے کرائی و نیز نقار خانہ کی مرمت بھی نواب موصوف نے خود کرائی آج کل اپنے جد اعلےٰ نواب خان صادق کے مقبرہ کی مرمت (جو مدرسہ حالی کے نام سے موسوم ہے) کرا رہے ہیں۔ دیگر اخراجات کے مقابلہ میں نواب صاحب کی توجہ تعمیر کی طرف زیادہ مبذول ہے نواب صاحب کی اس رائے سے ہمیں بھی اتفاق ہے کیونکہ تعمیر کا کام دیگر معمولی اخراجات سے زیادہ ضروری اور اہم ہے۔

چونکہ عرس شریف کے موقع پر مہمانوں کی کثرت ہوتی ہے اور ٹھہرنے کا انتظام سوائے حجروں کے اور کہیں نہیں لہذا ہم بحیثیت حضور قبلہ عالم پناہ کے عقیدت کیش ہونے کے نواب ناصر احمد خاں صاحب کی خدمت میں پرزور سفارش کرتے ہیں کہ درگاہ شریف کے عقب کے میدان میں یعنی آستانہ عالیہ کے شمالی چبوتروں پر چند حجرے اور تعمیر کرا دیں تاکہ زائرین کو موسم کے لحاظ سے ہر قسم کا آرام پہنچ سکے جس سے نواب صاحب سلمہ کی نشانی ان کے بعد بھی قائم و برقرار رہے گی چونکہ یہ تعمیر صدقہ جاریہ کے سلسلہ میں داخل ہے اس لئے نواب صاحب کو قیامت تک اس کار خیر کا اجر و ثواب ملتا رہے گا پس نواب صاحب کو بہت جلد اس کار خیر کی طرف توجہ مبذول کر کے پبلک کو شکریہ کا موقعہ دینا چاہیئے۔

درگاہ شریف کی تولیت

نواب مقرب خان عثمانی النسل شیخ حسن کے پوتے اور حکیم بنیا صاحب کیرانوی کے بیٹے نور الدین جہانگیر کے وزیر

فضیلت مآب شیخ برہان پسر شیخ محمد نظام ابن شیخ حمید الدین بحضور پرنور آمدہ
بعرض اقدس اعلیٰ اظہار نمود کہ عہدۂ تولیت بقعۂ منورۂ منبرکہ قطب العارفین
از قدیم عہدہ موروثی بندہ است و شیخ محمود خلف شیخ حاجی متوفی مسطور بہ اسم
فضیلت مآب شیخ برہان نبیرۂ برادر زادہ آں قطب العارفین از قدیم عہدۂ موروثی
بندہ است و شیخ محمود خلف شیخ حاجی متوفی از راہ تعدی دخل مے نماید و تمامی
خدمۂ درگاہ و بندہ را ازاں جا بے دخل مے سازد و فرمان بدر بخود ظاہر مے
کند امیدوار فضل و کرم! دریں ولا حکم جہان مطاع آفتاب شعاع صادر شد
کہ تولیت بقعۂ منورہ مذکور بنا بر عزی شیخ حاجی متوفی مسطور بہ اسم فضیلت مآب
شیخ برہان نبیرۂ برادر زادہ آں قطب العارفین خدمت تولیت بقعۂ منورہ مذکور
مقرر و مسلم دانستہ شد باید کہ حکام و عمال و کروڑیان حال و استقبال پرگنہ پانی پت
از سرکار حضرت دہلی بدانند کہ چوں شیخ برہان متولی مزار فائز البرکات حضرت قطب
الاولیاء دانستہ تولیت را باو سپارند و خادمان مزار بے سخن و صلاح او کہ درباب صلاح
دید ایشاں گو یہ بیروں نروند و او را بہ جمیع مہمات مطلع آگاہیدہ چیزے پنہاں
و پوشیدہ ندارند و مجاوران اعزاز و اکرام موصی الیہ مرعی نہ گذارند و بہ استقبال
تمام متصدیٔ امور تولیت و لوازم آنہا دانستہ دست تعدی او را قوی دارند
و خرچ لنگر کہ موازی نود و پنج بیگہ ہژدہ بسوہ زمین بہ اہتمام شیخ مذکور نمایند و
بغیر مشار الیہ دیگر را دخل نہ دہند و ہر وزا آنچہ واقعہ شود کہ بے اطلاع او کارے
نہ کنند و ہر کرا لائق خدمات روضۂ منبرکہ مثل لنگر پختن و خلاف داری و خزانہ و
چراغ افروزی آں جا داند نصب کند و ہر کرا لائق نداند عزل نمودہ دیگرے را بجائے
او تعین نماید کہ درباب تاکید تمام لازم است"

جب سے اب تک قبلۂ عالم پناہ کے برادر زادے نسلاً بعد نسلاً سجادہ نشین اور متولی
ہوتے چلے آرہے ہیں البتہ خادمانِ درگاہ کا گروہ رو سلسلے نہیں سے ہے جن میں کچھ تو عثمانی ہیں
کچھ انصاری اور کچھ سادات عظام میں سے ہیں۔

قلندر صاحب کے کلام کا اثر

چہ مشکلیست ترا ایں را بہانہ مکن ۔۔۔ کہ زیر چرخِ مجدد ہزار مردانند

اس عنوان کے تحت میں ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قلندر صاحب کا طرزِ عمل فرمانِ خدا اور ارشادِ رسول کے کس قدر موافق تھا اور آپ کے کلام کی خصوصیت پر بحث کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس سے کس قسم کی تعلیم ہمیں حاصل ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ انسان کی قسمت اس کی غیر حاضری میں مقرر ہوئی جیسا کہ میرزا غالب دہلوی فرماتے ہیں ؎

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق ۔۔۔ آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا۔

اور انسانی رائے کو اس تقسیم میں کوئی دخل نہیں دیا گیا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جب ایک اندازہ جس کو تقدیر کہتے ہیں مقرر ہو چکا ہے تو ہم ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیں اور یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ خود بخود مل جائے گا بلکہ ایسا خیال کرنا ہماری سخت نادانی اور جہالت کا باعث ہوگا کیونکہ تقدیر کے مقرر کرنے والے احکم الحاکمین نے اپنے فرمانِ پاک میں صاف لفظوں میں فرما دیا ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی جس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کی قسمت میں وہی ہے جو وہ کوشش کرے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ فرمانِ قدسی دربارِ احکم الحاکمین سے بوساطت سید الانام عام رعایا کے لئے صادر ہوا جس میں کسی کی تخصیص نہیں انبیاء، اولیاء، اور عامۃ الناس کیلئے یہ فرمان یکساں ہے کیونکہ اسلام کی تعلیم کافۃ الناس کے لئے ہے۔

اب اس فرمانِ قدسی کی تعمیل پر نظرِ غور ڈالنی چاہیے اور معلوم کرنا چاہیئے کہ اس کی تعمیل کس حد تک ہوئی سب سے پہلے اسلام کے مبلغِ اعظم افضل البشر محبوبِ رب العالمین کا طرزِ عمل دیکھنا چاہیئے کہ آپ نے باوجود محبوبِ حق اور منظورِ الٰہی ہونے کے اس فرمان کی تعمیل کس طرح کی چنانچہ آپ کی مبارک اور مسعود دورِ حیات کا ایک ایک واقعہ ہمارے اس دعوے پر شاہدِ عادل ہے کہ آپ کی زندگی سعیٔ عمل اور کوشش حسنہ کا بہترین نمونہ ہے۔

آپ نے اشاعتِ اسلام کے لئے جو جدوجہد اور کوشش و کاوش کی اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اسلام تن آور اور ثمردار درخت کی صورت میں موجود ہے جس کی شاخیں تمام عالم میں پھیلی ہوئی ہیں یہ جناب کا منصبی فرض تھا جس کو منصبِ رسالت پر مامور ہو آخری دم تک آپ نے نبھایا۔ اس کے علاوہ زندگی کے ہر شعبہ میں کوشش کو پیش نظر رکھا حصولِ معاش کے لئے سخت سے سخت کڑیاں جھیلیں عام اصحابہ کرام کے ساتھ خندقیں کھودیں سفر و حضر میں اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا۔ اجرت پر لوگوں کے ریوڑ کو پانی پلایا، بکریاں چرائیں، غرضیکہ محبوبِ خدا نے فرمانِ حق کی تعمیل نہایت عمدگی سے کر کے یہ مثال قائم کی کہ کوشش ہر معاملہ میں شرط ہے۔

آپ کے بعد خلفائے راشدین، اصحابہ کرام، ائمہ دین متین، صوفیائے کرام و اولیائے عظام کا یہی طرزِ عمل رہا کہ انھوں نے خود کوشش کی اور اپنے حلقۂ ارشاد میں کوشش کی تعلیم کا رواج دے کر اس کا نتیجہ خدا پر چھوڑنے کی ہدایت کی۔

حضرت قلندر صاحب بازمرۂ اولیائے حق اور واصلین الی اللہ میں ایک برگزیدہ انسان تھے ممکن نہ تھا کہ آپ کی زندگی سعیٔ عمل اور کوشش و کاوش سے معرّا ہوتی چنانچہ فرمانِ قدسی کی تعمیل میں آپ نے سعیٔ عمل اور کوشش کا بہترین نمونہ دنیا کو دکھلایا آپ کے حالاتِ زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مدت مدید تک درس و تدریس کا کام کیا مسجد قوت الاسلام میں وعظ فرماتے رہے کچھ حصہ عمر کا دربارِ شاہی سے بھی متعلق رہا اور شہر کے مفتی بھی رہے اور بالخصوص جلائے روح کے لیے مجاہدات اس قسم کے کیے جن کی نظیر طبقۂ صوفیہ میں مشکل سے ملے گی مگر باوجود ان سب باتوں کے کوشش کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور دنیائے محمود کی طلب بدستور رہی۔

دنیا ناپائیدار ہے جس پر قرآن شریف گواہ ہے رسول اکرم ؐ نے اسے ناپائیدار کہا سلف صالحین نے اس کی بے ثباتی کا نوحہ کیا خود قلندر صاحب نے اس دنیا کی ناپائیداری کے مونو نقشے کھینچے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا غدار ہے اس کو چھوڑ دو اور ہاتھ پاؤں توڑ کر اپاہجوں کی طرح بیٹھ جاؤ بلکہ شارع علیہ السلام اور بزرگانِ دین نے دنیا کے مذموم

کو چھوڑنے کی ہدایت کی ہے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر دنیائے محمود کو حاصل کرو کیونکہ دنیا اُس چیز کا نام ہے جو خدا سے غافل کرے بقولِ مولانا رومؒ

چیست دنیا از خدا غافل شدن　　　نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

قلندر صاحب کی تعلیم کا حاصل بھی یہی ہے غرضیکہ آپ کی عمر کا پورا حصہ فرمانِ خداوندی کے ماتحت گذارا خود کوشش اور سعی میں عمر بھر ساعی رہے اور مخلوق کو خدا شناسی کے ساتھ سعی عمل کی تعلیم دی کیونکہ اسی سعی پر کائنات کا نظام قائم ہے خدائے واحد کا ارشاد ہے وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا یعنی سب سے ٹوٹ کر مجھ سے مل جاؤ اس فقرے میں عرفانِ یزدانی کا راز مضمر ہے دراصل سرِ حبِ ازلی ہر شئے میں جاری و ساری ہے۔

سرِ حُبِّ ازلی در ہمہ اشیا ساریست　　　ورنہ بر گل نہ زدی بلبلِ بیدل فریاد

اگر یہ نہ ہو تو ابھی کے ابھی میں آسمان سے ستارے درختوں سے شاخیں اور شاخوں سے برگ و بار جدا ہو جائیں اور اس عالم کون و فساد کا شیرازہ بکھر جائے عرفانی دنیا جانتی ہے کہ سب سے ٹوٹ کر خدا سے کس طرح ملا جاتا ہے اس راز کے پردے میں سعی اور کوشش کارفرما ہے نفس بغیر ریاضتِ محمودہ کے مغلوب نہیں ہوتا قلب بغیر سعی پیہم کے قبولِ انوار کا اہل نہیں بنتا روح بغیر جد و جہد کے جلا نہیں پاتی جس کے جلا سے خالق و مخلوق کا اتصال ہوتا ہے ثابت ہوا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں خدادانی خداطلبی اور خداجوئی کی ہر منزل میں کوشش درکار ہے۔

قلندر صاحب روحانی فلاسفر تھے اس لئے آپ کے کلام میں تمام تر سعی عمل اور اس کے متعلقات کی تعلیم ہے اب ہم دیوان سے وہ اشعار بالخصوص نقل کرتے ہیں جن میں ان اقسام کی تعلیم دی گئی ہے اور ساتھ ہی آپ کے حکیمانہ، ناصحانہ، اور اخلاقی اقوال درج کریں گے جن سے معلوم ہوگا کہ اس روحانی فلاسفر اور مبصر نے کیا کیا رموز و نکات عام فہم پیرایہ میں بیان فرمائے ہیں۔

عنوان بالا کو جس شعر سے ہم نے مزین کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ منازلِ عشق کی دشواریوں کا خیال کر کے طالب کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں کہ یہ منزل گو دشوار گذار اور

خطرناک ہے لیکن تجھے ناامید ہو کر پائے طلب توڑ کر بیٹھنا نہیں چاہیے بلکہ جہاں تک ہو سکے
عزم و استقلال کے ساتھ کوشش کرکے نتیجہ خدا پر چھوڑنا چاہیے وہ مشکل ہی کیا ہے جو
پے درپے کوشش اور سعیٔ پیہم کے آسان نہ ہو ہمت کر تیرے جیسے صدہا تشنہ لب
اِس چرخ مجدر کے نیچے سیراب ہو چکے ہیں

چہ مشکل است ترا ایں راہ بساندن　　کہ زیر چرخ مجدر ہزار مرد انند

قلندر صاحب کے اسی مضمون کو ایک عارف باللہ نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے

مشکلے نیست کہ آساں نشود　　مرد باید کہ ہراساں نشود

سعیٔ عمل کا اس سے بہترین نمونہ اور کیا ہو سکتا ہے

راہِ عشق میں چونکہ گوناں گوں مشکلات کا پیش آنا لازمی ہے جن سے صحیح و سالم
گذرنے کے لئے عزم و استقلال کی ضرورت ہے اس لئے دوں ہمت عاشقوں کو ناصحانہ
انداز میں فرماتے ہیں کہ یہ منزل نہایت پرخطر اور ہیبت ناک ہے راستے ایسے تنگ و تاریک اور
پیچیدہ ہیں کہ جن میں بڑے بڑے عالی ظرف عاشقوں کا زہرہ بھی پانی پانی ہوتا ہے عشق کو طے
مسافت کی خواہش ہوتی ہے عقل راستہ کی مشکلات سے خائف ہو کر دلائل کے روڑے اٹکاتی
ہے اور آگے جانے سے باز رکھنا چاہتی ہے سن اگر تیرے پاس سرمایۂ شوق اور طلب صادق
ہے تو اِس راہ میں قدم رکھ ورنہ خاموش بیٹھا رہ

چوں پائے شوق نداری براہِ دوست متاز　　کہ ہست در رہِ الفت بسے نشیب و فراز

قلندر صاحب کا یہ شعر تو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے جس میں انتہائی درجہ
کی سعیٔ عمل کی تعلیم پائی جاتی ہے کہ اگر میں نماز نہیں پڑھتا تو میرا ذاتی گناہ ہے گو نوشتۂ تقدیر کسی
طرح مٹ نہیں سکتا مراد یہ کہ گو ہر ایک انسان کے مقدر میں روزِ ازل سے جو کچھ تجویز ہو چکا ہے
وہ کسی صورت میں تبدیل نہیں ہو سکتا لیکن انسان پر کوشش کرنا تو فرض ہے۔

اگر نماز نیارم ہمیں گناہِ من است　　گو محو مے نتواں شد نوشتۂ تقدیر

بارگاہِ حضرتِ حق جل مجدہٗ میں حسب و نسب کی کوئی تمیز نہیں بلکہ ہر کوئی اپنے جوہر
کا ہو مراد یہ کہ اپنے ذاتی اعمال کام آئیں گے باپ دادا کے حسب و کمال کی پوچھ نہ ہوگی

اس مضمون پر فرماتے ہیں

چوں پیراں بر سرِ سجادہ نشیں　　بکش ساغر کنوں عہدِ شباب است

قلندر صاحب نے اپنی مثنوی میں بھی یہی تعلیم دی ہے کہ انسان کو اپنے حسب و نسب اور اسلاف کے کارناموں کو اپنی نجات کا وسیلہ نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ جہاں تک ہو سکے اپنے ذاتی اعمال سے دامنِ مقصود کو بھرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

چند مغروری تو بر حسب و نسب　　از تکبر دور باش اے بے ادب

عارف لوگ اس زنگ آلود دنیا کا اکثر توجہ کرتے ہیں اور ہر وقت اپنے دامن کو اس عجوزہ کی افتراق انگیزیوں سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ انہیں علم ہے کہ اس کے تمام اسباب فانی حادث اور ہالک ہیں ان کے ساتھ دل نہیں لگانا چاہیئے اس مضمون کو قلندر صاحب ان الفاظ میں ادا کر کے اپنے تجرد و اتقا کا ثبوت دیتے ہیں

کے بود دلبستگی ما را بچیزے غیر از و　　در نگاہِ ما دو عالم ہست ننگے از غبار

ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا ناپائدار ہے قلندر صاحب اس کی حقیقت کو موجِ سراب سے تشبیہ دے کر حسنِ حقیقی پر فدا ہونے کی ترغیب ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

تو بر حسنِ حقیقی جاں فدا کن　　کہ حسنِ دلبراں موجِ سراب است

صوفیہ کہتے ہیں کہ جب تک سالک اکلِ حلال پیدا نہ کرے اس کا دل موردِ الطافِ یزدانی اور نزولِ انوار کا استحقاق نہیں رکھتا قلندر صاحب واعظ کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر تو خوانِ عشق سے شکم سیر ہونا چاہتا ہے تو دنیا کا لقمہ منہ میں نہ ڈال مراد یہ کہ اکلِ حلال پیدا کر

لقمۂ دنیا منہ در دہن و کامِ خویش　　خواہی اگر واعظا لقمہ از خوانِ عشق

وجہ حلال کی روزی کے متعلق مثنوی میں فرماتے ہیں

گر خوری یک لقمہ از وجہ حلال　　نور تابد بر دلِ از مہر کمال

بہر طاعت لقمۂ باید حلال　　تا بیفزاید ترا رنج و ملال

گر شوی از لقمۂ شبہ الفقیر　　نفس را سازی بفضل حق اسیر

اکلِ حلال کے ساتھ صدقِ مقال کا ہونا بھی لازمۂ عشق ہے جس سے بارگاہِ حق میں باریابی نصیب ہوتی ہے قلندر صاحب راست بازی اور عجز و اخلاص کو حقیقت کے دروازے کی کلید تصور کر کے طالب کو تاکید کرتے ہیں۔

عجز و نیاز شیوہ کن و راست باز باش ــ شاید در حقیقت بر تو کنند باز

عاجزی چونکہ خداوند تعالیٰ کو پسند ہے اس لئے اُس کو حل المشکلات کا ذریعہ قرار دے کر فرماتے ہیں۔

بعجز و نیاز آں جانِ پرسند چیزے را ــ بفیضِ خاکساری ناتواں حل کرد مشکلہا

ایک دوسری جگہ عجز و نیاز کو بارگاہِ محبوب تک پہنچنے کا وسیلہ قرار دیتے ہیں

خواہی کہ روی بر درِ آں دوست قلندر ــ آں رہ کہ مقبول شود عجز و نیاز است

وصالِ محبوب کو مصر طالب کو یوسف اور مصائبِ عشق کو چاہِ یوسفی اور اعتکاف سے تشبیہ دے کر فرماتے ہیں کہ اگر تجھے وصالِ محبوب کی خواہش ہے تو یوسف کی طرح مردانہ وار مصائب برداشت کرتا کہ سلطنتِ مصر اور اطاعتِ برادرانِ یوسف کی طرح تجھ کو بھی لذتِ وصالِ محبوب حاصل ہو سعیٔ عمل کی تعلیم کا زرّیں نمونہ ہے۔

مصر خواہی چوں یوسفِ کنعاں ــ خیمہ اعتکاف در چہ زن

کیوفِ وجدانیہ کی اہمیت کو عاشقانہ انداز سے تمثیلاً بیان فرماتے ہیں کہ اے شیخ خدارا عشقِ الٰہی میں ایک دم تو وجد و محویت کر دیکھ کہ اشتر بے عقل بانگِ جرس پر ہی رقص کرنے لگتا ہے لیکن تو کہ اشرف المخلوق ہے اس نعمت سے تہی دست اور محروم ہے۔

شیخ در عشقِ الٰہی وجد سے کن یک نفس ــ اشتر بے عقل مے رقصد ہم بانگِ جرس

کیا اعلیٰ تعلیم ہے کہ عشق اختیار کر کیونکہ جو شخص اس نعمت سے محروم ہے اُس سے اشتر ہی بہتر ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا یعنی سب سے ٹوٹ کر مجھ سے مل جاؤ قلندر صاحب طالب کو خدائے قدوس سے ملنے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔

ز دہر قطعِ تعلق بہ بایدت کردن ــ چنانکہ قطع شود جامۂ نواز مقراض

اس شعر میں دنیائے مذموم کی محبت کی طرف اشارہ ہے قلندر صاحب کا یہ شعر ارشادِ خداوندی کی اعلیٰ تفسیر ہے وقت ایک نعمت ہے جس کی قدر کرنا ہر شخص پر فرض ہے اس کے بیجا اسراف سے اکثر اہلِ حق اجتناب کرتے رہے ہیں شیخ سعدی کا مقولہ ہے "وقت از دست رفتہ و تیر از کمان جستہ باز نیاید" قلندر صاحب بھی اسی مضمون کی تائید کرتے ہیں کہ جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آسکتا اسی طرح عمرِ رفتہ بھی واپس نہ آئے گی اس لئے موجودہ وقت کو غنیمت خیال کر اور یادِ حق میں کوشش کر اور دامنِ عشرت کو چنگ سے باہر نہ لیجا یعنی بیجا اسراف سے پرہیز کر وقت کی قدر میں یہ شعر عدیم النظیر ہے۔

عمرِ رفتہ باز پس ناید ترا — از کمان جستہ نمی آید خدنگ

پس غنیمت تُو شمار — دامنِ عشرت مبر بیرون چنگ

ظاہر ہے کہ زینہ کے بغیر بامِ بلند پر رسائی نہیں ہو سکتی گویا کہ زینہ بام پر پہنچانے کا ذریعہ ہے منازلِ عشق اور راہِ سلوک میں بھی طالب کو وسیلہ کی تلاش ہوتی ہے جس کو اصطلاح میں مرشد کہتے ہیں اس ضرورت کے متعلق قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ جس طرح بامِ بلند پر چڑھنے کے لئے نردبان کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح بامِ حقیقت پر رسائی حاصل کرنے کے لئے مرشد کا ہونا بھی لازمی ہے اُس کے بغیر نہ منزل کا پتہ لگتا ہے نہ راہ کا نشان ملتا ہے اس لئے تجھے بھی مجاز سے حقیقت کی طرف رجوع کرنا چاہیے

بے نردبان چوں نہ رسی بر فراز بام — پس طالبِ حقیقت شو از رہِ مجاز

شعرِ بالا میں تو کسی کامل کا دامن پکڑنے کی ترغیب دی گئی ہے شعرِ ذیل میں اُس کی طاعت اور خدمت کی بھی تاکید فرماتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے مرشد کی اطاعت اور فرمانبرداری کر جس سے تجھے احوالِ عالیہ اور مقاماتِ رفیعہ کا ادراک حاصل ہو۔

شاہ باگردی ز فیضِ اہلِ فقر — خاکِ شاں بر سر نہی گر ہمچو تاج

حرص و آز کی نسبت کسی عارف کا قول ہے کہ حرصِ دنیا عارف کے دل کے ساتھ وہ کام کرتی ہے جو چوہا رباب کے تار دل کے ساتھ کرتا ہے قلندر صاحب لکھتے ہیں کہ بینا کو نابینا کر دیتی ہے۔

ہیچ مے دانی کہ باشد حرصِ دنیا رلچہ رنگ　　　آنکہ می باشد بصیر اوراں نماید بے بصر

قلندر صاحب عام صوفیائے کرام کی طرح دفترِ کائنات کے مطالعہ کو معرفتِ کردگار کا وسیلہ قرار دیتے ہیں کہ خالقِ اکبر کی گوناگوں تجلیات کا جو کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں جاری وساری ہیں مشاہدہ کرکے اس کا عرفان حاصل کرنا چاہیئے

تجلیہائے وحدت بیشمار است　　　نظر واجب بہ صنعِ کردگار است

اسی مضمون پر ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ جب کائنات کا ذرّہ ذرہ تیرے نور سے معمور ہے تو میں گوشہ نشین زاہد کی طرح خلوت میں بیٹھنا نہیں چاہتا بلکہ کائنات کے ورق ورق سے تیرا عرفان حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

جمالِ تو چوں بذاتِ جہاں سار یست　　　بخلوتے نہ نشینم چوں زاہدِ تاحنی

وحدت کا یہ مرتبہ ہے کہ وہ کنگرۂ کبریا کے اوپر لے جا سکتی ہے یعنی اس سے ایسے درجاتِ عالیہ اور مقاماتِ رفیعہ کا ادراک ہوتا ہے جن کا ابتدائے کار میں بلندی کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا قلندر صاحب دون ہمت عشاق کو طنزاً خطاب کرتے ہیں کہ وحدت تو اس مقام پر لے جا سکتی ہے جس کی رفعت اور بلندی وہم وخیال سے بھی وراء الورا ہے لیکن وہ کیا عارف ہے جس کا منتہائے خیال صرف عرشِ اکبر ہو یعنی جو کچھ اسے مل جائے اسی پر قانع ہو جائے اور اپنے زعم میں عارف ہونیکا دعوے کرے۔

وحدت ورائے کنگرۂ کبریا کشد　　　کو عارفے کہ منظرِ او عرشِ اکبر است

قلندر صاحب کا یہ شعر بھی سعی عمل کی تعلیم کا بہترین نمونہ ہے کہ موجودہ مرتبہ سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

عشق میں دین و دل کو نذرِ محبوب کرنا پڑتا ہے اسکے متعلق فرماتے ہیں:۔

بہ عشقش دین ودل بازو میندیش　　　کہ اندر عشق او امر ونواہی است

دین ودل دے کر رضائے محبوب پر راضی وشاکر رہنا بھی لازمۂ عشق ہے جسے اصطلاح میں وفا واتحاد کہتے ہیں اس خصوص میں کمال ایثار کی تعلیم دے کر اپنی وفاداری کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

شرف را اگر تو خوں ریزی بسر تسلیم خم سازد   ہر آں قطرہ کہ از خونش چکد نقش وفا خیزد

صوفیائے کرام ظاہر پرست مولویوں اور ریاکار زاہدوں سے ہمیشہ شاکی رہے ہیں قلندر صاحب بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔

اندر دل او گر نبود ذکر بہ لبہا   قاضی بہ تصور کہ ہمیں حق نماز است

اسی مضمون کو اپنی مثنوی میں ذرا وضاحت سے بیان فرماتے ہیں

سے کنی سجدہ تو از بہر ریا   گاہ نہ کردی سجدہ از بہر خدا

تا بداند خلق مرد اولیاست   متقی پرہیزگار و پارساست

ان کے علاوہ اگر قلندر صاحب کے اشعار کا انتخاب کر کے آپ کی عارفانہ معلومات سے ناظرین کو اچھی طرح آگاہ کریں ممکن ہے کہ ایک دوسری شرح تیار ہو جائے مگر اس مختصر میں اتنی گنجائش نہیں تھی لہذا بخوف طوالت اس پر اکتفا کرتے ہیں اور قلندر صاحب کے چند اقوال نقل کر کے مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

حکیمانہ اقوال

قلندر صاحب ایک عارف کامل ہونے کے علاوہ عالم اجل اور واصل اکمل بزرگ تھے احکام شریعت پر سختی سے پابند تھے اور اپنے حلقۂ ارشاد میں مریدین کو پابندی شریعت کی تلقین کرتے تھے۔

چنانچہ شریعت مصطفوی کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

اے برادر باید کہ شریعت را نیکو دانی و با شریعت مانی زیرا کہ شریعت آئینہ دل ہا است عشق و حسن را در دل نماید شریعت شمع دل است شریعت شر نفس را فرو نشاند شریعت ترا با عشق دارد شریعت بر تو عشق آرد شریعت حسن معشوق ترا نماید شریعت ترا طریقت نماید شریعت تنۂ درخت طریقت است و حقیقت بار آں"

ایک دوسرے مقام پر شریعت کو تنۂ عشق کہہ کر فرماتے ہیں کہ جب تک تو شریعت پر استقامت نہ پکڑے گا گل طریقت تیرے ہاتھ کیسے آئے گا اور بار حقیقت کس طرح ملے گا۔

"اے برادر شریعت را برپائے دار زیرا کہ شریعت تنۂ عشق است تا در مکتب عشق شریعت را نخوانی تنۂ عشق را کے دانی تا بر شریعت مستقیم نمانی عشق و معشوق را

نرانی تا شریعت را بجزو استقامت ندہی دست بر گل طریقت چونہی گل طریقت از شریعت بشکند یار حقیقت عشق از شریعت حقیقت یافتہ عشق با معشوق از شریعت یافتہ اے برادر تن تو شریعت دل تو طریقت و روح تو حقیقت است"

صوفیائے کرام نے عقل کی دو قسمیں بیان کی ہیں عقلِ جزوی و عقلِ کلی۔ عارف لوگوں نے عقلِ جزوی کی مذمت کی ہے کیونکہ یہ راہِ سلوک میں دلائل کے روڑے اٹکاتی ہے اور سالک کو مراتبِ عالیہ پر فائض نہیں ہونے دیتی البتہ عقلِ کلی کو احسن قرار دیا گیا ہے جو مردِ حق عقلِ کلی کا اہل ہو اسے اصطلاحِ تصوف میں عاقل کہتے ہیں قلندر صاحب عاقل کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

" اے برادر عاقل آنرا گویند کہ شناسد خود را و بداند نفس خود را و خود را تسلیم معشوق کند در حسن او چناں گم کند خود را کہ نداند ہستی خود را عاقل شناخت توحید و دانش شریعت و طریقت و حقیقت از عقل معلوم کند"

گناہوں سے صدقِ دل سے توبہ کرنے کے بعد گذشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں چنانچہ صحیح احادیث میں اس کے متعلق خاص احکام ہیں نفس چونکہ جسم میں بمنزلہ ایک پلیدی کے ہے اگر وہ نفسِ امارہ مطمئنہ کی صورت میں تبدیل ہو جائے تو سالک عبادت میں لذت و سرور حاصل کرنے لگتا ہے اس حقیقت کو ایک مثال میں اس طرح فرماتے ہیں:-

" اے برادر اگر در چاہ موش افتد و درون آں چاہ بمیرد اگر موش مردار را بیرون آرند و بود چند دلو کہ شرط است آب بکشند ہرگز ناپاک نماند ہمچنیں اگر تو از کردہ ہائے خود توبہ کنی و باز گرد آں گناہ نگردی حلال را حلال دانی و حرام را حرام خوانی و ایں مردار نفس را بیرون آری لذت عبادت و تقوی ترا حاصل آید۔"

جو لوگ دنیا طلبی کی ہوس میں لگاتار کوشش کرتے ہیں اور یادِ حق سے غافل ہیں وہ لوگ اس فلاسفر اعظم کا قول بگوش ہوش سنیں:-

" اے برادر خاطر جمع دار کہ رزق و موت بدست کسے نیست حق تعالے از عشق آفریدہ ایں ہر دو چیز بدست قدرت او است کسے را مجال آں نیست کہ زیادت و نقصان کند وصالِ محبوب جس مشکل سے حاصل ہوتا ہے اور حصولِ وصال میں جو ...

جھیلنی پڑتی ہیں وہ عرفانی دنیا پر مخفی نہیں چنانچہ مشہور ہے۔

پس مردن بنائی جائینگے ساغر مری گل سے　　لب جاناں سخن کے بوسے لینگے خاک میں مل کے

اس کی تشریح اپنے عاشقانہ انداز میں اس طرح فرماتے ہیں

"اے برادر تا از عشق جگر خود را خون نسازی و بر در صاحب جنیئہ خاک نشوی و از آں خاک در خوت حنا نروئی و در ہر پے سنگے خون خود را قسمت نہ کنی و در میان دو سنگ خود را آس شدہ نہ بینی بر دست صاحب حسناں کجا نگار شوی"

نفسِ امارہ کے متعلق فرماتے ہیں :-

"نفسِ امارہ بازی گر است با نفس بازی مے آید و او را بودن آر و خود خود را ہراں دار و فرضیت حق و سنت رسول بجا آر و خود را بتقویٰ و مجاہدہ آر تا کہ از شومیت نفس نہ گردی خوار"

ظاہر ہے کہ بحکم حاکم مرگ مفاجات سے چارہ نہیں مگر غافل لوگ اس آنے والی گھڑی کو بھول بیٹھے ہیں قلندر صاحب ایک لطیف مثال کے ذریعہ اُس آنے والی گھڑی کی یاد دلاتے ہیں :-

"اے برادر اگر گرگ در رمۂ گوسفنداں بیاید یک را از اں بربائد گوسفندان دیگر سر بالا کردہ مے بینند تا آنکہ گرگ از نظر ایشاں غائب نشود آنکہ گوسفنداں را فراموش کنے شود چوں غائب شد ایشاں در چرا مشغول مے شوند تو بے خبری ازاں روز مرگ دیگراں ترا خبر مید ہند ہم ہشیار نمے شوی"

پارسائی کے متعلق ناصحانہ انداز میں فرماتے ہیں :-

"اے برادر پارسا باش کہ نور پارسائی شمع دلہا ست دل را از عشق ساختند و در صفائی آئینۂ دل معشوق عکس حسن خود انداختہ

نظامی تا توانی پارسا باش　　کہ نور پارسائی شمع دلہا ست"

انسان ضعیف البنیان سراپا عجز و نیاز اور عاجزی کا مجسمہ ہے فقیر ہے درویش ہے اور ہر وقت بارگاہِ حق سے اپنی ضروریات دنیاوی و حاجات دینی کو مانگتا رہتا ہے

کیونکہ اللہ کے غنی حبیب نے فقر و درویشی کی اولویت ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"کہ فقر بہترین ہمہ مخلوقات بر خود قبول کردہ و دانستہ کہ غنا مر حق تعالے

را آمد حضور علیہ الصلوات والتسلیم فقر اختیار کرد"

مراد یہ کہ انسان کو ...... فقر اور درویشی ہی زیبا ہے اُسے غنی ہونے کا گھمنڈ

نہیں کرنا چاہیئے۔

چوں غنی ہست صفت تو اجملہ فقیر یم	از خزانہ چہ مارا ست چہ فخر است بہ املق

حدیث میں آیا ہے "الدنیا سجن المومنین" یعنی دنیا مومنوں کا قید خانہ ہے جس

میں راحت نہیں ہوتی قلندر صاحب اس حدیث کی تفسیر فرماتے ہیں:-

"اے برادر دنیا زندانِ دوستاں و بہشت دشمناں است در دنیا

دوستاں را مے گدازند و دشمناں را می نوازند و در حقیقت حالِ دیگر است دشمناں

یعنی منافقاں فی السعیر خواہند بود و دوستاں بنعم کش در فردوس النعیم"

مراد یہ کہ اس کنج محنت آباد میں جو مصیبت یا تکلیف بھی آئے اسے بخوشی برداشت

کرو اور ان کے جاہ و حشم اور آرام و آسائش کا گلہ نہ کرو کیونکہ ان کی سلطنت فانی ہے اور سلطنت

جو خاص الخاص مومنین کے لئے ہے جاودانی۔

حدیث نبوی ہے "المومن لا یکذب" اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ راستی میں

امن و امان ہے:-

"اے برادر خود را بلاں دار کہ زبان را براست گفتن آر زیرا کہ مومن کہ دروغ

نگوید راستی ہست رستگاری از ہمہ خطر ہا را"

یہ ہے اس فلاسفر روحانی کے اقوال کا مختصر سا مجموعہ مشتے نمونہ از خروارے

جو ہدیہ ناظرین کرام کیا گیا۔ ورنہ آپ کی ساری تعلیم اسی قبیل سے ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلام کی مقبولیت

شرف در عشق روئے تو کلام از قدس آورده ــ نہ چوں نظم نظامی آں نہ چوں اشعارِ خاقانی

قلندر صاحب اپنے وقت کے ایسے ذی علم بزرگ تھے جس کا بیان کرنا ہمارے فہم و قیاس سے بالاتر ہے ہم نے آپ کے حالات میں جو کچھ مجمل سا بیان آپ کی علمیت کے متعلق کیا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ علم و فضل کے بحرِ مواج تھے جو آپ کا آبائی ورثہ تھا لیکن آپ کے مشاغل اور حالات کچھ اس قسم کے تھے کہ آپ نے اپنے دلی جذبات کو صفحۂ قرطاس پر لانے کی بہت ہی کم کوشش کی ہے حالانکہ آپ جیسے علم و فضل کے لوگ بے بہا تصانیف اپنی یادگار چھوڑ گئے ہیں لیکن آپ نے اس طرف بالکل توجہ نہیں فرمائی تاہم جو کچھ لکھا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کو حرزِ جان اور دستور العمل بنایا جائے ہم آپ کی بقیہ تصانیف کے علاوہ صرف دیوان کے متعلق بحث کرنی چاہتے ہیں کیونکہ ہماری بحث کا موضوع اس وقت صرف دیوان ہے۔

قلندر صاحب کا دیوان اتنا ضخیم نہیں صرف گنتی کی غزلیں ہیں البتہ ردیف وار تمام غزلیات لکھی گئی ہیں اس لئے وہ مجموعہ دیوان کہلانے کا مستحق ہوا تھا ــ سے ثابت ہوتا ہے کہ قلندر صاحب نے اپنا کلام خود مرتب نہیں کیا اور نہ ہی غالباً انہیں اس کی فرصت ہوگی دیوان کے نسخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام آپ کی وفات کے بعد جمع کیا گیا ہے کیونکہ مختلف نسخوں میں بہت سا اختلاف ہے مگر اس میں شک نہیں کہ جو کچھ جمع کیا گیا ہے وہ معانی و مطالب کا دریائے بیکراں ہے ایک ایک شعر قادر الکلامی اور آپ کے کمالِ فن

سی دلیل ہے آپ کو اس فن میں پورا عبور حاصل تھا اور آپ کی شاعری اکتسابی نہ تھی بلکہ وہبی تھی۔

تذکروں سے یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ اس فن میں آپ نے کس بزرگ سے استفادہ حاصل کیا البتہ آپ کے چکیدۂ کلک اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو واہب العطیات سے اس خصوص میں بد طولیٰ تھی کیونکہ آپ کا کلام تمام آمد ہی آمد ہے آورد نہیں جس کی مقبولیت کی نسبت اس قدر عرض کرنا کافی ہے کہ صوفیائے کرام کی کلام کی طرح آپ کا کلام بھی ایک نعمت غیر مترقبہ ہے تمام خصوصیات کے علاوہ اس کے مقبول ہونے کی کافی دلیل ہے کہ وقت کے بہت بڑے عالم جید اور صوفی کامل مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامی علیہ الرحمت نے قریب قریب آپ کے دیوان کی اکثر غزلیات کا کمال بلند آہنگی سے تتبع کیا ہے حالانکہ آپ یعنی قلندر صاحب کا پورا دیوان کلیات جامی کی ایک ردیف کے برابر بھی نہیں مگر سادگی اور مقبولیت کو دیکھ کر مولانا جامی جیسے قادر الکلام شاعر نے اپنے کلام کی ابتدا اسی تتبع سے شروع کی اور قریب قریب ہر ایک غزل کی تقلید کو ضروری سمجھا قلندر صاحب کے دیوان کے جو اشعار بلحاظ معانی و مطالب دل کو پسند آئے مولانا نے اسی خیال کو دوسرے الفاظ کا جامہ پہنا کر قلندر صاحب کی تقلید کو سعادت تصور کیا۔

اس اتباع اور تقلید سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا آپ کے تبحر علمی اور حقائق و معارف کی طرز بیان کے متوالے تھے بعض اشعار تھوڑی سی ترمیم و تنسیخ کے بعد دیوان قلندر و کلیات جامی دونوں میں موجود ہیں اور ردیف و قافیہ بھی ایسا ہے جس کلام کو حضرت امیر خسرو جیسے عالی پایہ صوفی شاعر وقت میں آئیں وجد کریں اس کی عظمت اس قابل ہے کہ اگر مولانا جامی اس کی تقلید کریں تو حیرت و استعجاب کا مقام نہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ مولانا جامی اپنے وقت کے برگزیدہ عالم اور صوفی شاعر تھے علم سیر و تواریخ میں خاصی مہارت رکھتے تھے اعلیٰ درجہ کے مصنف اور مولف تھے بہت سی تصانیف آپ کی یادگار ہیں آپ کی کلک گوہر بار سے نکلے ہوئے انمول موتی دنیا میں آفتاب کی طرح علمی دنیا میں اپنی روشنی پھیلا رہے ہیں اگر قلندر صاحب کی تقلید کرنا

یا اُن کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کرنا مولانا کی شان عظمت اور بلند مرتبت کے منافی نہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مولانا غزل کی بنیاد خود نہ رکھ سکتے تھے نہیں بلکہ ماہرین فن شاعری نے اس کی اجازت دی ہے کہ اگر کوئی مصرعہ پسند آجائے تو اس کو لے لینا جائز ہے اور اس پر گرہ لگا کر مضمون کو دوبالا اور واضح کر دینا کوئی قباحت نہیں اسی تقلید سے بادشاہان غزل کے شہنشاہ خواجہ حافظ شیرازیؒ نے شیخ سعدی، خواجو کرمانی، ظہیر فاریابی، سلمان وغیرہ استادان فن کے خیالات کو اپنے الفاظ میں تبدیل کر کے مضمون کو دوبالا کر دیا مثلاً شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے اس شعر

جز این قدر نتوان گفت در جمال تو عیب ۔۔۔ کہ مہربانی از آن طبع و خو نمی آید

کے پہلے مصرعہ پر خواجہ صاحب نے دوسرا مصرعہ اس طرح لگایا ہے جس سے مضمون کی زینت دوبالا ہو گئی ہے

جز این قدر نتوان گفت در جمال تو عیب ۔۔۔ کہ خال مہر و وفا نیست روئے زیبا را

ذیل میں ہم قلندر صاحب و مولانا جامی کے اشعار کی خصوصیات کے متعلق بحث کرتے ہیں جس سے ثابت ہو سکے گا کہ اس فن میں قلندر صاحب کا کیا مرتبہ تھا۔

مولانا جامی نے ایک غزل میں جس کا مطلع یہ ہے

تجلی [illegible] کاس [illegible] فانیہا ۔۔۔ [illegible] لہا

ایک شعر اس طرح لکھا ہے۔

بجان [illegible] کعبہ بیابان [illegible] ۔۔۔ چون [illegible] قطع منزلہا

حقیقت میں مولانا کے اس شعر کا ماخذ قلندر صاحب کا شعر مندرجہ ذیل ہے

دل شیخ حرم دارد [illegible] ۔۔۔ چو [illegible] چہ سود از قطع منزلہا

دونوں اشعار کا مفہوم ایک ہی ہے لیکن طرز بیان جداگانہ ہے مولانا کا شعر اس واسطے [illegible] ہو کر رہ گیا ہے کہ آپ نے [illegible] کا استعمال نہیں فرمایا صرف یہ کہہ دیا کہ یہ کا ساکن [illegible] جب تک روحانی قرب حاصل نہیں [illegible] سے کیا فائدہ لیکن قلندر صاحب نے عام محاورہ [illegible] کہ حبیب تیرے دل میں [illegible] ہے اور [illegible] تو

قطعِ منازل سے کیا حاصل۔ اس لئے قلندر صاحب کا شعر بلحاظ استعمالِ محاورہ و معانی و مطالب مولانا کے شعر پر سبقت لے گیا۔

مولانا کی ایک غزل ہیں جس کا مطلع یہ ہے:-

چوں است آں من زخمار شبانہ برخیزد ہزار فتنہ دشوار از زمانہ برخیزد

ایک شعر اس طرح ہے۔

چوں تیر غمزہ نہد در کماں زپیکانش ہزار کشتہ زہر نشانہ برخیزد

قلندر صاحب اسی مضمون کو ایک عام فہم تشبیہ کا جامہ پہنا کر اس طرح ادا کرتے ہیں۔

ہزار سر بسر آید چوں شمع تو بر تو ز دست تیغ [illegible] سرم برود

مضمون وہی ہے طرزِ بیان میں فرق ہے مولانا نے سادے الفاظ میں بغیر روزمرہ محاورہ کے اتنا کہہ دیا کہ اگر تو تیر چلائے تو ہزار ہا کشتے اس کے نشانہ کے لئے اٹھیں قلندر صاحب اسی مضمون کو ادا کرتے ہیں لیکن کس خوبصورتی سے کہ ہزار ہا کشتے فتیلہ چراغ کی طرح بار بار شہید ہونے کے لئے سر اٹھاتے ہیں ظاہر ہے اگر فتیلہ چراغ کا سر گرا دیا جائے تو وہ زیادہ روشن ہو جاتا ہے قلندر صاحب نے اس کے بار بار گرانے کو شہادت اور پھر بار بار زیادہ روشن ہونے کو [illegible] شہادت سے تعبیر کر کے یہ بات واضح کر دی ہے کہ ایک [illegible] عاشق ہزار بار [illegible] تیغ سے گھائل ہونے کا مشتاق [illegible] لکھ گئے:-

[illegible] کہ مشتاق ناز کر خون دو عالم میری گردن پہ

مولانا کا شعر ہے:-

[illegible] [illegible] الانصاح

قلندر صاحب اسی مضمون کو [illegible] اس طرح بیان فرماتے ہیں

کو بہ طفلی [illegible] خوبرویاں رفتہ عہد من باعشق [illegible] الانصاح

مولانا نے یہ [illegible] قلندر صاحب [illegible] میں لکھی ہے اور یہ خیال بھی قلندر صاحب کا لیا ہے مگر حقیقت میں اولیت کا [illegible] قلندر صاحب کے سر ہے مولانا

نے لفظ عشق کی جگہ فقر کا استعمال تو خوب کیا مگر اس جگہ عشق زیادہ فصیح و بلیغ ہے

مولانا اپنی ایک عاشقانہ غزل میں جس کا پہلا شعر یہ ہے

برکش اے صوفی ز سر این خرقہ سالوس را ‌‌ ‌ جام مے بستان و بشکن شیشۂ ناموس را

طبیب ظاہر سے فرماتے ہیں۔

رنج بے حاصل مبیں در نبض عاشق اے طبیب ‌ ‌ نیست دستور مریض عشق جالینوس را

قلندر صاحب نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

من مریض عشقم و از جان نفور ‌ ‌ دست بر نبضم چرا دارد طبیب

دونوں اشعار کا مفہوم ایک ہی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ مولانا نے صرف اسی پہلو پر زور دیا ہے کہ مریض عشق کا علاج جالینوس سے بھی ممکن نہیں قلندر صاحب نے اس کی وجہ یہ بتلائی کہ عاشقوں کو جان کی پرواہ نہیں ہوتی اس لئے نادان طبیب کو میری جانبری کا خیال کیوں دامنگیر ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔

دل و جاں کردہ ام نذر بتاں اکنوں نمی خواہم ‌ ‌ کہ گیرد یا مسیحا بارے فروشم دین و ایماں را

حضرت امیر خسرو کی عبارت ان دونوں سے بڑھ گئی فرماتے ہیں

از سر بالین من برخیز اے ناداں طبیب ‌ ‌ دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست

مولانا ایک جگہ فرماتے ہیں

کنارہ کن ز جہاں تا رسی بہ باغ عشق ‌ ‌ بکوہ قاف طلب آشیان عنقا را

اس مضمون پر قلندر صاحب فرماتے ہیں

گر ہمی خواہید پیوستن بہ او اے دوستاں ‌ ‌ با جہان و ما و دین کردن شمارا انقطاع

مولانا کا ایک شعر ہے

بزیر پایہ نہ خود کروبی سرم پیست ‌ ‌ رساندہ ام بچرخ دوم اسپ دولت

اس مضمون کو قلندر صاحب نے اس طرح ادا کیا ہے

چوں ستارہ زیر فیض مقدم تو ‌ ‌ ذرہ ما در برج افلاک است

مولانا نے پائے محبوب میں سر رکھ کر آسمان تک رسائی اور سرفرازی حاصل کی

قلندر صاحب نے مضمون وہی ادا کیا مگر تشبیہ کے ساتھ کہ تیرے قدمِ میمنت لزوم کی برکت
سے ہر ذرۂ دل ستارے کی طرح اوجِ عرش پر جا پہنچا یعنی سربلندی و سرافرازی حاصل ہوئی
ستاروں کا آسمان پر ہونا تو ظاہر ہے ہی اور ذرہ کی پرواز بھی مشہور ہے

مولانا معشوق کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

غزالے چون تو در صحرائے چین نیست   چہ جائے چین کہ بر روئے زمین نیست

اس پر قلندر صاحب فرماتے ہیں

کسے با تو زخوباں کہ با تو لاف زند   کہ خوبی دو جہاں مر ترا مسلم شد

مولانا در محبوب کے تقسیم کی اولوالعزمی کی نسبت فرماتے ہیں

بطوفِ روضۂ رضوان کسے دہد تقسیم درت   رہا نساخت جدا از تو نقشِ بوریا حق

قلندر صاحب نے کوئے محبوب کی بلبل بن کر یہی مضمون دوبالا کر دیا

ز کوئے تو نتوانم کہ من کنم عزمِ ریاض   کہ بلبلم ز کوئے تو نو رستہ ز ریاض

مولانا عشق کو بحر سے تشبیہ دے کر مردانِ راہ کو نہنگ قرار دیتے ہیں

کسے کہ گام درین بحر ... نہد   بکام سے رسد آخر ولے بہ کامِ نہنگ

اس پر قلندر صاحب فرماتے ہیں۔

راہِ عشاق نیست جز راہِ صفا   راہِ عاشق نیست جز کامِ نہنگ

دونوں حضرات نے مردانِ راہ کو نہنگ سے تشبیہ دی ہے

مولانا ایک غزل کے مقطع میں جس کا مطلع یہ ہے۔

ہزار لالہ ز رخ تو دو بہار چہ کنم   ہزار داغ بہ دل لالہ زار را چہ کنم

فرماتے ہیں۔

ملولم از دو جہاں بے جمالِ او جامی   چون یار نیست بدست ایں دیار را چہ کنم

قلندر صاحب بھی اپنے ایک غزل کو یہی جامہ پہناتے ہیں۔

برتر از ہر دو جہاں است جمالِ تو کہ ما   بے لب و روئے تو دو عالم بچہ کار آئیم

قلندر صاحب پر اس قدر ذوق غالب ہے کہ روئے محبوب کے مقابلہ میں دونوں

جہان کی قیمت دانۂ جو کے برابر بھی نہیں سمجھتے مولانا نے سرسری طور پر کہہ دیا کہ جب یار نہیں تو دیار کو کیا کروں قلندر صاحب اس مضمون کو سمجھ بھی گئے اور ساتھ ہی دونوں جہان سے محبوب کے حسن و جمال کی برتری ثابت کرکے نکتہ یہ نکالا کہ جب بغیر حسن دونوں جہان سے برتر ہے تو میں انہیں کیا کروں۔

مولانا کا شعر ہے

زفرقتِ تو چہ گویم چہ ناتواں شدہ ام ۔۔۔ زخطِ آب چمن چوں شود چناں شدہ ام

قلندر صاحب نے بھی مضمون ادا کیا ہے لیکن کسی اور انداز میں فرماتے ہیں

ما یہ عشقِ تو ناتواں شدہ ایم ۔۔۔ جسم بودیم و ہمچو جاں شدہ ایم

دونوں شعروں کا مفہوم ایک ہے البتہ تشبیہات جداگانہ ہیں قلندر صاحب نے جس جگہ لفظِ عشق کا استعمال کیا ہے وہاں مولانا نے فرقت سے کام چلا لیا۔

اسی غزل کے مقطع میں مولانا فرماتے ہیں

مگو کہ پیر شدی ترکِ عشق گو جامی ۔۔۔ کہ من بہ عشقِ تو پیرانہ سر جواں شدہ ام

قلندر صاحب نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے

ما زیک جرعۂ مئے شوقش ۔۔۔ باز پیرانہ سر جواں شدہ ایم

قلندر صاحب ردیفِ ہیم کی ایک غزل میں فرماتے ہیں

گر کنی لطف در روی بخشیم ۔۔۔ رہ اداراں حلقۂ در کو نشیم

مولانا قلندر صاحب کا دوسرا مصرعہ لے کر پہلا خود لگاتے ہیں

تا تو در گوشش کردہ حلقہ ۔۔۔ ما غلاماں حلقہ در گوشیم

قلندر صاحب ردیفِ فلک کی غزل [illegible] میں فرماتے ہیں

زاہدا از جام مے پرہیزگاراں را چہ حظ ۔۔۔ وز نماز و روزہ و حج میکساراں را چہ حظ

مولانا نے قلندر صاحب کے پہلے مصرعہ کو تھوڑی سی ترمیم و تنسیخ کے بعد اپنی غزل میں شامل کر لیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

از لبِ جنگجو پرہیزگاراں را چہ حظ ۔۔۔ لذتِ مے مستِ داند ہوشیاراں را چہ حظ

چہ دانستم کہ آخر ایں ہمہ دشوار پیش آید | کہ ایں آمد رفتہ رفتہ راہ سخت و سنگلاخ

رسیدہ جاں بلب دم نمے توانم زد | راز تو بلب نا وردہ دل شود دلِ خوں

اگر سرِ عشق ہمے زِ سینہ آشکار شود | ہر کس کہ دریں دہر نزا محرمِ راز است

زخونِ دل چہ نویسم بہ لوحِ خاطرِ خویش | پیدا تو [illegible] اسے شرف در حضرتِ او

چوں نیست از تو نہاں آنچہ در ضمیرِ من است | کہ او داند نہان و آشکارم

ہر گل کہ بر آید ز گلِ تربتِ مجنوں | چوں بعد از مرگِ من آید گیاہ بر گورِ من رُستہ

بوئے خوشِ عشق آمیختہ [illegible] | نوشتہ نامِ نوجاناں ز ہر برگِ گیاہ خیزد

عمرِ تو گنج و ہر نفس در وے یک گہر | عمرِ رفتہ باز پس ناید ترا — از کمان بجستہ [illegible] ناید خدنگ

گنجِ چنیں نفیس رائگاں تلف | پس نگہ [illegible] دامن [illegible]

زاہد بکنجِ محراب آوردہ روئے [illegible] | ما راست رو بقبلۂ ابروئے تو در پیش

عاشق گرفتہ قبلہ آں طاقِ ابروان را | ایں ہمہ در قصدِ حجاز اند بہ تعجیل

دامنِ خود گہ برانگن اے [illegible] | پردہ بردار کہ ما روئے چو مہرت نگریم

ورنہ [illegible] سوختہ آہم [illegible] | ورنہ از آہِ جگر پردۂ عالم بدریم

فیضِ ہوائیہ

اولیاء اللہ سے کرامت کا صادر ہونا [illegible] ہے تمام اصحابہ کرام اولیاء سے افضل ہیں لیکن ان میں بعضوں سے [illegible] امر [illegible] نہیں ہوئی چونکہ فضیلت اور عظمت کا دار و مدار اخلاص عبادت اور قرب [illegible] پر منحصر ہے اس لئے کرامت کی کوئی خاص اہمیت نہیں کیونکہ خوارق اکثر جوگیوں اور راہبوں سے بھی واقع ہو جاتی ہیں جس کو [illegible] ریاضت [illegible] شعبدہ کہتے ہیں۔

اہل حق اور عارفان باللہ کی بڑی کرامت یہ ہے کہ وہ شرع [illegible] پر قائم ہیں اور بڑا کشف یہ ہے کہ [illegible] کی استعداد کے موافق ان کی تعلیم و تربیت کریں۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا ہے کہ بعض اہل کرامت نے دم واپسیں یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش یہ کرامتیں ہم سے ظہور میں نہ آتیں اور شیخ موصوف نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی سے طے الارض کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا کہ یہ تو ولایت کی کوئی مستحکم دلیل نہیں کیونکہ شیطان ایک دم میں مشرق سے مغرب طے کر جاتا ہے مگر خدا کے نزدیک وہ مردود اور مقہور ہے۔ ہوا میں اڑنے کی نسبت پوچھا تو آپ نے فرمایا چڑیاں بھی ہوا میں اڑتی ہیں اگر انسان اشرف المخلوقات ہو کر ہوا میں اڑے تو حیرت و استعجاب کا مقام نہیں غرضیکہ جو کچھ آپ سے پوچھا گیا سب کے کرامت نہ ہونے کی کوئی نہ کوئی وجہ آپ نے ضرور بتلائی اور ولایت کی علامت اتباع شریعت قرار دی۔

قلندر صاحب ایک عارف باللہ بزرگ شریعت نبوی پر مستقیم تھے اور صاحب خوارق کثیرہ بھی تھے بے شمار کرامتیں آپ سے وقوع میں آئیں جن میں سے اکثر نہایت ہی عجیب ہیں ہم نے آپ کی سوانح عمری میں وہ واقعات عمداً درج نہیں کئے جن کو خوش اعتقادی سے تعلق تھا البتہ بعض بعض واقعات جن پر کرامت کا اطلاق ہو سکتا ہے اور جن کا تعلق آپ کی زندگی کے ساتھ تھا مختلف عنوانات کے تحت میں مناسب جگہ لکھے ہیں لیکن نرالی بات یہ ہے کہ قلندر صاحب کی وفات کے بعد بھی ان کا سلسلہ فیض ربانی جاری رہا ہم نہیں چاہتا کہ ہم ان واقعات کو جن کا تعلق بعد الموت سے ہے قلم انداز کر دیں اس لئے اس عنوان کے تحت ان ہی کو دکھلانا چاہتے ہیں کہ وہ ذات بابرکات زندگی میں تو مقصود انام اور مرجع خلائق تھی ہی لیکن زندگی کے بعد بھی اس کا فیض اسی طرح جاری رہا جیسا کہ دوران حیات میں تھا جو مستحکم دلیل ہے اس امر کی کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ نقل مکان کرتے ہیں اور قلندر صاحب کا ارشاد ہے ع

کشتۂ ناز ترا زندہ دائم شمریم

کس قدر حقیقت کے قریب بلکہ عین حقیقت ہے اب ہم تیمناً و تبرکاً قلندر صاحب کے فیض ربانی کے چند ایک واقعات ذیل میں درج کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ کس طرح وقت کے بڑے بڑے اہل کمال بزرگوں نے اس مرقد پاک کو کعبۂ مقصود سمجھا اور فیض اٹھایا

جس کا سلسلہ ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

میر مودود لاری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا پورا نام سید میر محمد مودود لاری ہے آپ حضرت بابا نظام الدین ابدال کے مرید تھے جو قلندر صاحب کے اصول سید نعمت اللہ ہمدانی کرمانی کے بڑے خلیفہ تھے میر موصوف نے سیر و سیاحت بہت کی ہے اور اپنے زمانے کے اکثر مشائخ سے ملے فیض پہنچایا اور فیض حاصل کیا۔

علوم توحید کی تکمیل مولانا عبدالغفور لاری رحمۃ اللہ علیہ سے کی اور انہی کے ذریعے قطب الاخیار حضرت مولانا نور الدین عبدالرحمان جامی قدس اللہ سرہٗ کی صحبت کا شرف حاصل کیا اور مولانا شیخ صدر الدین قونوی کی تصنیفات مولانا جامی کی خدمت میں پڑھیں اپنی وقت کے بڑے بڑے اہل اللہ بزرگوں شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی اور شیخ امان پانی پتی شیخ ہوئے زبیری شیخ فریدالدین کرمانی نے میر موصوف کی صحبت سے فیض حاصل کیا اور توحید کا علم سیکھا۔

میر مودود محمد ظہیر الدین ابراہیم (غازی) کے عہد حکومت میں اپنی ولایت سے ہندوستان تشریف لائے کچھ دن آگرہ میں رہے پھر شیخ امان پانی پتی کا وہاں آگرہ ہی میں مقیم تھے حضرت میر موصوف کی نجابت اور پاکیزگی کا شہرہ سن کر حاضر خدمت ہوئے اور دیکھتے ہی ان کے حسن خداداد پر عاشق ہو گئے اور میر مودود کی صحبت میں رہ کر تصوف کی بہت سی کتابیں خصوص الحکم وغیرہ پڑھیں۔

شیخ امان اکثر پانی پت کی تعریف کرتے تھے کہ وہاں ہمارے شیخ شرف الدین بو علی قلندر آسودہ ہیں جہاں سے آفتاب کی طرح ان کا فیض جاری ہے میر مودود کو بھی زیارت کا شوق پیدا ہو گیا ایک دن عالم مثال میں قلندر صاحب کی روح سے ملاقات ہوئی قلندر صاحب نے فرمایا۔

" اے مودود ہم بھی قلندر ہیں اور تو بھی قلندر ہے آ ایک ہی جگہ رہیں گے۔"

ایما پاکر میر صاحب پانی پت آ گئے اور یہیں رہنے لگے تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ آپ ہمیشہ قلندر صاحب کی زیارت کیا کرتے تھے اور ان کے مقبرہ میں سے

میں نے خیال کیا کہ ہر رات جھنجھانہ سے پانی پت پہنچنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے
جبکہ بیچ میں دریائے جمنا بھی حائل ہے اس معاملہ کی تحقیق کے لئے میں ایک کونے میں
جو میرے پیر کی مخصوص نشستگاہ تھی چادر اوڑھ کر کھڑا ہو گیا آدھی رات گذری ہو گی کہ حسب
معمول میرے پیر باہر آئے اور اسی کونے میں جہاں میں کھڑا تھا آ گئے اور مجھ کو یا حیّ و یا قیوم
پڑھنے کے بعد آنکھیں بند کرنے کا حکم دیا ایک لمحہ کے بعد حسب الارشاد میں نے آنکھیں
کھولیں تو اپنے آپ کو مع شیخؒ کے پانی پت میں عاشق الٰہی کے روضۂ منورہ کے دروازے
پر دیکھا مجھ کو یقین آ گیا پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے کیا دیکھتا ہوں جناب عاشق الٰہی اور
صاحبزادہ مبارک خاں آپس میں بغل گیر ہو کر ہوا خوری کر رہے ہیں جونہی شیخ عبد الرزاق کو دیکھا
فرمایا برادر عبد الرزاق آفرین آ جا شیخ صاحب قریب گئے اور تھوڑی دیر صحبت میں رہ کر حضرت
امام بدر الدین[۱] بدر عالم امام الہم رحؒ کے مزار پر انوار پر تشریف لے گئے اور وہاں سے زیارت کر کے
ایک لمحہ میں مع اس خاکسار کے جھنجھانہ پہنچ گئے اور مجھ کو علیحدہ کر کے خود وضو کرنے لگے

شیخ دوجن جنیدی رح

آپ کے والد بزرگوار سہارنپور میں بپیشۂ زراعت کیا کرتے تھے جب
شیخ دوجن کی عمر بارہ[۱۲] سال کی ہوئی تو آپ کے والد نے فرمایا
کہ ہم تو کھیتی باڑی کیا کرتے ہیں اگر تجھ سے ہو سکے تو ہمارے بیلوں کو جنگل میں لے جایا کرو
شیخ نے والد کا فرمان قبول کیا۔
ایک دن جمنا کے کنارے پر بیلوں کو پانی پلا رہے تھے کہ پانچ مردان غیب

---

[۱] امام موصوف حضرت امام زین العابدینؓ کے پوتے ہیں نیز کہ سب سے پہلے دعوت اسلام لے کر پانی پت تشریف
لائے۔ اور غزوہ میں اللہ کی راہ میں جان دیدی۔ آپکا مزار بلندی شہدا کے نام سے مشہور ہے حضرت عاشق الٰہی
اکثر اوقات عالم حیات میں امام موصوف کے مزار پاک کی زیارت کے لئے جانے تھے لیکن بپاس ادب دور ہی
سے فاتحہ پڑھتے حضرت امام ابو القاسم اور حضرت امام اسحاق جابری کے مزارات بھی قصبہ پانی پت
سے دو کوس مغرب کی طرف یادگار اسلام ہیں آپ چھوٹے شہید کہلاتے ہیں علاوہ اس کے
پانی پت میں اور بہت سے شہداء کے مزارات ہیں جو غزوات میں شہید ہوئے ۔۱۲

عطاء مظہر

ظاہر ہوئے خواجہ خضر علیہ السلام، قلندر صاحبؒ، بابا بہلول حصاریؒ، بدرالدین سلیمانؒ، شیخ سدو مالیرجیؒ، جوہیں شیخ نے ان غیبی آدمیوں کو دیکھا ڈر گئے مردانِ غیب نے کہا خوف مت کرو یہ بھی ہمارا ہمراز ہے اسی اثنا میں خواجہ خضر آگے بڑھے اور شیخ کا ہاتھ پکڑ کر پیار کرنے لگے اور اپنے دونوں انگوٹھوں کو شیخ کی آنکھوں پر رکھ دیا۔ جب اٹھائے تو ارض و سما کے اسرار ان پر منکشف ہو گئے اب وہ خوف نہ رہا۔

خواجہ خضر نے فرمایا اے عاشق الٰہی وابن تمہارا ہے تمہاری سپرد کرتا ہوں قلندر صاحب کے حکم کے بموجب باطنی تعلیم دی اور فیض سے مالا مال کر دیا اور فرمایا ظاہری حصہ سدو مالیرجی کے پاس ہے انہی کا مرید ہونا وہ ابھی زندہ ہیں جب مردانِ غیب غائب ہو گئے تو شیخ اسی وارفتہ حالت میں شیخ سدو کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے غرضیکہ آپ نے قلندر صاحب کی روح مبارک سے بہت فیض حاصل کیا آپ تربت قلندر کا طواف کیا کرتے تھے شیخ کی وفات ۹۶۴ھ میں ہوئی اور شہر جنید علاقہ حصار میں خانگاہ اختیار کی

شیخ عبدالقادر اجراوری

آپ شیخ برہان الدین کے صاحبزادے تھے سلسلہ نسب آپ کا شیخ عبداللہ زبیری تک پہنچتا ہے اکثر مشائخین سے آپ نے فیض اٹھایا خصوصاً قلندر صاحب آپ کے معنوی پیر تھے اقتباس الانوار میں لکھا ہے کہ

"روحانیت آنحضرت بعد از وفات وے سالہا سے بسیار شیخ عبدالقادر اجراوری را تربیت کردہ بمرتبہ تکمیل و ارشاد رسانید"

جب شیخ صاحب موصوف کسی بزرگ سے مرید ہونے کی التجا کرتے تو جواب ملتا تجھ کو کسی ولی کی روح سے فیض پہنچے گا چونکہ آپ کی باطنی نعمت قلندر صاحب کے پاس تھی جب ایسا ہوا شیخ پانی پت پہنچے اور روضۂ مقدسہ کے دروازے کے سامنے رو بقبلہ بیٹھ گئے جب آدھی رات گذری شیخ کے کان میں آواز آئی کہ آؤ شیخ نے عرض کی دروازہ بند ہے کیسے آؤں۔ ارشاد ہوا کہ دروازہ کھول لو شیخ دروازہ کھول کر اندر گئے دیکھا کہ قلندر صاحب مرقد اطہر کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے محبوب مبارک خان ہاتھ میں جام لیے کھڑے ہیں قلندر صاحب

نے مبارک خاں کو فرمایا کہ یہ پیالہ عبداللہ درکو دے دو۔

[illegible] ارک خاں صاحب نے پیالہ شیخ کو دے دیا اور شیخ پی گئے پیالہ کیا پینا تھا [illegible]

بیخود ہو گئے اور غشی جو [illegible] کا طول لگا۔ ایک فقیر سکندر نام بدنت نے قلندر صاحب کے

روضہ شریف کے دروازہ پر پڑا رہتا تھا جب شیخ کا یہ حال دیکھا تو کہا ہم مدت سے اسی دروازہ

پر پڑے ہیں اور آپ ایک [illegible] مالا مال ہو گئے شیخ نے فرمایا سبحان اللہ داتا دے اور بھنڈاری

کا پیٹ پھٹے یہ کہنا ہی تھا کہ سکندر کا پیٹ پھٹ گیا جس کو وقت کے سجادہ نشین صاحب نے

روضہ مشائخ سے باہر دفن کرا دیا شیخ اپنے وطن شریف لے گئے اور وہیں وصال فرمایا۔

سید میاں محمد شریف اجمی براولی رحمۃ اللہ علیہ

[illegible] اور مراد آباد کے درمیان کسی قصبہ کے رہنے

والے تھے سولہ سترہ سال کی عمر میں حضور کے عرس

شریف پر پانی پت شریف [illegible] تشریف لے گئے اور جب آخری سلام کے لئے حاضر [illegible]

تو حضور نے روحانی ارشاد [illegible] کہ [illegible] تم یہاں ٹھہرو اور جو حجرہ آپ کو بتایا گیا تھا اس میں

ٹھہر گئے [illegible] نوبت آئی چھ روز متواتر فاقہ میں گذرے ناچار درگاہ شریف

[illegible] حاضر ہو کر [illegible] آپ نے مجھے کس کام کے لئے ٹھہرایا تھا ارشاد ہوا کہ آپ

حجرے میں بیٹھے جاؤ رازق کو تیرے رزاق کا خود فکر ہے۔

[illegible] حجرہ میں آ گئے شام کے وقت کسی آدمی نے دروازے پر دستک دی اور

[illegible] معلوم ہوا کہ کوئی شخص کھانا لے کر آیا ہے پوچھا آپ [illegible] اس نے موٹی سی دو روٹیاں

اور کچھ چٹنی بتائی چونکہ وہ طبیعت مرغ کے گوشت اور پراٹھوں کی خوگر تھی اس لئے آپ نے

کھانا لینے سے انکار کر کے اس آدمی کو واپس لے جانے [illegible] ناقہ میں گذری سارے

[illegible] باطنی استانہ عالیہ پر پھر حاضر ہوئے اور یہی سوال کر کے کہا حضرت مجھ سے جوکی

روٹیاں اور چٹنی کھائی نہیں جاتیں۔ ارشاد ہوا کیا کھاؤ گے [illegible] مرغ کا گوشت اور پراٹھے

غرضیکہ ہر روز بلا ناغہ [illegible] کو مرغ کا گوشت اور پراٹھے [illegible] ملنے لگے چند سے قیام

کے بعد قلندر صاحب نے ارشاد فرمایا کہ [illegible] ابراہیم رحمۃ اللہ

علیہ کے مرید ہو جاؤ کیونکہ طالب کے لئے دوسرے دست بیعت ہونا اور [illegible] ہو گی

مولوی گل حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ ہے
آپ اٹھارہ ۱۸ سال سات مہینے چھ ۶ روز پانی میں رہے
رحمۃ اللہ علیہم اجمعین
مردہ ہرگز نبود آں کہ بمیرد در عشق
کشتۂ از نزار زندۂ دائم شد ہم
از چوہدری عبدالرؤف قمر بھٹی
محلہ شاہ صدیق وزیرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزل نمبر (۱)

ہست در سینۂ ما جلوۂ جانانۂ ما ۱ بت پرستیم دلِ ماست صنم خانۂ ما

اے خضر چشمۂ حیواں کہ بداں می نازی ۲ بود یک قطرۂ زدردِ تہِ پیمانۂ ما

جنّت و نار پسِ ماست چہ مرحلۂ دور ۳ سے نشاید بہ کجا ہمتِ مردانۂ ما

جنبد ار جائے فتد بہ سرِ افلاک برین ۴ بشنود عرش اگر نعرۂ مستانۂ ما

ہم چو پروانہ بسوزیم و بسازیم بعشق ۵ گر آں شمع کند جلوہ بہ کاشانۂ ما

ما نبازیم بتو خانۂ زر لب یاریم ۶ گر بیائی بشبِ وصل تو در خانۂ ما

گفت او خندہ زناں گریہ چوں کردم بدرش

۷ بوعلی ہست مگر عاشقِ دیوانۂ ما

ا: ترجمہ ہمارے سینہ میں معشوق کا جلوہ ہے ہم بت پرست ہیں اور ہمارا دل بتخانہ ہے۔

صنم (لغوی معنی) فارسی محاورہ میں خوبی صورت کی مناسبت سے معشوق پر اطلاق کرتے ہیں۔

بت کی اصطلاحی تحقیق:۔ ع بت ہیں جا مظہرِ عشق است و وحدت

یعنی صوفیائے کرام کی اصطلاح میں بت سے عشق و وحدت کے مظاہر مراد ہوتے ہیں کیونکہ موجودات کے تمام ذرات اس حقیقت مطلقہ کے آئینے ہیں پس جب حق بت کی صورت میں ظاہر ہوا اہل کمال کے لیے متوجہ الیہ بن جائے گا۔

بردر خانہ بت نظر کن اے ہشیار (سعدی) سر وجود نقشِ دفتر ہست معرفت کردگار (؟)

بت کی اصطلاحی تحقیق کے لیے صوفیانہ ذوق کے ماخذ اہم گلشنِ راز کی فارسی شرح سے چند چند مقامات کا ترجمہ اپنے الفاظ میں ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں جس سے ناظرین خود اندازہ لگا سکیں گے کہ صوفیہ کی اصطلاح میں ان الفاظ سے کیا مراد ہوتی ہے صاحب گلشنِ راز فرماتے ہیں۔

چو کفر و دین بود قائم بہ ہستی
شود توحید عین بت پرستی

چو اشیا ہست ہستی را مظاہر
ازاں جملہ یکے بت باشد آخر

نکو اندیشہ کن اے مردِ عاقل
کہ بت از روئے ہستی نیست باطل

جن سے مراد یہ ہے کہ جب کفر و دین وجود مطلق کے ساتھ دو باہمی اضداد ہیں پس خدا تعالےٰ کو واحد یقین کرنا بت پرستی ہوگی کیونکہ اگر کوئی شخص بت یا کفر کو از روئے حقیقت خدا تعالےٰ کا غیر تصور کرے گا تو یہ شرک ہے اور وہ توحیدِ حقیقی کا قائل نہیں۔

یہ بات تو کسی سے مخفی نہیں کہ موجودات کا ہر ذرہ حق تعالےٰ کی ہستی کا مظہر ہے ضرور یہ کہ بت بھی ان مظاہر [illegible] ہو قرآن مجید میں وارد ہے۔ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ یعنی حکم کیا [illegible] کہ تم عبادت نہ کرو مگر اس کی تو [illegible] ہے کہ ان صورتوں کا فرض حق تعالیٰ ہی کے عابد ہوں گے صرف طریق تعین جدا جدا ہوگا قرآن مجید دوسری جگہ ارشاد ہے۔

[illegible] اور آسمان کی پیدائش [illegible]

[illegible] عقلِ سلیم کو ترغیب دی گئی ہے کہ بت ہستی اور زندگی کی وجہ سے بواسطہ اپنی مظہریت کے جو کچھ ہے باطل نہیں کیونکہ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔

مسلماں گر بدانستے کہ بت چیست
بدانستے کہ دیں در بت پرستیست

وگر مشرک ز بت آگاہ گشتے
کجا در دینِ خود گمراہ گشتے

چونکہ قلندر صاحب کا سینہ تجلیاتِ محبوب کا مرکز اور مخزن ہے اس لئے آپ بتخانۂ دِل میں انوارِ ذاتی کا مشاہدہ کرتے ہوئے خود کو بت پرست اور اپنے دل کو جو ذاتِ احدیت مآب کی وحدت اور عشق کی جولانگاہ ہے صنمخانہ سے تعبیر کرتے ہیں اور حقیقت میں بھی یہی ہے کیونکہ ایمانِ حقیقی کی اصل یہی بت پرستی یعنی وحدت پرستی ہے اور اسی بت پرستی میں عین حق پرستی کا راز مضمر ہے قلندر صاحب اپنے مکتوبات شریف میں بت کے متعلق فرماتے ہیں

"عاشق از عشقِ معشوق مست مے بود صاحب حُسنے را بت احسن معشوق بروے نمود عاشق پیشِ بت نشیند زیراکہ در بت حسنِ معشوق سے بیند از عشق و حسن پیش بت سجدہ آرد و بحضور خود حسنِ معشوق بدارد۔ عاشق بت را احسن خانۂ معشوق مے بیند و در بت خانہ نشیند معشوق در لباسِ بت جمالِ خویش نمود عاشق مست را بود مست خود را ندانند الا از عشقِ معشوق را دانند و حسن او از عشق ماند"

مراد یہ کہ عاشق جس چیز میں دیکھتا ہے حسنِ معشوق ہی دیکھتا ہے۔

خدا در بت پرستی مے تواں دید	کہ اندر بت ہمیں سرِ الٰہی است

۲ ترجمہ:۔ اے خضر تو آبِ حیات پر ناز کرتا ہے وہ میرے پیالے کی تہ کا میل آلود قطرہ ہے

خضر بالکسر ایک پیغمبر کا نام ہے و بفتح اول و کسر ثانی بمعنی شاخِ سبز گشت تر و دنا م پیغمبر مذکور کیونکہ جس جگہ وہ بیٹھے ہیں سبزہ اُگ آیا اور آپ کی سیر و تفریح کے مقامات سبزہ زار ہیں یا اس وجہ سے کہ آپ کی قدم کی برکت سے بیابان سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں اور آپ کی نبوت میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک نبی ہیں اور بعض ولی کہتے ہیں وہ بعینہٖ زندگی و سبزی حضرت خضر علیہ السلام کا اصلی نام ارمیا ہے اور خضر آپ کا لقب ہے۔

چشمۂ حیواں: مراد از آبِ حیات دردِ مے وہ قیمتی چیز جو پیالے میں تہ نشین ہو جائے مجازاً شرابِ تیز و بالچھٹ!

قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ خضر آبِ حیواں پر نازاں تو ہیں لیکن یہ خیال نہیں

کہ وہ میرے پیمانے کی تہ کا میل آلود قطرہ ہے یعنی آبِ حیات کی اصل میرے پیمانہ کی دُرد سے ہے اور جو تاثیر اصل میں ہوتی ہے وہ نقل میں نہیں ہو سکتی اس لئے خضر کو چشمۂ حیواں پر ناز نہیں کرنا چاہئے بلکہ مایۂ ناز ہمارا پیمانۂ دل ہے جس کی دُرد بھی آبِ حیواں سے اچھی ہے شیخ سعدی شیرازیؒ کا شعر قریب قریب اسی مضمون کو واضح کرتا ہے۔

گر مے بجاں دہمت بستاں کہ بیش رانا ‏ ‏ ‏ ‏ از آبِ خضر خوشتر خاک شراب خانہ

اسی مضمون پر خواجہ حافظؒ فرماتے ہیں

آنکہ کہ خضر حیات از و یافت ‏ ‏ ‏ ‏ در میکدہ جو کہ جام دارد

آبِ حیات:۔ کے خواص کے متعلق لکھا ہے کہ جو شخص اُسے نوش کرے اُس کو ابدی زندگی عطا ہوتی ہے چنانچہ تذکروں میں مذکور ہے کہ خضر علیہ السلام نے سکندر ذوالقرنین کی معیت میں کوہ قاف میں بردہ ظلمات کے اندر چشمۂ حیواں سے وہ پانی پیا جس سے آپ کو حیاتِ جاودانی کی نعمت ملی اور سکندر اس نعمت سے محروم رہے۔

نہ بہ دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل ‏ ‏ ‏ ‏ کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

لیکن اس زندگی کا تعلق اسبابِ ظاہری سے ہے جو فقط قیامت تک کے لئے محدود ہے مگر زندگی جاوید جو عارفانِ حق کو مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا سے حاصل ہوتی ہے اس کو حیاتِ خضر سے کوئی نسبت نہیں۔

شُربِ محبت:۔ یعنی فناء کی شراب جو ذاتی تجلی او بینیٰ کے لئے لازم ہے تاکہ اپنی ہستی اور تعین کا حجاب دور ہو کر حق تعالے کے ساتھ بقا کا مرتبہ حاصل ہو اور یہ وہ بقا ہے جس پر خضر کو بھی رشک آنا چاہئے کیونکہ اس پر کسی قسم کا تغیر جائز نہیں جس کو یہ شراب عطا ہوئی اُسے عالمِ بقا میں ابدی اور غیر فانی زندگی حاصل ہو گئی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے

اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ ‏ ‏ ‏ ‏ یعنی اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں نقل کرتے ہیں۔

قلندر صاحب نے بھی حیاتِ خضر اور حیاتِ عاشق کا مقابلہ کر کے شربِ محبت کو آبِ حیوان پر فوقیت دی ہے کہ مایۂ ناز سالک کا پیمانہ دل ہے نہ کہ چشمۂ خضر!

اصطلاحِ تصوف میں بالفاظ صاحبِ جواہرِ غیبی ساغر و پیمانہ سے مشاہدۂ انوارِ غیبی اور
ادراکِ مقاماتِ عالیہ مراد ہیں مگر یہ ادراک شربِ محبت کے بغیر نہیں ہو سکتا اور چونکہ شراب کا تعلق
جام سے ہوتا ہے اس لئے تشبیہ فرمایا کہ ہمارے پیمانہ کی تہ کا تلچھٹ آلود قطرہ بھی آبِ حیوان سے بہتر
ہے کیونکہ حقیقی شراب تو بجائے خود اس کی درد سے بھی ایسے ایسے مقاماتِ رفیعہ اور احوالِ
عالیہ کا ادراک اور انکشاف ہوتا ہے جن کا بیان حیطۂ تحریر و تسطیر سے خارج ہے جب تلچھٹ کا یہ حال
ہے تو اس کی اصل کا اندازہ ناظرین خود کر لیں۔

۳۔ جنت و دوزخ صدہا منزلیں ہمارے پیچھے ہیں وہ ہماری مردانہ ہمت کے
ساتھ ہمسری کب کر سکتے ہیں۔

مرحلہ ماخوذ از رحل بمعنی منزل مراد از منازلِ عشق۔

ستابد مضارع از شتافتن بمعنی دوڑنا

آیت إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ الخ کی تفسیر میں مفسرین نے امانت سے عشق و محبت مراد لی
ہے چنانچہ مفسرین لکھتے ہیں کہ جب یہ امانت آسمان و زمین اور ملائکہ ملکوت کے سامنے پیش کی
گئی تو سب نے اپنے عجز کا اعتراف کر کے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا جس کے بعد یہ
امانت حضرتِ انسان کے حصہ میں آئی۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید　　　قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

جنت باوجود اپنے ساز و سامان اور دوزخ باوجود اپنے ہیبت ناک عذاب کے
لذاتِ عشق و محبت سے محروم ہیں اور جس منزل میں حضرتِ انسان گامزن ہیں وہاں ان دونوں
کا گذر نہیں قلندر صاحب نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ جس منزلِ عشق اور جادۂ محبت
میں میں چل رہا ہوں اس میں دوزخ اور بہشت کو بار نہیں کیونکہ وہ اس نعمت سے محروم ہیں
اور نہ ہی انہیں اس کا احساس ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۴۔ اگر عرش ہمارے مستانہ نعرے سنے تو اپنی جگہ سے ہل کر آسمانوں پر گر پڑے۔

عرش: تخت و سقف۔

یعنی اگر عرش میرے مستانہ نعرے سنے تو بیتاب ہو کر کانپ اٹھے اور اپنی جگہ سے ہل کر گر پڑے ان نعروں سے وہ سوز و ساز مراد ہے جو سالک کے دل میں ضبطِ عشق کی وجہ سے ہوتا ہے جس کے انکشاف سے جہان اور اہلِ جہان کے درہم برہم ہونے کا احتمال ہے عارف رومی فرماتے ہیں۔

سرِ پنہان است اندر زیر و بم	فاش گر گویم جہان برہم زنم

قلندر صاحب خود بھی ردیف خ میں اپنے اس دعوے کا اعادہ کرتے ہیں

آہِ من آتش زند در خرمنِ شمس و قمر   نعرۂ من مے شگافد گوش گردوں را صماخ

۵۔ اگر وہ شمع ہمارے کاشانے میں جلوہ کرے تو ہم پروانہ کی طرح جل کر عشق سنائیں۔

کاشانہ۔ خانۂ کوچک و مختصر اور خانۂ زمستانی جس کے روشندانوں میں حاشیہ کی طرح روشنی کے شیشے لگائے جاتے ہیں کاش کے معنی شیشہ کے ہیں جس کو زبانِ ہندی کانچ کہتے ہیں۔

یعنی اگر محبوب میرے کاشانۂ دل میں جلوہ افروز ہو تو میں پروانہ کی طرح جل کر اپنے عشق کا اظہار کروں یعنی جلوۂ محبوب میں اس قدر محو در محو ہو جاؤں کہ اپنی وہمی ہستی کی اصلا خبر نہ رہے اور من و تو کا امتیاز اٹھ جائے حضرت امیر خسرو دہلوی لکھتے ہیں

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی   تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

بہ الفاظ صاحبِ جواہرِ غیبی "وصل عبارت است از زبانِ خود شہود نورِ وجودِ حق تعالیٰ یعنی ذاتِ حق میں اس قدر محو در محو ہونا کہ اپنی ہستی کی اصلا خبر نہ رہے وصل کہاتا ہے پروانہ کی طرح قلندر صاحب بھی مرتبۂ فنا کے طالب ہیں ظاہر ہے کہ پروانہ بمصداق ع

ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد

اپنی وہمی ہستی کو جلا کر ہمرنگِ شمع ہو جاتا ہے یہی مقصود قلندر صاحب کا ہے

۶۔ اگر تو ایک دفعہ وصل کی رات ہمارے گھر آئے ہم تجھ پہ ناز کریں اگر تجھے اور بہت سے گھر ہیں

یعنی اگر محبوب شبِ وصال ہمارے گھر آئے تو میں اس پر ناز کروں کہ محبوب نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے میرے غریب خانہ کو رونق بخشی مگر شاید محبوب کو ہرجائی سمجھ کر خود ہی کہتے ہیں کہ "خانۂ تو ز اسباب ہم" میں غریب کس شمار و قطار میں ہوں جبکہ تیرے اور بہت سے طلبگار ہیں

واقعی اگر محبوب خانۂ دل میں رونق افروز ہو تو مقامِ ناز ہے مگر درگاہِ محبوب میں ایسی بے جوڑ درخواستیں منظور نہیں ہوا کرتیں اور بجائے اس وصل کے ہجر و فراق کی تجویز کر کے جواب ملتا ہے صبر کن تا نیخ صدور!

۷: جب میں اس کے دروازے پر رویا اس نے ہنس کر کہا کہ بوعلی ہمارا دیوانہ عاشق ہے۔

یعنی میں نے جب درِ جاناں پر نالہ و فریاد کی تو کمال خندہ لبی سے جواب ملا کہ بوعلی ہمارا دیوانہ عاشق ہے معشوقوں کی خندہ دہنی مشہور ہے کہ خود تو ہر وقت خندہ لب رہتے ہیں لیکن عشاق کو اس نعمت سے محروم رکھنا چاہتے ہیں امیر مینائی کا شعر ہے۔

وہ ہنس ہنس کے نشتر چبھویا کیا | میں رو رو کے دامن بھگویا کیا

حضرت امیر خسرو نے بھی یہی شکوہ کیا ہے فرماتے ہیں

ما ز گریہ چوں نمک بگداختیم | تو ز خندہ شکر افشانی ہنوز

شاید معشوق کی خندہ دہنی سے مراد یہ ہوگی کہ بوعلی کی نالہ زاری خالی از علت نہیں ہے کیونکہ بغیر کسی وجہ کے رونا بھی نہیں آتا دانا ؤں کا قول ہے کہ عاشقوں کا رونا لازمۂ عشق سے ہے تلمذ صاحب سرالعشق میں گریۂ عاشق کی ذرا وضاحت کرتے ہیں

"آنچہ دیدۂ عاشق در گریہ شود از غیرتِ عفیفتِ وجود اوست و حقیقتِ وجود او کہ عشق صفتِ اوست از غیرت نے خواہد تا دیدۂ او از گریہ سفید شود و از دیدنِ نو میسر شود زیرا کہ واند کہ آں دیدار بدیں دیدہ موانع بود در والو دکہ دیدہ از آں گریہ خفیہ شود تا نظر بر جمالِ آں دلربا نے نشگیند زیرا کہ نہ رسد آں روئے از ناز کی بدیں نظر مجروح شود"

غزل ۲

نقاب از روئے خود چوں افگند آں شمعِ محفلہا ۱ بسوزد چوں پرِ پروانہ ہم جانہا و ہم دلہا

تو چہ می پرسی اے مجنوں رہ و رسمِ طلب از ما ۲ کہ ما طے کردہ ایم از عاشقی صد گونہ منزلہا

بجز عجز و نیاز آنجا نمی پرسند چیزے را ۳ بفیضِ خاکساری ہا تواں حل کرد مشکلہا

بدل شمعِ حرم داری چرا سوئے حرم پوئی ۴ چوں یار اندر بغل باشد چہ سود از قطعِ منزلہا

شرف حسنِ ازل بینی بچشمِ جان و دل ہر دم ۵
عیاں در جلوتِ جاناں نہاں در خلوتِ دلہا ۵

۱۔ اگر وہ شمعِ محفل اپنے چہرہ سے نقاب اٹھائے تو دل وجاں پرِ پروانہ کی طرح جل جائیں۔

نقاب :- پردہ۔

یعنی محبوب اگر رخِ زیبا سے پردہ اٹھائے تو عاشقوں کے دل وجاں پروانہ وار جل جائیں
وجہ یہ کہ تجلیات کی کئی قسمیں ہیں اور ہر ایک کے جدا جدا آثار ہیں منجملہ ان کے ایک کا نام ذاتی تجلی
ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اگر سالک کے وجودِ عنصری کے آثار اور صفات کچھ باقی ہوں تو
وہ بیہوش ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت کلیم الرحمان طور پر بیہوش ہو گئے اور اگر آثارِ عناصر مطلق فناہ
ہو چکے ہوں تو مشاہدہ کر سکتا ہے چنانچہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از وفات
یہ خاص الخاص خلعت بار ۱۲ رب العزت سے عطا ہوئی اور بعد از مرگ عامتہ المسلمین کو دیدارِ
الٰہی ہوگا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ مشاہدہ عالمِ ناسوت میں جسدِ عنصری کے ساتھ ناممکن ہے کیونکہ جب
حضرت کلیم جیسے اولوالعزم مرسل اور پیغمبر مشاہدہ ذات کی تاب نہ لا سکے تو اور کوئی کیونکر متحمل ہو
سکتا ہے قلندر صاحب کسی ایسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ اگر محبوب اپنے چہرہ پر نور سے

نقاب اٹھائے یعنی بے حجابانہ تجلّی کرے تو عاشقوں کے دل پروانہ کی طرح شمعِ جمال پر جل کر خاک ہو جائیں پس قولِ فیصل اس معاملہ میں یہ ہے کہ مشاہدۂ ذاتِ بجسدِ عنصری عالمِ اسباب میں ناممکن ہے

خفاکہ اگر پردہ ز روئے تو برافتد — وز غیرتِ تو نہ عین نواں یافت نہ آثار

کلیم نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے

کلیم شکر کر وحشر تک نہ ہوش آتا	ہوئی ہے خیر کہ وہ شوخ بےحجاب نہ تھا

مگر حضورِ رسالت مآب کا مشاہدۂ ذاتِ بجسدِ عنصری کرنا عامۂ خلائق کے لئے حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ معاملہ اور ہے جس کی بحث موجبِ تطویل جان کر قلم انداز کرتے ہیں

۱۰۲۔ اے مجنوں تو ہم سے راہِ محبت کی رسم ورواج کیا پوچھتا ہے جب کہ ہم عشق کی صدگونہ منزلیں طے کر چکے ہیں۔

یعنی تو ہم سے طلبِ محبوب اور دیارِ عشق کے رسم ورواج نہ پوچھ کیونکہ ہم نے عشقِ محبوب میں ایسی صدہا منزلیں قطع کی ہیں شاعر حق پر ہے کیونکہ جو منزلیں آپ نے محبوب کے عشق ومحبت میں طے کیں وہاں بیچارے مجنوں کا کیا دخل!

مجنوں کا لیلے کے ہجر وفراق میں منزلیں قطع کرنا ایک مشہور بات ہے لیکن مجنوں اور شاعر کی منزلوں میں بعد المشرقین ہے کیونکہ وہ مقامات جو عاشق کو اثنائے وصال میں طے کرنے پڑتے ہیں مثلاً توبہ، صبر، شکر، خوف ارجا، زہد، توحید، توکل المحبت، الشوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ، تفکر وغیرہ ان کی دلیل ماہیت اور طریق تفصیل پر اگر صوفیانہ نکتۂ نظر سے غور کیا جائے تو قلندر صاحب کے شعر کا مطلب صاف صاف واضح ہو جاتا ہے کہ جو مقامات اور جو وارداتِ قلندر صاحب نے طلبِ محبوب اور وصالِ معشوق کی خاطر طے کئے وہ مجنوں کی منازل سے مختلف ہیں اس لئے یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مجنوں اور قلندر صاحب کی منازل میں بڑا فرق ہے جن میں حفظِ مراتب کا خیال ضروری ہے ع۔

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

۱۰۳۔ اس جگہ عجز ونیاز کے سوا کچھ نہیں پہنچتے وہاں خاکساری کے فیض سے

مشکلیں حل ہو سکتی ہیں

مرادیہ کہ بارگاہِ محبوبِ مطلق میں عجز و انکسار اور نیازمندی کی ضرورت ہے کیونکہ حلِ مشکلات کا واحد علاج عجز و نیاز ہے اور یہی تحفہ بامِ وصال کے لئے بمنزلۂ معراج ہے

سلطان العارفین حضرت ابا یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ بارگاہِ حق میں دعا کیا کرتے تھے کہ اے محبوبِ مطلق ابا یزید کہ تیرے ہجر میں جاں بلب اور بے قرار ہے اُسے اپنے وصل سے سرفراز کریں کے جواب میں

یہ ہوا فرمانِ حق اے بایزید گرچہ محنت ہے تری از بس مزید
پر نہ ہووے وصل سے بہرہ تجھے جب تلک لاوے نہ تو تحفہ مجھے
یعنی لا وہ چیز جو مجھ میں نہ ہو دوں تجھے وہ چیز جو تجھ میں نہ ہو

یہ جواب سن کر حضرت بایزید روئے اور عرض کی اے پروردگارِ عالم! فقیر کہ ہمہ اوست کا قائل ہے تجھ سے ہی سب کچھ جانتا ہے اور کسی کو تیرا غیر نہیں دیکھتا ارکانِ اسلام میں نے تیری خوشنودی اور رضامندی کے لئے ادا کئے علم پڑھا اور اس سے وعظ کہتا رہا رات دن تیرا ذکر کیا اور تیرے سوا کسی فکر کو دل میں آنے نہ دیا جب حضرت بایزید محبوب سے تمام راز کہہ چکے تو محبوب کی درگاہِ لاابالی سے آواز آئی۔

یعنی یہ اعمال جو تو نے گنے حور و غلماں ان کے بدلے میں لئے
اِن عبادتوں سے اے حالی گہر ہاں بھرے لاکھوں نے جھولے سر بسر

یہ جواب سن کر حضرت بایزید چشم پر آب التجا کرنے لگے کہ یا الہ العالمین مجھے اس چیز سے آگاہ کر کیونکہ میں لاعلم ہوں۔

پھر ہوا اِرشادِ حکمِ ربِّ دوجہاں گوشِ دل سے سن ذرا اے بیکراں
یعنی وہ ہے درد و سوز و انکسار ہم منزہ جس سے ہیں اے ذی وقار
درد کیا ہے وصل کا پیغام ہے عجز کیا ہے وصل کا انجام ہے

اس حکایت سے پایا جاتا ہے کہ عجز و نیاز افضل ترین عبادت ہے کسی بزرگ کا ارشاد ہے

پیشِ حق یک نالہ از روئے نیاز بہ کہ عمرے بے نیاز اندر نماز

اسی مضمون پر شیخ سعدی فرماتے ہیں ۔

بریں آستاں عجز و مسکینیت ۔۔۔ بہ از طاعت و خویشتن بینیت
گنہگار اندیشناک از خدا ۔۔۔ بہ از پارسائے عبادت نما

۱۴) جب تو دل میں شمع حرم رکھتا ہے تو کعبہ کی طرف کیوں دوڑتا ہے جب یار بغل میں ہو تو منزلیں قطع کرنے سے کیا فائدہ!

حرم ۔ یقینی وہ چار دیواری جو خانہ کعبہ کے گرداگرد بنی ہوئی ہے جس کے اندر ہر آدمی یا حیوانات کو قتل کرنا حرام ہے اہل فارس نے شریف آدمیوں کے گھروں کو بھی حرم کہا ہے منکوحہ ۔ پوئی ۔ مضارع از پوئیدن یعنی دوڑنا ۔

یعنی جب تیرے دل میں انوار سبحانی کا تسلسل جاری ہے اور یہی دل اس قابل ہے کہ صدہا کعبے اس پر رشک کریں تو پھر تجھے کعبہ مجازی کی طرف نہیں دوڑنا چاہیے طالب کے لیے قیمتی نصیحت ہے ۔ حدیث میں آیا ہے

قُلُوبُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَرْشُ اللّٰہِ تَعَالٰی ۔۔۔ ایمان داروں کے دل خدا کا تخت ہیں ۔

جس سے مراد یہ ہے کہ اگر آئینہ دل دنیاوی آلودگیوں سے پاک مجلّا اور مصفا ہو تو اس میں انوار و جمال محبوب جلوہ ریز ہوتا ہے شعر بالا میں فلاسفہ صاحب نے کعبہ مجازی پر کعبہ دل کی فوقیت ثابت کی ہے اور حق بھی یہ ہے کہ اگر دل صحیح معنوں میں دل ہے تو وہ کعبہ سے افضل ہے کیونکہ کعبہ کی بنا آب و گل سے ہے اور دل کی ساخت انوار یزدانی سے ہے اس طرح بھی دل کو فوقیت حاصل ہے ۔ عارف رومی دل کی عظمت کے متعلق فرماتے ہیں ۔

کعبہ بنگاہ خلیل آزر است ۔۔۔ دل گذرگاہ جلیل اکبر است
آسماں را با بزرگی از کجا است ۔۔۔ کہ دل پاک ولی [illegible]
[illegible] ۔۔۔ [illegible] در الوہیت
در زمین و آسماں [illegible] ۔۔۔ [illegible] دانی یقین
در دل مومن بگنجم [illegible] ۔۔۔ گر مرا جوئی در آں دلہا طلب

اشعار مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ دل انوار محبوب کی آماجگاہ بن چکا ہو تو پھر کعبہ

مجازی کی طرف دوڑنا بے سود ہے لیکن اس سے فریضۂ حج ساقط نہیں ہو جاتی کیونکہ صاحب
استطاعت پر حج فرض ہے جو ارکانِ اسلام سے ایک خاص رکن ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کعبہ
کے طواف سے صرف فریضۂ حج ادا ہو سکتا ہے لیکن اصلی لذت اور حقیقی انبساط جو روح کی پرواز
اور سیر الی اللہ کا ذریعہ ہے صفائی دل اور جلائے قلب سے متعلق ہے اس کے علاوہ کعبہ تو ہر
جگہ موجود نہیں لیکن حسب ارشادِ قدسی کعبۂ دل میں انوارِ محبوب کا جلوہ ضرور ہے اس اعتبار
سے بھی دل کو فضیلت حاصل ہے قلندر صاحب اس مضمون کے متعلق اپنے ایک مکتوب میں فرماتے
ہیں :-

"عاشقان کہ سرگردان شوق شدہ اند بعضے بہوائے دیدار سوئے خانہ کعبہ برائے
طواف روانہ و بعضے دل خود را کعبہ ساختند و خود را بہ طواف کعبۂ دل انداختند و بعضے در
ہر چیزے کہ حسن او یافتند خود را در عشق آن حسن والہ ساختند!"

خداوند حرم در خانۂ ماست — تمنائے بیابانی کجائی (نظیری)

قلندر صاحب کے اس خیال کو مولانا جامی نے یوں ادا کیا ہے کہتے ہیں

بجاں شو ساکنِ کعبہ بیاباں چند پیمائی — چوں خود قریب است جانی چہ سود از قطع منزلہا

۵۔ شرف جان و دل کی آنکھوں سے ہر دم حسنِ ازل دیکھتا ہے جلوتِ جاں میں
ظاہر اور خلوتِ دل میں پوشیدہ

جلوت: ظاہر کردن و نمودن خود را بہ مردم لفظ خلوت کی ضد ہے
یعنی میں شاہدِ حقیقی کا جلوہ ظاہر و باطن میں دیکھتا ہوں خلوتِ دل میں پوشیدہ طور پر اور
عالم وجود میں ظاہراً۔

جب سالک کا دل دنیاوی آلودگیوں سے پاک ہو جاتا ہے تو اس میں انوارِ یزدانی کا
نزول ہونے لگتا ہے اور جمالِ محبوب کا مشاہدہ بھی اسی خلوت اور جلوت کی نسبت مرزا داغ دہلوی
نے ایک نکتہ پیدا کیا ہے فرماتے ہیں -

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں — صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

غزل ۳

ساقی یار از شرابِ کہنہ پُر کن جام را	۱	خاک بر سر کن چو بینی زاہدانِ خام را
عاشقِ بے ننگ و نامم نعرۂ خوش میزنم	۲	من نخواہم ننگ را و من نہ جویم نام را
شاہد آں شہباز روزے از ہوا آید بزیر	۳	دانہ افشاندم بخاک و می کشایم دام را
زاہد از خیز و درو در حلقۂ اہلِ ریا	۴	لائقِ صحبت نئی رندانِ مے آشام را

۵ سے نہ مقبول گر میسر اندر خودی ۵
تو ہمے خواہی برسی در کعبہ باز اصنام را

ترجمہ:- اے ساقی پرانی شراب سے جام لبریز کر اور اگر تو زاہدانِ خام کو دیکھے تو ان کے سر پر خاک ڈال۔

شرابِ کہنہ: پرانی شراب مراد اس شراب سے ہے جو بروزِ میثاق ارواح کو دی گئی جس کی نسبت ارشادِ باری ہے وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا جس کی وجہ سے ارواح نے بجواب اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ بلیٰ کہا۔ زاہدانِ خام:- سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی طاعت و عبادت سراسر ریا و تکبر اور خود بینی کی ہوتی ہے چونکہ عشق میں وہ ناتمام ہوتے ہیں اس لئے خام کہا۔

قلندر صاحب دوبارہ اسی شراب کے طالب ہیں ظاہر ہے کہ پرانی شراب میں نشہ زیادہ ہوتا ہے جس کے پینے سے مراد یہ ہوتی ہے کہ میں پیش از پیش محبت حاصل کروں اور ان زاہدانِ خام اور صوفیانِ ریاکار کی نسبت جو اس شراب کے اہل نہیں طنزاً فرمایا کہ ان کے سر پر خاک ڈال یعنی ان کو اپنے حال پر رہنے دے خواجہ حافظ بھی قلندر صاحب کے ہم خیال ہیں فرماتے ہیں

ساقیا لبریز مے کن جام را   خاک بر سر کن غمِ ایام را

شراب اور اصطلاحی تحقیق:-

شراب بیخودی درکش زمانی	کہ تا از دست خود یابی امانی
بخور می تا ز خویشت وارہاند	وجود قطرہ در دریا رساند
شدہ زو عقل کل حیران و مدہوش	فتادہ نفس کل را حلقہ در گوش
ہمہ عالم چو یک خمخانۂ اوست	دل ہر ذرہ پیمانۂ اوست
خرد مست و ملائک مست و جان مست	ہوا مست و زمین مست آسمان مست
عناصر گشتہ از یک جرعہ سرخوش	فتادہ گاہ در آب و گاہ در آتش
ز بوی جرعہ کافتادہ بر خاک	برآمد آدمی تا شد بر افلاک
ز عکس او تن پژمردہ جان گشت	ز تابش جان افسردہ روان گشت
یکے از نیم جرعہ گشتہ صادق	یکے از یک صراحی گشتہ عاشق
یکے دیگر فرو بردہ بہ یکبار	خم و خمخانہ و ساقی و میخوار

(گلشن راز)

"قلندر صاحب بھی شراب فنا و بیخودی کے طالب ہیں جو ذاتی تجلی اور نیستی کے لئے لازم ہے تاکہ تعین اور ہستی کا حجاب دور ہو جائے اور وصول الی اللہ کا مرتبہ حاصل ہو مگر خام زاہد چونکہ اس شراب کا نااہل ہے اس لئے اُس کے سر پر ضرور خاک ڈالنی چاہئے۔

خاک بر سر کردن یا افگندن ایک مشہور محاورہ ہے جس سے عدم التفاتی اور غیر توجہی مراد ہوتی ہے قلندر صاحب نے اس محاورہ کو عدم التفاتی کے معنوں میں استعمال کیا ہے کہ جب زاہد اس شراب کا اہل نہیں تو اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرنی چاہئے۔

۳۔ ترجمہ: میں بے ننگ و نام عاشق خوش نعرے مارتا ہوں کہ مجھے ننگ و نام کی پرواہ نہیں ہے"

مطلب صاف ہے کہ مجھے ننگ و ناموس کی پرواہ نہیں فی الحقیقت عاشق ایسا ہی ہونا چاہئے جو محبوب کی خاطر متاع ناموس لٹا دے اور افسوس نہ کرے قلندر صاحب میں یہ صفت بدرجۂ غایت موجود تھی۔

کرا پائے خاطر برآید بہ سنگ — نیندیشد از شیشۂ نام و ننگ

۴۔ ترجمہ۔ شاید وہ شہباز کسی روز ہوا سے نیچے آئے اس لئے خاک پر دانہ ڈال

کر جال بچھاتا ہوں (قاعدہ ہے کہ پرندوں کو پکڑنے کے لئے زمین پر دانہ ڈال کر اوپر جال بچھا دیا جاتا ہے)

قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے بھی اسی امید پر کہ شاید وہ شہباز کسی روز ہوا سے نیچے آئے دانہ بکھیر کر دام پھیلایا ہے اگر شہباز سے وصالِ محبوب اور مشاہدۂ ذات مراد لی جائے تو کہنا پڑیگا کہ دانہ و دام کی ترکیب تو اچھی ہے مگر شہباز کا دام میں پھنسنا ممکن نہیں گو قلندر صاحب کو معلوم ہے بھی کہ ایسا ہونا غیر ممکن ہے مگر یہ سب کچھ تسکینِ خاطر اور سکونِ احساس کے لئے ہے ورنہ نتیجہ معلوم عرفی لکھتا ہے

دانم کہ نرسد ذرّہ بخورشید ولیکن — شوقِ طیران بیکشد ارباب ہمم را

و یحذّرکم اللّٰہ نفسہٗ واللّٰہ رءوفٌ بالعباد کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنظرِ شفقت اپنے بندوں کو متنبہ کیا کہ مشاہدۂ ذات کی امید اور کوشش بیکار ہے سلطان محمود غزنوی اسی مضمون ذات کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔

بستم ہے خیال کہ بینم جمالِ دوست — آں ہم نہ شد بستہ و سودائے خام شد

۴۔ ترجمہ ہمارے زاہد اٹھا اور اہلِ ریا کے حلقہ میں جا کیونکہ تو شراب نوش رندوں کی صحبت کے قابل نہیں۔

یعنی تیرا ظاہر و باطن یکساں نہیں اس لئے تو بادہ نوشانِ وحدت کی مجلس میں بیٹھ نہیں سکتا اسی مضمون پر ہے

بروائے واعظِ ناداں زبزم مے خواراں — درونِ مستاں چہ کار بیست ہوشیاراں را

زاہدِ خشک اور اتقائے ریا آمیز کے مقابلہ میں خاصانِ حق رندی سے عشقِ محبوب اور اس کی مستی مراد لیا کرتے ہیں۔

۵۔ ترجمہ۔ اے بوعلی خود ہی میں خدا نہیں سماتا تو پھر بھی کعبہ میں بتوں کو لیجایا جاتا ہے

اصنام۔ جمع صنم کی بمعنی بت مراد از تعلقاتِ ماسوا اللہ

مطلب یہ کہ جب خودی میں خدا کی سمائی نہیں تو کعبۂ دل میں بتوں کو (جن سے تعلقاتِ ماسوا اللہ مراد ہیں) کیوں لیے جایا جاتا ہے یہ عام ارشاد ہے ورنہ قلندر صاحب بیخودی کے راز سے

آگاہ ہیں اور جانتے ہیں کہ کعبۂ دل میں بتوں کو رکھ کر وصالِ محبوب کی خواہش رکھنا خیالِ محال و ناممکن ہے

ترا با حق آن آشنائی دہد | کہ از دستِ خویشت رہائی دہد

کہ نامہ خودی با خدا راہ نیست	وزیں نکتہ جز بیخود آگاہ نیست	سعدیؒ

اسی مضمون کی تائید میں خواجہ جلال الدین حسن اجمیریؒ فرماتے ہیں۔

شہود حق مطلبی از وجود خود بگذر	کہ جز وجود تو او را حجاب دیگر نیست

مراد یہ کہ وصلِ دل وصال کے لئے ان چیزوں سے جو راہِ عشق میں حائل ہوتی ہیں کنارہ کشی کرنا چاہئے جب کہیں حقیقی راحت اور سرفرازی حاصل ہوتی ہے۔

غزل ۴۷

اگر بینم شبی ناگہ من آں سلطانِ خوباں را ۱ نہم در پائے وے آرم فدا سازم دل و جاں را

فروزم آتشے در دل بسوزم قبلۂ عالم ۲ پس آنگہ قبلہ سازم من آں ابروئے جاناں را

بیا ساقی کہ روئے تو مرا شمعِ حرم باشد ۳ نگردم گردِ میخانہ ببوسم پائے مستاں را

دل و جاں کردہ ام نذرِ بتاں آنون چہ خواہم ۴ کہ گر یابم خریدارے فروشم دین و ایماں را

نہ باک از آتشِ دوزخ نہ پروائے جناں دارم ۵ منم شوریدہ جاناں نخواہم حور و غلماں را

چہ گفتی ایں سخن کفر است اگر گوئی شوی کافر ۶ برواے واعظ ناداں نہ دانی سرِ مستاں را

۷	شرف بربند لب از گفتن اشعار رندانہ شکایتہا ست از اشعارِ تو گبر و مسلماں را	۷

اس پوری غزل میں قلندر صاحب نے اپنے محبوب و مرید شہزادہ مبارک خاں صاحب کو مخاطب فرمایا ہے چنانچہ دیکھو سوانح عمری صفحہ ۵۶

قبلۂ تن پروراں خواب و خورش   قبلۂ انساں بدانش پرورش
قبلۂ حرص و اہل باشد ہوا   قبلۂ قانع توکل بر خدا

جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قبلۂ حقیقی کی طرف کم لوگوں کی توجہ ہے بلکہ ہر ایک نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اپنا قبلہ جدا بنا لیا ہے ان اشعار کو بنظر تحقیق دیکھنے سے شعر زیر تشریح کا مطلب صاف ہو جاتا ہے کہ جب قبلۂ حقیقی کی طرف کسی کی توجہ ہی نہیں تو یہ نا قبلے قبلے اس قابل ہیں کہ ان کو آتش عشق سے جلا کر محراب ابروئے جاناں کو اپنا قبلہ بنایا جائے ابروئے جاناں کو بوجہ خمدار ہونے کے محراب یعنی قبلہ کہا ہے۔

۳۔ ترجمہ۔ اے ساقی آ کیونکہ تیرا چہرہ مجھے شمع حرم ہے میں مے خانہ کے گرد پھرتا ہوں اور مستوں کے پاؤں چومتا ہوں۔

ساقی سے التجا کی گئی ہے کہ آ اور میری قندیل دل کو روشن کر کیوں کہ تیرا چہرہ میرے لئے شمع حرم ہے شمع کے پرتو سے قندیل دل کا روشن ہونا ظاہر ہی ہے مصرع ثانی میں اعتراف کیا گیا ہے کہ میں مستان وحدت و عشق کا خدمت گذار ہوں لہذا ان کی طفیل میری طرف بھی توجہ کی جائے...

اصطلاح صوفیہ میں مے خانہ سے مراد بالفاظ صاحب جواہر غیبی سر لاہوت ہے ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کی طفیل مجھے بھی لاہوتی راز و اسرار سے بخشش از بخشش سرافراز فرما ساقی سے مرشد بھی مراد لی جا سکتی ہے۔

۴۔ ترجمہ میں نے دل و جان بتوں کی نذر کر دیئے ہیں اب چاہتا ہوں کہ اگر کوئی خریدار ملے تو دین و ایمان بھی بیچ دوں۔

بتاں۔ سے معشوق مراد ہے۔

یعنی میں نے اس مخزن وحدت کی وحدت پرستی اور حق شناسی کے لئے دل و جان وقف کر دیئے ہیں باقی رہا دین و ایمان سو ان کو بھی بیچنا چاہتا ہوں بشرطیکہ اگر کوئی خریدار ملے

ملت عشق از ہمہ دینہا جدا است   عاشقاں را مذہب و ملت خدا است

دین و ایمان سے رسمی اور تقلیدی ایمان مراد ہے جس کے بیچنے سے عاشقوں کی مراد یہ

ہوتی ہے کہ جب ہمارا ایمان یقینی ہے تو علمی اور تقلیدی ایمان رکھنا یہ معنی دارد اعارف رومی اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں۔

شاہ را غیرت بود بر ہر کہ او	بو گزیند بعد از آں کہ دید رو

یعنی شاہ خوباں کو اس پر غیرت آتی ہے جو اس کا چہرہ دیکھ کر پھر بھی بو سونگھنے کا مشتاق ہو مراد یہ کہ ایمانِ یقینی حاصل کرنے کے باوجود بھی دین وایمانِ تقلیدی کا قائل ہو۔

۵ ترجمہ۔ نہ دوزخ کا ڈر ہے نہ جنت کی پرواہ ہیں محبوب کا شوریدہ عاشق حور وغلمان کو بھی نہیں چاہتا۔

حور۔ بالضم بروزنِ نور حوراء کی جمع وہ عورت جو سفید جسم ہو اور اس کی آنکھیں سفید اور سیاہ ہوں اور بال بغایت سیاہ ہوں یعنی وہ معشوق جو مومنین کو بہشت میں نصیب ہونگے حوریان جمع الجمع ہے۔ غلمان۔ بالکسر جمع غلام کی اور غلام کا اطلاق اکثر لڑکوں پر کیا جاتا ہے یعنی وہ بے ریش لڑکے جو جنت میں مومنین کے خدمتگار ہوں گے۔

یعنی نہ مجھے آتشِ دوزخ کا خوف ہے اور نہ نعمائے جنت کا اشتیاق ہیں فقط اپنے محبوب کا شوریدہ عاشق ہوں فی الحقیقت عاشق ایسا ہی ہونا چاہئے جس کی نظر بجز مطلوب کسی چیز پر نہ پڑے اگر خوف ہو تو اس کا شوق ہو تو اس کا قلندر صاحب بھی انہیں شوریدہ سر عاشقوں سے تھے جنہوں نے رضا جوئی محبوب کو اپنی زندگی کا مقصود سمجھا

کہ جنت خواہم نے حور و نے انہار نے خواہم	الٰہی کرمی	زتو ار زانی اے شاہد ہمہ کن بار نے خواہم

۱۰ ترجمہ۔ کیا کہا یہ بات کفر ہے اگر تو کہے گا تو کافر ہو جائے گا جا اے نادان واعظ تو مستوں کے بھید کو نہیں جان سکتا۔

یعنی تو ہماری باتوں کو کفر کہتا ہے لیکن ایسا نہیں بلکہ اگر تو ہماری باتوں کو کفر کہے گا تو خود کافر ہو جائے گا کیونکہ تو ہمارے راز و اسرار کو نہیں سمجھ سکتا چونکہ حقائقِ تصوف کی تفسیر اہلِ کشف نے مخصوص صورتوں کے ساتھ تعبیر فرمائی ہے چنانچہ بت و زنار، کفر وایمان، لب و دہان خال و خط، زلف و رخ، غمزہ وعشوہ، شراب وجام وغیرہ کی تاویلیں دیکھ کر اہلِ ظاہر ان ظاہری واعظ ہمیشہ ان کو کفر کہتے اور تکفیر کے فتوے دیتے ہیں مگر چونکہ ان تاویلات میں ہمیشہ حقیقت کا راز مضمر

رہا ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں۔ ع

واعظِ ناداں نداند نغمہ از اسرارِ ما

نااہل لوگوں اور ظاہر پرست واعظوں کی ایسی شکایت کی نسبت خواجہ حافظ فرماتے ہیں

زاہدِ ظاہر پرست از حالِ ما آگاہ نیست ۔۔۔ درحقِ ما ہرچہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست

؎ ترجمہ شرف ا رندانہ اشعار کہنے سے زبان بند کر کیونکہ گبر و مسلمان تیرے اشعار کی شکایت کرتے ہیں۔

گبر۔ بالکسر وہ لوگ جو معبودِ حقیقی کی پرستش کی بجائے آگ کی ظاہری چمک دمک کو اپنا معبود سمجھ کر عبادت کریں آتش پرست فرقہ ۔

یعنی ایسے رندانہ اشعار کہنے چھوڑ دے کیونکہ لوگ تیرے اشعار کے شاکی ہیں

صوفیہ کے کلام تمام نکاتِ توحید اور رموزِ عرفانِ یزدانی سے لبریز ہیں جن میں خدا طلبی خدا جوئی اور حصولِ وصال کے لئے سالک کو متصوفانہ طریقے بتلائے گئے ہیں کہ دنیا سے قطع نظر کر کے خدا سے کس طرح ملا جاتا ہے مگر چونکہ اہلِ طریقت کے نزدیک دل آزاری بھی ایک بدترین گناہ ہے اس لئے قلندر صاحب کمالِ اخلاق کا ثبوت دے کر فرماتے ہیں کہ اگر تیرے رندانہ اشعار سے کسی کی دل آزاری ہو تو بہتر یہی ہے کہ ایسے اشعار نہ لکھے جائیں تا کہ کسی کا دل نہ دکھے

فر اشعارِ رندانہ ہیں اب خاموش بھی ہو جا ۔۔۔ شکایت ہے ترے اشعار سے گبر و مسلماں کو

محبِ طریق ڈاکٹر محمد قمر الدین صاحب ہلالی شاہ نظامی قبلہ نے اپنے گلدستہ ارباب عشق میں قلندر صاحب کی اس غزل۔ ع

اگر بینیم شبے ناگاہ من آں سلطانِ خوباں را

پر ایک غزل لکھی ہے اور پوری کی پوری غزل میں وہی خیالات ادا کئے ہیں جو قلندر صاحب کی غزلِ بالا میں پائے جاتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے قلندر صاحب کا دیوان کو سامنے رکھ کر اصلی فارسی غزل کو اردو رنگ کا ایسا جامہ پہنایا ہے کہ ایک ایک شعر کو اپنی نادر قابلیت اور تبحرِ علمی کی وجہ سے اصل فارسی غزل کا منظوم ترجمہ بنا دیا ۔ چنانچہ فرماتے ہیں ۔

اچانک خواب میں دیکھوں جو میں سلطانِ خوباں کو ۔۔۔ رکھوں سر انکے قدموں پر کروں قربان دل و جاں کو

کروں گا آتشِ دل تیز تیشہ بھی جلاؤں گا
بناؤں گا میں قبلہ ابروئے خمدارِ جاناں کو

مجھے شمعِ حرم ہے ساقیا تیرا رخ روشن
پھروں اطرافِ میخانہ کہ چوموں پائے مستاں کو

دل و جاں کر چکا نذرِ بتاں اب پھر یہ چاہتا ہوں
کوئی گاہک اگر پاؤں تو بیچوں دین و ایماں کو

نہ مجھ کو خوف دوزخ کا نہ جنت کی مجھے پرواہ
میں دیوانہ ترا ہوں کیا کروں گا حور و غلماں کو

نہ کہہ رندوں کو تو کافر نہ جا مجلس میں رندوں کی
نہیں پائے گا اے واعظ کبھی اسرارِ رنداں کو

قمر اشعارِ رندانہ ہیں اب خاموش بھی ہو جا
نشانہ بنا ہے ترے اشعار سے گبر و مسلماں کو

غزل ۵

بنازم چشمِ آں عزلت نشیں را ۱ کہ دارد سرمۂ عین الیقیں را

زہے چابک سوارانِ طریقت ۲ بجنگِ نہ فلک بستند زیں را

ازاں سرّے کہ با محبوب دارم ۳ خبر نبود کراماً کاتبیں را

چوں من در کوچۂ جاناں نشستم ۴ چہ خواہم کرد فردوسِ بریں را

اگر یک شعلہ خیزد از دلِ ما ۵ بسوزد شہپرِ روح الامیں را

من از یک نعرۂ مستانۂ خویش ۶ بہ جنبش آورم عرشِ بریں را

قلندر بو علی آزاد گشتم ۷
ندانم راہ و رسمِ کفر و دیں را

ا۔ ترجمہ۔ میں اس گوشہ نشین آنکھ پر ناز کرتا ہوں جو عین الیقین کا سرمہ رکھتی ہے۔

عین الیقین ۔ کسی چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر اُس کی ماہیت کو سمجھنا اصطلاح صوفیہ میں یقین کے تین مراتب شمار کئے گئے ہیں :۔

(۱) علم الیقین (۲) حق الیقین (۳) عین الیقین

پہلا مرتبہ علم الیقین ہے یعنی علم اور اعتقاد کے لحاظ سے خدا تعالےٰ کی ربوبیت کا اقرار کرنا اور اُس پر ایمان لانا علم الیقین ہے جس کا نام دوسرے لفظوں میں ایمان علمی اور تقلیدی ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص یہ سن لے کہ کعبہ شریف ارض حجاز میں ہے جس کا حج مسلمانوں پر فرض ہے اس پر ہم کو کامل یقین ہو جائے کہ کعبہ ضرور ہوگا ایسا یقین علم الیقین کہلاتا ہے کہ علم اور اعتقاد کے لحاظ سے خدا تعالےٰ پر ایمان لانا کہ کوئی واجب الوجود ہستی ضرور ہے جو تمام عالم کو سنبھالے ہوئے ہے۔

حق الیقین ۔ اس کے بعد ہم بذات خود کعبہ شریف دیکھنے کا ارادہ کریں اور قریب جا کر چشم خود اس کو دیکھیں اور ہمیں کامل یقین ہو جائے کہ یہی کعبہ ہے اس شناخت کو حق الیقین کہتے ہیں یعنی خدا تعالےٰ کو نزول واردات اور صفات کے ذریعے پہچان لینا کہ خدا تعالیٰ ضرور ہے ۔

عین الیقین ۔ یہ تیسرا مرتبہ ہے جس کا درجہ اول الذکر دونوں مراتب سے بلند ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کعبہ شریف کے اندر جا کر اُس کی ماہیت کو کھلا لینا کہ کس کس چیز سے بنا ہے اس شناخت کا نام عین الیقین ہے یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات اور صفات کا عرفان اس طرح حاصل کرنا کہ سالک کی نظروں میں بجز ذات باری اور کوئی چیز نہ سمائے اور کامل انفصال ہو جائے جس کو اصطلاح میں فنا فی الذات کہتے ہیں چونکہ یہ مرتبہ فناء افعال و اخلاق اور صفات کے بعد حاصل ہوتا ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں اُس نگہ تیشبین مردِ حق پر نازاں ہوں جو عین الیقین کے مرتبہ میں ہو اور مراد یہ کہ ایسا آدمی نہایت ہی سیانا ہے جو فناء افعال و اخلاق کے بعد وصول الی اللہ کی

میں اُس چشم حق بیں پر ناز کرتا ہوں جو شاہ حقیقی کی نسبت عین الیقین کی منزل

میں ہے مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے

۴ ۔ ترجمہ ۔ شاباش اے چابک سواران طریقت نے تو آسمانوں کے سامنے توسن کے

ارادے پر زین کسی ہے ۔

چابک سے مراد ہے ۔ ۔ ۔ ۔ کا تازیانہ زین ۔ کاٹھی گھوڑے کی ۔

نہ فلک سے مراد نو آسمان ۱۔ فلکِ زحل ۲۔ فلکِ مشتری ۳۔ فلکِ مریخ ۴۔ فلکِ شمس ۵۔ فلکِ زہرہ ۶۔ فلکِ عطارد ۷۔ فلکِ قمر ۸۔ فلکِ ثابتہ یعنی آٹھواں آسمان جس کو شرع میں کرسی کہتے ہیں اور حکما کے نزدیک فلک البروج ہے ۹۔ فلکِ اطلس یعنی فلک الافلاک جس کو شرع کی زبان میں عرش کہتے ہیں جو سب آسمانوں سے اونچا ہے اور سب پر محیط ہے۔

حوادثِ روزگار سے مقابلہ کرنے کے لئے سعی و عمل کی تعلیم کا درس نہ پیش کر کے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ گو نو آسمانوں سے جنگ محال ہے مگر سوارانِ طریقت کی مردانہ ہمت قابلِ صد ستائش ہے کہ ان کے مقابلہ میں بھی تیار نظر آتے ہیں چونکہ حوادث کے وقوع کو گردشِ فلکی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لئے حوادثِ روزگار کا مقابلہ گویا گردشِ فلکی کا مقابلہ ہے مراد یہ کہ عارف لوگ دنیا کے روح فرسا تعلقات میں ہرگز مبتلا نہیں ہوتے بلکہ دنیا کے مذموم و گمراہ کن تعلقات کے مقابلہ کے لئے ہر وقت کمالِ جوانمردی سے سینہ سپر رہتے ہیں اور انہیں مغلوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ صرف عارف لوگوں کا حصہ ہے دنیا دار لوگ اکثر اس نعمت سے تہی دست ہیں کوئی عارف اپنی اس جوانمردی کے متعلق فخریہ کہتا ہے۔

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں — جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

مرزا داغ دہلوی نے تو اس معاملہ میں شرطیہ کہہ دیا۔

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں — جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

زین کسنا محاورہ ہے جس سے مراد آمادۂ جنگ و پیکار ہونا ہے۔

ترجمہ۔ اس بھید کی رو میں محبوب کے ساتھ رکھتا ہوں کراماً کاتبین کو خبر نہیں۔

کراماً کاتبین۔ خدا تعالٰے نے ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے مقرر کئے ہیں ایک اعمالِ خیر لکھتا ہے دوسرا اعمالِ شر انہیں کراماً کاتبین کہتے ہیں۔

یعنی گو کراماً کاتبین میرے اعمال سے واقف ہیں لیکن جو راز میرے اور محبوبِ مطلق کے درمیان ہے اسے نہیں جانتے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حق تعالٰے نے اس اشرف المخلوق انسان کے دل میں جو سربستہ راز ودیعت فرمائے ہیں انہیں کراماً کاتبین کیا ملائکہ ملکوت بھی نہیں جان سکتے انسان کی پیدائش ہی بجائے خود ایک عقدہ بھید ہے جس کا سوائے اس عبد اور معبود کے

کسی دوسرے کو ادراک حاصل نہیں قرآن مجید میں وارد ہے کہ جب حق تعالیٰ کو خلیفہ فی الارض بنانے
کا شوق ہوا تو ملائکہ ملکوت عرض کرنے لگے یا اللہ العالمین یہ خاکی خلیفہ دنیا میں فساد اور خونریزی کرے
گا گویا ہم تیری طاعت وعبادت اور تسبیح وتہلیل کے لئے کافی نہیں چونکہ قدرت کا منشا فقط عبادت
ہی نہ تھا۔ بلکہ اس کی تخلیق کی غرض وغایت کچھ ایک سربستہ رازوں پر تحقیق کرنی مقصود تھی اس لئے
ملائکہ کی عرضداشت کے جواب میں ارشاد ہوا۔

قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ — جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جان سکتے

چنانچہ خلیفہ بنایا گیا اور تمام ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوا سب نے ارشاد خداوندی کی تعمیل
لیکن ابلیس چونکہ اس کے محاسن فطرت سے ناواقف تھا اس لئے حکم کی تعمیل میں گردن خم نہ کی اس
لئے ابدی لعنت کا طوق اس کے گلے میں پہنایا گیا آدم کے اس سجدہ اور ابلیس کی اس نافرمانی
میں بھی یہی راز مضمر تھا جس کا قلندر صاحب نے اعتراف کیا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے

اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ — تو راز درون من کن راز درون تو

تو پھر بھلا عاشق ومعشوق کے راز واسرار کو اغیار کیسے سمجھ سکتے ہیں نظیری نیشاپوری کا شعر ہے

گوئی بغیر واسطہ در گوش یار گفتے — رازے کزاں خبر نبود جبرائیل را

۴ ترجمہ۔ جب میں کوچہ جاناں میں بیٹھا ہوں تو فردوس بریں کو کیا کروں۔
عاشقوں کے نزدیک بہشت بریں سے کوئے محبوب کا درجہ زیادہ افضل ہے کوئے
محبوب کا نظارہ نقد اور جنت کا ادھار ہے اس لئے عقل مند نقد کو ادھار پر ترجیح دیتے ہیں
چنانچہ قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بہشت یا پریوں کی خواہش نہیں بلکہ میرے لئے کوچہ محبوب
جنت سے بہتر ہے۔

مقبلان کوئے دلداریم — رخ بدنیا ودیں نمے آریم

۵ ترجمہ۔ اگر ہمارے دل سے شعلہ اٹھے تو روح الامین کا پر جلا دے
روح الامین سے حضرت جبرائیل مراد ہیں مطلب صاف ہے عاشق کے سوز دروں
کا اظہار کیا گیا ہے قلندر صاحب کی عمر شریف کا آخری حصہ جذب ومحویت کا تھا اور اس وقت آپ

کی جلالیت کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل چکا تھا قاضی ضیاء الدین سنامی کے سات لڑکے اسی نظرِ قہر و جلال کے متحمل نہ ہو سکے اور سانتوں ہی نے جان دیدی اس کے علاوہ حضرت امیر خسرو دہلوی نے جب خواہش ظاہر کی کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے قدموں پر اپنی آنکھیں ملوں اور پاؤں کو بوسہ دوں تو قلندر صاحب نے فرمایا کہ بھائی میرے نزدیک مت آنا کیونکہ یہاں جلانے والی آگ ہے یہ بھی آپ کی کمالِ جلالیت کی ایک روشن دلیل تھی۔

۱۶۔ ترجمہ میں اپنے ایک مستانہ نعرے سے عرشِ بریں کو ہلا دوں۔

مطلب واضح ہے محتاجِ تشریح و توضیح نہیں اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ۱/۴ و ۲۹/۵۔

۱۷ ترجمہ۔ اے بوعلی قلندر میں آزاد ہوں اور کفر و دین کے طریق و اطوار نہیں جانتا۔

قلندریہ طریق۔ اس مبارک سلسلہ کا سلوک نہایت آزادانہ حضور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محترم ارشاد کے ماتحت ہوتا ہے

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ كَمَا هِیَ   اے اللہ ہم کو اشیاء کی حقیقتیں جیسی کہ ہیں دکھا دے

پس علمِ لدنی اور واہب العطیات کی عطا و نوازش سے یہ بزرگ حقائق الاشیاء پر کماحقہٗ مطلع ہوتے ہیں اس لئے ان کا مشرب و طریق اور سلوک نہایت آزادانہ ہوتا ہے اور آیت

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ   اپنے رب کی یہانتک عبادت کر کہ تجھکو یقین کا مرتبہ حاصل ہو

کے عامل ہونے کی وجہ سے اس خاندان کے صوفی عین الیقین کی انتہائی مراتب پر فائز ہوتے ہیں اور ایمان بالعین کے قائل۔ اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں آزاد قلندر ہوں کفر و دین کے طریق و اطوار نہیں جانتا ہوں نہ جاننے کی فرصت ہے یعنی میں ہر قسم کے تعلقات سے فارغ ہوں تعلقات ماسوا اللہ سے تین قسم کے تعلقات مراد ہوتے ہیں۔

۱۔ تعلقِ محمود جس کا شریعت نے امر فرمایا ہے یہ تعلق عین حق ہے۔

۲۔ تعلقِ مذموم جس کی شریعت نے نفی فرمائی ہے اس کو قطع کرنا لازم و واجب ہے۔

۳۔ تعلقِ مباح جو نہ طاعت میں شمار کیا جاتا ہے نہ معصیت میں۔ اسے بالکل ترک کرنے کی ضرورت نہیں البتہ تقلیل اور انہماک کرنا ضروری ہے لیکن شعر زیرِ تشریح سے قلندر صاحب کا

مطلب یہ ہے کہ میں بجز تعلق محمود کے مذموم اور مباح سے قطعاً کنارہ کش ہوں جس کو کفر و دین سے
نام سے تعبیر کیا گیا جس کی مفصل تحقیق کے لئے دیکھو شعر ۹۵

غزل ۶

هم شرح کمالِ تو نه گنجد به گمانها ۱ هم وصفِ جمالِ تو نیاید به بیانها

یک واقفِ اسرارِ تو نبود که بگوید ۲ از هیبتِ رازِ تو فروبسته زبانها

ما مرحله در مرحله رفتن نتوانیم ۳ در وادیٔ توصیفِ تو بگسسته عنانها

حسنِ تو عجیب است و جمالِ تو غریب است ۴ حیران تو دلها و پریشانِ تو جانها

چیزے نبود جز تو که یک جلوه نماند ۵ گم در نظرِ ماست مکینها و مکانها

یک ذره ندیدیم که نبود ز تو روشن ۶ جستیم ز اسرارِ تو در دهر نشانها

یک تیرِ نگاهت را همسر نتوان شد ۷ صد تیر که بر جسته ز آغوشِ کمانها

۸ دارد شرفے از عشقِ تو لمبے فتنهٔ دوران
در سینه نهان آتش و در حلق فغانها ۸

ترجمہ۔ تیرے کمالات کی شرح گمان نہیں ہوسکتا اور تیرے جمال کی توصیف
بیان میں نہیں آسکتی۔

شرح بفتح کھول کر بیان کرنا کسی پیچیدہ مضمون کو بوضاحت بیان کرنا۔
یعنی اے محبوب تیرے کمالات اور جمالِ بے مثال کی شرح لکھنا غیر ممکن ہے کیونکہ
تیرا جمال ایسی ایسی دلربائیوں کا مخزن ہے جن کا تعلق فقط روح سے ہے اور روح نہ خود بولتی ہے

اور نہ ایسے مخفی رازوں کے انکشاف کی ضرورت ہے ظاہری عقل اور قوتِ گویائی اس مقام میں عاجز ہے
حدیث نبوی مَنْ عَرَفَ رَبَّہٗ کَلَّ لِسَانُہٗ سے اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے کہ تیری تعریف
و توصیف میں زبانِ قلم گنگ اور قوتِ ناطقہ مسکوت ہے

واقفانِ نام گشت بپایاں رسید عمر ما ہمچناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم (سعدی)

(۲) ترجمہ۔ تیرے بھیدوں کے واقف سے یہ نہیں ہو سکتا کہ تیرے راز کہے کیونکہ تیری
ہیبت سے اُن کی زبانیں بند ہیں۔

یعنی جو شخص تیرے راز و اسرار کا محرم ہے اُس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ خلقت کے سامنے
تیرے رازہائے سربستہ کا انکشاف کرے وجہ یہ بتلائی کہ تیرے جاہ و جلال اور عظمت و ہیبت کی وجہ
سے ان کی زبانیں خاموش ہیں گویا کہ عاشقوں کے دل تیرے رازہائے سربستہ کی امانت سے لبریز
ہیں مگر طاقتِ گفتار نہیں۔

افشائے راز۔ اہلِ طریقت کے ہاں رازداری لابدی قرار دی گئی ہے یعنی واردات
قلب کو مخفی اور پوشیدہ رکھنا کیونکہ ان کے اظہار سے بجائے منفعت کے نقصان کا احتمال ہوتا ہے
صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ جب سالک پر سکر کا غلبہ ہوتا ہے تو انوارِ غیب کے مسلسل نزول سے سالک
کے دل میں افشائے راز کا جوش پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے ضرورا سے کچھ نہ کچھ کہنا پڑتا ہے چنانچہ
حضرت منصور حلاج نے اسی غلبۂ سکر کی وجہ سے انا الحق کہہ دیا جس کی پاداش میں وہ سزائے دار
کے مستوجب قرار دیئے گئے اور اگر اثنائے سکر میں صحو کا غلبہ ہو جائے تو سالک افشائے راز سے
باز رہتا ہے چونکہ قلندر صاحب پر مذاقِ ثانی غالب ہے اس لئے فرمایا کہ تیرے واقف سے یہ نہیں
ہو سکتا کہ تیرے راز افشا کرے۔

ہر لبش قفل است و در دل رازہا	لب خموش و دل پر از آوازہا
عارفاں چوں جام حق نوشیدہ اند	رازہا دانستہ و پوشیدہ اند

(۳) ترجمہ ہم منزل بمنزل جا نہ سکے کہ تری توصیف کی راہوں میں ہاں ہار گئیں
مرحلہ۔ منزل گاہ۔ کوچگاہ۔ جائے رخت و اسباب۔ پالان شتر و مقدارِ مسافت چہار
فرسنگ اور ایک عمارت کا نام ہے جس میں پیر اصول بیٹھ کر مخالفین سے ستھے جنگ کرتے تھے۔

یہی مضمون جو مطلعِ غزل میں ہے کہ جب ہم نے تیری توصیف کی وادی میں قدم رکھا یعنی تیری توصیف شروع کی تو تمام باتیں راستہ ہی میں ٹوٹ گئیں یعنی تیری توصیف کی ایک سطر بھی ختم نہ ہوئی کہ بستہ ختم تھا کا اشارہ قلمِ تحریر کی طرف ہے کہ وہ تیری توصیف نہ لکھ سکی اور شق ہو گئی۔ مراد یہ کہ اپنے عجز کا اعتراف کیا۔ توصیفِ ربانی کے متعلق قرآن مجید سورہ لقمان میں آیا ہے:

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ

زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان کے قلم بنا لیے جائیں اور سمندر سیاہی بن جائیں اور ان سمندروں پر سات سمندر اور بڑھا دیے جائیں تو بھی تم کلماتِ خدا کو تحریر نہیں کر سکتے

اس خصوص میں قلندر صاحب نے بھی اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے۔

دفتر تمام گشت بپایاں رسید عمر (سعدی) ما ہمچناں در اول وصفِ تو ماندہ ایم

۴ ترجمہ: تیرا حسن و جمال عجیب ہے دل اور جان تیرے جمال کی آرزو میں حیران اور پریشان ہیں۔

جمیلِ مطلق کے جمالِ روز افزوں کو ما فوق الحسن بیان کر کے فرماتے ہیں کہ تیرا حسن و جمال اس قدر عجیب و غریب واقع ہوا ہے کہ میرے دل و جان اس کی آرزو میں محوِ حیرت اور بےقرار ہیں

ہر آں کہ روئے او بیند قرار رفتہ ازو　　نگارِ ما چنیں آب و تاب سے گذرد

۵ ترجمہ: کوئی چیز نہیں کہ بجز تیرے ایک جلوہ کرے میری نظروں میں کون و مکاں گم ہیں۔

صوفیائے کرام دنیا کی کسی چیز کو جمالِ الٰہی سے الگ تصور نہیں کرتے قلندر صاحب بھی اسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ کائنات کی کوئی چیز بجز تیرے جلوہ کے قائم بالذات نہیں جس جگہ اور جس چیز میں ہے تیرا جلوہ ہے اس لئے میری نظروں میں کلیتہً اہلِ دنیا اور مکان یعنی دنیا سب گم ہیں اور میری نظر ان سے گزر کر تجھ تک پہنچتی ہے اور قدرت کے مخفی نشانیوں کو دیکھتی ہے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا۔

جز ایں است و جانِ ما کہ سر و پا ہمہ اوست　　در دیر و دل بجاں بکعبہ ہمہ اوست
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہ　　باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

ا۔ ترجمہ ۔ ایک ذرہ بھی نہیں دیکھا جو تجھ سے روشن نہ ہو ہم نے زمانے میں تیرے اسرار تیرے نشانات سے ڈھونڈے ہیں۔

وہی مضمون ہے جو شعر بالا میں بیان کیا گیا ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں تیرا نور جلوہ کناں ہے

یک ذرہ ز ذرات جہاں پیدا نیست　　کز نور تو لمعہ دراں پیدا نیست
از غیر نشانے تو ہمے تسلیم ولے　　امروز ز غیر تو نشاں پیدا نیست

جامی

حدیث میں آیا ہے "وہی ہے جس میں سب چیزوں کا ظہور ہے لیکن نہیں نہ عین سب چیزوں کا ان کی ذات میں" اسی مسئلہ ہمہ اوست کے متعلق قلندر صاحب اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

"اے برادر قطرہ از دریا جدا نیست و ذرہ از آفتاب چوں جوش بدریا غالب مے شود بخار از دریا بر مے آید و ہوا میگردد آں را ابر میگویند چوں بچکید باران میخوانند چوں جمع شود حوض گویند چوں رواں شود سیلابش خوانند چوں بدریا رسد ہماں دریا شد و ذرہ خالی از آفتاب نیست زیرا کہ ذرہ در گشت مے باشد و ایں ذرہ سوئے آفتاب در ناز و آفتاب ازیں ذرہ بے نیاز آں از آفتاب پیدا و ہم در آفتاب ماند"

اسی مضمون پر ہے

آں چیز کہ در تختۂ ہستی پیدا است　　ایں صورت آنکس کہ بے نقش پیدا است
دریائے کہن ہمے زند موج نو　　موجش خوانند در حقیقت دریا است

۲۔ ترجمہ ۔ کمان کی گود سے نکلے ہوئے صد ہا تیر تیری نگاہ کے ایک تیر کی ہمسری نہ کر سکتے۔

آنکھ کو بوجہ خمدار ہونے کے کمان کہتے ہیں اور پلکوں کو تیر ممکن ہے کہ تیر سے عدم التفاتی مراد ہو جس کو غمزہ کہتے ہیں چونکہ غمزہ کا تعلق آنکھ سے ہوتا ہے اس لئے اسے تیر کہنا صحیح ہے غمزہ دو حالتوں پر مشتمل ہوتا ہے آنکھ کا بند کر لینا عدم التفاتی اور کھولنا دلنوازی کی طرف اشارہ ہے

ع :- ز غمزہ ہے دہد ہستی بغارت

تیرِ نگاہ کو اصطلاحِ تصوف میں غمزہ یعنی عدم التفاتی سے مطابق کر کے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ کمان کے صد ہا تیر اتنی خونریزی نہ کر سکے جتنی تیری ذرا سی عدم التفاتی نے کی گویا سینکڑوں تیر تیرِ نگاہ کے مقابلہ سے عاجز ہے ع

غمزۂ چشم او دل سے رباید

یعنی معشوق کی آنکھ بے خوف و خطر ظہورِ جفا کیساتھ عاشقوں کے دل لے جاتی ہے پھر بھلا کمان کے تیر اس کی برابری کب کر سکتے ہیں۔

۸ ترجمہ۔ اے فتنۂ دوران اشرف بوجہ تیرے عشق کے حلق میں آہ و فغاں اور سینہ میں آگ رکھتا ہے۔

فتنۂ دوران ۔ زمانے کا فسادی مراد از معشوق کیونکہ جور و جفا معشوق کا شیوہ ہے

یعنی میرا سینہ آتشِ عشق سے لبریز ہے اور حلق شور و شغب سے ! صاحب کشف الاسرار اس آگ کے متعلق فرماتے ہیں کہ "وہ آگ جو عاشقوں کے دل میں راہ پاتی ہے عجب آگ ہے"

قرآن مجید سورۂ ہمزہ میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں ۔

نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ ۔ آگ ہے لگائی ہوئی اللہ کی جو چڑھ آتی ہے اوپر دلوں کے ۔

یعنی خدا تعالیٰ نے اس کو اپنی قدرتِ کاملہ سے افروختہ کیا ہوا ہے جس کو حق تعالےٰ افروختہ کرے وہ کسی سے بجھ نہیں سکتی

چراغے را کہ ایزد بر فروزد	ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

شہیدِ عشق حضرت حسین بن منصور حلاّج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ستّر سال سے آتشِ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃ میرے اندر موجزن ہے تاکہ مجھکو جلا دے ناگہاں ایک شرر بشکل انا الحق باہر آیا اور اس نے مجھے جلا دیا یہی وہ آگ ہے جو قلندر صاحب کے مجمر سینہ میں شعلہ زن ہے ۔

غزل ۷
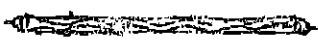
یارِ ما آں کو کہ نبود درپے آزارِ ما	۱	درپے آزارِ ما ہرگز نباشد یارِ ما
بہتر از بیکاری ما نیست ہرگز کارِ ما	۲	در دلِ ما گر بود مسجودِ ما مسجد رویم
واعظِ ناداں نداند نکتہ از اسرارِ ما	۳	ما حریمِ کعبہ مے دانیم کوئے یار را
جاں فروشی را رواجے ہست در بازارِ ما	۴	آں کہ نامرد است نبود قیمتش در عاشقاں
کاش دریاد آورد ما را الم اشکِ گریہ ما	۵	تا زیادش رفتہ ایم از خود فراموشیم ما
بعد ازیں ہرگز نخواہد طالعِ بیدارِ ما	۶	کرد با یارِ ما عہدِ وفا و اتحاد

۷	تا کہ مجروحیم از تیغِ نگاہِ او شرف بوئے غزل مے آید از گفتار و از کردارِ ما	۷

ترجمہ:- ہمارا یار ہمیں آزار دینے پر آمادہ نہ ہوگا ہمارا یار وہ ہے جو کبھی بھی ہمیں آزار دینا گوارا نہ کرے گا۔

محبوبِ مطلق کے لطفِ عام پر نظر کر کے قلندر صاحب فرماتے ہیں رح۔

یارِ ما آں کو کہ نبود درپے آزارِ ما

مراد ہی قادرِ مطلق کا فیض عام ہے وہ کسی کے درپے آزار نہیں اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ کے مطابق وہ والدین سے بھی زیادہ شفیق اور مہربان ہے حدیث میں آیا ہے

سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ — اس کی رحمت اس کے غضب پر فائق ہے

اور اگر کوئی عارضی تکلیف ہو بھی تو اس کی بنا بھی کسی مصلحت پر ہوتی ہے فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُوْ عَنِ الْحِکْمَۃِ کیونکہ اس تکلیف کے پردے میں ہماری بہتری کا راز مضمر ہوتا ہے لیکن ہم نہ سمجھ کر شکایت کرتے ہیں۔

۲۔ ترجمہ۔ اگر ہمارے دل میں سجود ہو اور ہم مسجد کی طرف جائیں تو ہمارا کام بیکاری سے کچھ بہتر نہیں۔

دل کہ انساں است عرش اللہ بداں   از حدیث حضرت آمد ایں کلام

دل چونکہ انوارِ محبوب کی منزلگاہ ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ہمارے دل میں سجود یعنی محبوب کا جلوہ ہو یا دوسرے لفظوں میں آئینۂ دل مجلّے و مصفّٰی ہوچکا ہو اور نزولِ انوار و تجلیات کا اہل بن گیا ہو اور ہم پھر بھی مسجد کی طرف جائیں تو ہمارا یہ فعل فعلِ عبث ہوگا۔ اس کے متعلق صوبیدار حضرت ذوق دہلوی دل کے متعلق ترجیحاً لکھتے ہیں۔

دیکھیے آپ اپنے بھٹنا ہیں خاک ہیں نامناسب   ہیں کہاں اہلِ صفا اہلِ صفا کہنے کو ہیں

کیوں کہ دل جب انوارِ الٰہیہ کا مخزن بھی ہو اور تجلیاتِ محبوب کی جلوہ گاہ بھی تو اسے چھوڑ کر مسجد کی طرف رجوع کرنا بیکار ہے۔

دل بود مرآتِ ذاتِ ذوالجلال   در دلِ صافی نماید حق جمال
مظہرِ شانِ الٰہی دل بود   مظہرِ شانش کماہی دل بود
ہست در ہر گوشہ اش صد بتکدہ   ہر طرف صد کعبہ و صد معبدہ

دل چونکہ اللہ کے اسم العدل اور عظمت و کبریائی کا محل ہے اس لئے اگر وہ صاف ہو اور عبادت میں اخلاص تو وہ ہر جگہ مقبول و منظور ہو سکتی ہے مسجد کی تخصیص نہیں اشعارِ ذیل بھی دل کی عظمت کو واضح کرتے ہیں۔

اے خانہ پرستاں چہ پرستید گل و سنگ   آں خانہ پرستید کہ خاصاں طلبیدند
آں خانۂ دل خانۂ حق واحدِ مطلق   خوش وقت کسانیکہ دراں خانہ خزیدند
خوش وقت کسانیکہ شمس الحق تبریز   در خانہ نشستند و بیاباں نہ بریدند

مزید وضاحت کے لئے دیکھو شعر ۲/۲

۳۔ ترجمہ۔ ہم یار کی گلی کو حریمِ کعبہ جانتے ہیں ناداں واعظ ہمارے راز و اسرار کا شمہ بھی نہیں جانتا۔

شمہ۔ بالفتح و تشدید بمعنی بوئے اندک اور کسی چیز کو ایک بار سونگھنا و بالکسر و فتح میم بمعنی

سرِ شیر جس کو زبانِ ہندی میں ملائی کہتے ہیں ماخوذ از فہم یعنی جو سیکمن مجازاً فارسی میں اندک اور کم کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

یعنی کوئے محبوب میرے لئے حریم کعبہ ہے حریم کعبہ سے منازلِ عشق کی چاروں شاہراہیں۔ شریعت، طریقت، حقیقت، اور معرفت مراد ہیں۔ جو کعبہ مجازی کے فصولِ اربعہ سے افضل ہیں کیونکہ مصنوعی کعبہ کی چار دیواری آب و گل سے ہے لیکن کعبہ دل کی حریم محبوب کے انوار سے ہے مگر کیا کیا جائے نادان واعظ ہمارے ان راز و اسرار کو سمجھ نہیں سکتا اعتبار کی کا شعر ہے۔

کب زاہدوں کو مسئلہ عشق کا ہے فہم	نامحرموں سے راز کی کیا گفتگو کریں

ظاہر ہے کہ اگر سالک مرشد کی متابعت اور اُس کے زیرِ فرمان ان چاروں منزلوں کو طے کر لے تو وصالِ محبوب کوئی مشکل بات نہیں ان چاروں منزلوں کو حریمِ کعبہ سے تشبیہ دینا اللہ صاحب کی شاعرانہ بلند پردازی کی اعلیٰ دلیل ہے۔

۴ ترجمہ۔ جو نامرد ہے عاشقوں میں اُس کی قدر و قیمت نہیں ہوتی ہمارے بازار میں جانفروشی کا رواج ہے۔

مطلب یہ کہ بار آور راہِ ثمر یاب وہی ہو سکتا ہے جو بازارِ عشق میں نقدِ جاں دینے سے گریز نہ کرے۔

میرے یوسف کی عزیز سے ہے خریداری محال ۔۔۔ نقدِ جاں اسکی ہے قیمت نقدِ دل بیعانۂ (ناسخ)

اسی مضمون پر خواجہ حیدر علی آتش فرماتے ہیں

یوسف نہیں جو ہاتھ لگے چند درم سے	قیمت جو دو عالم کی ہے بیعانہ ہے اُسکا

۵ ترجمہ۔ جب ہم اُس کی یاد سے جاتے رہے ہم اپنے آپ کو بھلے رہے کاش کہ ہمارا فراموش کار ہمیں یاد میں لائے۔

فراموش کار سے محبوب مراد ہے جو تجاہلِ عارفانہ سے عاشقوں کے ساتھ بے اعتنائی کرتا ہے۔

مراد یہ کہ محبوب کی عدم التفاتی اور بے اعتنائی سے ہم آوارہ و سرگرداں ہیں اور اپنے

آپ کو بھولے ہوئے ہیں کاش ایسا ہو کہ وہ محبوب ہمیں پھر یاد کرے یعنی محبوب کے التفات اور اعتنا کی تمنا ظاہر کی گئی ہے۔

۱۶ ترجمہ۔ ہمارے یار نے ہمارے ساتھ وفا و اتحاد کا عہد کیا اس کے بعد وہ ہماری بیدار قسمت نہیں چاہتا۔

یعنی محبوب اب ایفائے عہد پر آمادہ نہیں اور نہیں چاہتا کہ ہمارا بخت گراں خواب بیدار ہو۔ مرزا مظہر جانجاناں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اشکوں کے سیلاب بہا دیے مگر افسوس کہ میرا بختِ گراں خواب بیدار نہ ہوا۔

آں قدر بر روئے گراں خواب بخت ما	باآں کہ گریہ داد بہ سیلاب رخت ما

مراد یہ ہے کہ محبوب معاہدۂ وفا و اتحاد کرنے کے بعد ہمیں مہجور کر کے اب ایفائے عہد پر آمادہ نہیں اور ہمارے بختِ گراں خواب کی بیداری نہیں چاہتا یعنی وصل و صال سے پہلو تہی کرتا ہے معشوقوں کی بیوفائی مشہور ہے قلندر صاحب بھی اپنے محبوب کی بیوفائی اور عدم التفاتی کے شاکی ہیں۔

تبسمِ گل کی بیوفائی پر بلبل کو خطاب کر کے لسان الغیب فرماتے ہیں۔

نشانِ عہد و وفا نیست در تبسمِ گل	بنال بلبلِ مسکیں کہ جائے فریاد است

مراد یہ کہ حسینوں میں وفا کی بو نہیں ہوتی۔

بیاغِ دہر میں یوں تو رنگ رنگ کے پھول	وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی	اقبال

مرزا داغ دہلوی کا شعر ہے۔

خوب رو ہو گئے باوفا ہو رہے	ہم نہ مانیں اگر خدا ہو رہے

۱۷ ترجمہ۔ اے شرف ہم جو اُس کی تیغِ ابرو کے گھائل ہیں ہماری گفتار اور کردار سے خون کی بو آتی ہے۔

مراد یہ کہ تیری تیغِ نگاہ میں ایسی بلا کا اثر ہے کہ ہمارے کام اور کلام سے بھی خون ٹپکتا ہے خون سے آلودہ جس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ شرف ضرور کسی کی تیغِ نگاہ کا گھائل ہے تیغِ نگاہ اور خون کی نسبت ظاہر ہے۔

غزل ۸

جلوۂ آں شوخِ بے پروائے ما ۱ می برد از سینہا جانہائے ما

گوشِ گردوں کرّ در لحظہ شود ۲ بشنود گر ہے ہے وہاہائے ما

اے خیالِ تو زِ پنہاں در گذشت ۳ مے نہ گنجد در دلِ دانائے ما

آید از ہر ذرّۂ دشتِ وجود ۴ جلوہ اش در دیدۂ بینائے ما

دور نیم امروز از نارِ فراق ۵ بیں چہ خواہد بود در فردائے ما

ما چو مجنوں در بیاباں مے رویم ۶ ہست در محمل نہاں لیلائے ما

ساقیٔ ما مے کند ہر ساعتے ۷ از شرابِ شوق پر مینائے ما

مے نگردد کس ز وحشت نزدِ ما ۸ مے گریزد خلق از سودائے ما

جائے ما آنجا بود نہ ایں جہاں ۹ در جہاں ہرگز نہ باشد جائے ما

ہر کہ او ارنی بگوید بشنود ۱۰ لن ترانی چہرۂ زیبائے ما

از خیالِ چہرۂ پر نورِ او ۱۱ مے رود تاریکیٔ شبہائے ما

اے خوشا عشقِ مسیحائے کہ او ۱۲ شد طبیبِ چارۂ علتہائے ما

مے زنیم ایں نعرۂ خوش مے زنیم ۱۳ شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما

بر دلِ ما عشق نشتر مے زند ۱۴ مے چکد خوں از ہمہ رگہائے ما

شیشہ را بگذار و ہم جام را ۱۵ النہایت گر مے صہبائے ما

بو علی لا ابالیم و مولا علی
۱۶ بو علی باشد علی مولائے ما ۱۶

۱ ترجمہ۔ ہمارے اُس شوخ بے پرواہ کا جلوہ جسموں سے جانوں کو لے گیا۔
تجلیٔ بے حجاب تو جسم عنصری کے ساتھ ممکن نہیں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ تجلیات بالمرآت
اور وصال کی تمنا میں جسم سے جان چلی گئی اقسام تجلیات سے اگر سالک کے دل پر صفات جلالی
تجلی کریں تو اُس پر خشوع و خضوع کا غلبہ ہوتا ہے جس سے اُس کے ظاہری حواس کچھ عرصہ کے
لیے معطل اور بے کار ہو جاتے ہیں البتہ اگر صفات جمالی تجلی کریں تو سالک کے دل میں انس اور
سرور پیدا ہوتا ہے اور مشاہدہ کر سکتا ہے قلندر صاحب پر کیفیت اولیٰ طاری ہے
۲ ترجمہ۔ آسمان کے کان بہرے ہو جائیں اگر ایک لحظہ ہماری ہاؤ ہو سنے
گر۔ بہرہ یعنی آسمانوں میں ہماری ہاؤ ہو اور شور و غوغا سننے کی تاب نہیں۔
فی الواقع عاشق کے دل میں اس قدر سوز و عشق موجود ہوتا ہے کہ آسمان باوجود اس
قدر بھاری بھرکم ہونے کے اُس کا متحمل نہیں ہو سکتا قلندر صاحب اسی مضمون کا اعادہ کرتے ہوئے
ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

آہ من آتش زند در خرمن شمس و قمر	نعرہ من می شگافد گوش گردوں را صماخ
پڑا افلاک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں	جلا کے راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

اسی مضمون کے لیے دیکھو شعر ۲۹/۵
۳ ترجمہ۔ اے کہ تیرا خیال خلوت سے گزر گیا اور ہمارے دانا دل میں نہیں سماتا۔
یعنی تیرا خیال وہم و گمان سے بھی ورا الورا ہے جو نہاں خانۂ دل میں نہیں سماتا مراد
یہ کہ کنہ ذات کی حقیقت اور اس کا عرفان وہم و ادراک سے بالاتر ہے نظیری کا شعر ہے۔

ز نشان بے نشان تو نتواں نشان گفتن معاذ اللہ   تو در دانش کجا گنجی تو در بینش کجے آئی

قلندر صاحب بھی محبوب مطلق کی کنہ ذات کے ادراک سے اپنے عجز کا اعتراف
کرتے ہیں کہ تیری ذات کی حقیقت معلوم کرنا وہم و گمان سے بھی بعید ہے اور حقیقت بھی یہی ہے

کہ انسان ضعیف الخلقت اُس کی ذات کی حقیقت معلوم کرنے سے عاجز و قاصر ہے اور یہ لاینحل عقدہ جیسا کہ ازل سے اب تک سربستہ ہے ابد تک اسی طرح سربستہ رہے گا کیونکہ اُس کے ادراک سے ادراک بھی عاجز ہے اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں۔

جہاں متفق بر الٰہیتش / فرو ماندہ کنہ ماہیتش
نہ بر اوج ذاتش پرد مرغ وہم / نہ در ذیل وصفش رسد دست فہم

عرفی شیرازی نے بھی مشاہدۂ ذات کے ادراک سے اپنے عجز کا یوں اعتراف کیا کہ لکھتا ہے۔

نور حیرت در شب اندیشۂ اوصاف او / بس ہمایوں مرغ عقل از آشیاں انداختہ

۴ ترجمہ۔ میری آنکھیں دشتِ وجود کے ہر ذرہ میں اُس کا جلوہ دیکھتی ہیں۔

مطلب صاف ہے کہ میں دشتِ وجود کے ہر ذرہ میں محبوبِ مطلق کا نور جلوہ گر دیکھتا ہوں ذیل کی رباعی بھی یہی مضمون واضح کرتی ہے۔

در صورتِ آب و گل عیاں غیر تو کیست / در خلوتِ جان و دل نہاں غیر تو کیست
گفتی کہ ز غیر من بپرداز دلت / اے جانِ جہاں در دو جہاں غیر تو کیست

وجودِ عنصری کو دشت کہنا خلافِ قیاس نہیں کیونکہ اُس کی ساخت محض آب و گل سے ہے اور یہ بھی مختلف عناصر کا مجموعہ ہے۔

۵ ترجمہ۔ آج ہم نارِ فراق کے دوزخ میں ہیں دیکھیں کل کیا ہوگا۔

یعنی آج ہم مبتلائے ہجر و فراق ہیں دیکھیں کل کو قسمت میں کیا ہے یعنی بروزِ حشر کیا دیکھنا پڑے اس خصوص میں مولانائے روم علیہ الرحمۃ کا جواب معقول ہے۔

مرا از آتشِ دوزخ چہ باک است / کہ از ہستی تن و جانِ تو پاک است
ز آتش زر خالص بر فروزد / چوں غشے نیست اندر وے چہ سوزد

جس سے مراد یہ ہے کہ جب سالک نفسانی نقصانات سے صحیح و سالم اور پختہ ہو تو طلائے ناب کی طرح اُسے آتشِ دوزخ سے ہراس نہیں ہونا چاہئے کیونکہ بے غش سونے پر آگ کا اثر نہیں ہوتا چونکہ قلندر صاحب بھی ہجر و فراق کی آتشِ سوزاں سے داغدار ہو رہے ہیں لہذا میں

خالص منفرد مسلک امتحاں پر پورا اترے گا جس کا خریدار محبوب ہوگا اور قیمت لقائے دیدار

۶۔ ترجمہ جب میں مجنوں کی طرح بیابان کی طرف جاتا ہوں میری لیلیٰ پردہ محمل میں نہاں ہوتی ہے۔

محمل۔ کجاوہ ہودج۔

تلاش لیلیٰ میں مجنوں کی صحرا نوردی مشہور ہے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں بھی مجنوں کی طرح بیابان میں جاتا ہوں تو لیلیٰ کو پردہ محمل میں مستور دیکھتا ہوں محمل سے مراد دل ہے قلوب المومنین عرش اللہ تعالیٰ بے شک حسب الارشاد حق تعالیٰ نحن اقرب الیہ من حبل الورید وفی انفسکم افلا تبصرون۔ وہ محبوب حقیقی عشاق کے محمل دل میں جلوہ افروز ہے مراد یہ کہ مجنوں کی طرح صحرا و بیابان میں آوارہ و سرگرداں ہونے کی بجائے لیلائے سرمدی کو محمل دل میں تلاش کرنا چاہیے

کعبہ بنگاہ لیلیٰ آذر است دل گذرگاہ جلیل اکبر است

مولف کا شعر ہے۔

تو مری دل میں نہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا	میں عبث کوہ و بیاباں میں تجھے ڈھونڈتا تھا

نیز دیکھو شعر ۳۴

۷۔ ترجمہ ہمارا ساقی ہر گھڑی شراب شوق سے ہمارے مینا کو پر کرتا ہے۔

مینا۔ شراب کا شیشہ

یعنی ساقی ازل میرے مینائے دل کو شراب شوق سے پر کرتا رہتا ہے لیکن مینائے دل پر نہیں ہوتا

لیکن پر نشد ایں سادہ دل	ریختہ پیوستہ ساقی بادہ در دل

اپنی تشنہ لبی کا اعتراف ہے اور تشنگی ہی طالب کی طلب روز افزوں ترقی پذیر ہونی چاہیے قلندر صاحب کے شراب کی تحقیق کے لیے دیکھو شعر ۴۳

۸۔ ترجمہ خلق ہمارے سودا سے گریز کرتی ہے اور کوئی شخص ہماری وحشت دیکھ کر نزدیک نہیں آتا مطلب واضح ہے۔

وحشت سے جس کی اپنی خلقت نہیں شناسائی	الفت میں بڑی الفت ہم نے پایا سو بھی پایا

خلق کیا جائے کہ ایسی بے سروسامانی اور ظاہری خستہ حالی میں کیا مصلحت ہے
مگر مولانا آزاد نے یہ راز خوب سمجھا۔ لکھتے ہیں

کمال عشق یہی ہے کہ جو بظاہر حال بگاڑ بیٹھے ہیں وہ ہی سنوار بیٹھے ہیں

فی الواقعہ اس سلسلہ کے بعض سالکوں کا مقام استغراق سے بھی بدرجہا بلند ہوتا ہے مگر وہ اپنی جامعیت کی وجہ سے پابند شرع بھی ہوتے ہیں لیکن بعض سالکین جو حدیث نبوی اِسْتَعِينُوا عَلَى الْحَوَائِجِ بِالْكِتْمَانِ کے تحت اپنی ضروریات کو بہم پہنچانے کی وجہ سے اپنے حالات کو مختلف ذرائع سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں اس لئے ایسے طریق اختیار کرتے ہیں جس سے کوئی غیر شخص رجوع عن الحق میں ان کا ہارج نہ ہو بلکہ ہر شخص ان کے ظاہری حالات و حرکات خراب ہونے کی وجہ سے ان سے نفرت کرتا ہے ایسے درویش ملامتی قلندر کہلاتے ہیں یہی وجہ قلندر صاحب کی وحشت کی ہے جو خلق کے تنفر کا باعث ہے۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر (حافظ) توچہ دانی کہ دریں خاک سوارے باشد

۹۔ ترجمہ۔ ہماری جگہ وہ ہے نہ کہ یہ جہاں اس جہاں میں ہماری جگہ ہرگز نہ ہو۔ مطلب یہ کہ میرا مسکن باغ ملکوت ہے نہ کہ یہ دار فناہ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دنیا ناپائدار ہے اور انسان اس میں عارضی طور پر مقیم ہے۔

اگر روح کو مخاطب کیا جائے تو یہی مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ روح دراصل عالم ارواح کا باشندہ ہے جب حق تعالیٰ نے اسے جسم کے تنگ و تاریک قید خانے میں ڈالا تو یہ بہت ہراساں ہوئی اور بارگاہ رب العزت میں فریاد کرنے لگی کہ یارب العالمین کیا مجھے ہمیشہ کے لئے اسی تنگ و تاریک قید خانے میں رہنا پڑے گا اس پر فرمان ہوا کہ نہیں بلکہ تھوڑے عرصہ کے لئے بالآخر تو نے یہاں ہی آنا ہے مولانا روم نے مثنوی شریف کے دیباچہ میں روحِ انسانی کو نے سے تشبیہ دے کر اس کی اصل کو نیستان قرار دیا ہے۔

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

نے کی نفیر بھی اپنے اصل سے جدا ہونے کی وجہ سے ہے اور روحِ انسانی بھی اصل سے واصل ہونے کی تمنا میں کوشاں ہے۔

۱۰ - ترجمہ - جو اُسے ارنی کہے گا وہ یہی جواب سنے گا کہ تم میرے روئے زیبا کو دیکھ نہیں سکتے۔

مراد یہ کہ محبوبِ مطلق کے دیدارِ بے حجاب کی خواہش رکھنا خیالِ خام ہے کیونکہ درگاہِ محبوب سے صاف جواب ملے گا کہ لن ترانی

دیدار بالمرآت یعنی بذریعہ تجلیات تو ممکن ہے مگر دیدارِ بے حجاب کی نفی قرآن مجید سے ثابت ہے ویحذرکم اللہ نفسہ واللہ رؤف بالعباد۔ حضرت خواجہ امداد اللہ صاحب مہاجر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

میں طورِ عشق پر ترسے ہوں گرچہ رب ارنی	نہیں لاتا زباں پر کیونکہ خوفِ لن ترانی ہے

اسی مضمون پر ہے

میں نے ارنی کہا تو یوں بولا	جب تلک تو ہے لن ترانی ہے

۱۱ - ترجمہ - اس کے پرنور چہرے کے خیال سے ہماری رات کی تاریکی جاتی رہی۔

شعر - تاریکیِ شب سے ہجر و فراق مراد لیتے ہیں مطلب یہ کہ جب مجھے محبوب کے رخسارِ پرانوار کا خیال آتا ہے تو ہجر و فراق کی تاریکی میں قدرے تخفیف ہو جاتی ہے یا میرے دل کو قرار و سکون حاصل ہوتا ہے اصطلاح میں نزولِ واردات اور تجلیات کو بسط کہتے ہیں اور انوار و تجلیات کے رک جانے کو قبض کہا جاتا ہے اسی لیے حالتِ قبض کو تاریکیِ شب کہا گیا ہے جس سے اپنے دل کی گرفتہ ہونے کا اظہار مقصود ہے اور حالتِ بسط کو روئے پرنور کہہ کر نزولِ تجلیات کے دوبارہ عود کرنے سے عارفانہ تمثیل میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اس کے چہرۂ پرنور کے خیال سے ہماری رات کی تاریکی مبدل بہ روشنی ہو جاتی ہے۔

۱۲ - ترجمہ - اے سودائے عشق! خوش رہو تو ہماری تمام علتوں کا طبیب ہے۔

۱۳ - ترجمہ - ہم بصد خوشی نعرہ کناں ہیں کہ اے ہمارے خوش سودائے عشق شاد رہو

حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت مشہور ہے کہ آپ بحکم حق تعالیٰ مردوں کو زندہ فرماتے تھے گویا آپ روحانی طبیب تھے عشق کو بھی روحانی طبیب کہنا بجا ہے اور حضرت مسیح سے نسبت دینا شاعرانہ کمال اور جدتِ طبع کا ثبوت ہے کیونکہ حضرت مسیح خود سراپا۔

غرقِ عشق تھے اور اصطلاحِ حکما میں سودا بھی لوازماتِ عشق سے ہے۔

صوفیائے کرام نے اخلاقِ ذمیمہ کے دو علاج تجویز فرمائے ہیں

(۱) جزئی یعنی خاص (۲) کلّی یعنی عام۔

جزئی سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک خلق کا جدا جدا علاج کیا جائے اس کو طریقِ سلوک کہتے ہیں علاجِ کلی کے یہ معنی ہیں کہ ذکر و شغل سے یا جس طرح شیخ طریقت ارشاد فرمائے حق تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا کی جائے جب اس کا غلبہ ہوگا تو اپنی خودی اور ہستی خود بخود مضمحل ہونے لگے گی اور سب اخلاقِ ذمیمہ جو خودی اور ہستی سے پیدا ہوتے ہیں زائل ہو جائیں گے اس کو طریقِ جذب کہتے ہیں

پہلا طریق گو بے خطر ہے مگر ایسا کرنے کے لئے ایک عرصہ درکار ہے اور طریقِ ثانی گو خطرناک ہے مگر بہت جلدی اثر دکھاتا ہے قلندر صاحب پر چونکہ مذاقِ ثانی غالب ہے اس لئے دعائیہ انداز میں اس کی مدح فرماتے ہیں کہ اے طبیبِ عشق خوش رہو کہ تو ہماری تمام علتوں کا بیخ کن ہے حضرت مولانا روم بھی عشق کی مدح میں فرماتے ہیں۔

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد	او ز حرص و عیب کل پاک شد
شاد باش اے عشق خوش سودائے ما	اے طبیبِ جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما	اے تو افلاطون و جالینوس ما

قلندر صاحب نے اپنی مثنوی میں اکثر خیالات مولانا روم کے استعمال کئے ہیں اس لئے ہو سکتا ہے کہ قلندر صاحب نے اشعار زیرِ تشریح میں مولانا روم کے شعر ثانی کا اتباع کیا ہو اور ممکن ہے کہ پوری غزل مولانا روم کے اشعار کے تتبع میں لکھی گئی ہو کیونکہ بعض مصرعوں میں تو بالکل توارد پایا جاتا ہے۔

۴۳ ترجمہ جب عشق ہمارے دل پر نشتر لگاتا ہے ہماری رگوں سے خون ٹپکتا ہے وہی مطلب ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے ان اشعار میں عشق کو مسیح اور یہاں فصاد کہا گیا ہے اور اس تمثیل میں مطلب یہی ادا کیا ہے مراد یہ کہ جب فصادِ عشق میرے دل کا فصد کھولتا ہے تو زخموں کے رستے خون کے قطرے بہتے ہیں فصد کھولتے وقت میل آلود گندہ خون خارج ہوتا ہے جس کو تعلقاتِ ماسوا اللہ سمجھ لو یہ عارفانہ مثال ہے ورنہ نہ کوئی فصاد

ہے دلنشیں کی ضرورت ہے صرف مطلب یہ ہے کہ۔

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد	او ز حرص و عیب کلی پاک شد

۵ ترجمہ۔ شراب کی حدت سے شیشہ اور جام ہم نے چھوڑ دیا

التہاب۔ بالکسر آگ کا جلنا یا شعلہ زن ہونا مجازاً گرمی۔

صہبا۔ بالفتح شراب انگوری اور مؤلف غیاث اللغات لکھتے ہیں کہ صہبا ایک شراب کا نام ہے جس کا رنگ سرخی مائل ہوتا ہے کیونکہ صہبا مؤنث ہے اصہب کا اور اصہب صفت مُشبّہ ہے صہوبت سے۔

شعر ہذا میں قلندر صاحب نے شرابِ محبت کی حدت کا اثر بیان فرمایا ہے کہ شرابِ عشق ایسی پُر التہاب ہے کہ جس کے پیتے ہی ہم نے شیشہ و جام یعنی تعلقاتِ ماسوا المطلوب کو چھوڑ دیا مراد یہ کہ تعلقاتِ دارین کی محبت میرے دل سے جاتی رہی جن کو شرابِ عشق کی حدت نے جلا دیا اصطلاح میں شراب سے بیخودی مراد لی جاتی ہے چنانچہ صاحبِ گلشنِ راز فرماتے ہیں۔

شرابِ بیخودی درکش زمانے	کہ تا از دستِ خود یابی امانے
بخور مے تا ز خویشت وارہاند	وجودِ قطرہ در دریا رساند

پس جب کامل بیخودی حاصل ہو گئی اور فناء فی المحبوب کا مرتبہ حاصل ہو گیا تو وہ تعلقات جو رجوع الی اللہ میں خارج اور حائل تھے خود بخود زائل ہو گئے جن کو شاعر نے التہابِ شراب سے جلنا ظاہر کیا ہے۔

۱۶ ترجمہ۔ بوعلی ہم کچھ نہیں ہیں آقا علی ہیں اے بوعلی ہمارے آقا علی ہیں۔

مولا۔ غلام اور آقا دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے مصرعۂ اولیٰ میں اگر اس سے غلام کے معنی لئے جائیں تو بھی مطلب درست ہے کہ ہم علی کے غلام ہیں بوعلی کی وجہ تسمیہ کے لئے دیکھو سوانح عمری صفحہ ۲۵۔

شعر ہذا میں قلندر صاحب نے اسی حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ ہم کچھ نہیں بلکہ ہمارے آقا و مولا حضرت علی علیہ السلام ہیں اور ہم ان کے غلام یوں بھی سلسلۂ فقر میں ایک نقشبندیہ سلسلہ کے سوا باقی سب کے سب سلاسل حضرت امیر المومنین سے مربوط ہیں اس لئے انہیں مولا و آقا

کی طلب ... اور انہی کے کمال سے معرفتِ خدا تعالےٰ کے احوال مستنبط کئے گئے خداشناسی کی راہیں انہی کے بیان سے روشن ہوئیں تمام دنیا میں نورِ معرفت انہی کی تعلیم سے پھیلا بدیں وجہ قلندر صاحب فرماتے ہیں ؎ بوعلی باشد علی مولائے ما۔

غزل ۹

رُخِ او نورِ مقدس لبِ او روحِ مصطفا ۱ جعدِ او افعیٔ موسیٰ کفِ او چو یدِ بیضا

مریم از قدسِ لبش حاملۂ روح اللہ ۲ آدم از پرتوِ رویش زِ گِلے یافتہ احیا

عارف از مئے لعلش شدہ سرمست بجوش ۳ بر شعاعِ رُخِ او گشتہ قلندر شیدا

آزر از پیکرِ او دیدہ بتاں بشکستے ۴ پسرش دستِ گلہائے پدر راز تماشا

یوسف از عکسِ جمالش نگریدی در خواب ۵ مست و سرگشتہ شدی چو پرِ او بود زلیخا

۶ بوعلی عاشقِ رخسارِ نگارینِ وے است
گاہ مولا شود و گاہ قلندر شیدا ۶

یہ غزل غیر مطبوعہ ہے مطبوعہ دیوانوں میں درج نہیں ہم نے ایک پرانے قلمی نسخہ سے انتخاب کر کے زیبِ شرح کی ہے۔

ا۔ ترجمہ۔ اُس کا چہرہ نورِ مقدس ہے اور لب روحِ مصطفا اُس کی زلف افعیٔ موسیٰ ہے اور ہاتھ یدِ بیضا۔

جعد۔ بالضم موئے مرغولِ سر یعنی زلف۔ افعی۔ بفتح سیاہ قسم کے ایک سانپ کو کہتے ہیں جو بہت زہرناک ہوتا ہے کہتے ہیں کہ افعی زمرد دیکھنے سے اندھا ہو جاتا ہے افاعی اس کی جمع ہے اس جگہ افعیٔ موسیٰ سے عصائے موسوی مراد ہے جو آپ کو حضرت شعیب علیہ السلام سے عطا ہوا تھا

جس کی خاصیت تھی کہ فوراً اپنی ہیئت بدل کر اژدہا بن جاتا تھا قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ساحروں اور جادوگروں کا زور تھا جو آپ کو ہر طرح سے اذیت پہنچاتے تھے خداوندِ کریم نے ان کے مقابلے کے لئے آپ کو یہ عصا عطا فرمایا جو ہمیشہ ان کے سحر و فسون پر غالب رہا۔

یدِ بیضا۔ روشن اور سفید ہاتھ کہ موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ جلا ہوا آگ سے جل گیا تھا حق تعالیٰ نے اس کے عوض حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دے دیا کہ جب آپ اپنے سوختہ ہاتھ کو بغل میں رکھ کر باہر نکالتے تو وہ آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا اور یدِ بیضا سے مجازاً کرامات اور خرقِ عادات بھی مراد ہوتی ہے۔

اس شعر میں قلندر صاحب نے محبوب کے روئے پُر نور لبِ پُر کیف اور زلفِ پُر شکن کی توصیف باحسن الوجوہ بیان فرمائی ہے۔

ترجمہ۔ مریم اس کے لبوں کی پاکیزگی سے روح اللہ کی حامل بنیں آدم اس کے چہرے کے پرتو سے مٹی سے زندہ ہوئے۔

قُدس۔ پاکیزگی۔ پاک ہونا۔ لب۔ ہونٹ۔ اور اصطلاح میں حکم اور ارشاد مراد لی جاتی ہے حاملہ۔ اٹھانے والی   روح اللہ۔ مراد از حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ آپ بحکمِ خدا بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی روح کہا۔   پرتو۔ روشنی تجلی عکس شعاع جو اجرام نورانی سے ظاہر ہوتا ہے احیا۔ زندہ ہونا۔

اس شعر میں فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیرے حکم اور ارشاد سے عالمِ وجود میں آئے اور آدم کو تیرے چہرہ کے پرتو سے زندگی ملی پیدائش حضرت عیسیٰ کے متعلق حضرت مولانا حسین الواعظ کاشفی تفسیر حسینی میں فرماتے ہیں کہ چونکہ لوحِ محفوظ پہ حضرت کا بن باپ کے پیدا ہونا مذکور و مسطور ہو چکا تھا اس لیے حضرت جبرئیل بحکم رب العالمین حضرت مریم کے پاس آگئے

"بدمید دامنش یا گریبان یا دہان اوبس مریم بارگرفت ہماں دم بعیسیٰ"

جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔

قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝

خلاصہ یہ کہ حضرت مسیح کا عرصۂ وجود میں آنا اور حضرت ابو البشر آدم کو شرف زندگی عطا ہونا محبوب مطلق کے ارشاد اور اذن و رضا رہے ہے۔

اور اگر اس شعر کی تفسیر نعتیہ رنگ میں کی جائے تو حدیث پاک "انا من النور اللہ تعالے و خلق کلھم من النوری" اس کے مفہوم کو باحسن پورا کر سکتی ہے۔

۳۔ ترجمہ۔ عارف اس کے لب لعلیں سے مست ہو کر جوش میں آیا اور قلندر اس کے چہرے کی شعاع پر عاشق ہوا۔

عارف پہچاننے والا۔ شکیبا۔ مے لعل۔ سرخ شراب۔ شراب کا رنگ عموماً سرخ ہوتا ہے اصطلاح میں شراب سے بیخودی مراد لی جاتی ہے مطلب یہ کہ عارفان حق کی بیخودی اور مستی محبوب کے شراب لعلیں سے ہے اور قلندر بھی اسی کے رخسار پر انوار کے شیدائی ہیں۔

۴۔ ترجمہ۔ آزر اگر اس کی شکل کو دیکھتا تو بتوں کو توڑ دیتا جیسا کہ اس کے بیٹے نے باپ کے عملی کاموں کو ایک تماشا سمجھا۔

آزر۔ والد حضرت ابراہیم کے باپ کا نام ہے بعض کہتے ہیں کہ آپ کے چچا کا نام تھا اہل تواریخ آپ کے باپ کا نام تارخ ہے لکھتے ہیں لیکن قرآن شریف اس پر دلالت کرتا ہے کہ آزر حضرت خلیل الرحمٰن ہی کے باپ تھے ہمارے لئے یہی گواہی افضل ہے

پیکر۔ شکل و صورت قرآن مجید سے ثابت ہے کہ آزر بت تراش اور بت پرست تھا جیسا کہ حضرت خلیل الرحمٰن نے اپنے باپ سے فرمایا تھا کہ تم اور تمہاری قوم معبود حقیقی کی پرستش کی بجائے خود تراشیدہ بتوں کو کیوں پوجتی ہے میں تم کو اور تمہاری قوم کو گمراہی میں دیکھتا ہوں حضرت ابراہیم کو حق جل شانہ نے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلائیں آپ نے فراست نبوت سے معبود حقیقی کو پہچانا جیسا کہ سورج اور چاند کے زوال نے آپ کے اعلےٰ مذاق کو عرفان یزدانی کی طرف مائل کر دیا شعر ہذا میں اشارہ اسی طرف ہے کہ اگر آزر اس حقیقت سے واقف ہوتا کہ ذرہ ذرہ اس محبوب حقیقی کے نور سے معمور ہے تو وہ بتوں کی پرستش کی بجائے انہیں توڑ کر خدائے واحد و یکتا کی پرستش کرتا مگر افسوس کہ وہ اس حقیقت کو سمجھ نہ سکا حالانکہ اس کا فرزند رشید باپ کی اس صنعت کو ایک تماشا سمجھتا تھا چنانچہ آپ نے بتوں کو توڑا اور ذات مطلق کی پرستش کا اعلان کیا۔

ترجمہ۔ اگر یوسف اُن کے جمال کا عکس خواب میں دیکھتے تو بیخود ہو جاتے جس طرح ان پر زلیخا تھی۔

زلیخا بضم اوّل بفتح لام از زلیخ کی مونث ہے ماخوذ از زلیخ بمعنی پاؤں کے لغزش کھانے کی جگہ مراد یہ کہ اگر کوئی عورت حسن و جمال میں اس قدر لاثانی ہو کہ دیکھنے والوں کی عقل دنگ رہ جائے اور پائے ثبات لغزش کھا جائیں تو اُس عورت کو زلیخا کے نام سے موسوم کرتے ہیں بعض محققین لکھتے ہیں کہ زلیخا کا مولد ملکِ مغرب ہے اور آپ کے باپ کا نام طیموس تھا مولانا جامی بھی اس کے موید ہیں جیسا کہ آپ مثنوی یوسف زلیخا میں فرماتے ہیں۔

کہ در مغرب زمیں شاہی نباہی	ہمے زد کوسِ شاہی نام طیموس
زلیخا نام زیبا دخترے داشت	کہ با او از ہمہ عالم سرے داشت

زلیخا کا اصلی نام سریانی زبان میں راعیل تھا زلیخا اہلِ عرب کا وضع کردہ ہے اور بعض اسم عجمی کہتے ہیں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جب تاریخِ جہاں کا آغاز ہوا تو کل روحیں صف بصف ایستادہ تھیں جب حضرتِ آدمؑ کو اپنی کل اولاد کے معائنہ کا حکم ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام انبیاء کی صف میں کھڑے ہونے کے علاوہ بادشاہوں کی صف میں بھی نظر آئے آپ کے سر پر شاہانہ تاج تھا اور دوش پر ردائے دلبری آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر حضرتِ آدم علیہ السلام نے ذاتِ باری سے سوال کیا کہ بار الٰہا یہ نونہال کس گلزار کا ہے۔

خطاب آمد کہ نورِ دیدہ تست	فرح بخشِ دلِ غم دیدہ تست
ز باغستانِ یعقوب این نہالیست	زصحرائے خلیل اللہ غزالیست
ز کیواں بگذرد ایوانِ جاہش	زمینِ مصر باشد تخت گاہش

آخر وہ وقت بھی آیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کتمِ عدم سے پردہ دنیا پر جلوہ افروز ہوئے۔

چو یوسف بر زمیں آمد ز مادر	برخ شد ماہِ گردوں را برابر
دمید از بوستانِ دل نہالے	نمود از آسماں جان ہلالے
ز گلزارِ خلیل اللہ گلے رست	قبائے نازک اندامے برست
برآمد اخترے از برجِ احسان	ز روئے او منور چشمِ آفاق

عزالے شد نسیم افزائے کنعاں   ازو رشک ختن صحرائے کنعاں

آپ کا حسن وہ حسن تھا جس کی کشش کی نسبت خواجہ حافظ شیرازی نے فرمایا ہے۔

من ازاں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم   کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

زلیخا ملک مغرب کے ایک با اقبال بادشاہ طیموس نامی کی صاحبزادی تھیں جو جمال یوسفی پر اس طرح فریفتہ ہوئیں کہ چودہ برس کے سن وسال میں آپ نے تین دفعہ جمال یوسفی کو خواب میں دیکھا جیسا کہ مولانا جامی فرماتے ہیں۔

بخوابش چشم صورت بیں غنودہ   ولے چشم دگر از دل کشودہ

درآمد ناگہاں از در جوانے   چہ میگویم جوانے نہ کہ جانے

ہمایوں پیکرے از عالم نور   بباغ خلد کردہ غارت حور

جب حضرت یوسف علیہ السلام سے تیسری بار زلیخا نے خاندان اور وطن و مکان کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے اپنے آپ کو عزیز مصر بتلایا۔

بگفتا گر بدیں کارت تمام است   عزیز مصرم و مصرم مقام است

بمصر از جاہ مگان شاہ مصرم   عزیزے وار عز و جاہ مصرم

خواب سے بیدار ہو کر جب دایہ نے استفسار حال کیا تو زلیخا نے خواب کا واقعہ من وعن دایہ سے کہہ دیا۔ آپ کے حسن و جمال پر اکثر شاہان وقت فدا تھے لیکن جب خواستگاری کا پیغام آتا تو آپ مسترد کر دیتیں بالآخر جب طیموس کو اصلی واقعہ کا علم ہوا تو اس نے شاہ ریان کو جو اس وقت عزیز مصر تھا نکاح کا پیغام بھیجا اس نے منظور کر لیا اور زلیخا کی شادی عزیز مصر سے قرار پا گئی شادی ہونے کے بعد جب زلیخا مصر میں آئیں تو معاملہ برعکس نکلا کیونکہ یوسف علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے بالآخر یوسف علیہ السلام کے مصر آنے تک آپ ہجر و فراق میں مبتلا رہیں۔

قلندر رحمہ صاحب اپنے محبوب کے حسن و جمال کی نسبت فرماتے ہیں کہ اگر یوسف علیہ السلام میرے محبوب کو خواب میں دیکھتے تو اسی طرح وارفتہ ہو جاتے جس طرح کہ ان پر زلیخا تھیں یہاں محبوب کے حسن و جمال کی برتری ثابت کرنا مقصود ہے۔

ہاں نہ سمجھ۔ یہ بھی اس معشوق کو رخسار کا عاشق ہے کبھی تو مولا ہوتا ہے کبھی قلندر شیدا

مراد یہ کہ بو علی ایسا عاشق ہے کہ کبھی تو غلامی محبوب کا دعویٰ کرتا ہے اور کبھی قلندر و شیدا بنتا ہے۔ غلامی کے دعویٰ سے اظہارِ وفاداری مراد ہے۔

غزل ۱۰

آں جمالِ بے حجاب آمد بروں چوں آفتاب ۱ ذرہ ذرہ شد منور چوں کشید از رخ نقاب

حسنِ بے پروائی او ہر گز نماند در حجاب ۲ بر در صد پردہ را گر بر رخِ او افگند

عاشقاں را در شبے ہرگز نمی آید بخواب ۳ نازم آں شرم و حیا را کاں جمالِ دلفریب

ایں خیالِ خام ای زاہد بود نقشے بر آب ۴ در جہاں بینی رخِ جاناں بدیں چشمِ حریص

من کہ از خمخانۂ وحدت ہمے نوشم شراب ۵ از خمارِ زہد و تقویٰ سر مرا باشد تہی

گسترم سجادہ بر آبِ رواں ہمچو حباب ۶ غرقِ بحرِ عشق ادہم گر کنم قصدِ نماز

۷	جز خلوص و عجز آں جا سے نہ پرسند ای شرف زاہدا از زہد و ریائی سے نہ گردد کامیاب	۷

ترجمہ: جب اس نے اپنے چہرے سے پردہ اٹھایا ذرہ ذرہ نور سے منور ہو گیا اور وہ بے حجاب جمال آفتاب کی طرح باہر آ گیا۔

یہاں قلندر صاحب نے اس وقت کی بحث چھیڑی ہے جب کہ کائنات کا موجودہ سلسلہ کتمِ عدم میں مستور تھا اور کائنات کے نظام کو سنبھالنے والی ذات بھی کنزِ مخفی میں تھی۔

(مولانا)	در آں خلوت کہ ہستی بے نشاں بود جمالِ مطلق از قیدِ مظاہر نوائے دلبری با خویش میساخت	بکنجِ نیستی عالم نہاں بود بنورِ خویش ہم بر خویش ظاہر قمارِ عاشقی با خویش می باخت	(جامی)

مخلوق کا خیال سے کوئی تعلق نہ تھا عشق و محبت کے چرچے نہ تھے کفر و ایمان کا کوئی شیرازہ نہ تھا غرضیکہ ہُو کا عالم تھا یکایک ذاتِ احدیت کو آپ کا اپنا جمال خود دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی جس کے لئے ایک آئینہ کی ضرورت محسوس کی گئی

ہر گہ کہ سلطانِ جمال خواہد کہ بیند روئے خود ‏ ‏ ‏ ‏ از اولیاءِ کاملش آئینہ سے دارد طلب

پھر کیا تھا محبوبِ مطلق کے لبوں کی روحانی آواز یعنی کُن سے یہ تمام کارخانہ بوقلمونی تماشا بہ شہود پر جلوہ گر ہو گیا اور کائنات کا ذرہ ذرہ محبوبِ حقیقی کے انوار سے منور ہو گیا اور خود محبوب کا جمال جہاں افروز آفتاب کی طرح پردہ سے باہر آگیا

برون از خیمۂ اقلیم تقدس ‏ ‏ ‏ ‏ تجلی کرد بر آفاق و انفس
ز ذراتِ جہاں آئینہا ساخت ‏ ‏ ‏ ‏ ز روئے خود بہر یک عکس انداخت
جمالِ دوست ہر جا پارہ کردہ ‏ ‏ ‏ ‏ ز مشتاقانِ عالم بستہ پردہ

ترجمہ۔ اگر اس کے چہرہ پر صدہا پردے ڈالے جائیں تو وہ پھٹ جائیں اور اس کا بے پرواہ حسن ہرگز حجاب میں نہ رہے۔

بردرد مضارع از مصدر دریدن یعنی پھٹنا چاک ہونا ایک مطبوعہ دیوان میں بردرد کی بجائے بردرد لکھا ہوا ہے جس سے ترجمہ کرنے میں بہت دقت محسوس ہوئی کیونکہ بردرد و بر رخ او کی دونوں ضمیریں ایک ہی طرف اشارہ کرتی نہیں معلوم ہوا کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔

یعنی اگر محبوب کے رخِ پرنور پر صدہا پردے ڈالے جائیں تو بھی اس کا پردوں میں چھپنا ناممکن ہے کیونکہ پردوں میں اس نورِ مطلق کو چھپا لینے کی طاقت نہیں امیر مینائی کا شعر ہے۔

پردے میں ہو تو اس پہ یہ عالم ہے حسن کا ‏ ‏ ‏ ‏ پردے سے باہر آؤ تو کیا جانے کیا کرو

جیوگرافیکل اصولات کے مطابق یہ بات مسلمہ ہے کہ سورج کی روشنی صدہا ہوائی طبقات سے گذر کر زمین پر آتی ہے در اصل یہ طبقات سورج کے منہ پر حجاب ہیں لیکن پھر بھی دیکھو کہ صدہا سے آفتاب پر ان حجابات کا کوئی نمایاں اثر معلوم نہیں ہوتا جب ایسے ضخیم حجابات کا ضیاء سے آفتاب پر کوئی اثر نہیں ہوتا حالانکہ نورِ مطلق کا عکس ہے تو کیا اس ضیاء مطلق کے جمال کا پردوں میں چھپنا ممکن ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ع

ایں خیال ست و محال است و جنوں

۳ ترجمہ: میں اس شرم و حیا کا ناز بردار ہوں کہ وہ دلفریب جمال رات کو بھی عاشقوں کو خواب میں نظر نہیں آتا۔

وجہ یہ کہ وہ صاحبِ جمال غیور ہے اور اُس کی غیرت کا تقاضا ہے کہ وہ پردہ میں رہے دراصل یہ بھی ایک مصلحت ہے اس پردہ نے عاشقوں کی آتشِ شوق کو تیز کیا ہوا ہے۔

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی — بازارِ خویش و آتشِ ما تیز می کنی

کیونکہ اگر وہ شاہدِ حقیقی عام مجازی معشوقوں کی طرح بے نقاب ہوتا تو اتنی قدر و قیمت نہ رہتی جتنی کہ ہے دوسری وجہ یہ کہ اگر اُس صاحبِ جمال کی غیرت پردہ کی مقتضی نہ ہوتی تو کائنات کا یہ نظام درہم برہم ہو جاتا کیونکہ اُس تجلائے جمال کی تاب کی استعداد کسی چیز میں نہیں تو لامحالہ تجلی کا نتیجہ وہی ہوتا جو کوہِ طور کا ہوا حضرت کلیم الرحمان نے بے حجابانہ دیدار کی خواہش کے جواب میں لن ترانی کے بعد بھی اصرار کر کے دیکھ لیا کہ محبوبِ مطلق کا در پردہ رہنا ہی ٹھیک ہے جب ذرا سی تجلی نے طور جیسے رفیع الشان پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر کے جلا دیا اور کلیم جیسے عظیم المرتبت مرسل غش کھا کر بیہوش ہو کر گر پڑے تو پھر بھلا تابِ دیدار کس میں ہے پس ثابت ہوا کہ اُس دلفریب جمال کی غیرت مصلحت کا تقاضا ہے ورنہ نتیجہ معلوم!۔

ایہا العاشق اگر معشوق بردارد نقاب — دیدۂ ما در حضور او بپیستہ آیا عجب کنم

۴ ترجمہ: تو ان ہی آنکھوں سے جنت میں معشوق کا چہرہ دیکھنا چاہتا ہے اے زاہد یہ خیالِ خام پانی پر نقش کی طرح ہے۔

ظاہر ہے کہ نقش بر آب کی کوئی اصلیت نہیں ہوتی اور سطحِ آب پر نقش و حباب کا تادیر قائم رہنا غیر ممکن ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اے زاہد تو باغِ فردوس میں محبوبِ مطلق کا دیدار کرنا چاہتا ہے لیکن تیری ہستی اس کے سامنے نقش بر آب کی [illegible] کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

(تنبیہ) موت کے بعد عامۃ المسلمین کو جنت میں دیدارِ الٰہی کا ہونا جو کتب تصوف میں وارد ہے اُس میں دو باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں ایک تو یہ کہ دیدار ہر شخص کو حسبِ استعداد حاصل ہوگا

دوسری یہ کہ حضرت حق کا دیدار کے لئے وہ آنکھیں عطا کی جائیں گی یا آنکھوں کو وہ نور دیا جائیگا جو دیدارِ حضرت حق کی تاب لا سکیں ورنہ ان آنکھوں میں وہ تاب نہ تو ہے اور نہ ہوگی۔ اس لئے شاعر صاحب زاہد سے خطاب کرتے ہیں کہ تو ان آنکھوں سے دیدار کرنا چاہتا ہے نیز یہ خیال نقش بر آب کی مانند ہے یا یہ کہ تو زہد خشک اور اتقائے ریا آمیز کے صلہ میں دیدارِ محبوب کی آرزو رکھتا ہے نیز یہ خیال اُس نقش کی طرح ہے جو سطح آب پر ہو آیت قدسی الیوم تجزی کل نفس بما کسبت اس کی شاہد ہے کہ ہر ورجزا ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ ملے گا کہ بغیر ریاضت مجمودہ اور محنت شاقہ اور عشقِ کامل کے وصال اور دیدارِ محبوب محال ہے حکیم عمر خیام کی رباعی اسی مضمون پر ہے

در وہر کسے بہ گل عذارے نرسید   تا بر دلش از زمانہ خارے نرسید
در شانہ نگر کہ تا بصد شاخ نشد   دستش بسر زلف نگارے نرسید

۵ ترجمہ میرا سر زہد و تقویٰ کے خمار سے خالی ہے کیونکہ میں خمخانۂ وحدت سے شراب پیتا ہوں۔

زہد بالضم۔ لذاتِ دنیا اور خواہشاتِ نفس کی مخالفت کرنا

تقویٰ۔ پرہیزگاری۔ ڈرنا۔   خمخانہ۔ شراب خانہ اصطلاحی تحقیق کے لئے دیکھو شعر ۳/۱۔

مطلب یہ کہ میرے سر میں زہد و تقویٰ کا خمار نہیں بلکہ میرے خمار کا باعث وہ شرابِ عشق ہے جو مجھے میخانۂ وحدت سے پینے کیلئے ملتی ہے۔

ناصحانہ انداز ہے کہ زہد خشک اور اتقائے ریا آمیز کے مقابلہ میں شرابِ عشق نوش کرنی چاہیئے تاکہ بامِ وصال تک رسائی ہو۔ مرزا غالب نے ترکِ تقویٰ کا خوب بہانہ تجویز کیا ہے

سخن کوتاہ مرا ہم دل بہ تقویٰ مائل است اما   ز ننگِ زہد افتادہ بکافر ماجرائے ما

۱۱ ترجمہ میں غریق بحرِ عشق ہوں اگر نماز کا قصد کروں تو سجادہ کو آب رواں پر حباب کی طرح بچھا دوں۔

سجادہ۔ سجدہ کرنے کی جگہ مجازاً مصلے   حباب۔ بلبلہ۔

ظاہر ہے کہ اگر بلبلا کو خفیف سی حرکت یا ہوا لگ جائے تو وہ فی الفور پھٹ کر پانی میں

مل جاتا ہے۔

قلندر بابا صاحب نے نماز بالحضور کی طرف اشارہ کیا ہے کہ واصلانِ حق کی نماز کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس میں تجلیات کا مشاہدہ ہو اور نماز میں اس قسم کا اتصال ہو کہ الصلوٰۃ معراج المومنین کا صحیح مصداق پیشِ نظر ہو جائے اور اس وقت فانی ہستی کا تعلق نادرمعیت سے اصلی ہستی کے ساتھ ایسا ہو جیسا کہ حباب کا پانی کے ساتھ ہوتا ہے ایسی نماز بالحضور کی نسبت حضرت خواجہ عبدالصمد صاحب نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی تحفۃ العاشقین میں فرماتے ہیں۔

جب کریں تکبیر اولیٰ وہ تمام	نورِ وحدت دیکھتے ہیں وہ مدام
بعد اسکے جب پڑھیں ام الکتاب	جلوہ گر ہو معرفت کا آفتاب
جب پڑھیں اخلاص کر یا صدق دل	نورِ وحدت سے وہیں جاویں مل

اسی مضمون پر حضرت مولانا روم فرماتے ہیں۔

ہر کجا با کبر و استغنا شدند	ہیچ قہرباں از اہلِ منزل رد نشد

ترجمہ۔ اے شرف اس جگہ عجز و خلوص کے سوا کچھ نہیں پہنچتے زاہد بوجہ زہد ریائی کامیاب نہ ہوگا۔

شاعر نے اس خیال کو بہت خوبصورتی اور موزونی الفاظ سے ادا کیا ہے کہ عجز و اخلاص خدا کی درگاہ میں بہت عزیز ہے اس کے علاوہ کسی اور چیز کی پرستش اور نسبت نہ ہوگی چونکہ زاہد کو اپنی عبادت پر فخر ہے اور فخر خدا تعالےٰ کو پسند نہیں اس لئے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوگا حدیث شریف میں آیا ہے

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنْ کِبْرٍ	وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ بھر کبر و غرور ہوگا۔

حضرت لسان الغیب بھی قلندر بابا صاحب کے ہم خیال ہیں۔

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ	رند از رہِ نیاز بدار السلام رفت

غزل نمبر ۱۱

ای شرف خواهی اگر وصلِ حبیب	۱	نالہ مے زن روز و شب چون عندلیب
من مریضِ عشقم و از جاں نفور	۲	دست بر نبضم چرا دارد طبیب
رسم و راہِ ما نداند ہر کہ او	۳	در دیارِ عاشقی ماند غریب
شربتِ دیدارِ دلداراں خوش است	۴	در نصیبِ ما نباشد یا نصیب
بر سرم جنبیدہ نیشِ عقرب	۵	در دلم پوشیدہ اسرارِ عجیب
ما از و دوریم دور اے وائے ما	۶	از رگِ جاں است او ما را قریب

بو علی شاعر نشدی ساحر شدی
این چہ انگیزی خیالاتِ غریب

ا۔ ترجمہ۔ اے شرف اگر تو وصلِ حبیب چاہتا ہے تو بلبل کی طرح روز و شب نالہ و فریاد کر
عندلیب۔ بالفتح و دال مفتوح یعنی بلبل کسر کے ساتھ پڑھنا غلط ہے
نالہ۔ بلند آواز جو سوزِ دل سے ہو
یعنی اگر تجھے وصالِ محبوب کی خواہش ہے تو بلبل کی طرح سوزِ دل کے ساتھ نالہ و بُکا
کر کیونکہ دردِ دل کے ساتھ رونا بھی علاماتِ عشق سے ایک علامت ہے اور عاشق کی صفت ہے
کہ کم ہنسے اور زیادہ روئے کیونکہ وصل کے شوق اور قطعیت کے خوف سے رونا دریائے رحمت
کو جوش میں لاتا ہے فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا

اے بلبل اگر نالی من با تو ہم آوازم	تو عشقِ گلے داری من عشقِ گل اندامے

لسان الغیب بھی نالہ وفریاد کو وصالِ محبوب کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

حافظ ز دیدہ دانۂ اشکے ہمے فشاں   باشد کہ مرغِ وصل کند قصدِ دامِ ما

مگر عرفی کو شاید اس تجویز سے اتفاق نہیں لکھتا ہے۔

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال   صد سال مے تواں بہ تمنا گریستن

ترجمہ میں مریضِ عشق جان سے بیزار ہوں طبیب میری نبض پر کیوں ہاتھ رکھتا ہے

نفور۔ نفرت کرنیوالا دور بھاگنے والا۔   نبض۔ رگ کا ہلنا۔

یعنی میں مریضِ عشق اپنی جان سے تنگ ہوں اس لئے طبیب کو میری نبض پر ہاتھ نہیں رکھنا چاہیئے کیونکہ وہ مریضِ عشق کی تشخیص کا اہل نہیں اس لئے اس کے علاج اور تشخیص سے مجھے کوئی آرام نہ ہوگا فی الحقیقت مریضانِ عشق ظاہری اطباء کے علاج سے مستغنی ہوتے ہیں اور حقیقتاً ان کی تشخیص اس مرض میں قابلِ اعتبار نہیں چنانچہ سلطان باہو حکیمِ مطلق کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

طبیباں جملہ مے بستند در اہلِ گزند   طبیبے تو مداوا کن بہ بیماران باخود را

مرضِ عشق۔ اصطلاحِ اطباء میں عشق جنون کی قسم سے ایک مرض ہے جو خوبصورت چیز کو دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے جیسا کہ عارف رومی نے مثنوی معنوی میں بادشاہ اور کنیز کے واقعہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ چونکہ کنیز مرضِ عشق میں مبتلا تھی اس لئے ظاہری اطباء کی تشخیص اور علاج اُس کے لئے مفید ثابت نہ ہوا چنانچہ مولانا صاحب فرماتے ہیں۔

ہر چہ کردند از علاج واز دوا   گشت رنج افزون و حاجت ناروا

شربت وادویہ واسباب او   از طبیباں برد یکسر آبرو

چونکہ وہ مریضِ عشق تھی اور اُس کی مرض کو ظاہری علاج سے کوئی تعلق نہ تھا اس لئے

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اور ادویہ نے مخالف اثر کرنا شروع کر دیا چنانچہ

از قضا سرکنگبیں صفرا فزود   روغنِ بادام خشکی مے نمود

از ہلیلہ قبض شد اطلاق رفت   آب آتش را مدد شد ہمچو نفت

سستیٔ دل شد فزون و خواب کم   سوزشِ چشم و دلِ پر درد و غم

آخر سب طبیبوں نے کنیزک کے علاج سے اپنے عجز کا اظہار کیا جب بادشاہ بالکل مایوس ہوگیا تو عین بے کسی میں خداوند تعالےٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوکر رو پڑا اور استمداد چاہی اس پر دریائے رحمت کو جوش آیا اور اُسے غنودگی اور کمال محویت کی حالت میں ایک کامل اذغیبی طبیب کی بشارت بایں الفاظ ملی کہ۔

گفت اے شاہ مژدہ حاجات روا ست　　گر غریبے آیدت فردا ز ماست

چونکہ او آید حکیم حاذق است　　صادقش داں کو امین و صادق است

در علاجش سحر مطلق را ببیں　　در مزاجش قدرت حق را ببیں

الغرض حسب ارشاد طبیب غیبی آیا اور بادشاہ سے ملاقات کی مصافحہ اور معانقہ کے بعد بادشاہ اس طبیب غیبی کو اپنے محل میں لے آیا طبیب تخلیہ میں مریض کے سرہانے بیٹھ گیا اور حکمت عملی سے مرض کی تشخیص اس طرح شروع کی یعنی مریض سے پوچھا۔

نرم نرمک گفت شہر تو کجاست　　کہ علاج اہل ہر شہری جداست

واندراں شہر از قرابت کیست　　خویشی و پیوستگی با چیست

کنیز نے سوالات حکیم کے جوابات بالکل صحیح صحیح دیئے اسی اثنا میں

دست بر نبضش نہادہ یک بیک　　باز مے پرسید از جور فلک

کہ تو اپنے شہر سے جدا کیوں ہوئی اور زیادہ عرصہ کس شہر میں ٹھہری کنیز نے شہر کا نام سمرقند بتلایا اب طبیب نے سمرقند کا حال پوچھنا شروع کیا اور بطور مبالغہ کہا کہ وہ شہر واقعی حلاوت اور لذت میں مثل قند ہوگا بس طبیب کا یہ کہنا تھا کہ نبض نے سرعت کے ساتھ حرکت شروع کر دی اور اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا بالآخر اس نے اپنا راز اس طرح ظاہر کر دیا کہ۔

گفت بازرگانم آنجا آورید　　خواجۂ زرگر دراں شہرم خرید

در بر خود داشتم سہ ماہ و فروخت　　چوں بگفت ایں ز آتش غم بر فروخت

یہ کہتے ہی اس کی حالت اور بھی نازک ہوگئی طبیب غیبی اپنے فہم و فراست سے تاڑ گیا کہ کنیز زرگر پر عاشق ہے مریض کو تسکین دلائی کہ میں تمہارا کامل علاج کروں گا اور بادشاہ کو اصل واقعہ سے آگاہ کر کے کہا کہ اگر کنیز کی صحت مطلوب ہے تو زرگر کو یہاں بلاؤ چنانچہ بادشاہ نے اپنے

معتمد سمرقند بھیج کر انعام واکرام کے لالچ پر زرگر کو اپنے پاس بلایا اور حکیم نے کچھ ایسی دوائیں اس کو پلائیں کہ جن کے اثر سے وہ دن بدن گھلنے لگ گیا جب اس کی شکل و صورت میں وہ حسن و جمال نہ رہا تو کنیز کی محبت بھی بدل گئی اور اس کو رفتہ رفتہ زرگر سے نفرت پیدا ہو گئی کچھ عرصہ کے بعد زرگر مر گیا کنیز چونکہ مریض عشق تھی صحت یاب ہو گئی اس طرح مریض عشق اور طبیب روحانی جس کو صوفیوں کی اصطلاح میں مرشد بھی کہتے ہیں سمجھ لو کہ طبیب عشق امراض باطنی میں اخلاق ذمیمہ مثلاً شہوت، آفات لسان، غضب، حقد، حسد، حب دنیا، بخل، حرص جاہ، ریا، عجب، غرور، تکبر وغیرہ کی تشخیص اور معالجہ، مراقبہ، مجاہدہ، مشارطہ، محاسبہ اور ذکر و اذکار کے ذریعہ بتدریج کرتا ہے تشخیص مرض اور پھر علاج کے بعد امراض باطنی کا قرار واقعی انسداد ہو جاتا ہے اور سالک بخیر و خوبی اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔

حکایت مندرجہ بالا سے ثابت ہو سکتا ہے کہ جس طرح کنیز زرگر کی عاشق تھی بعینہٖ اسی طرح ابتدا میں سالک کا نفس اخلاق ذمیمہ اور تعلقات ماسوا اللہ کا عاشق ہوتا ہے اور جس طرح طبیب غیبی نے پہلے تو مرض کی تشخیص کی اور پھر زرگر کو حکمت عملی سے ہلاک کیا اسی طرح مرشد مرید کے دل سے تعلقات دنیاوی کو ہٹا کر نفس کو مغلوب کرنے کے طریقے بتلاتا ہے۔ جن پر کاربند ہونے کے بعد مدارج روحانی میں ترقی ہوتی ہے اور سالک اپنے مقصود کو حاصل کر لیتا ہے یہیں سے اطبائے ظاہری اور اطبائے روحانی کے مقابلہ میں مصنف صاحب فرماتے ہیں کہ مریض عشق کو ظاہری اطبا کے علاج سے فائدہ نہ ہوگا وہ اس کی کوشش نہ کریں۔

رنج بے حاصل مبر در نبض عاشق اے طبیب ‖ نیست دستے بر مریض عشق جالینوس را

ترجمہ۔ دیار عشق کا مسافر ہمارے رسم و رواج کو نہیں جانتا۔

غریب۔ مسافر مراد از خام یا مبتدی جو ابھی راہ میں ہو اگر وہ خام ہے تو بالکل درماندہ ہے اگر مبتدی ہے تو منتہی کی حالت کو کیسے جان سکتا ہے۔

مثنوی معنوی کے دیباچہ میں مولانا روم فرماتے ہیں کہ بعض لوگ تو ایسے ہیں ہر صبح تجلیات اور نزول واردات سے کبھی سیر نہیں ہوتے بلکہ تشنہ اور کشادہ دہن ہی رہتے ہیں ایسے لوگ اصطلاح میں ماہی کہلاتے ہیں اور ایک وہ جن کو کچھ ملا اور اسی پر قانع ہو گئے وہ غیر ماہی کہلاتے

ہیں اور ایک وہ جن کو کچھ حاصل نہ ہوا ان کو بے روزی کہا۔ اب جیسے جزنا ہی ماہی کی حالت سے بے خبر ہے ویسے ہی بے روزی جزناہی کی حالت سے غافل ہے یہی مراد قلندر صاحب کی ہے

ع کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا

ترجمہ۔ دلداروں کے دیدار کا شربت بہت اچھا ہے گو ہمارے نصیب میں ہو یا نہ ہو دیدار دلدار سے مراد اگر دیدار بے حجاب ہے تو کہنا پڑتا ہے کہ یہ شربت واقعی اچھا ہے قسمت میں بھی ہے لیکن آئینہ خانۂ دہر میں ممکن نہیں اس خصوص میں تو حضرت کلیم الرحمان جیسے اولوالعزم پیغمبر بھی رَبِّ اَرِنِی کے جواب میں لَن تَرَانِی سن چکے اس لئے قلندر صاحب کو بھی تفویض صبر تک صبر کرنا پڑا۔

۵۔ ترجمہ۔ میرے سر پر شریعت کی تلوار لٹکی رہتی ہے مگر میرے دل میں عجیب اسرار پوشیدہ ہیں مخفی ہیں۔ شرعی حاکم اور تلوار سے انتقام اور آداب شریعت مراد ہے۔

یعنی اگر آداب شریعت کا خیال دامنگیر نہ ہوتا تو میں ان رازہائے سربستہ کا انکشاف کرتا جو میرے دل میں پوشیدہ ہیں مگر انکشاف راز کی حقیقت منصور سے پوچھنی چاہئے جو شہید عشق کا زریں نمونہ ہے ریاکار صوفیوں کو جو کراماتی کی ڈینگ مارتے ہیں اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے

۶۔ ترجمہ ہم اس سے دور ہیں افسوس کہ دور ہیں ورنہ وہ ہماری رگ جاں سے بھی قریب ہے

وائے۔ افسوس۔ کلمہ حسرت۔

قلندر صاحب اظہار تاسف کرتے فرماتے ہیں کہ افسوس ہم اس سے دور ہیں حالانکہ وہ ہماری رگ جاں سے بھی قریب ہے۔ محبوب مطلق کی نزدیکی اور قربت کے متعلق اس مقام پر ہم قرآن مجید سے دو شہادتیں پیش کرتے ہیں پارہ ۲۶ سورہ ق رکوع ۲ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ

اور البتہ پیدا کیا ہم نے آدمی کو اور جانتے ہیں ہم جو کہ خطرہ کرتا ہے ساتھ اس کے دل اس کا اور ہم ہم بہت نزدیک ہیں طرف اس کی رگ جان سے۔

پارہ ۲۶ سورہ الذّاریت رکوع ۱ میں ارشاد باری ہے

وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ اور بیچ جانوں تمہاری کے ہے پس کیا نہیں دیکھتے ہو تم ۔

پس جب محبوب مطلق انسان کے اس قدر قریب ہیں تو قلندر صاحب نے اپنی دوری کا افسوس کیوں ظاہر کیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ محبوب تو واقعی قریب ہے لیکن انسان کی خودی اور ہستی وہمی کا پردہ درمیان میں حائل ہو رہا ہے جو جدائی کا باعث بن گیا ہے اگر اس خودی اور ہستی کا وہمی پردہ درمیان سے اٹھ جائے تو پھر محب اور محبوب کا کامل اتصال ہے کوئی دوری نہیں رہتی البتہ اس قرب اور نزدیکی کے متعلق ایک عارفانہ نکتہ قابل غور ہے کہ یہ نزدیکی اس کی علم اور قدرت کے لحاظ سے نہیں ۔

صاحب بحر الحقائق لکھتے ہیں کہ حبل الورید قریب اجزائے نفس انسانی ہے حاصل کلام یہ کہ حق سبحانہ انسان کے بہت قریب ہیں پس انسان جب خود کو طلب کرتا ہے خدا کو پالیتا ہے الانسان سرّی وانا سرّہ ٗ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ سے بھی یہی مضمون واضح ہوتا ہے زبور میں آیا ہے الا من طلبنی وجدنی حضرت مولانا روم بھی اس قرب اور بعد کی نسبت مثنوی میں فرماتے ہیں ۔

نحن اقرب گفت من حبل الورید	تو فگندہ تیر فکرت را بعید
اے کمان و تیرہا انداختہ	صید نزدیک تو دور انداختہ

کشف الاسرار میں آیا ہے کہ قرب حق بندے کے ساتھ یہ ہے کہ فرمایا وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنی نماز کی حالت میں انسان خدا سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے اور یہ قرب پہلے ایمان بالتصدیق ہی اور آخر احسان بالتحقیق یعنی مشاہدہ اور قرب الٰہی انسان کے ساتھ دو قسم کی ہے ایک بکافہ خلق علم اور قدرت کے ساتھ یعنی وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ دوسرا خواص درگاہ کو باختصاص و شواہد کے لطف نحن اقرب الیہ من حبل الورید پہلے بندے کو قرب علمی عطا ہوتا ہے تاکہ وہ قیود و تعلقات دنیاوی سے رہا ہو جاوے اور پھر قرب حقیقی سے سرفراز ہوتا ہے تاکہ آب و گل یعنی ہستی موہوم سے گزر جائے چنانچہ پہلی حالت میں وہ مرید ہوتا ہے اور آخر سب کچھ وہ اسی مضمون پر مولانا روم

فرماتے ہیں ؎

رحمان در رحیم رحم اللہ بالحکیم — شیطان رجیم لعنت اللہ بالحکیم

اس جگہ علائق مرتفع و اسباب منقطع رسوماتِ باطل محدود منلاشی کچھ نہیں رہتے اور وہ خود باقی رہتا ہے۔

موجِ بحرِ لیس الملک آید ناگاہ — غرق گردند دراں بحر و دوئی چہ شاہ
خرمنِ ہستی موہوم جہاں سوزانند — ز آتشِ عشق کہ نی دانہ بماند نے کاہ

ترجمہ۔ بوعلی شاعر ہو گیا یا ساحر یہ کیا عجیب خیالات رکھتا ہے۔
شاعرانہ فخریہ مقطع ہے کہ بوعلی کے اشعار پر سحر کا دھوکا ہوتا ہے۔

غزل نمبر ۱۲

دادی چرا بہ قامتِ زیبائش و دِ خوب ۱ گر دیدنش گناہ بود اے غافر الذنوب
گر عیب سن ہمیں کہ شدم مبتلائے عشق ۲ خواہم فزوں کند عیوبا علی العیوب
آں گوہرم زبحرِ جمالِ قلندری ۳ کس جوہری نبود مگر عالم الغیوب
اہلِ ملامتم نہ شکایم ز طاعناں ۴ لو زرقت القلوب و ان نفذت الحبوب
برکش نقاب از رُخ آتش جمالِ خویش ۵ اے از رُخ تو اوقدت النار فی القلوب
طال الفراق و احترقت لی ترائب ۶ من کربت العشق یا کاشف الکروب
من از شمائل تو جہاں غرق حیرتم ۷ کز جانبِ شمال ندانم ہمہ جنوب
نخنے کہ کاشت بوعلی اندر دلش ز عشق ۸ تو برشگاف و نخل کن اے فالق الحبوب

ترجمہ اے غافر الذنوب اگر اسے دیکھنا گناہ ہے تو تو نے اسے قامت زیبا کے ساتھ اتنی خوبروئی کیوں دی۔

قامت - قد　　　　غافر الذنوب - گناہ بخشنے والا مراد از خدا۔

محبوب کی زیبائی اور رعنائی پر دل دینے کی نسبت فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کا چہرہ نہایت خوبصورت اور قد بالا نہایت موزوں ہے اس لئے ہم مجبور ہیں کہ اسے نہ دیکھیں گو اس کو دیکھنے میں گناہ عظیم کا مرتکب قرار دیا جاؤں۔ مگر فطرتاً اس معاملہ میں مجبور ہوں کیونکہ تو نے اسے مقبول صورت بنایا تھا اور اچھی چیز ہر ایک کو پسند آتی ہے شیخ سعدی شیرازی بھی اپنے کو مجبور رکھتے ہیں۔

دوستاں منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم　　　باید اول بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی

خواجہ حافظ بھی قلندر صاحب کے ہمخیال ہیں کہ معشوق کو مجبوراً دل دینا پڑتا ہے کیونکہ

ع ایں حکمت بدست عاشق نیست۔

چوں چشم تو دل می برد از گوشہ نشیناں	دنبال تو بودن گنہ از جانب ما نیست

ترجمہ اگر میرا مبتلائے عشق ہونا بھی عیب ہے تو میں چاہتا ہوں کہ میرے عیب اس سے بھی زیادہ ہوں۔

عشق - بالکسر کسی چیز یا آدمی کے ساتھ حد اعتدال سے زاید الفت و محبت کرنا عشق کہلاتا ہے اور اطباء کے نزدیک عشق جنون کی قسم سے ایک مرض ہے جو کسی خوبصورت چیز کو دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔

مولانا عبدالرزاق شارح ظہوری نے شرح اسباب و فتوحات حکم سے نقل کیا ہے کہ عشق عشقہ سے ماخوذ ہے اور وہ نبات کی قسم سے ایک بیل ہے جس کو لبلاب کہتے ہیں جب وہ کسی درخت پر چڑھتی ہے تو اس کو خشک کر دیتی ہے یہی حالت عشق کی ہے کہ جس دل پر طاری ہوتا ہے صاحب عشق کو خشک کر دیتا ہے عاشق کا زرد رنگ ہونا عشق کی علامت ہے عشق کی معنوی تحقیق قلندر صاحب نے خود اس طرح بیان فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں۔

آنچہ عشقہ بر شجرہ میپیچد او را از بیخ بر آرد و نماوت او را خود در آرد

نہ از عداوت است نہ از محبت خود خاصیت او آنست کہ باہر کہ دست در گر آرد

اورا از ہیچ بر آردم چنیں عشقِ عشق بر شجرہ نہاد یدرح عاشق ازاں می پیچد تا اورا از ہیچ
ہستی بر کند ولطافتِ اورا در خود درآرد زیرا کہ خاصیتِ او آنست کہ با ہر کہ آمیز د خون
او بریزد اورا با کس عادت نیست و محبت ہم نہ ہنر را نیز ہست کہ ظاہر کند سخا صیت وجود کند بہ
افتیار را و آنچہ عاشق را در عشق اختیار نیست مانند سنگ ایں معنی است"

یعنی اگر عشق اختیار کرنا عیب ہے تو میں چاہتا ہوں کہ میرے عیوب اور بھی زیادہ ہوں تاکہ
میں وصال و قربِ محبوب کی جان تواز لذت حاصل کروں عشق چونکہ ایک شریف ترین فن ہے جس کے
ذریعہ وصالِ محبوب نصیب ہوتا ہے اور بام وصال کے لئے معراج ہے جس کے ذریعہ قربِ حق میں
باریابی نصیب ہوتی ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ خدا کرے میرے عیب اور زیادہ ہوں
۳؎ ترجمہ میں قلندری حال کے سمندر کا وہ موتی ہوں کہ اس عالم الغیوب کے سوا
میرا کوئی جوہری نہیں۔

عالم الغیوب۔ غیب کا علم جاننے والا مراد از خدا تعالیٰ
جوہری۔ صاحبِ جوہر جو جواہر پرکھتا ہو۔

اقسامِ اولیاء اور مقاماتِ ولایت میں قلندری مرتبہ السیار رفیع الشان ہے جو برگزیدگان
حق کو خاص الخاص عنایتِ ایزدی سے منجانب اللہ عطا ہوتا ہے چونکہ قلندر صاحب اپنے وقت کے
بڑے کامل اور مکمل قلندر تھے بانی پت میں قلندریہ سلسلہ آپ ہی کے ذریعہ شروع ہوا اس لئے بطور اظہار
نعمت فرماتے ہیں کہ میں بحرِ عشق و محبت کا وہ گوہر نایاب ہوں کہ عالم الغیب کے سوا میرا کوئی جوہری نہیں
یعنی بجز اس کے کوئی میری شناخت نہیں کر سکتا دراصل لعل والماس کی قدر و قیمت جوہری ہی جانتے
جانتے ہیں۔ دیکھ   شعر زر زر گر بداند قدرِ جوہر جوہری
اور ممکن ہے کہ قلندر صاحب ابنائے زمانہ کے شاکی ہوں جیسا کہ اکثر اہلِ کمال نااہلوں اور ناقدروں کے
ہاتھوں شاکی رہے ہیں۔

۴؎ ترجمہ میں اہلِ ملامت ہوں اور مطاعن کی سنگباری سے مجھے صبر نہیں آتا اگر میرا
دل پگھلا ہوا ہے۔ مگر نہیں آتا ہے۔
لو۔ مگر یہ وہ وقت ہے۔ بالکسر تو نیستر بدقلب تری دلائی الفت و محبت سجز آنکہ یہ

جیوب۔ گریبان و پیرہن   شُقَّت چاک ہونا   کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے

سینہ و دل جمع الجمع ہے جیب کی جیب کی جمع جیاب ہے

فرماتے ہیں کہ گو آتش عشق سے میرا دل گداز ہو رہا ہے اور گریبان چاک ہے مگر ملاعن

کی طعنہ بازی اور ملامت سے میرا دل پاش نہیں ہوتا یعنی عالی ظرف لوگوں کی نسبت فرمان باری ہے۔

وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

جس کا حاصل یہ ہے کہ میرے محب ملامت کرنیوالوں کی ملامت سے خوف نہ کریں جس سے

حضرات صوفیائے کرام نے نتیجہ نکالا ہے کہ محبوب اپنے دوستوں کو اغیار کے ملاحظہ سے محفوظ رکھنا

چاہتا ہے تاکہ کسی کی آنکھ ان کے حال کے جمال پر نہ پڑے اور میرے محب اپنا جمال اور مرتبہ دیکھ کر

متکبر نہ ہو جائیں اس لئے خلق کو ان پر طعن و ملامت کے لئے مقرر کر دیا۔

کشف المحجوب میں خواجہ سید علی ہجویری داتا گنج بخشؒ اسی ملامت کے متعلق لکھتے ہیں۔

اِنَّ الْمَلَامَةَ فِيْ هَوَاكَ لَذِيْذَةٌ لِاَنَّ الْمَلَامَةَ رَوْضَةُ الْعَاشِقِيْنَ وَنُزْهَةُ الْمُحِبِّيْنَ وَرَاحَةُ الْمُشْتَاقِيْنَ

وَسُرُوْرُ الْمُرِيْدِيْنَ ؎

ترجمہ۔ اپنے آتشیں چہرے سے نقاب اٹھا تاکہ میرے دل میں آگ بھڑک کے۔

اَوْقَدَ آگ بھڑکانا ۔ مطلب صاف ہے۔

ہائے ترجمہ۔ دیکھ میرا سینہ درازیٔ ہجر سے جل گیا اے اندوہ عشق کے پیدا کرنے والے

طال۔ طویل طویل۔   اِحْتَرَقَتْ بالکسر سوختہ شدن بافروزاں احتراق

لَیّ۔ بالفتح و تشدید یا گردانیدن از ناطلق و پیچانیدن چیزے و گردانیدن زبان در گواہی و بیان ناپیدا

اور پیچ پیچ کر دیکھنا اس جگہ آخر الذکر معنی مراد ہیں۔   تَرائب بفتح اول و کسر ہمزہ استخوانہائے

سینہ نیز کی جمع سینہ تا سینہ کے معنوں میں آتا ہے۔   رِبق سے بندھا ہوا

مکنون۔ پوشیدہ اندوہ و غم کے دب اس کی جمع ہے۔   کاشف ظاہر کرنے والا۔

یعنی اے غم عشق کے پیدا کرنے والے تیرے عشق میں درازیٔ ہجر کی وجہ سے میرا سینہ جل گیا اور

ساتھ ہی اشارہ اس کا ہی ہے کہ میری طرف دیکھ کہ تیرے ہجر و فراق میں میرا سینہ سوختہ ہو رہا ہے ہجر و فراق

و وصال محبوب کے لئے اور غم عشق سے نصیب عاشق کے لئے لابدی ہے۔

سرالعشق میں محقق فلسفی صاحب نے اس حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے کہ وصال میں ہجر کا کھٹکا دامن گیر ہوتا ہے لیکن ہجر میں وصال کی امید ہوتی ہے اس لئے ہجر و فراق میں عاشق کی بہبودی کا راز مضمر ہے۔

وصل میں ہجر کا ڈر ہجر میں ملنے کی امید	کون کہتا ہے کہ فرقت سے وصال اچھا ہے

۷۔ ترجمہ میں تیری شکل و صورت سے ایسا غرقِ حیرت ہوں کہ شمال و جنوب نہیں جانتا۔
شمائل بفتحہا وعاو تنہا شکل و صورت کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔
یعنی تیرے جمالِ جانفزا کے نظارہ میں میں ایسا محوِ حیرت ہوں کہ مجھے شمال اور جنوب کی بھی خبر نہیں ہے۔

یہ شعر کمال استغراق کا نمونہ ہے اسی مضمون پر فلسفی صاحب اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں

" اے برادر شنیدہ باشی حالِ عشق مجنوں بہ لیلیٰ کہ اگر درمیان ایشاں
ملاقات شدے مجنوں سر خود را در پائے لیلیٰ نہادے و بیہوش گشتے لیلیٰ بر خاستے
و رفتے مجنوں را از رفتنِ او خبر نبودے ثبوت براں است کہ در مرتبہ عشق نفس را دخل نیست"

۸۔ ترجمہ۔ اے خالق الحبوب بو علی نے دانۂ عشق جو اپنے دل میں بویا ہے تو اسے سرسبز و شگفتہ کر۔

نخل۔ بالفتح درخت یا خرما   حبوب۔ جمع حَبّ کی دانہائے مثل گندم جو و چنا وغیرہ

یعنی اے نخلِ مراد کو سرسبز اور شاداب کرنے والے خالق بو علی نے تخمِ عشق اپنی زمین عشق میں بویا ہے تو اس کو اپنے فضل و کرم اور باران رحمت سے بارآور کر مراد یہ کہ استحکام عطا فرما۔

الٰہی غنچۂ امید بکشا	گلے از روضۂ جاوید بنما

غزل نمبر ۱۳

دیہیم خسرواں بر پا نعلِ استر است	۱	خسرو کسے کہ خلعتِ تجرید در بر است
سیمرغ وار روئے نہفتم بہ قافِ عشق	۲	کز ہر دو کون دانہ و دامم نہ در خور است
وحدت ورائے کنگرۂ کبریا کشد	۳	کو عارفے کہ منظرِ او عرشِ اکبر است
گفتم بہ علم و عقل بہ ملکِ دگر شوم	۴	تکلم ز علم و عقل چو دیدم برون تر است
ما ہم کوئے عشق و خرابات و بیخودی	۵	ویں رسم و سیر نیست کہ خاصِ قلندر است
بخشد خدا علمِ لدنی بہ عاشقاں	۶	کیں علم و عقل و درسی و حسی مختصر است

۷	ور سر شرف نبود از الواحِ ابجدی لوحِ جمالِ دوست اورا در برابر است

اس غزل کے متعلق ایک تاریخی واقعہ سوانحِ عمری صفحہ ۲۷۵ پر ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ۔ شاہانہ تاج ہمارے لئے سمِ خر کے برابر ہے بادشاہ وہ ہے جس کے بدن پہ خلعتِ تجرید ہو۔

دیہیم۔ تاجِ شاہی۔ نعل۔ آہنی کفش جو گھوڑے کے پاؤں میں لگاتے ہیں

استر۔ خچر۔ خلعت۔ جامۂ دوختہ جو کسی کو پہنایا جائے مجازاً وہ لباس جو بادشاہ یا امرا اپنے بدن سے اتار کر کسی شخص کو بخشدیں اور وہ تین پارچہ سے کم نہیں ہوتا۔ تجرید۔ کسی چیز کو برہنہ کرنا و پیراستن، و اصطلاحِ صوفیان مجازاً تارک الدنیا ہونا۔ اور قطعِ علائق کرنا یہاں مراد وحدت سے ہے

دنیا کی بے ثباتی اور عشقِ باقی کے مقابلہ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک تاجِ شاہانہ اور خلعتِ سلطانی کی یہ وقعت ہے کہ ہم اس کو نعلِ استر سے زیادہ نہیں سمجھتے بلکہ ہمارے نزدیک بادشاہ وہ ہے جو خلعتِ تجرید و اتقا سے آراستہ و پیراستہ ہو مراد یہ کہ عشقِ الٰہی کا تاج سر پہ اور فنا باللہ کی خلعت

تن پر ہوا لیے شخص کی غلامی غلبہ پرستی کو شاہانِ دہاں فخر سمجھیں گے کیونکہ دنیا کے تاج و تخت سب فانی ہیں اور عشقِ الٰہی باقی ۔

ہو سکتا ہے کہ شاید قلندر صاحب نے شاہی تحائف کا خیال کر کے سلطان علاؤالدین کی طرف اشارہ کیا ہو کہ وہ بادشاہِ وقت ہے لیکن ہمارے نزدیک اُس کی سلطنت سیم و زر کے برابر ہمارے لئے مایہ ناز تجرید و اتقا کی خلعت ہے چونکہ قلندر صاحب کے مزاج میں استغنا بدرجہ غایت تھا اور مقام استغراق سے بھی بالا اور اپنی نادر محویت کی وجہ سے طبیعت لاابالی تھی چنانچہ سلطان کو جو خط حضرت امیر کے ہاتھ بجواب تحائف و ہدایہ آپ نے لکھا اس میں فرمانروا کے لقب سے بادشاہ کو مخاطب کیا گیا تھا اور اس سے پہلے ایک خط میں شحنۂ دہلی کہا گیا تھا اس لئے بہت ممکن ہے کہ شاہ نہ جاہ و حشم ہی کو سیم و زر سے تشبیہ دی گئی ہے

اور شعر میں لفظ خسرو کا استعمال اس وجہ سے ہو کہ قلندر صاحب نے امیر خسرو کی موجودگی میں یہ اشعار برجستہ کہہ دیے ہوں کیونکہ قادر الکلام شاعر سے ایسا ہونا ممکنات سے ہے اور قلندر صاحب تو خفائی رموز و اسرار کے ترجمان تھے لہذہ مقام استعجاب و حیرت نہیں کہ جوشِ عشق سے پوری غزل ہی فی البدیہہ کہہ دی ہو واللہ اعلم بالصواب ۔

ترجمہ ۔ سیمرغ کی طرح میں نے اپنا منہ قافِ عشق میں چھپایا کیونکہ دو جہان کا دانہ میری روح کے سزاوار نہ تھا ۔

سیمرغ مشہور جانور ہے کہتے ہیں کہ ہر لون نقش و رنگ جو ہر ایک مرغ کے پروں میں ہے وہ سب اس کے پروں میں پایا جاتا ہے اور بعض سیمرغ کو اسم فرضی کہتے ہیں کہ وجود نہیں رکھتا اور بعض نے سیمرغ کو عنقا لکھا ہے

قاف ۔ ایک پہاڑ کا نام ہے جو دنیا کے گرداگرد ہے کہتے ہیں کہ تمام تمام زمرد کا ہے

در خور ۔ سزاوار ۔ موافق ۔ سیمرغ کی نسبت مشہور ہے کہ کوہ قاف میں رہتا ہے ۔

قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے سیمرغ کی طرح اپنا منہ قافِ عشق میں چھپا لیا یعنی دو جہاں سے اپنا تعلق قطع کر لیا اور منہ چھپا لینے کی یہ وجہ بیان کی کہ میری روح کو دو نو جہان کی غذا سزاوار نہ تھی مراد یہ کہ تعلقاتِ دارین میں مجھے روح کی غذا میسر نہ ہوئی اس لئے میں نے جہاں اور اہلِ جہاں سے تعلق قطع کر لیا اور قافِ عشق یعنی پردۂ وحدت میں اپنا منہ چھپا کر تعلقات کی بجائے عشقِ الٰہی

اختیار کیا جو روح کی اصلی غذا اور حیاتِ انسانی کا اولین مقصود ہے۔

۳ ترجمہ۔ وحدت کنگرۂ کبریا کے اوپر کھینچ سکتی ہے کیا ہے وہ عارف جس کا منظر عرشِ اکبر ہے

کنگرہ۔ جو عمارت کے اوپر بناتے ہیں مراد از عرشِ عظیم۔ ورار بفتح و کسر عقب کے یعنی بدون در معنی مخلوقات از جن و انس۔ اور فارسی ہیں اور اکا مخفف ہے۔

یعنی وحدت کا یہ مرتبہ ہے کہ کنگرۂ کبریا کے اوپر جس کی رفعت اور بلندی خیال سے بھی ورا الورا ہے لے جا سکتی ہے وہ عارف کیا ہے کہ جس کی حدِ نگاہ اور منتہائے خیال صرف عرشِ اکبر ہے اس خصوص میں خواجہ حافظ بھی قلندر صاحب کے ہمخیال ہیں۔

بال بکشا و صفیر از شجرِ طوبیٰ زن	حیف باشد چو تو مرغ کہ اسیرِ قفسی

جس سے مراد یہ ہے کہ عارف اس کنجِ محنت آباد میں دل نہ لگائے تو کنگرۂ کبریا کے اوپر بھی بلند پرواز ی کر سکتا ہے یعنی بیش از بیش مراتب و درجات حاصل کر کے مقبول و منظورِ خدا ہو سکتا ہے خواجہ حافظ کی طرح قلندر صاحب کا یہ شعر بھی ناصحانہ انداز میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے اعلیٰ مراتب اور درجاتِ عالیہ پر فائز المرام ہونے کی کوشش کر کے نورِ وحدت میں ملنا چاہیے۔

۴ ترجمہ میں نے کہا علم و عقل سے دوسرے ملک میں چلا جاؤں جب میں نے دیکھا تو اس ملک کو علم و عقل سے باہر پایا دوسرے ملک سے مراد مسلکِ عشق ہے۔

فرماتے ہیں کہ میرا خیال تھا کہ میں علم اور عقل کے ذریعے مرتبۂ وحدت کو حاصل کروں اور اس دارِ فناہ سے علم و عقل کی وساطت سے دارِ بقا میں پہنچ جاؤں اور بقا بالمحبوب کا درجہ پاؤں لیکن جب میں نے بنظرِ تحقیق دیکھا تو یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی کہ وہاں علم و عقل کے ذریعہ پہنچنا امرِ محال اور خیالِ خام ہے۔

عقل۔ اس شعر میں عقل سے عقلِ جزوی و غریزی اور علم سے علمِ رسمی مراد ہے یہ دونوں چیزیں حق تعالیٰ کی کنہ ذات کے ادراک سے عاجز ہیں کیونکہ وادیٔ عشق میں ان کا گذر نہیں قانونِ عشق میں لکھا ہے کہ

"جیسے عقل کی اپنی حقیقت اور روح کی حقیقت عقل سے مخفی اور اسرار میں داخل ہے ہر کہ کجا دیاں بہ عمیر اجمل پس ہر امر اور ہر شئے کی حقیقت دریافت کرتے ہیں۔

عقل جاہل ہے اور عرشِ حقیقت تو بہت ہی دور ہے اور یہ لنگڑی لولی ایک اونچے ٹیلہ سے کے اسرارِ حقیقت تک تو پہنچ ہی نہیں سکتی یہاں اس عقال کے سوار کر بڑی مشکل بنی ہوا ہیا کرتا ہے وہ ٹھوکریں کھاتی چلتی ہے سوار یہاں ندگرا وہاں گرا سواران تیز رفتار پاس سے نکل گئے اور یہ بخت سند دیکھتے رہ گیا اس مشکل سے وہی صاحب نکل سکتے ہیں جو عقال کے اوپر سے گر دیں اور راشہب باد پا تیز رفتار نورِ بصیرت کو بقیمت ترکِ لذاتِ جسمانی و مخالفتِ خواہشِ نفسانی عالمِ غیب سے خرید سکتے ہیں اور اس پر سوار ہو کر رہبرانِ حقیقت کے شہسواروں کے اتباع میں عرشِ حقیقت پر پہنچتے ہیں اور معراجِ معنوی سے سرافراز ہوتے ہیں اُسے اُس کا کیا حال ہے جس کے پاس نہ عقال ہو نہ اشہب تیز رفتار"

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلویؒ فرماتے ہیں۔

از منطق و از حکمت جز عشق نہ فہمیدم   چندانکہ نظر کردم شب ہا بہ کتاب اندر

خوردند گیر شوارے شمشیر سپہ خستہ کہ من   ما آنکہ پیادہ مے روم و ہمرہاں سوار انند

؎ ترجمہ ہم ہیں اور عشق و خرابات کی گلی اور بیخودی اور یہ رسم و سیرت کہ نیری ہی خاص قلندرانہ ہے۔

خرابات سے خانہ۔ قمار خانہ۔   قلندر۔ دراصل کلندر یعنی کندہ و ناتراشیدہ مجازاً وہ آدمی جو بظاہر اچھا نہ ہو مگر اہل دل ہو اور نیک باطن۔ جواہر الحروف میں لکھا ہے کہ قلندر دراصل غلندر ہے تحقیق کے لئے دیکھو سوانحعمری ص

فرماتے ہیں کہ میں ہوں اور عشق کی گلی خرابات کا دروازہ اور بےخودی گویا مجھ میں اور ان میں ایک خاص نسبت ہے اور میری یہ روش خاص قلندرانہ ہے چونکہ قلندر صاحب نے شعر ہذا میں قلندر یہ استغراق کی طرف اشارہ کیا ہے اس لئے اس کے متعلق ہم اجمالاً کچھ لکھتے ہیں۔

قلندروں کی بیخودی اور محویت مشہور ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ قلندر کے استغراق کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی محویت سالہا سال تک ہوتی تھی اور چونکہ تصوف اور فقر کے راز ہائے سر بستہ سینہ بسینہ منتقل ہوتے چلے آئے ہیں اس لئے اس سلسلہ کے ہر بزرگ کو یہ باطنی نعمت عطا ہوتی رہی ہو لہٰذا قلندر ... مگر بیخودی معنی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ لوگ بیخودی اور محویت کا کامل

معلوم ہونے کی وجہ سے ہر وقت جذبات حق میں محو در محو رہتے ہیں قلندر صاحب نے یہی کوچۂ عشق خرابات اور بیخودی سے اپنے قلندرانہ مشرب کا اظہار کیا ہے خرابات کی حقیقت بالفاظ صاحب گلشن راز یہ ہے۔

خراباتی شدن از خود رہائیست	خودی کفر است اگر خود پارسائیست
نشانے دادہ اند اہل خرابات	کہ التوحید اسقاط الاضافات
خرابات از جہان بے مثالی است	مقام عاشقان لاابالی است
خراباتی خراب اندر خراب است	کہ در صحرائے او عالم سراب است
خرابات آشیان مرغ جان است	خرابات آستان لامکان است

ع ترجمہ۔ عشاق کو خدا نے علم لدنی بخشا ہوا ہے کیونکہ یہ حسی اور درسی علم ذلیل حقیر ہیں
لدنی یعنی منسوب بہ لدن وہ علم جو کسی کو بغیر اس کی یا کسی کی سعی کے حاصل ہو۔
تحقیر۔ حقیر۔ ناچیز
یعنی عاشقان حق کو لدنی علم از حق تعالے عطا ہوتا ہے کیونکہ بجز امداد غیبی اسرار تصوف کا بیان ہونا ناممکن ہے اور اس لدنی علم کے مقابلہ میں علم درسی حسی قابل قدر نہیں بلکہ بالکل حقیر ہے قاآنی کا ایک شعر ہے۔

رموز علم ادریسی بود ذاتی نہ تدریسی	چہ داند ذوق ابلیسی رموز علم الاسمار

ع ترجمہ۔ شرف کا سبق الواح ابجدی سے نہیں بلکہ لوح جہان دوست سے ہے جو کہ ہر وقت اس کی آنکھوں کے آگے رہتی ہے۔
الواح جمع لوح بمعنی تختی   ابجدی حروف ابجد یا حروف تہجی جن کی ترتیب یوں ہے ۱۔ ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ، ضظغ
یہ قسم پہلے شعر سے مربوط ہے دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں ناظرین خود مطلب پر پہنچ سکتے ہیں۔

غزل نمبر ۱۴

در دیده تا خیالِ جمالت مصوّر است	۱	ملکِ دو عالم به عنایت مسخّر است
روحانیان به پیشِ تو در سجده می‌روند	۲	عیسیٰ اگر بسجود نیارد دمِ خر است
تا نقشِ پیکرِ تو به چشمم شعاع زد	۳	پیوسته نورِ پاکِ تو دائم برابر است
شوقت به سینه شورِ انا اللہ می‌زند	۴	این قول نزدِ مدعیان گرچه منکر است
نورت بصورتے که به چشمم نموده اند	۵	نورِ الٰهی است که موعودِ محشر است
چندین هزار نکتهٔ توحید خوانده ایم	۶	زان خط که در عبارتِ حسنت مسطّر است
ذاتِ خدا اگر نه بصورت کند حلول	۷	دیدم بروئے تو که ز نورش منوّر است
از لمعه که روئے تو افگنده چشمِ من	۸	تا حشر از جمالِ الٰهی منوّر است
از نفحه که زلفِ تو سر داد مغزِ من	۹	تا حشر از شمائمِ قدسی معطّر است
پُر عنبرم ز دیده که دیدمت روئے تو	۱۰	یا بر سرے که دیدهٔ من اندران سر است
چندان که آرزوئے تو در سینه جائے کرد	۱۱	هر آرزو که داشتم اکنون محقّر است
آن کو خدائے را بتصور دهد نماز	۱۲	مومن بظاهر است و به تحقیق کافر است
چندین هزار سرِّ الٰهی عیان بدید	۱۳	روحم بدان خیال که پوشیده در سر است
آزاد از ظواهرِ حکمِ شریعت است	۱۴	خوش طالعِ کسے که به عالم قلندر است

١٥	با بوعلی گو ز اسرارِ معرفت کور را بہر از نکتہ توحید از بر است	١٥

اثر ترجمہ۔ جب سے آنکھوں میں تیرے جمال کی تصویر کا خیال ہے میرے لئے دونوں جہان عنایت میں مقرر ہوئے۔

یعنی جب سے میری آنکھیں سراپائے پر انوار کی مصور ہیں مراد یہ ہے کہ میری آنکھوں میں تیری تصویر کا جلوہ ہے اس کے صلہ میں حضور کی عنایت سے دونوں جہان میرے ہو گئے مطلب یہ کہ میں نے تیری تصویر کو آنکھوں میں جگہ دے کر عزتِ دارین حاصل کی سالک جب عبادت کے ذریعے قربِ حقیقی حاصل کر لیتا ہے تو دونوں جہان اس کے مطیع اور فرماں بردار ہو جاتے ہیں چنانچہ اکثر اولیائے حق اور خود قلندر صاحب کی عظمت بوسی کو شاہانِ زمان فخر خیال کرتے تھے بیشک اگر تواضع اور عبودیت کی رو سے حق تعالیٰ کی عبادت کی جائے تو کونین کو مسخر کر لینا کوئی تعجب خیز نہیں کیونکہ تسخیرِ کونین کا اس سے بہتر کوئی عمل نہیں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ایک منظوم حکایت میں فرماتے ہیں

یکے دیدم از عرصۂ رودبار	کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار
چناں ہول از حال بر من نشست	کہ ترسیدم پائے رفتن ببست
تبسم کناں دست بر لب گرفت	کہ سعدی مدار آنچہ دیدی شگفت
تو ہم گردن از حکم داور مپیچ	کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ
بر این است رو از طریقت متاب	چند گامے کہ خواہی بیاب

۲ ترجمہ۔ فرشتے تو تیرے آگے سجدے میں جاتے ہیں بھلے اگر سجدہ نہ کرے تو دم ہر سے

روحانیاں۔ بالضم فرشتگان دربان   دم نعرہ ودن ــ ہرزہ کاری کردن

از اہل کف۔

یعنی ملائکہ ملکوت باوجود نوری معصوم اور پاک ہونے کے لیل و نہار تیری حمد و ثنا میں مصروف رہتے ہیں پھر اگر عیسیٰ علیہ السلام گو وہ اولوالعزم پیغمبر ہیں تجھے سجدہ نہ کریں تو وہ کوئی چیز نہیں لہٰذا العیسیٰ کی ضمیر انسان کی طرف ہے کہ انسان باوجود خطاکار اور عاصی ہونے کے اگر سجدہ نہ کرے

اور عفوِ تقصیر نہ چاہے تو اس کی زندگی پر افسوس ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکثر اوقات دراز گوش جانور (گدھے) کی سواری کیا کرتے تھے چنانچہ نصاریٰ اب تک اس جانور کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں لہذا عیسیٰ اور خر کی رعایت ظاہر ہوئی۔

۳۔ ترجمہ۔ جب سے تیری تصویر کے نقش نے میری آنکھوں میں شعاع ڈالی ہیں میں اس نورِ پاک پہ فدا ہوں۔

مطلع غزل کی طرح یہاں بھی قلندر صاحب معترف ہیں کہ جب سے محبوبِ ازلی کی تصویر میری آنکھوں میں بسی ہے میں اسی وقت سے اس پاک نور پر فدا ہوں۔

۴۔ ترجمہ۔ تیرا شوق سینہ میں اناالحق کا شور کرتا ہے گو یہ قول مدعیوں کے نزدیک کفر ہے۔

مدعیان۔ مراد از اہلِ ظاہر۔

یعنی گو اہلِ ظاہر کے نزدیک یہ قول کفر ہے مگر تیری محبت کی وجہ سے میرے سینے میں اناالحق کا شور ہے۔ سبحان اللہ! جاں نثاران شوریدہ سر کی محبت بھی عجیب ہوتی ہے۔ حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے نار اللہ الموقدہ کے جوش اور تکمیلِ محبت کے بعد آخر اناالحق کہہ دیا جس پر پیاسی شریعت مصطفوی علمائے کرام نے کفر و تکفیر کے فتوے دیے مگر اس عاشقِ جانباز کی زبان بند نہ ہوئی تھی اور نہ ہوئی بالآخر دار پر چڑھ کر محبوب سے جا ملے لیکن زہے عشق کہ ان کے قطراتِ خون سے بھی اناالحق کا نقش پیدا ہوتا ہے۔

قلندر صاحب پر چونکہ حالتِ صحو غالب ہے اس لئے ان کا شور سینہ ہی تک محدود ہے اور احترامِ شریعت کی وجہ سے زبان بند ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ تیرا نور جس صورت میں کہ میری آنکھوں نے دیکھا نورِ الٰہی ہے کہ جس کا حشر میں وعدہ کیا گیا۔

موعودہ۔ وعدہ کیا گیا۔

یوں تو ہر شعر کو جس طرف چاہو لیجاؤ مگر یہ خاص نعتیہ شعر معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ تیری صورت کا نور جو میری آنکھ نے دیکھا وہی نورِ الٰہی ہے جس کے دیدار کا حشر کے روز وعدہ کیا گیا ہے۔ قلندر صاحب نے معشوق کے سراپائے جمالِ مبارک کو نورِ الٰہی لکھا ہے جو عین حقیقت ہے خود

حضور نے اپنی زبان قدسی لسان سے فرمایا ہے اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ خَلْقُ کُلُّھُمْ مِنْ نُوْرِیْ مراد یہ کہ دیدار الٰہی جو افضل از نعمائے بہشت ہے تیری صورت کا نور ہی وہی نور ہے جو میری آنکھوں نے دیکھا

۷ ترجمہ میں نے کئی ہزار توحید کے نکات اُس خط سے پڑھے ہیں جو تیرے حسن کی تعریف میں لکھا ہے

خط سے مراد قرآن شریف ہے مُشفق و قطرت سیدی و مولائی خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ نے اپنے ایک مضمون میں خط سے مراد قرآن شریف لی ہے

یعنی اے محبوب اُس خط سے جو تیرے حسن و جمال کی توصیف میں مسطور ہے میں نے کئی ہزار توحید کے نکات پڑھے ہیں یعنی وہ خط تمام تر توحید پر مشتمل ہے۔ چونکہ قرآن شریف میں رسالت و محبوبیت کے رازہائے سربستہ کا انکشاف کیا گیا ہے اس لئے قلندر صاحب کا یہ کہنا کس قدر حقیقت کے قریب بلکہ عین حقیقت ہے۔

۷ ترجمہ۔ گو خدا کی ذات کسی کے وجود میں داخل نہیں ہو سکتی لیکن میں نے تیرے چہرے کو دیکھا کہ اسی نور سے منور ہے۔

حلول یعنی۔ فرود آمدن ایک چیز میں دوسری چیز کا گھس جانا ایسی طرح پر کہ تمیز نہ ہو سکے۔

شاعر کی مراد یہ ہے کہ گو میں تناسخ کا قائل نہیں مگر تیرا روئے پر نور ذات حق کی تصویر و تعبیر ہے

۸ ترجمہ۔ تیرے روئے منور کی روشنی جو میری آنکھوں میں ڈالی گئی حشر تک وہ نور جمال الٰہی سے منور رہے گی۔

لمعہ۔ روشنی حاصل یہ کہ میری آنکھوں کا نور تیرے نور سے ہے اس لئے حشر تک وہ آنکھیں نور جمال سے منور رہیں گی جن آنکھوں میں نور وحدت ہو ان کا حشر تک منور رہنا معلوم! لیکن قلندر صاحب نے وجہ یہ بتلائی ہے کہ وہ نور حضور پر نور کے روئے منور کا نور ہے اس لئے میری آنکھیں تا حشر نظارۂ نور جمال دوست سے پر نور رہیں گی بعض دفعہ رُخ سے نور ایمان بھی مراد لی جاتی ہے ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ میری آنکھوں میں نور ایمان ہے۔

۹ ترجمہ۔ تیری زلف جس نے میرے مغز میں اپنی خوشبو ڈالی حشر تک پاک خوشبو ں

سے معطر رہے گی۔

نفحہ۔ خوشبو   شمائم۔ خوشبوئیں جو سونگھی جائیں شمیم کی جمع ہے

قدسی۔ پاکیزہ صاف۔

محبوب یا مطلوب کے حق میں دعا فرماتے ہیں کہ تیری وہ زلف جس نے میری مشامِ جان کو معطر کیا حشر تک پاک خوشبوؤں سے معطر رہے

شعرا زلفِ محبوب کو خوشبودار لکھتے ہیں مولانا شبلی کا شعر ہے۔

برگذر گاہ چمن عطر فروشی سحری	بوئے زلفِ تو بکف داشت و سودا میکرد

کسی عارف نے کیا عمدہ بیان فرمایا بلکہ حقیقتاً موتی پروئے

نسیم زلف عنبر بوئے او ساخت	دماغ جملہ عالم را معطر

یعنی اُس کی زلفِ عنبریں کی ہوا نے سارے جہان کے دماغ کو خوشبودار بنا دیا خواجہ حافظ بھی قلندر صاحب کی طرح محبوب کے حق میں دعا فرماتے ہیں

حماک اللہ عن شر النوائب	جزاک اللہ فی دارین خیرا

۱۔ ترجمہ میں اُس آنکھ پر غیرت کرتا ہوں جس نے تیرا چہرہ دیکھا یا اُس سر پر کہ جس میں میری آنکھ ہے۔ یعنی مجھے ان آنکھوں پر رشک آتا ہے جنہوں نے ظاہر کو تیرے چہرے کو دیکھا یا وہ سر قابلِ صد احترام ہے جس میں میری قابلِ رشک آنکھ ہے۔

"در عشق کار چشم پر رونق تر است از کار دل اگرچہ باہمدگر پیوستہ حسد مے کنند و پیوستہ از یکدگر رشک مے برند"۔ (مہر العشق)

القلب یحسد عینی لذت النظر	والعین یحسد قلبی لذت الفکر

یعنی آنکھ کو جو لذت دیدار سے حاصل ہوتی ہے اس پر دل رشک کرتا ہے اور دل کو جو لذت تصور سے حاصل ہوتی ہے اُس پر آنکھ رشک کرتی ہے۔

۱۱۔ ترجمہ یعنی کہ تیری آرزؤں نے میرے سینے میں جگہ کی گو ہر آرزو مجھے دوست ہی لیکن تھوڑی سی ہے۔

یعنی تیری ہر آرزو مجھے عزیز ہے اور جس قدر تیری خواہشوں اور آرزوؤں نے میرے

دل میں جگہ کی وہ گو سب کی سب مجھے عزیز ہیں لیکن تصور ٹری ہیں مراد یہ کہ تیری طلب جس قدر ہو تھوڑی ہی ہے طالب سے کے لیے قیمتی نصیحت ہے کہ موجودہ مرتبہ پر قناعت نہیں کرنی چاہیئے بلکہ جہاں تک ہو سکے اعلےٰ مراتب پر فائز ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔

۲۱۔ ترجمہ ۔ وہ شخص کہ نماز میں خدا کا تصور کرے بظاہر مسلمان ہے مگر باطناً کافر

چونکہ خدا تعالےٰ بے مثل و بے مثال ہے اس لئے اس کی ذات کا تصور جائز نہیں کیونکہ تصور کے لئے وجود کا ہونا لازمی ہے اور وہ ذات پاک وجود سے منزہ ہے اس لئے ایسا کرنے والا ضرور کافر ہے ۔

عنقا شکار کس نشواں دام باز چیں	کہ ایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

۲۳۔ ترجمہ ۔ میری روح نے کئی ہزار اسرار الٰہی ظاہر دیکھے تو جان کہ وہ خیال میرے سر میں پوشیدہ ہیں ۔

یعنی میری روح نے وہ اسرار ربانی کہ میرے سر میں پوشیدہ ہیں ظاہر و عیاں دیکھے سر لطائف ستہ سے ہے اور سر کی غذا مکاشفہ ہے جس سے قلندر صاحب کی مراد یہ ہے کہ میری روح نے اسرار الٰہیہ کو مکاشفہ کی صورت میں دیکھا ۔

۲۴۔ ترجمہ ۔ وہ شخص ظاہری احکام شریعت سے آزاد ہے اور خوش قسمت ہے جو دنیا میں قلندر ہے ۔

گویا بالفاظ حضرت قلندر صاحب دنیا میں قلندر ہونا خوش نصیبی کی علامت ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ خوش قسمت قلندر شریعت کے ظاہری احکام سے بھی آزاد ہے اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ نعوذ باللہ قلندر صاحب شریعت کے احکام سے مطلق آزادی کا اظہار فرما رہے ہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ اس خاندان کے اکثر و بیشتر سالکین پر ہر وقت بیخودی کا عالم طاری رہتا ہے اور یہ عالم ایسی محویت کا ہوتا ہے کہ ان کو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی قرآن شریف میں وارد ہے کہ نماز کے نزدیک نہ جاؤ جب تم حالت نشہ میں ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ نشہ کی حالت میں جب تن بدن کی ہوش نہ ہو تو نماز کس طرح ادا کرے بالکل اسی طرح قلندریہ سالک جب اپنی نا محویت اور انتہائی استغراق کی وجہ سے ہر وقت ذات حق میں فانی اور باقی رہتا ہے تو ایسی پر سے

ظاہری آداب کی پابندی بھی اٹھ جاتی ہے چونکہ ان کا سلوک آئینۂ قدسی وجہد ربک حتیٰ یاتیک الیقین کے ماتحت ہوتا ہے اس لئے وہ شریعت کے ظاہر پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور اکثر حضرات بوجہ اپنی جامعیت کے ظاہری احکام بھی نہیں چھوڑتے جیسا کہ حضرت شاہ بوعلی قلندر کی نسبت مشہور ہے کہ وہ ہر وقت آخر پر قضا نمازیں ادا کر لیا کرتے تھے بہر کیف وجدانیہ کیفیات کی وجہ سے یہ حضرات اکثر مجبور ہوتے ہیں۔

۱۵ ترجمہ۔ بوعلی سے اسرار معرفت نہ کہہ کیونکہ ایسے ہزاروں نکات از بر ہیں۔

از بر۔ حفظ یاد کرنا۔

مطلب یہ کہ میرے آگے اسرار معرفت بیان نہ کر کیونکہ میں بذات خود اسرار و رموز الٰہیہ کا مخزن ہوں مجھے سننے کی فرصت نہیں ایک قلمی نسخہ میں پہلا مصرعہ اس طرح لکھا ہے

"تا بوعلی مگوئے ز اسرار معرفت"

اگر اسے تسلیم کیا جائے تو مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ میں حلق تک حقائق و معارف کے اسرار سے پر ہوں بلکہ مجھے ہزارہا نکات زبانی یاد ہیں زہے فہم!۔

غزل نمبر ۱۵

جمالِ پیکرش سرِّ الٰہی است ۱ کہ بر تر از سفیدی و سیاہی است

بعشقش دین و دل بازو بہ بینش ۲ کہ اندر عشق او امر و نواہی است

زہے شاہد کہ من شیدائے اویم ۳ زرو کش پر تو از ماہ تا بماہی است

خدا در بت پرستی مے تواں دید ۴ کہ اندر بت ہمیں سرِّ الٰہی است

بلنگیزد ہمیں عشقِ الٰہی ۵ بگو آواز مطرب از ملاہی است

ہمیں غافل کند از غیرِ معشوق ۶ مگر نوشیدنِ مے از مناہی است
سوال از وے غنی کردست مارا ۷ گدائی درش چوں پادشاہی است
ز طوفانِ ہوا و حرصِ دنیا ۸ بہائے عمرِ ما اندر تباہی است

زجرمِ کشفِ اسرارِ نو در نظم
قلندر در مقامِ عذر خواہی ست

۱. ترجمہ۔ اُس پری پیکر کا جمال خدا کا بھید ہے کہ سفیدی و سیاہی سے بالاتر ہے
پیکر۔ شکل یا صورت پرتر۔ اونچا۔ بلند
سفیدی و سیاہی سے بالاتر ہونا تیسرے رنگ کی طرف اشارہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ
شعر حضور رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھا گیا ہے یعنی حضور کا جمالِ مبارک خدائی
بھیدوں سے ایک بھید ہے کہ وہ تصویرِ پاک سفیدی و سیاہی سے برتر بلکہ ملیح ہے خود حضور نے
اپنی زبانِ قدسی لسان سے فرمایا کہ انا ملیح واخی یوسف صبیح
یہ وہی جمالِ پاک ہے جس سے کونین کی آنکھوں نے نور حاصل کیا قلندر صاحب کا اپنا شعر ہے
ذاتِ خدا اگر نہ بصورت کند حلول دیدم ز روئے تو کہ ز نورش منور است
چونکہ حضور رسالت آب کا نور حقیقت میں اللہ تعالےٰ کا نور ہے لہٰذا اس جمالِ پاک
کو سرِ الٰہی کہنا عین حقیقت ہے
نورا ز درونِ من من را ز درونِ تو (اقبال)
۲. ترجمہ۔ اس کے عشق میں دین و دل ہار دے اور اندیشہ نہ کر کیونکہ اُس کے عشق میں
امر و نہی کا رواج ہے۔
باز۔ فعل امر از مصدر باختن بمعنے ہارنا امر۔ حکم جو شریعت نے بتلایا ہو۔
نواہی۔ جمع ہے نہی کی یعنی وہ کام جو شرعاً ممنوع ہیں۔
یعنی عشقِ محبوب میں دین و دل ہار دے اور پروا نہ کر کہ دین و دل گئے کیونکہ اس کے

عشق میں بھی شرع کی طرح امروز نواہی کا رواج ہے مراد یہ کہ دین و دل قمار خانۂ عشق میں دینے پڑتے ہیں ہمہ تن رضائے محبوب میں فنا ہونا پڑتا ہے اور یوں بھی دونوں چیزیں اس کی ہیں اس لئے اگر اس کے عشق میں نذر کر دی جائیں تو زہے نصیب!

دل ہو کہ جان تجھ سے کیونکر عزیز رکھئے (حالی) دل ہے سو چیز تیری جاں ہے سو مال تیرا

دل و دین کیا بلکہ نقدِ جاں تک نذرِ محبوب کرنا پڑتا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں کی زمین خونِ شہیداں سے لالہ زار بنی ہوئی ہے اور ہر ہر قدم پر ایک ایک سر نذرانہ مانگا جاتا ہے۔

شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی نے اسی مضمون کو ایک لطیف پیرائے میں اس طرح ادا کیا ہے

میرے یوسف کی عزیزو ہے خریدار کا حال	نقدِ جاں ہے اس کی قیمت نقدِ دل بیعانہ ہے
شاہدِ حسنِ جاناں بس گراں است [illegible]	گر ہمیں سودا بجاں بود سے چہ پروا ست

۳ ترجمہ۔ آفرین! کہ جس شاہد پر میں عاشق ہوں اس کے چہرے کا پرتو چاند سے چاند کی روشنی تک ہے

گویا شاہدِ حقیقی کا جمال ارض و سما بحر و بر میں جاری و ساری ہے قرآن مجید میں ارشادِ باری ہے اللہ نور السموات والارض. قلندر صاحب کے اشعر کو اس آیت کی تفسیر کہنا چاہیے

بے شک کائنات کا ذرہ ذرہ نورِ مطلق سے معمور اور حسنِ مطلق کی جلوہ گاہ ہے

اے ذات تو در صفات عیاں ساری	اوصاف تو در صفات نہاں ساری
وصفِ تو چوں ذاتِ مطلق ست ابیت (الوحید)	در ضمنِ مظاہر ازل القید جاری

۴ ترجمہ۔ خدا بت پرستی میں دیکھا جا سکتا ہے کیونکہ بت کے اندر بہت سے اسرارِ الٰہی پوشیدہ ہیں۔

مراد یہ کہ حق تعالیٰ کی شناخت اور اس کے عرفان کا واحد ذریعہ بت پرستی ہے

ع بت ایں جا مظہرِ عشق است و وحدت

کیونکہ بت بذاتِ خود اسرارِ الٰہیہ کا خزانہ ہے گلشنِ راز میں لکھا ہے:۔

مسلماں گر بدانستے کہ بت چیست	بدانستے کہ دیں در بت پرستی است

یعنی اگر مسلمان بت کی حقیقت سے کما حقہ واقف ہوتا کہ یہ ہستی مطلق کا مظہر اور

اسرار رموز کا خزانہ ہے اور حق تعالے نے اس کے بت کی صورت میں ظہور کیا ہے تو سمجھ لیتا کہ دین آئی بت پرستی میں ہے یعنی حق تعالے کا عرفان بت کی حقیقت پر غور و خوض کرنے سے حاصل ہوتا ہے

چونکہ اصطلاح صوفیائے کرام میں بت سے عشق و وحدت کے مظاہر مراد لیے جاتے ہیں اس لیے قلندر صاحب طالب کو ترغیب دلاتے ہیں کہ دل کو غیر اللہ کی محبت سے خالی کر کے وحدت پرستی اختیار کرنی چاہیے اور مظاہر کائنات کی حقیقت پر غور و خوض کر کے اس کا عرفان حاصل کرنا چاہیے کیونکہ یہ سب اسی حقیقت مطلقہ کے آئینے ہیں۔

	برگ درختان سبز در نظر ہوشیار (سعدی) ہر ورقے دفتر یست معرفت کردگار	

بت کی مفصل تحقیق کے لیے شعر ا

ترجمہ یہی عشق الٰہی پیدا کرتی ہے کھو کہ مطرب کا آواز اس کی کھیلوں سے ہے ملاہی بفتح جمع ہے لہو کی کھیل کود لہو بازیاں۔ باز یہا۔

اس شعر میں اشارہ ہے سماع کی وجدانی کیفیتوں کی طرف کہ مطرب کی آواز میں بھی یہی جذبات پوشیدہ ہیں جو نوائے روحانی کو برانگیختہ کر کے پرواز روح کا باعث ہوتے ہیں بیشک نغمات میں یہ اثر موجود ہوتا ہے چنانچہ صاحب ذوق لوگوں کے وجدان حقیقی اسکا ثبوت ہیں کشف المحجوب سے نقل ہے کہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ کا ایک مرید سماع میں بہت اضطراب کرتا تھا اور درویش لوگ اس کے ساتھ مشغول ہوتے تھے کسی نے اس صاحب وجد و اضطراب کے متعلق حضرت جنید کے آگے شکایت کی آپ نے اسے فرمایا کہ اگر تو آئندہ سماع میں اضطراب اور وجد کرے گا تو میں تیرے ساتھ صحبت نہ رکھوں گا چنانچہ حضرت ابو محمد جریری قدس سرہ کہتے ہیں کہ میں اس درویش کو دیکھتا رہا لب آپس میں بند تھے اور چپ کا تھا اور اس کے بدن کے ہر رونگٹے سے ایک چشمہ جاری ہوا تھا کہ وہ بیہوش ہو گیا اور ایک روز اسی طرح بیہوش رہا میں سمجھ گیا کہ وہ سماع میں زیادہ درست تھا اور مرشد کی بزرگی اس کے دل پر زیادہ قوی تھی ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت جنید فرماتے ہیں ایک دفعہ میں ابن الفرطی کے ساتھ دجلہ کے کنارے پر جا رہا تھا درمیان بصرہ و اُبلہ کے ایک مکان پر پہنچے ایک خوبصورت نوجوان نیک بخت آدمی کو ایک دروازے پر بیٹھا ہوا دیکھا ایک لونڈی اس کے آگے بیٹھی ہوئی مصروف

نغمہ تھی اور ایک ایک بیت پڑھتی تھی چنانچہ میں نے ایک جوان کو اس محل کے نیچے کھڑے ہوئے دیکھا جو صاحبِ ذوق معلوم ہوتا تھا اس نے کنیزک سے کہا کہ اس بیت کو پھر کہو کیونکہ میری زندگی اب ایک نفس سے زیادہ نہیں لہذا پڑھو تاکہ ذوق و وجد میں تن سے جان باہر آوے کنیزک نے بیت پڑھا اور اس جوان کو ایسا وجد ہوا کہ روح جسم عنصری سے پرواز کر گئی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ صاحبِ ذوق لوگوں کو سماع میں ایک خاص لذت حاصل ہوتی ہے

نوٹ: بہشت میں وہ شریف ترین لذت جو بعد از مشاہدۂ ذات و انوار و تجلیات حاصل ہوگی یہی سماع ہے مثنوی کے ایک شارح صاحب نے مولانا کے اس شعر

عاشقاں کیں نغمہا را بشنوند ۔ جز دیگذارند سوئے کل روند

کے تحت میں لکھا ہے کہ سماع منادی ہے اس امر کی کہ درماندگانِ بیابانِ تیرگی افزائے دنیا عشرت آبادِ بہشتِ نورانی کو یاد کرنے میں یعنی سماع سے مقصود اس عشرت آباد کا یاد کرانا ہے حضرت یحییٰ بن معاذ رازی سے کسی نے پوچھا کہ کونسی آواز کو آپ دوست رکھتے ہیں فرمایا کہ۔

"مَزَامِيرُ الْأُنْسِ فِي مَقَاصِيرِ قُدْسٍ بِأَلْحَانِ تَحْمِيدٍ فِي رِيَاضِ تَمْجِيدٍ"

پس قلندر صاحب کا یہ ارشاد کہ مطرب کی آواز عشقِ الٰہی کو برانگیختہ کرتی ہے کس قدر صحیح اور حقیقت ہے۔

اخبار الاخیار میں سماع کے اثر یعنی حال کے متعلق حضرت خواجہ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلوی سے منقول ہے کہ

"اول انوار از عالم علوی نازل شود بر ارواح بعدہٗ اثر آں ظاہر شود بر جوارح و جوارح تابع قلب است چوں قلب متحرک شود جوارح نیز در حرکت مے آید"

اما ترجمہ: گو شراب پینا منع ہے مگر غیرِ خدا سے غافل کرنا اسی کا کام ہے نہی کے احکام شرابِ انگور کے متعلق ہیں لیکن یہ شراب شرابِ عشق ہے جو اہلِ قلب میں بیخودی پیدا کرکے عبد و معبود کے راز و نیاز کا وسیلہ بنتی ہے۔

شرابے خور کہ جامش روئے یار است ۔ پیالہ چشم مست بادہ خوار است

ظہور آں مے کہ بود کز دوئے ہستی — سراپا کی دہد در دولت مستی

شراب کا خاصہ ہے کہ وہ کم از کم کچھ عرصہ کے لئے ہوشیار کے صدمات کے احساس
سے انسان کو بے خبر کر دیتی ہے اور ایسے خمار کی حالت میں اس کا حس باقی نہیں رہتا انسان آخر
انسان ہے زمانے کے تعلقات اسے اکثر تکلیف دیتے ہیں اس لئے شرابِ محبت کی بیخودی
اسے زمانے کی کشمکش سے غافل کر کے تجلیاتِ محبوب کا مشاہدہ کراتی ہے۔

نماند در دلش زنگارِ دنیا ہیچگاہ	زاہدا ہرکس کہ شد از ساغرِ سرشار مست

۷۔ ترجمہ ہم نے سوال کیا اور اس نے ہمیں غنی کر دیا اس کے دروازے کی گدائی
بھی بادشاہی ہے۔

محبوبِ مطلق کے لطف و اکرام پر نظر کر کے فرماتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ اس سے مانگا اس
نے دیا اس حد تک ہم غنی ہو گئے مصرعۂ ثانی بطریقِ ترجیح ہے کہ محبوبِ مطلق کے دروازے
کی گدائی بھی گویا بادشاہی ہے یعنی درِ محبوب کا گدا ہفت اقلیم کی بادشاہی سے بھی بدرجہا افضل

زہے سخا کہ ہوا اک تلطف میں مستغنی	سوال آپ کے در سے جس گدا نے کیا

اسی مضمون کو سلطان ساجی نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے

من ازاں روز کہ دربندِ توام آزادم	بادشاہم چوں بدستِ تو اسیر افتادم

۸۔ ترجمہ۔ دنیا کی ہوا و ہوس کے طوفان سے ہماری عمر کا جہاز تباہی میں ہے۔
شعر حیاتِ انسانی کو جہازِ رواں بھی کہتے ہیں کیونکہ جہاز کی طرح اس کے پاؤں بھی
نہیں ہوتے ہیں اور ہوا کے مخالف کی طرح اسے بھی ہر وقت بادِ فناء کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔

جہازِ عمرِ رواں پہ سوار بیٹھے ہیں (ذوق)	سوار خاک ہیں بے اختیار بیٹھے ہیں

جہاز کی تباہی اور غرقابی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کیوں کہ ہوا کے موافق سے نا مخالف
رخ بدلا فی الفور سمندر میں طوفان آگیا اور جہاز غرقاب ہونے لگا بعینہ یہی حال انسانی زندگی کا ہے
اہلِ حرص و اہلِ دنیا کے تعلقات میں سراپا اسیر ہوتے ہیں نہ دنیا کی خبر نہ چھٹنے کا خیال حالانکہ ان کی
زندگی کو بھی بادِ فناء کا خدشہ لگا رہتا ہے
قلندر صاحب نے بھی اسی حقیقت کو واضح کیا ہے

کہانیاں ہیں حکایاتِ خضر و آبِ بقا (ذوق) بقا کا ذکر ہے کیا اس جہانِ فانی میں

۹۔ ترجمہ۔ قلندر نظم میں تیرے اسرار ظاہر کرنے کے جرم سے معافی کا طلبگار ہے شعر آسان ہے محبوب سے طلبِ معافی کی درخواست کی گئی ہے اور حقیقت میں ایسی غزل کا مقطع بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے غزل کی مثال ایک شاہراہ کی طرح سمجھنی چاہیئے عاشقِ حق اس ذریعہ سے محبوب کے راز و اسرار کا ترجمان بنتا ہے اور صورِ حقیقت کو گلی جامہ پہنا کر خلق کے سامنے پیش کرتا ہے لیکن قلندر صاحب چونکہ زمانہ کی نااہلیت اور تلونِ طبع کے شاکی ہیں اس لئے محبوب سے التجا کرتے ہیں کہ مجھے انکشافِ راز کے جرم سے معاف فرما اکہا

کارِ کریماں عفو است۔

غزل نمبر ۱۶

تجلیہائے وحدت بیشمار است ۱ نظر واجب بہ صنعِ کردگار است

ببیں زاہد جمالِ لم یزل را ۲ کہ گردِ آں خط و خال و عذار است

تجلی در مقاماتِ محبت ۳ نگار اندر نگار اندر نگار است

شدم غرقابِ حیرت کاندریں بحر ۴ ز گوہر ہا کہ ایں آب دار است

میانِ عاشقاں سردار گشتی ۵ ز حق گوئی سرِ تو گو بدار است

جمالِ کل کہ در کل آں جمال است ۶ بروحِ قدسیٔ من آشکار است

سرم وارد خیالِ جلوۂ ہو ۷ دلم روحانیاں را راز دار است

ہمیں است ای شرف بسم اللہِ عشق ۸ کہ دل چو مرغِ بسمل بے قرار است

شرف کم گو ز اسرارِ الٰہی ۹ دریں دوراں کہ چوں اغیار یار است

۱۔ترجمہ۔ وحدت کی تجلیات بے شمار ہیں کردگار کی صنعت پر نظر کرنا واجب ہے

تجلی۔ ظہور کو کہتے ہیں اس کی کئی قسمیں ہیں اور ہر ایک کے جدا جدا آثار

۱۔تجلی ذاتی۔ جس کو مشاہدہ کہتے ہیں اس کا تعلق روح سے ہوتا ہے اگر سالک کے وجودِ عنصری کے صفات اور آثار کچھ باقی ہوں تو وہ بیہوش ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر بیہوش ہو گئے جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا اور اگر وجودِ عنصری کے آثار بالکل فناہو چکے ہوں تو مشاہدہ کر سکتا ہے چنانچہ قبل از وفات یہ خلعت خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا اور بعد وفات سب مومنین کو جنت میں دیدار ہوگا

۲۔تجلی صفاتی۔ جس کو مکاشفہ کہتے ہیں اس کا تعلق سر سے ہوتا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ اگر صفاتِ جلالی تجلی کریں تو سالک پر خشوع و خضوع کا غلبہ ہوتا ہے اور اگر صفاتِ جمالی تجلی کریں تو سالک کو سرور اور انس حاصل ہوتا ہے۔

۳۔تجلی افعالی۔ جس کو محاضرہ کہتے ہیں اس کا تعلق قلب سے ہوتا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ سالک کی نظر کسی کی مدح و ذم نفع و ضرر اور رد و قبول پر نہیں پہنچتی۔

غرضیکہ خالقِ اکبر کی تجلیات کارگاہِ عالم میں اس قدر ہیں کہ دیدۂ حیراں محوِ حیرت ہیں اس لئے کردگارِ مطلق کی صنعت اور قدرت پر نظر کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ عاشقانِ حق انہی تجلیات سے خالق کا عرفان حاصل کرتے ہیں۔

۲۔ترجمہ اے زاہد جمالِ لازوال کو دیکھ کہ اس کے گرداگرد خط و خال و عذار ہیں۔

لم یزلی۔ لازوال۔ خط۔ سبزۂ نورستہ معشوق

خال۔ وہ سیاہ نقطہ کہ اندام انسان پر ہوتا ہے اگر چہرے پر ہو تو خوبصورتی کے لوازم سے ہے

عذار۔ رخسار یا عارض۔

اس شعر میں قلندر صاحب نے وحدت میں کثرت اور کثرت میں واحدت کا سبق لکھایا ہے یعنی اے زاہد تو بنظرِ تحقیق و تجسس دیکھ کہ جمالِ محبوب اپنی صفتوں کے لحاظ سے کس قدر آراستہ و پیراستہ ہو رہا ہے اور پھر اس کی وحدت و یکتائی پر نظر کر۔ صاحبِ گلشن راز فرماتے ہیں۔

رخ این جا مظہر حسنِ خدائیست	مراد از خط جنابِ کبریائی است

رُخ سے مظاہرِ حسنِ حق تعالیٰ مراد ہیں جو اسمائی اور صفاتی کمالات کی جمعیت اور لازمۂ
ذات ہیں کیونکہ ذات کے لئے صفات کا ہونا ضروری ہے اور خط سے بارگاہِ کبریائی مراد ہے یعنی
عالمِ ارواحِ مجردہ یا وجودِ مطلق کے مراتب میں سے ہے مرتبۂ اطلاق کے ساتھ قریب ہے جیسا کہ
سبزہ یعنی خط رخسار پر اگتا ہے اسی طرح عالمِ ارواح کے تعینات ذاتِ الٰہی کے گرد اگرد ظاہر ہو گئے
ہیں اور چونکہ کثرت کا آغاز اور انتہا وحدت ہے اس لئے گلشنِ راز میں آیا ہے

برآں رخ نقطۂ خالش بسیط است	کہ اصل و مرکزش دورِ محیط است

یعنی خال سے وحدتِ حقیقی مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وحدت کی رنگا رنگ تجلیات
سے اس میں کسی قسم کا تعدد لازم نہیں آیا کیونکہ کثرت کی انتہا آخر وحدت ہے اس لئے قلندر صاحب
فرماتے ہیں کہ اے زاہد اس لم یزل اور لازوال وحدت کو دیکھ کہ وہ باوجود رنگا رنگی تجلیات کے ...
پھر بھی انقسام اور تعدد سے پاک ہیں یعنی باوجود عالمِ کثرت میں ظہور فرمانے کے بھی وہ ذات یکتا اور
واحد ہے خط و خال اور بہار سے کثرت کا عالم مراد ہے کیونکہ یہ ذات کی صفات ہیں۔

۳ ترجمہ۔ مقاماتِ محبت میں یہی تجلیاتِ محبوب نقش و نگار بن رہی ہیں۔

مطلعِ غزل اور شعرِ بالا کی طرح اس شعر میں سمجھ کر دیکھا جائے کہ عشقِ حقیقی کی تجلیات
کے آثار بتائے گئے ہیں کہ جیسے عالمِ اسباب میں صانعِ حقیقی کی تجلیات گوناگوں رنگوں میں جلوہ نما ہیں
اسی طرح منازلِ عشق میں سالک کو گوناگوں تجلیات کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے گویا کہ عالمِ کثرت کی
طرح وادیٔ عشق بھی محبوبِ مطلق کے انوار و اظہار کی جلوہ گاہ ہے ان تجلیات کی مفصل تحقیق کے
لئے مطلعِ غزل ملاحظہ فرمائیے۔

۴ ترجمہ۔ میں غرقابِ حیرت ہوں کہ اس سمندر کے موتیوں میں آبدار موتی کونسا ہے

قلندر صاحب نے عشق کو سمندر اور رنگا رنگ تجلیات کو درِ آبدار سے تشبیہ دے کر
اس امر کا اظہار کیا ہے کہ میں کیا کہوں کہ ان موتیوں میں سے زیادہ آبدار موتی کونسا ہے کیونکہ جس طرف بھی نظر
کی جائے ہمہ از دوست کا منظر پیشِ نظر ہو جاتا ہے فی الحقیقت سمندر کے موتیوں میں اسی کی
آب ہے عالمِ کثرت میں اسی کا جلوہ ہے منازلِ سالک میں اسی کی تجلیات میں ہر ذرہ میں ہر جگہ اور
اور جس چیز میں ہے اسی کا جلوہ ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ اور اس کا طور ہر ذرہ میں آشکارا ہے

وساری ہے اور حیرت کی وجہ یہ ہے کہ اس کے عدل و انصاف اور یکساں برتاؤ پر نظر کرتے ہوئے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دے سکتا کیونکہ کائنات کی سب اشیاء اپنی مظہریت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہیں۔

۵ ترجمہ۔ زوق گوئی سے عوض عاشقوں کے درمیان ممتاز ہو جائے گو نیز اس سوال پر چم ناصحانہ انداز ہے کہ اگر زوق گوئی اور راستبازی اختیار کرے تو تجھ اعلیٰ مراتب اور درجات حاصل ہوں گے کیونکہ یہی بات ہمیشہ تلخ لگتی ہے اس لئے ممکن ہے کہ حاسدان زبان سے تجھ کو آزار پہنچے جس کو مجازاً سولی سے تعبیر کیا گیا لیکن زوق گوئی اختیار کر حضرت منصورؒ کی استبازی اور واقعۂ دار اس کی بیّن دلیل ہے ؎

ہر آنکہ گفت اناالحق بدار مے آید

۶ ترجمہ۔ جمالِ مطلق کہ کائنات میں ہے میری پاک روح پر آشکار ہے

یعنی نورِ مطلق کہ کائنات کے ہر ذرہ میں جاری وساری ہے میری روح بھی اسی نور جمال سے فیضان حاصل کرتی ہے مزید تشریح کے لئے دیکھیے شعر (۲/۵)

۷ ترجمہ۔ میرا سر جلوہ ھُو کا خیال رکھتا ہے اور میرا دل قرشتوں کا رازدار ہے۔

ھُو۔ اسم ذاتِ باری تعالےٰ

یعنی میرے سر میں اس قدر اسم ذات کا جلوہ سمایا ہوا ہے جس کی وجہ سے میرا دل فرشتوں کا رازدار ہو گیا۔ ہر کمال ہر کاشفہ کی طرف اشارہ ہے جس کا تعلق سر سے ہوتا ہے نیز دیکھیے شعر (۱۶)

۸ ترجمہ۔ اے شرف عشق کی بسم اللہ یہی ہے کہ دل مرغِ بسمل کی طرح بیقرار ہے جب ابتدا میں یہ حال ہے تو انتہا کا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہیں فی الحقیقت عاشق کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا	رفتہ رفتہ دیکھیے ہوتا ہے کیا

۹ ترجمہ۔ اے شرف اسرار الٰہی ظاہر مت کر کیونکہ اس زمانہ میں اغیار بہت ہیں۔

اغیار یار وہ لوگ مراد ہیں جو باوجود ریاکار ہونے کے ڈرامہ کی ٹریننگ پا سکتے ہیں اور بظاہر اس مقدس لباس سے آراستہ ہو کر رہزنی اور ننگ انسانیت کے کام کرتے ہیں اس لئے

قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ عوام اس کے اہل نہیں اس لئے اسرار و رموزِ الٰہیہ کا انکشاف نہ کر۔

غزل نمبر ۱۷

منکہ باشم از بہارِ جلوۂ دلدار مست ۱ چوں نمی آید نظر در خانۂ خمار مست

مے نیابد در دلش زنگارِ دنیا ہیچگاہ ۲ زاہدا ہر کس کہ شد از ساغرِ سرشار مست

منکہ از جامِ الستم مست ہر شام و سحر ۳ مے نظر آید مرا ہر دم در و دیوار مست

چونکہ اندر عشقِ او جاوید مستانہ ہا کنیم ۴ شاہدِ ما را بود گفتار ہم رفتار مست

تا اگر رازے شما گوید نہ کس آگاہ کند ۵ زیں سبب باشد شما را محرمِ اسرار مست

جلوہ مستانہ کردے دورِ ایامِ بہار ۶ شد نسیم و بلبل و نہر و گل و گلزار مست

۷ غافل از دنیا و دیں از جنت و نار است او
در جہاں ہر کس کہ مے باشد قلندر وار مست ۷

ترجمہ: میں کہ محبوب کے جلوۂ بہار سے مست ہوں خانۂ خمار میں بھی کسی طرح کوئی مست نظر نہیں آتا۔

خانۂ خمار: میخانہ مجازاً دنیا۔ عالمِ اسباب۔

یعنی میں جلوۂ حسنِ محبوب سے ایسا مست اور بے خود ہوں کہ مجھے عالمِ اسباب میں اپنی طرح کوئی مست نظر نہیں آتا یعنی مستانِ عشق کی مستی میرے جذب و استغراق کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔ فی الحقیقت قلندریہ سلسلہ کا سالک اپنی نادر محویت کی وجہ سے ہر وقت محو و مخمور رہتا ہے اور سلوک کی انتہائی منزلوں پر پہنچ کر اس کی محویت اور وجدانی کیفیات کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ ماسوا المطلوب اس کی نظر کسی چیز پر نہیں ٹھہرتی۔

قلندر صاحب کو بھی اپنے انتہائی جذب و استغراق پر ناز ہے کہ معشوق کے جلوہ جمال نے مجھے بالکل مست کر دیا

۲ ترجمہ: اے زاہد جو شخص ساغرِ سرشار سے مست ہے اس کے دل پر دنیا کا زنگار کبھی نہیں آتا دنیائے مذموم کی محبت کو زنگار کہا جاتا ہے جو دل کو زنگ آلود کر دیتی ہے جس سے آئینۂ دل کی صفائی اور پاکیزگی زائل ہو جاتی ہے اور وہ مشاہدۂ انوار و تجلیات کے قابل نہیں رہتا حدیث میں آیا ہے

اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔

جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ اچھا ہوتا ہے تو تمام جسم اچھا ہوتا ہے اور اگر وہ بگڑتا ہے تو تمام جسم بگڑتا ہے اور جان لو کہ وہ ٹکڑا دل ہے

قلندر صاحب زاہد زنگ آلود کو طنزاً فرماتے ہیں کہ جو شخص ساغرِ توحید سے مست ہے اس کے دل پر دنیائے مذموم کی محبت مسلط نہیں ہو سکتی یعنی اس کا آئینۂ دل عکسِ رخِ یار کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔

۳ ترجمہ: میں کہ جامِ الست سے ہر شام و سحر مست ہوں مجھے ہر دم در و دیوار بھی مست معلوم ہوتے ہیں

یعنی روزِ الست کے فقط ایک ہی جام سے اب تک میری مستی کا یہ عالم ہے کہ مجھے ہر چیز مست معلوم ہوتی ہے نکتہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہر وقت مغموم و متفکر ہی رہتا ہو تو اسے سارا جہان بیت الحزن معلوم ہوتا ہے گو حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا یا اگر کوئی شخص مال و زر کی کثرت یا کسی اور وجہ سے ہمیشہ خوشی و خرمی کی زندگی بسر کرتا ہے تو اسے اپنی طرح ساری دنیا خوش نظر آتی ہے اسی طرح چونکہ قلندر صاحب بھی جامِ الست سے مست ہیں اس لئے آپ کا یہ کہنا ؏

نظر آید مرا مست ہر چہ بینم۔

خلافِ قیاس نہیں بلکہ عین حقیقت ہے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

من ازاں جام کہ در روزِ ازل نوشیدہ ام
آنچناں مست خواہم بود تا یوم النشور

اسی مضمون پر ہے:—

اک لحظہ بھی نہیں ہوں عاشق بیاں کرت   شمس تبریز جنید و شبلی و عطار مست

۴۔ ترجمہ ہم اس کے عشق میں کیوں ہمیشہ مست نہ رہیں جب کہ ہمارے محبوب کی گفتار و رفتار مست ہے۔

جاوید ہمیشہ   شاہد محبوب حقیقی

۶۔ بود شاہد فروغ نور ارواح

یعنی ہماری مستی کی علت غائی معشوق مطلق کی رفتار و گفتار ہے

۵۔ ترجمہ۔ تیرا محرم راز اسی واسطے مست ہوا کہ اگر تیرے راز کہہ جاویں تو کوئی پرواہ نہیں کرتا
یعنی اگر تیرے سربستہ رازوں کا انکشاف کیا جاوے تو اہل دنیا سمجھ نہیں سکتے اس لئے تیرے راز و اسرار کے رازدان اور محرم مست ہیں تاکہ ہندہ کہیں اور نہ نااہل سنیں یہاں مست کو مراد مطلق خاموشی ہے۔

۱۔ ترجمہ۔ تو نے ایام بہار میں مستانہ جلوہ کیا کہ نسیم و بلبل و نہر و گل و گلزار مست ہو گئے
نسیم۔ باد نرم یا وہ چیز جس سے اچھی خوشبو آئے۔

بہار کے دن محبوب حقیقی کی چشم فیض رساں اور جمال جانفزا کے رہین منت اور مرہون احسان ہیں کیونکہ اس موسم میں اس کا خاص الخاص جلوہ ہوتا ہے اور ہر برگ و گل میں اسی کی شان کبریائی نظر آتی ہے جس کی وجہ سے نسیم و بلبل گل و گلزار بھی مست نظر آتے ہیں یہاں بھی وہی شان جمال کام کر رہی ہے جس سے ۶۔

تا کہ مست آب ... بادہ مست زنار مست

۷۔ ترجمہ۔ وہ شخص دنیا و دین جنت اور دوزخ سے بے خبر ہے جو جہاں میں قلندر کی طرح مست ہے
مطلب صاف ہے کہ جو شخص قلندر وار مشاہدۂ محبوب میں مست اور بے خود ہے وہ دین و دنیا۔ دوزخ اور بہشت سب سے غافل ہے قلندروں کی مستی مشہور ہے۔

غزل نمبر ۱۸

دلم از جلوہ اش در اضطراب است ۱ مرا اندر بغل صد آفتاب است

چو پیران بر سرِ سجادہ منشیں ۲ بکش ساغر کنوں عہدِ شباب است

ہزاراں فتنہ ہا در دہر برپا است ۳ ہنوزش چشمِ میگوں نیم خواب است

ببیں آں شوخِ مے کش را کہ ہر دم ۴ دلم از آتشِ عشقش کباب است

دل از دنیا و دیں تو مبدگر داں ۵ کہ ایں دنیا و دیں نقشے بر آب است

تو بر حسنِ حقیقی جاں فدا کن ۶ کہ حسنِ دلبراں موجِ سراب است

معلم درسِ تو حیدت چہ گوید ۷ کہ ایں اسرار بیروں از کتاب است

اگر باشد حجابے پاک سوزد ۸ جمالِ شاہدِ ما بے حجاب است

در آئینہ ببیں چشمِ خودت را ۹ کہ ایں مستی ازاں جامِ شراب است

بر واز در میاں تا او در آید ۱۰ خدا لیے را خودی مثلِ نقاب است

۱۱ شرف ہرگز مکن اسرارِ حق فاش ۱۱
کہ نزدِ ما خطائے نا صواب است

ترجمہ میرا دل اس کے جلوہ سے اضطراب میں ہے گویا میری بغل میں سو آفتاب ہیں
مراد یہ کہ محبوب کے جلوۂ جانسوز سے میرا دل بیقرار اور مضطرب ہے مصرعۂ ثانی بطریق
ترجیع ہے کہ میرے اضطراب کی وجہ یہ ہے کہ جلوۂ محبوب کے سینکڑوں آفتاب میری بغل میں شعلہ
زن ہیں اور میں ان کی تاب و حدت سے بیقرار ہوں۔

موسمِ گرما میں جب آفتاب کی تمازت پوری شدت کے ساتھ ہوتی ہے تو اس کی حدت کی برداشت نہیں ہو سکتی مگر آفتاب چونکہ آفتابِ حسنِ حقیقی کا عکس ہے اس لئے حسنِ مطلق کی تجلیات کے مقابلہ میں اس کی شعاعیں بے وقعت اور ہیچ ہیں۔ انہی تجلیات کو قلندر صاحب نے صد آفتاب کہہ کر اپنے اضطراب کا اظہار کیا ہے کہ میں اس جلوۂ جاں سوز کی حدت سے نعل در آتش ہوں۔

حسنِ مطلق کی ادنیٰ سی تجلی کے مقابلہ میں سینکڑوں آفتاب کی تمازت بھی قابلِ اعتبار نہیں لیکن قلندر صاحب تجلیات کے صد ہا آفتاب بغل میں دبائے ہوئے ہیں۔ اس سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ کا ظرف جو حسنِ مطلق کی آماجگاہ ہے کس قدر وسیع اور عالی ہے۔

۲ ترجمہ۔ پیروں کی طرح سجادہ پر نہ بیٹھ شراب پی کہ ابھی شباب کا زمانہ ہے۔

سعیٔ عمل کی تعلیم کا زریں نمونہ ہے کہ پیرانِ ظاہر دار کی طرح صرف سجادہ نشینی ہی کو حصولِ معرفت کا ذریعہ نہ سمجھ بلکہ ساغرِ وحدت نوش کر کیونکہ ابھی تجھ پر شباب کا زمانہ ہے یعنی کسبِ کمال حاصل کرنے کا موقعہ ہے عالمِ پیری کی پرہیزگاری اور صفائے باطنی قابلِ قدر نہیں۔

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری ست   وقتِ پیری می شود گرگِ کہن پرہیزگار

اسی مضمون پر حکیم عمر خیام ایک رباعی میں فرماتے ہیں۔

عمرت تا کے بخود پرستی گذرد   یا در پئے نیستی و ہستی گذرد

مے خور کہ چنیں عمر کہ غم در پے اوست   آں بہ کہ بخواب یا بمستی گذرد

طالب کے لئے قیمتی نصیحت ہے کہ ان پیروں کی طرح جنہوں نے صرف بزرگوں کے کسب و کمال اور دلق و عمامہ کو طلبِ دنیا کا حیلہ بنا رکھا ہے سجادہ پر نہ بیٹھ کیونکہ بارگاہِ ایزدی میں اپنے اپنے اعمال کام آئیں گے لنا اعمالنا ولکم اعمالکم اس لئے تو صحیح معنوں میں عشقِ الٰہی اختیار کر کیونکہ ابھی تجھ پر شباب کا زمانہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ موجودہ وقت کو غنیمت شمار کر۔ شیخ سعدی کا مقولہ ہے۔

"وقت از دست رفتہ و تیر از کمان جستہ باز نمی آید"

اسی طرح اگر وقت گذر گیا تو بعد میں کفِ افسوس ملنے سے کیا فائدہ۔

کھیتوں کو پانی دو لو اب بہہ رہی ہے گنگا   کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں (امیر مینائی)

۳ ترجمہ۔ دنیا میں ہزاروں فتنے برپا ہیں مگر اس کی مست آنکھ ہنوز نیم خواب ہے۔ شعرا معشوق کی آنکھ کو مست کہا کرتے ہیں۔ مرع۔

چشمش نواسنتہ بیماری و مستی

فرماتے ہیں کہ معشوق کی مست آنکھ نے ایک عالم کو تہ و بالا کر دیا لیکن اتنے فتنے برپا ہونے پر بھی اس کی آنکھ نیم خواب ہے خدا جانے کیا کچھ کرنے کو ہے گویا اس کی سے گو ا آنکھ ابھی تک مخمور ہے اور اپنے کیئے سے بےخبر ا

ہاں جگر پر چل گئیں چھریاں کسی مشتاق کے	جاں خبر تک بھی نہیں ناز و ادا نے کیا کیا

۴ ترجمہ۔ اس شوخ سے کشش کو دیکھ کہ میرا دل ہر دم اس کی آتشِ عشق میں کباب ہو رہا ہے۔ مضمونِ بالا کا اعادہ کیا گیا ہے۔ عدم التفاتی کی شکایت ہے۔

۵ ترجمہ۔ دل کو دنیا اور دین سے نا امید کر کیونکہ یہ دنیا اور دین نقش بر آب کی مانند ہیں یعنی دنیا مقامِ فنا ہے اس کی محبت کو دل میں جگہ نہ دینی چاہیئے کیونکہ یہ آخر ہو فانی گذرجانی ہے دنیا کی بے ثباتی پر قلندر صاحب اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں۔

اے برادر دنیا را ساعت از آں گفتہ اند کہ تا بود را حق پیدا گردانید تا ظاہر کند قدرتِ خود را بہتی خود در ساعت کہ پیدا گردانید دنیا را آفرید یک مرغ را و دنیا بدو داد پس از دانہا پر کرد واز آں دانہا رزق او گردانید و گفت تا نکہ ہیں دانہا باقی است حیاتِ تو نیز باقیست چوں ایں دانہا تمام شود عمر تو نیز فانی گردد و مرغ آں دانہا نیز تمام کرد حق تعالیٰ دیگر دانہا پر کرد و باز رزق آں مرغ گردانید ہمچنیں ہفت بار ایں دنیا را از دانہا پر کردند آں مرغ تمام بخورد و شنیدم بدفرمان آمد اے مرغ نصیب تو ہمیں بار است مرغ آں دانہا آہستہ خوردن گرفت چنانکہ در روز قیامت بر یک دانہ است چوں دید دانہ دانہ کم مے شود لیکن بماہ دانہ خوردن گرفت بعد از ان سالے دانہ خوردن گرفت چندیں رسال آں مرغ تصرف دنیا آں دانہا کرد چوں دانہ تمام شد او را نیز تمام کردند چندیں ہزار سال عمر آں مرغ ساعتے نمود

نیز دیکھو شعر ۲۹ / ۴۹۔

ترجمہ - تو حسنِ حقیقی پر جان فدا کر کیونکہ دلبروں کا حسن موجِ سراب ہے

حسنِ دلبراں - مراد از زیبائشِ دنیا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط — ہم نے جو کچھ زمین پر پیدا کیا ہے اسی کی آرائش کے لیے پیدا کیا ہے تاکہ آزمائش کریں انسان کی کہ کون اعمال میں نیک تر ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں ما علی الارض سے محرمات مراد لی ہے کہ خدا نے محرماتِ دنیا کو انسان کے امتحان کے لیے آراستہ کیا کہ کون ان منہیات کو ترک کرتا ہے بہر کیف دنیا کی زیب و زینت انسان کی آزمائش کے لیے ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے سب کچھ دنیا کی زینت کے لیے ہے

سراب - بالضم چمکتی ہوئی صحرائی ریت جس پر مسافر کو پانی کا دھوکہ ہوتا ہے لیکن در اصل وہ پانی نہیں ہوتا۔

یعنی محبوبِ حقیقی کے حسن و جمال پر جان فدا کر کیونکہ دلبروں کے حسن میں تجھے سراب کی طرح دھوکا ہوگا اور تجھ کو نادم ہونا پڑے گا مراد یہ کہ لائقِ پرستش اور عبادت تعالیٰ اکبر کی ذات ہے اسی کی اطاعت کرنی چاہیے اور حسنِ دلبراں یعنی زمانے کے پرزیب اور دلکش تعلقات سے جو فانی حادث اور ہلاک ہیں کبھی دل نہ لگانا چاہیے کیونکہ ان کی مثال سراب کی سی ہے جو مسافر کو پانی کا دھوکا دے کر مار ڈالتی ہے اسی طرح یہ دنیا بھی اپنے عاشق کو رجھا رجھا کر آخر بیوفائی کر جاتی ہے۔

حکایت - حضرت عیسیٰ نے مکاشفہ میں دنیا کو ایک بوڑھی عورت کی شکل میں دیکھا پوچھا تیرے کتنے شوہر ہیں کہنے لگی بے شمار آپ نے فرمایا کہ سب نے تجھے چھوڑ دیا کہنے لگی نہیں میں سب کو کھا گئی حضرت نے متعجب ہو کر فرمایا کہ افسوس وہ نادان پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے

قرآن مجید سورۂ مریم رکوع ۵ میں آیا ہے

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا — اور بہت سے ہلاک کیے ہم نے ان سے پہلے انسانوں کے طبقے جو باعتبار مال و متاع اور ہیئت و منظر کے ان سے بہتر تھے۔

دوائم پرورش اندر کنارِ یار در ہر	طمع مکن کہ دردو بوئے مہربانی نیست
مباش غرہ و غافل چو ہیچ بس در پیش	کہ در طبیعت ایں گرگ گلہ بانی نیست

یہ شعر طالب کے لئے بہترین نصیحت ہے۔

۷ ترجمہ معلم تجھے توحید کا کیا سبق پڑھائے جبکہ یہ اسرار کتاب سے باہر ہیں

طالب سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ معلم تجھے عشق و وحدت کا سبق کیا پڑھائے جب کہ یہ رموز و اسرار درسی کتب میں مسطور نہیں یعنی درسِ عشق کتابوں کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتا اس لئے تجھے حصولِ مقصد کے لئے معلم کے پاس نہیں جانا چاہئے کیونکہ وہ ان رموز و اسرار جان نہیں سکتا اور جو شخص خود وحدت پرست نہیں وہ تجھے توحید کے نکات کیسے بتلائے گا بلکہ عشق و وحدت کا سبق کسی عارفِ کامل سے سننا چاہئے۔

در کنز و ہدایہ نتواں دید خدا را	در صفحۂ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

اگر توحیدت کی (ت) کی ضمیر خدا تعالےٰ کی طرف منسوب کر کے اس طرح ترجمہ کیا جائے کہ معلم تیری توحید کا سبق کیا بتلائے" تو یہی مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ علمائے ظاہر تیری توحید کے راز بیان نہیں کر سکتے کیونکہ یہ راز علم و عقل کی دسترس سے بعید ہیں البتہ اگر کوئی صاحبِ تحقیق کامل تیرے اسرار کی ترجمانی کرے تو خلافِ قیاس نہیں ہے غالباً یہی مطلب قلندر صاحب کا ہے کہ توحید کے رموز و اسرار حاصل کرنے کے لئے علمائے باطن کی طرف رجوع کرنی چاہئے۔

۸ ترجمہ اگر ہمارے شاہد کے جمال پر حجاب ہو تو وہ بالکل جل جائے۔ کیونکہ وہ حجاب ہے مراد یہ کہ جمالِ محبوب کا حجاب میں چھپنا ممکن نہیں مزید وضاحت کیلئے دیکھو شعر نمبر ۱۰

۹ ترجمہ تو آئینہ میں اپنی آنکھ کو دیکھ کہ مستی اس جامِ شراب سے ہے

شراب کی مستی آنکھوں کے خمار سے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ان میں سرخ ڈورے مستی کی علامت ہوتے ہیں از راہِ تشخیص فرماتے ہیں کہ آئینہ دیکھ کہ تیری چشمِ مخمور کا خمار اس جرعۂ شراب سے ہے جو بروزِ الست تجھ کو پلائی گئی وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا جس کی کیفیت سے

خرد مست و ملائک مست و جاں مست	ہوا مست و زمیں مست آسماں مست

۱۰ چونکہ دید کا ذریعہ آبگینہ ہے لہذا آئینہ اور چشمِ مستی اور جامِ شراب کی اطلاقات ظاہر

ترجمہ: خود کو درمیان سے اٹھا تاکہ وہ اندر آئے، خدا کو خودی مثل نقاب ہے

یعنی اپنی خودی اور ہستی کو مٹا تاکہ حجاب دور ہوں اور حسنِ حقیقی جلوہ پیرا ہو جائے کیونکہ تیرے اور خدا کے درمیان تیری خودی اور ہستی کا پردہ حائل ہے ورنہ وہ تیرے سے قریب ہے۔

ترا با حق آں آشنائی دہد	کہ از دستِ خویشت رہائی دہد
کہ تا با خودی با خدا راہ نیست	وزیں نکتہ جز بیخود آگاہ نیست

کسی حوض کے کنارے ایک تشنہ دہن بیٹھا تھا لیکن حوض کے درمیان ایک دیوار حائل تھی اور وہ غریب پیاس کی وجہ سے سخت مضطرب اور بے قرار تھا جیسا کہ مثنوی شریف کے مترجم نے باغ و بہار میں لکھا ہے۔

تشنۂ مستسقی زار و نزار	عاشقِ مست غریب بے قرار

لیکن دیوار حائل ہونے کی وجہ سے پانی تک اس کی رسائی نہ ہو سکتی تھی اور وہ آب آب پکار رہا تھا۔

ناگہاں اک خشت اس دیوار کی	کھینچ کر پھینکی تو پانی میں گری
گوش میں پہنچی جو اس کے بانگِ آب	خشت لے لے پھینکتا تھا بے حساب
یک بیک اس آب سے آئی ندا	پھینکتے اینٹوں سے کیا حاصل ہوا

یہ سوال سن کر اس نے کہا کہ اس عمل سے مجھے دو فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ پانی کی آواز سے تسکین و راحت حاصل ہوئی۔

دوسرے جو خشت گرتی ہے ادھر	متصل پانی سے ہوتا ہوں ادھر

اس حکایت کے نتیجہ کی نسبت عارف رومی نے یہ فرمایا ہے۔

جب تلک دیوار ہو تن کی بلند	آبِ مطلب سے ہو تو نا بہرہ مند
اس سے پاوے گا نہ جب تک تو نجات	کب میسر ہو سکے آبِ حیات

مراد یہ کہ جب تک سالک اپنی خودی اور ہستی سے گذر نہ جائے تو وصالِ محبوب حاصل نہیں کر سکتا

تا خود بینی نیست دیدار شما	بے فروشد خویش اول خریدار شما

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر (۲۵)

الترجمہ: اے شرف اسرارِ حق ہرگز فاش نہ کر کیونکہ میرے نزدیک یہ خطا نا صواب ہے یعنی اسرار و رموزِ الٰہیہ کا انکشاف کرنا سخت غلطی ہے اس لئے تو اجتناب کر کیونکہ عوام اس کے اہل نہیں ہوتے اس لئے ان کے غلطی میں پڑ جانے کا احتمال ہے رازداری کی تعلیم ہے

غزل نمبر ۱۹

چوں بیاد آمدہ ایں قامتِ زیبا کہ تراست	۱	شیخ از جامع مسجد بہ اقامت برخاست
کیست مشاطۂ آں شوخ منم بندۂ آں	۲	کیں چنیں روئی بیاراست چنیں پیراست
نیست آں موئے مگر سلسلۂ ارواح است	۳	نیست آں روئی مگر کارگہِ صنعِ خدا است
مہ کہ با عارضِ او گشت معارض بجمال	۴	آخرش روسیہی کرد و نہ بر ہیچ بکاست
گر بہ شمشیرِ محبت کشتی من زندہ شوم	۵	ور جفا کاری کنی نیز من آں عین وفاست
جلوہ ریز از رخِ پاکِ تو چہ شمس و چہ قمر	۶	عطر بیز از سرِ زلفِ تو شمال و چہ صبا است
سرو با قامتِ او لافِ زدن نتواند	۷	کہ دراں شوخیِ رفتار چنینا نہ کجا است
اے شرف نکتۂ توحید ز رویش مے خواں	۸	نورِ آں رو پے اثباتِ خداوند گوا است

۹	بو علی گر ز ملامت بہوا است رنجید نہ ز اخوانِ صفا و نہ ز مردانِ خدا است	۹

الترجمہ: جب یاد آئی تیری قامتِ زیبا کی یاد آئی شیخ نے جامع مسجد سے اقامت اٹھالی

قامت - قد   اقامت - قیام

اصطلاحِ تصوف میں محبوب کے قدِ بالا سے صفتِ معبودیت مراد لی جاتی ہے ایسی صورت

میں مطلب یہ ہوگا کہ جب شیخ کو تیری صفت معبودیت کا خیال آیا تو وہ اسی خیال میں جامع مسجد سے چلا گیا کہ عبادت صرف مسجد ہی پر منحصر نہیں اگر وہ عجز و اخلاص سے ہو تو ہر جگہ قبول ہو سکتی ہے۔

منزل ار یار قریں است چہ دوزخ چہ بہشت	سجدہ اگر بہ نیاز است چہ مسجد چہ کنشت

بعض دفعہ قامت محبوب سے حقیقت ذاتیہ بھی مراد ہوتی ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ کی معرفت اور الوہیت وہم و گمان سے وراء الوریٰ ہے اور مسجد اس کی حقیقت کے ادراک کے لیے مخصوص نہیں اس لیے وہ جامع مسجد سے اٹھ کر چلا گیا یعنی یہ کہ شیخ نے زاہدوں کی طرح مسجد کی چار دیواری میں زندگی بسر کرنے کی بجائے ان قیود اور تعلقات سے علیحدہ ہو کر تیری جستجو شروع کی یا تیرے قد بالا کے خیال میں زمرۂ اہل قال سے گزر کر وجد و حال میں داخل ہو گیا قامت محبوب کے متعلق جس سے کنہ ذات کی حقیقت مراد ہے مختلف صوفیہ کی خیال آفرینی ملاحظہ ہو۔

ہمائے ہمتم عمریست کز جہاں	ہوائے آں قد بالا گرفتہ است	حافظ
شبلی از قامت زیبائے تو میکرد سخن	باز گوئی سخن از عالم بالاست کہ کرد	شبلی نعمانی
سخن بلند شد اکنوں بلند سے گویم	کہ تمام ما بہ ہوائے بلند بالائیست	قاسم دیوانہ

۳ ترجمہ۔ اس شوخ کی مشاطہ کون ہے میں اس کا غلام ہوں جس نے اس کے چہرے کو آراستہ اور بالوں کو پیراستہ کیا ہے

۴ ترجمہ۔ وہ بال نہیں بلکہ ارواح کا سلسلہ ہے وہ چہرہ نہیں بلکہ صنعت خدا کی کارگاہ ہے

مشاطہ۔ کنگھی کرنے والی عورت کارگاہ۔ جہاں کاریگر کام کرتے ہیں

صنع۔ صنعت گری۔ کاریگری۔

یہ دونوں شعر بلحاظ تسلسل مضمون قطعہ بند ہیں فرماتے ہیں کہ میں اس مشاطہ کا غلام ہوں جس نے تیری زلف اور رخ کو آراستہ و پیراستہ کر کے دل پسند اور نظر فریب بنایا کہ ایک عالم اس پر مر مٹا شعر ثانی میں زلف محبوب کو سلسلہ یعنی زنجیر کہہ کر فرمایا کہ وہ زلف نہیں بلکہ ارواح کا سلسلہ ہے اور روئے محبوب کو کارگاہ صنائع عالم کہہ کر فرماتے ہیں کہ وہ چہرہ نہیں بلکہ صنعت خالق کی کارگاہ ہے سلسلۂ زلف کی نسبت گلشن راز میں لکھا ہے۔

معلق صد ہزاراں جہاں ز ہر سو　　نشد یک دل برون از حلقۂ او

مراد یہ کہ تمام کائنات اُس کی زنجیرِ زلف کا اسیر ہے اور کوئی دل حلقہائے سلاسل سے باہر نہیں چہرہ کی نسبت صاحب گلشن راز نے فرمایا ہے

مگر رخسار او سبع المثانی است　　کہ ہر حرفے از و بحر معانی است

حاصل یہ کہ ایک عالم اس کی زنجیرِ زلف کا اسیر اور اُس کے چہرہ گلگوں کا دیوانہ ہے زلف و رخ سے کفر و ایمان بھی مراد لی جا سکتی ہے ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ زلف کیسا ہے بندِ کفر اور چہرہ انوارِ ایمان جس سے مؤمنین اور کفار کا ظہور ہوا

از روئے دوست ایں ہمہ مؤمن عیاں شدہ　　وز زلف اوست ایں ہمہ کفار آمدہ

۱۴۔ ترجمہ۔ چاند نے اُس کے چہرے کے ساتھ اپنے حسن کا معارضہ کیا آخر ہار گیا اور اب تک رنج و بیقراری کے ساتھ رو رہا ہے

عارض۔ رخسار، چہرہ۔　　معارض۔ اعتراض کرنا جھگڑنا

رو بکسی کردن۔ کسی کی طرف منہ کرنا یعنی گھٹنا، چہاڑ ہارنا۔　　بکا۔ بیقراری کی حالت میں رونا

یعنی چاند نے رخسارِ محبوب کے ساتھ جھگڑا کیا اور برابری کا دعویٰ کیا آخر تابِ حسن نہ لا کر ہار گیا اور ندامت و خجالت کی وجہ سے اب تک بیقراری کے ساتھ رو رہا ہے شاعر نے چاند کے گھٹنے اور پھر بدر ہونے کو اس کے رونے سے تعبیر کیا اور وجہِ گریہ یہ بتائی کہ عارضِ محبوب کے ساتھ معارضہ کرنے سے نادم اور خجل ہو کر رو رہا ہے چونکہ رخسارِ محبوب کا پرتو اور عکس ہے پھر بھلا معارضہ کیوں کیا اور منہ کی کھائی حالانکہ اُس کا صرف عارض ہی عارض ہے نہ سر نہ پیر نہ قد بالا پھر بھلا ایں معارضہ چہ معنی دارد!

بمیزانِ نظر حسن ترا با ماہ سنجیدم　　میانِ ایں و آں فرق از زمین و آسماں دیدم

اسی مضمون پر سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے۔

قائز النور ز خورشید رخ خوباں ست　　دعویٔ حسن اگر ماہ کند باشد لاف

مصرعۂ ثانی میں اگر کی کی بجائے کہیں پڑھا جائے تو مطلب زیادہ موزوں ہوگا کہ چاند نے رخسارِ محبوب سے معارضہ کیا اور تابِ مقابلہ نہ لا کر آخر نادم اور خجل ہو کر روپوش کر یعنی چھپ گیا چاند کا

غروب ہونا ظاہر ہی ہے۔

۵ ترجمہ۔ اگر تو مجھے شمشیرِ الفت سے ہلاک کرے تو میں زندہ ہو جاؤں اور اگر جفا کرے تو میرے نزدیک عین وفا ہے۔

رضا و تسلیم کا اس سے بہتر نمونہ اور کیا ہو سکتا ہے لفظ لفظ سے ادب ٹپکتا ہے ؎

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

سر العشق میں قلندر صاحب جفائے محبوب کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں

" آں جفا را کہ معشوق کند بر عاشق چوں بحقیقت بنگری بدانی کہ آں جفا از معشوق برائے طلب وفا ست زیرا کہ در مقام فراق مقام کردن و در بے خودی آرام گرفتن کثرتِ دوئی است او مے خواہد تا کہ کثرتِ دوئی عاشق بوحدت وے باز آید و در بے پیوندی پیوند سے پدید آید "

۶ ترجمہ۔ تیرے رخِ پاک سے جلوہ ریز ہے کیا سورج اور کیا چاند اور تیری زلف سے عطر بیز ہے کیا شمال اور کیا صبا۔

شمال۔ وہ ہوا جو شمال کی طرف سے چلے۔ صبا۔ جو ہوا مشرق کی طرف سے چلے

یعنی شمس و قمر تیرے رخسار پر انوار سے جلوہ نما اور شمال و صبا تیری مشکبیز زلف سے مشکبو اور عطر بیز ہیں یعنی ہر چیز میں جمالِ لایزال کا پرتو اور ہر پھول زلف مشکبو کی خوشبو ہے۔

اگر زلف سے عالمِ کثرت مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ محبوبِ مطلق کا نور پردہ کثرت میں ہے اور کائنات کے تمام نقش و نگار اسی چشمۂ نور کی شعاعیں ہیں جو پردہ کثرت سے باہر نکل نکل کر ظاہر ہو رہی ہیں وحدت اور کثرت کے متعلق مولانا جامیؒ کی پوری غزل ملاحظہ ہو۔

ساری است سرِ عشق در اعیاں علی الدوام   کالبدر فی الدجیٰ و کالشمس فی الغمام
کس را چو تاب سطوتِ دیدارِ خود ندید   در پردہ سوئے اہلِ نظر مے کند خرام
ممکن ز تنگنائے عدم ناکشیدہ رخت   واجب بہ جلوہ گاہِ عیاں نا نہادہ گام
در حیرتم کہ ایں ہمہ نقشِ غریب چیست   بر لوحِ صورت آمدہ مشہورِ خاص و عام
ہر یک نہفتہ لیک ز مرآتِ آں دگر   بر داشتہ ز جلوۂ احکامِ خویش کام

بادہ پنہان و جام پنہان آمدہ پدید — در جام عکس بادہ و در بادہ رنگ جام

قوسے بگفتگوئے کہ آغاز ما چہ بود — جمعے بجستجوئے کہ انجام ما کدام

جامی معاد و مبدا ما وحدت است و بس — ما در میانہ کثرت موہوم والسلام

۷۔ ترجمہ۔ سرو اس کے قامت کی برابری نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں حسینانہ رفتار کی شوخی کہاں ہے۔

سرو کو بوجہ درستیٔ قامت ہونے کے قد محبوب سے تشبیہ دی ہے فرماتے ہیں کہ سرو گو راست قامت ہے لیکن محبوب کے قد بالا کی برابری نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں حسینانہ رفتار نہیں گو راست قامت ہے مگر پاگل اور ساکن ہے اس لئے اس کی برابری کا دعویٰ قابل اعتبار نہیں

سرو را گیرم کہ دارد با قدِ او راست نسبتے (رحمی) آں گل رخسار کو آں شیوۂ رفتار کو

سرو اور قد یار کے مقابلہ میں مختلف شعرا کی خیال آفرینی ملاحظہ ہو۔

سرو را با قد رعنائے تو بود سے نسبتے (جامی) گر ز گل عارض و از غنچہ دہانی می داشت

سرو را قد یار سے گویند (شوکت) سرو جو بید ناز ناشندہ

اگر بگلشن ز ناز گردد قد بلند تو جلوہ فرما (بیدل) زیکدگر سرو موج خجلت شود نمایاں چو موج دریا

کسے از راستی خویش نبودہ است خجل (شوکت) سرو پیش قدش از راستی خود خجل است

قامتت شیوۂ رفتار چو بنیاد کند (طالب آملی) سرو را بندۂ خود سازد و آزاد کند

قد موزون ترا با سرو نسبت چوں کنم (عرفی) ایں قدر خود فرق در موزوں و ناموزوں کنم

سرو پیادہ خوش بود اندر چمن و لے (امیر خسرو) آں سرو من پیادہ خوش است و سوار خوش

شرمندہ است پیش قدش الفت ز خوبست (صائب) با شاخ زنگلے پیادہ و سرو سوارہ اش

حلقہا در گوش سرو از طوق قمری میکنند (〃) گر بگلشن راہ فند سرو خراماں ترا

بگلشن کہ در آید جلوہ نخل قدش (〃) چوں ابر از سر سرو آب انفعال گذشت

بگلستانے کہ آں شمشاد قامت بگذرد (عرفی) سرو را انگشت حیرت بر لب جو میکند

سرو سہی کہ خواستہ بود از چمن بپا شود (〃) چوں دید شکل قد ترا بر زمیں نشست

۸۔ ترجمہ۔ اے شرف توحید کے نکات اس کے چہرے سے پڑھ کیونکہ اس کے چہرے

کا نورِ خدا کے اثبات پر گواہ ہے۔

یعنی نکاتِ وحدت محبوب کے چہرے سے پڑھ

اگر رخسار او مصحف المثانی است	کہ ہر حرفے از و بحرِ معانی است

رخسار کو مصحف بھی کہتے ہیں قرآن مجید نکاتِ توحید سے سراسر لبریز ہے اس لئے قلندر صاحب کا یہ کہنا کہ وحدت کے نکات رخسارِ محبوب سے پڑھ کس قدر مکمل ہوئی حقیقت ہے اصطلاح میں رخ سے مظاہر کونیہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ ع

رخ ایں جا مظہرِ نورِ خدا نیست

ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مظاہر کونین کے ہر ذرہ میں اس کی وحدت کا جلوہ ہے تو بھی ان مظاہر سے توحید کا سبق حاصل کر۔ ع

ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

۱۹ ترجمہ۔ اگر تو بھی تیرے عشق میں ملامت سے رنجیدہ ہو تو نہ وہ اہل صفا سے ہے نہ مردانِ خدا سے

یعنی اگر تو بھی تیری محبت میں طعن و ملامت سے رنجیدہ ہو تو وہ اہلِ صفا اور مردانِ خدا سے نہیں ہے اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر (۱۲)

غزل نمبر ۲۰

مائیم و چشم وقفِ رہِ انتظارِ دوست ۱ بہ نشستہ ایم ما بسرِ راہ گذارِ دوست

گر دوست جلوہ گر نشود امشب بخانہ ام ۲ ہوش و حواس و صبر کنم من نثارِ دوست

اے خضر دستگیرِ من بے قرار باش ۳ آوارہ مے روم و ندانم دیارِ دوست

ہر جا کہ سے بر دمرا بے چارہ می روم ۴ باشد عنانِ من بکفِ اختیارِ دوست

ماہیم رنجِ ہجر کہ شام و سحر کشیم ۵ خوش طالعے کسے کہ شود ہمکنارِ دوست

مرغِ دلم بہ دانۂ دنیا نمے پرد ۶ زیرا کہ گشت طائرِ روحم شکارِ دوست

ایں دفترِ اربابِ دہی پُر مناسب است ۷ کیں علم و عقل و دین تو باید بکارِ دوست

تا دوست در کنارِ من آید بدیں امید ۸ دل از کنارِ من رود اندر کنارِ دوست

۹ گر چشمِ دل کشادہ شود اے شرفؔ ترا
ہر ذرۂ جہاں شود آئینہ دارِ دوست ۹

ا۔ ترجمہ۔ میری آنکھیں دوست کے انتظار میں فرشِ راہ ہیں اور ہم دوست کی گذرگاہ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔

مطلب صاف ہے علامہ اقبال اس مضمون پر فرماتے ہیں۔

نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانہ ابھی وہی کیفیت ہے اس کی کہیں سرِ رہگذار بیٹھا ستم کشِ انتظار ہوگا

۲ ترجمہ۔ اگر دوست آج رات میرے گھر میں جلوہ افروز ہو تو میں ہوش و حواس اور صبر اس پر نثار کر دوں۔

ظاہر ہے کہ اگر محبوبِ حقیقی خانۂ دل میں جلوہ گر ہو تو ظاہری ہوش و حواس معطل اور بیکار ہو جاتے ہیں اور یوں بھی جلوۂ محبوب کے وقت عاشق کا ازخود رفتہ ہونا تعجب خیز نہیں قلندر صاحب نے بھی اسی کیفیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حکایت عاشق اور دیدارِ محبوب کے متعلق روایت ہے کہ جب مجنوں کی دیوانگی حد اعتدال سے تجاوز کر گئی تو اس کے والد نے لیلیٰ کے باپ سے مجنوں کی شادی کی درخواست کی کہ اب تو اس غریب کو صدمۂ انتظار سے رہا کر دو لیلیٰ کے باپ نے مصلحتاً عذر کیا اور کہا کہ یہ معاملہ کچھ اور ہے اگر ایسا ہو گیا تو بہت خطرناک حالات رونما ہو جائیں گے فی الحقیقت اس کی سلامتی جدائی ہی میں ہے بے حد اصرار کے بعد لیلیٰ کے باپ نے آزمائش کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا۔

باپ نے پھر دی ندا ہو کر اداس ۔۔۔ آ او نور العین اک دم میرے پاس

جب لیلیٰ کے باپ نے لیلیٰ کو اپنے پاس بلایا

جب اٹھی لیلیٰ تو دامن پر نظر ۔۔۔ جا پڑی مجنوں کی اس دم بے خبر

اب کیا تھا جوشِ جنون اور تازہ ہو گیا اور کچھ عرصہ کے لئے ہوش و حواس نذرِ محبوب کر بیٹھا

گر پڑا بیتاب ہو کر دل حزیں ۔۔۔ مارتا تھا وہ پڑا سر بر زمیں
پھر کیا لیلےٰ کے والد نے کلام ۔۔۔ دیکھ لے مجنوں کو تو اے نیک نام
دیکھکر دامان لیلےٰ ہو بحال ۔۔۔ اس کو گر دیکھے تو جینا ہے محال

اس حکایت اور مثال سے یہ بھی واضح ہو سکتا ہے کہ دیدارِ حجاب کی نفی جو قرآن مجید میں وارد ہے مصلحت کا تقاضا ہے کیونکہ سالک اس نظارے کا متحمل نہیں ہو سکتا

۳ ترجمہ۔ اے خضر مجھ بیقرار کا دستگیر بن کیونکہ میں آوارہ ہوں اور دیار دوست نہیں جانتا

خضر۔ لغوی تحقیق کیلئے دیکھو شعر (۱/۴)

ظاہر ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ہر آوارہ و گمراہ کی رہنمائی پر منجانب اللہ مامور ہیں لیکن قلندر صاحب کا روئے سخن اپنے مرشد اور پیرِ طریقت کی طرف ہے منزلِ عشق کے پیچ در پیچ رستے اور پھر اندھیری رات میں طے کرنے کچھ معنی رکھتے ہیں جب تک عالم تعینات کی تاریکی میں شمعِ ہدایت اور نورِ تجلی رہبری نہ کرے ان کو طے کرنا اور ان سے صحیح و سلامت گذر جانا محال ہے خواجہ حافظ انہی راہ و پرپیچ اور شمعِ ہدایت کے متعلق فرماتے ہیں۔

شبِ تیرہ چو سر آرم راہ پیچ پیچ ز لفت ۔۔۔ مگر آں کہ شمعِ رویت برہم چراغ دارد

قلندر صاحب کبھی اپنے راہبرِ طریقت سے التجا کرتے ہیں کہ میری راہبری کرو اور دیار محبوب کا راستہ بتاؤ منزلِ عشق کے پیچ دار راستے بوسیلہ مرشد ہی طے ہو سکتے ہیں چنانچہ مولانا روم ان منازل کے خطرات اور مرشد کی ضرورت کے متعلق مثنوی شریف کے دفتر اول میں فرماتے ہیں۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ۔۔۔ ہست بس پر آفت و خوف و خطر
ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد ۔۔۔ او ز غولاں گمرہ و در چاہ شد
گر نہ باشد سایۂ پیر اے فضول ۔۔۔ پس ترا سر گشتہ دارد بانگِ غول

یار باید راہ را تنہا مرو	از سر خود اندریں صحرا مرو	
اندریں وادی مرو اے بے دلیل	لا احب الآفلین گو چوں خلیل	

سوانح عمری صفحہ ۔ پر لکھا ہے کہ قلندر صاحب کو جناب خضر علیہ السلام کی ملاقات نصیب ہوئی تھی اس لیے شعر ہذا میں مرشد کے معنوں میں لفظ خضر کا استعمال ایک خاص لطف پیدا کرتا ہے

۴۔ ترجمہ جس جگہ کہ تجھے لے جاتا ہے بیچارہ چلا جاتا ہوں میری عنان دوست کے اختیار میں ہے

عناں ۔ باگ گھوڑے کی

باگ سوار کے قابو اور اختیار میں ہوتی ہے جس طرف سوار عناں کا رخ پھیرتا ہے گھوڑے کو اسی طرف پھرنا پڑتا ہے بعینہٖ قلندر صاحب نے یہی حالت اپنی بیان فرمائی ہے کہ میری تمام حرکات و سکنات محبوب کے کف اختیار میں ہیں جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے کراتا ہے یہ شعر بھی تسلیم و رضا میں ہے ۔ لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللہ ۔

۵ ترجمہ ہم ایک صبح سے شام تک ہجر کا رنج اٹھاتے ہیں خوش طالع وہ ہے جو دوست کا ہمکنار رہے ۔

طالع ۔ بالکسر لام نصیب ۔ برآمدہ طلوع کنندہ اور نجومیوں کی اصطلاح میں ایک برج ہے جو ولادت یا کسی چیز کے سوال کے وقت افق شرقی سے نمودار ہوتا ہے اور ہر طالع کا اثر بارہ برج سے نحوست اور سعادت میں علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے ۔

اپنی ہجراں نصیبی اور اغیار کی ہم آغوشی کا اظہار کیا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ خوش طالع شخص وہی ہوتا ہے جو کنار محبوب میں وصال کی لذت اٹھا سکے ۔

۶ ترجمہ ۔ میرا مرغ دل دنیا کے دانہ کی طرف مائل نہیں ہوتا کیونکہ میرا طائر در دام دوست کا شکار ہو گیا ۔

دانہ ۔ سے مراد تعلقات دنیوی ہیں یعنی میرا دل دانہ دنیا تعلقات کونین کی طرف مائل نہیں ہوتا جس کی وجہ یہ ہے کہ میرا طائر در دام معشوق کے دام محبت کا نخچیر ہے الغرض کا یہ شعر اسیری عاشق کا بہترین نمونہ ہے ۔

بخلہ معشوق چوں بہ پست ہا ئے | از ہمہ بند ہا رہا بودن

۷۔ ترجمہ:۔ اس دفتر کو برباد کرنا اچھا ہے کیونکہ علم و عقل اور دین دوست کے کام نہیں آتے
مراد یہ کہ دفترِ علم و عقل کو برباد اور غارت کر دینا ہی اچھا ہے کیونکہ ذات کی حقیقت عقل و علم
کے ادراک سے بالاتر ہے اور یہ دونوں اس کے ادراک سے عاجز اور قاصر ہیں۔
صوفیا نے عقل کی دو قسمیں لکھی ہیں ۱۔ عقل فلسفی و دنیوی ۲۔ عقل ایمانی و دینی
عقل فلسفی تو واقعی ترک کر دینے کے قابل ہے کیونکہ یہ حاجب عن الحق ہوتی ہے وجہ یہ کہ
یہ ہر بات میں دلیل طلب کرتی ہے اور کنہ ذات کی حقیقت کا ادراک عقلیہ دلائل سے برتر ہے اس لئے
یہ عقل تو یہاں کام نہیں دیتی البتہ عقل ایمانی و دینی کہ وہ مشہر الہام بھی ہے قابل اعتماد کہی جا سکتی ہے شعر ہذا
میں قلندر صاحب کا روئے سخن عقل فلسفی و دین و ایمان تقلیدی و علم رسمی کی طرف ہے جو واقعی حاجب
عن الحق ہے۔
عشق و عقل کے مقابلہ میں قلندر صاحب نے اپنے دیوان میں متعدد جگہ طبع آزمائی کی
ہے وہاں قلندر صاحب کی مراد یہی عقل فلسفی جزوی و ظاہری ہے چنانچہ دیکھو شعر ۱۴/۳۴، ۱/۴۱، ۳/۴۴، ۲/۴۹،
۸/۴۷، ۹/۴۸، ۲۶/۴۸، ۲/۵۹، ۵/۵۴، ۶/۵۶، ۱۰/۶۲، ۱۲/۶۲، ۱/۶۴، ۲/۶۵، ۸/۸۴۔
۸۔ ترجمہ:۔ اگر دوست اس امید پر میری بغل میں آئے تو میرا دل اپنی کنار سے آغوشِ
محبوب میں چلا جائے
مصرعہ اولیٰ میں بدیں امید سے مراد یہ ہے کہ اگر محبوب دل لینے کی امید پر میری بغل
میں آئے تو میرا دل بلا طلب آغوشِ محبوب میں چلا جائے نہ ہے سخا!
۹۔ ترجمہ:۔ اے سہ شرف اگر دل کی آنکھ کھول جائے تو تجھے جہاں کا ذرہ ذرہ آئینہ دارِ
دوست معلوم ہو۔
آئینہ۔ منہ دیکھنے کا شیشہ۔ آئینہ دار۔ آئینہ دکھلانے والا یا آئینہ نما۔ یہاں
مظاہر کونین مراد ہیں۔
دنیا محبوب مطلق کے نور کے لئے آئینہ ہے فرماتے ہیں کہ اگر تو بھی چشم دل سے
دنیا کے مظاہر پر غور کرے تو تجھے کائنات کا ذرہ ذرہ نورِ مطلق کا آئینہ معلوم ہو اور تو ہر ذرے

میں اس کا نور دیکھے۔

چشمِ حق بیناں اگر بودے ترا — اور رخ از ہر ذرّہ بنمودے ترا

نیز دیکھو شعر (۱۲، ۵۴)

غزل ۲۱

گر عشق حقیقی است وگر عشق مجاز است ۱ مقصود ازیں ہر دو مرا سوز و گداز است

گفتی تو الست زدم آواز بلیٰ من ۲ بنگر کہ مرا با تو ز میثاق نیاز است

رازِ تو طلب ناورد و دل شود ش خوں ۳ ہر کس کہ دریں دہر ترا محرمِ راز است

عشق است و صد آفات و محن لازم و ملزوم ۴ ایں منزلِ دشوار و رہِ سخت دراز است

ایں جائے بجا نست کہ در کعبہ تواں دید ۵ بنگر بسوئے بتکدہ گر چشمِ تو باز است

اندر دلِ او گاؤ خر و ذکر بہ لب ہا ۶ قاضی نہ تصور کہ ہمیں حقِ نماز است

۷ خواہی کہ روی بر درِ آں دوست قلندر
آں ہدیہ کہ مقبول شود عجز و نیاز است ۷

ترجمہ حقیقی عشق ہو یا مجازی ان دونوں سے میرا مقصود سوز و گداز ہے

مجاز بفتح راہ۔ جائے گذشتن و ضدِ حقیقت اور وہ کلمہ جو اپنے اصلی لفظوں کے غیر معنوں میں استعمال ہو اور اس کے حقیقی موضوع کے معنے متروک نہ ہوئے ہوں مثلاً اصل میں خر کے معنی حیوان ناطق ہیں لیکن تشبیہاً احمق آدمی پر بھی اطلاق کرتے ہیں اسی طرح خوان خراسنند طعام خوانند کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی عشق خواہ مجازی ہو خواہ حقیقی سوز و گداز دونوں میں ہوتا ہے اور

دونوں کا مقصود بھی ایک ہی ہے چنانچہ حقیقت تو حقیقت ہی ہے اب رہا مجاز سو اس میں بھی اگر شرائط کی پابندی کی جائے تو وہ حقیقت کی منزل میں پہنچا دیتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے المجاز قنطرة الحقیقة

حضرت عارف رومی عشق کی صفات کے تحت میں لکھتے ہیں۔

عاشقی گر زیں سر وگر زاں سر است	عاقبت ما را بداں شہ رہبر است

اس شعر کی شرح میں شارح صاحب مثنوی فرماتے ہیں کہ مولانا نے اس شعر میں سر بمعنی طرف ہے جس سے مولانا نے عشق مجاز کو ذریعہ معرفت الٰہی ہونا بیان فرمایا ہے کہ عشق خواہ اس طرف کا ہو یعنی مجازی خواہ اس طرف کا ہو یعنی حقیقی لیکن آخر وہ طالب کو بارگاہ حق جل علی شانہٗ میں لے پہنچتا ہے اگر وہ خالص حقیقی ہو تو اس کا حضرت حق میں لے جانا ظاہر ہی ہے کیونکہ موصل الی اللہ ہوتا ہے اور اگر عشق مجازی ہو تو وہ ایک خاص طریقہ سے منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے اور عاشق موصل الی اللہ کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور اس طرح یہ دونوں عشق ذریعہ معرفت اسرار بن جاتے ہیں لیکن مطلق عشق مجازی کو ذریعہ معرفت اسرار نہیں کہہ سکتے اس لئے مولانا نے شعر میں (ما را) کی قید لگادی جس سے عارفین حق مراد ہیں کہ وہ مجاز سے حقیقت حاصل کرنے کا طریقہ جانتے ہیں۔

طریقہ۔ اگر اتفاقاً عشق مجازی میں مبتلا ہو جائے تو ان باتوں کا خاص خیال رکھے۔

۱۔ عفت اور پارسائی اختیار کرے۔ کوئی امر خلاف شرع نہ کرے نہ قصداً دیکھے نہ بات کرے حتیٰ کہ قصداً دل میں بھی اس کا خیال نہ لائے کیونکہ شرع کی مخالفت منافی ہے حقیقت کی اور منافی کے ہونے سے کیونکہ امید ہو سکتی ہے کہ عشق حقیقی حاصل ہو جائے۔

۲۔ اس سے دوری اختیار کرے کہ اتفاقاً بھی اس پر نظر نہ پڑنے پائے نہ اس کی آواز کان میں پہنچے۔ یہ قلب میں سوز و گداز پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اگر قصداً اس کے خلاف کرتا رہا تو عمر بھر مطلوب حقیقی کی طرف توجہ نہ ہوگی

۳۔ خلوت و جلوت میں خیال کرے کہ اس کے حسن و جمال کا ماخذ کون ہے جب مجازی موصوف کی یہ حالت ہے تو موصوف حقیقی کی شان کس قدر ارفع و اعلیٰ ہے اس سے اس کا عشق مخلوق سے خالق مصنوع سے صانع کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

ثابت ہوا کہ عشق ہے گو وہ مجازی کیوں نہ ہو قلب میں سوز و گداز ضرور پیدا ہوتا ہے اور سوائے معشوق کے باقی تعلقات یکسر کافور ہو جاتے ہیں اور خیالات میں یکسو پیدا ہو جاتی ہے البتہ صرف اُس تعلق کو حق تعالےٰ کی طرف پھیرنے کا کام باقی رہ جاتا ہے جو آسانی سے شیخ کامل کے ذریعہ ممکن ہے یہی مراد قلندر صاحب کی ہے کہ ان دونوں سے میرا مقصود سوز و گداز ہے۔

۲؎ ترجمہ۔ تو نے الست کہا اور میں نے بلیٰ کی آواز دی دیکھ مجھے تیرے ساتھ میثاق سے نیاز ہے۔

اَلَسْتُ۔ قرآنی آیت کا حصّہ یعنی الست بربکم (کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب) جس کے جواب میں ارواح نے کہا کہ بلیٰ (ہاں) یعنی حق تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔

مِیثاق۔ عہد و پیمان و استواری روزِ الست جبکہ روحوں سے اقرارِ ربوبیت لیا گیا

نیاز۔ حاجت۔

مطلب یہ کہ روزِ میثاق بالفاظ الست بربکم اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اور میں نے از رہِ نیاز بلیٰ کہا اب دیکھ کہ میں اُسی دن سے نیاز خواہشمند ہوں۔

روایت ہے کہ جب حسب الحکم باری تعالےٰ بروزِ میثاق ارواح کی چار صفیں قائم ہو گئیں تو ارشاد ہوا الست بربکم جس کے جواب میں صفِ اول و دوم نے جو انبیاء، اولیاء اور مومنین کی روحیں تھیں دل اور زبان سے کہا بلیٰ، دوسری فرمان پر تیسری صف کی روحوں نے جو منافق تھے دل سے نہیں بلکہ زبان سے ہاں میں ہاں ملا دی تیسرے فرمان پر کفار کی روحوں نے جو چوتھی صف میں تھیں کہا اَنَا اَنَا۔ اَنْتَ اَنْتَ یعنی ہم ہم ہیں اور تو تو ہے۔

وہ اقرار اسی طرح انبیاء اور اولیا کو عالمِ اجسام میں بھی یاد ہے چنانچہ اسی کے اثبات میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلوی نے فرمایا ہے کہ مجھے الست بربکم کا نغمہ پردہ کی زبان میں سنایا گیا تھا جو مجھے اب تک یاد ہے

قلندر صاحب نے بھی میثاقیہ اقرار کا اظہار کر کے یہ بات واضح کر دی کہ میں اس وقت سے نیاز مند ہوں جب کہ کائنات کے یہ جلوے اور رعنائیاں پردۂ عدم میں مستور تھیں اور حسن مطلق کے سوا کوئی چیز موجود نہ تھی غرض یہ کہ میں پرانا عاشق ہوں میری اسیری نئی نہیں۔

کچھ آج میں نے نئی پی ہے حضرت واعظ	ازل کا مست پرانا شراب خوار ہوں میں

۳ ترجمہ: جو شخص اس دنیا میں تیرا محرم راز ہے اس کا دل خون ہو گیا لیکن راز لبوں پر نہ آیا
عاشق و معشوق آپس میں رازدار ہوتے ہیں اور صوفیائے کرام نے رازِ عشق کو پوشیدہ
رکھنے کی تاکید کی ہے۔ حضور رسالت مآب کا محترم ارشاد ہے کہ راز جب دو لبوں سے باہر ہو گیا
تو سمجھو کہ شائع ہو گیا۔ شائع ہونے سے بڑی بڑی خرابیوں کا احتمال ہوتا ہے جس کی وجہ سے عوام ان
راز و اسرار کے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عاشق بدنام ہو جاتا ہے اور
بعض دفعہ جان پر آ بنتی ہیں۔ چنانچہ اکثر صوفیائے کرام نے حالتِ سکر میں کچھ ایسے کلمات زبان سے
کہہ دیے جن کے مفہوم کو عوام سمجھ نہ سکے چونکہ یہ راز اس امانتِ عشق سے متعلق ہیں جس کو قدرت کی
بھاری بھرکم مخلوق نے بھی اٹھانے سے اپنے عجز کا اقرار کیا جس کے بعد یہ امانت حضرتِ انسان کو
سپرد کی گئی اس لئے اس امانت کا اٹھانا اور اس کے رازوں کی حفاظت کرنا کچھ معنی رکھتا ہے۔ اس
لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ تیرے راز کی امانت جو شخص اپنے صندوقِ سینہ میں بند رکھے
اس کا دل آخر خون ہو جاتا ہے لیکن زہے ہمت تیرے محرمانِ راز کی کہ جو تیرے راز سے واقف
ہوا وہ جل گیا لیکن آہ نہ کی۔

نوٹ: سکر کی حالت میں سالک راز کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے چنانچہ جن صوفیاء نے
ایسے کلمات کہے وہ اسی حالت کے تحت ہیں کہے۔ صاحبِ صحو لوگ ہمیشہ اس سے اجتناب
کرتے رہتے ہیں۔

افشائے راز کے متعلق "سر العشق" میں خود قلندر صاحب فرماتے ہیں۔

"بیشتر سبب ہلاکِ عاشق دریں راہ از افشائے سرِ معشوق است زیرا
کہ در عالمِ طریقت افشائے سرِ ربوبیت کفر ثابت است و کفر از لوازماتِ بغیرت
معشوق ازندا بود و ازندا موجبِ قتل! ہرچہ بدل ربینہ ناگفتگو ۵ ملا"۔

۴ ترجمہ: عشق میں صدہا آفات و محن لازم ہیں یہ منزل دشوار اور رستہ دراز ہے۔
محن: بکسر میم و فتح حا، محنت کی جمع بالفتح و سکون حا یعنی آزمودن امتحان لینا، آزمائش کرنا
عشق کہنے کو تو تین حرف کا مجموعہ ہے لیکن اگر اس کی حقیقت پر غور کیا جائے تو سینہ

اس کی ہمہ گیری کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کیونکہ حقیقت میں تخلیق عالم کی علت غائی اور ظہور مطلق کا حقیقی معیار اسی عشق ہی کو بنایا گیا ہے اور دنیا کا نظم و نسق اسی کی بدولت قائم ہے اگر اس کی ابتدائی رنگ آمیزیوں پر غور کیا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ عشق کیا ہے بچوں کا کھیل ہے جس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر شخص دنیا کو اس لعبت عشق سے دل بہلانا چاہیے۔

مبتدی کو اس کی ابتدائی منزلیں ایسی روح افزا، دل نواز اور دلکش معلوم ہوتی ہیں اور حسن و عشق کی مخفی رمزوں اور شوق و شیدائی کی روح پرور داستانوں میں ایسا لطف حاصل ہوتا ہے کہ وہ فیل مست کی طرح جھوم جھوم کر طے مسافت کرتا ہے اور بے تامل دل ہار دیتا ہے۔

عشق کی ابتدائی منزلوں کی خوش آئند اور خوش گوار ہواؤں کے روح پرور جھونکے عاشق کو صور اسرافیل کی آواز معلوم ہوتے ہیں کہ مردوں میں از سر نو جان ڈال دیتے ہیں پیرہن یوسف کا کام دیتے ہیں جس نے مصر سے کنعان پہنچ کر حضرت یعقوب کی آنکھوں کو بینائی عطا کی رعد کی آواز پیدا کرتے ہیں خشک اور سنگلاخ زمین پر اپنی آب پاشیوں سے گلستان اور سبزہ زار کا فرش بچھا دیتی ہے روضۂ دار السلام کی کی اس ہوا کا لطف آتا ہے جو جنت میں اہل جنت پر چلے گی یا وہ لیلیٰ کے پیام معلوم ہوتے ہیں جن سے مجنوں کے مردہ تن میں جان آتی تھی غرضیکہ عاشق کو طے مسافت میں کسی قسم کی ذلت و رسوائی معلوم نہیں ہوتی چونکہ کائنات ظہور اور تخلیق عالم کی علت غائی یہی حضرت عشق تھے اور قدرت کو اس کا وجود منظور تھا اس لئے آسانی سے ہر بشر کے دل میں اس کو جگہ مل گئی اور ہر شخص نے اپنے زعم میں عاشق ہونے کا دعویٰ کیا لیکن اس کا ایفا اور نبھانا ایسا ہی مشکل نظر آیا جیسا کہ اس کی ابتدائی منزلیں سہل اور آسان معلوم ہوئیں چنانچہ کچھ دور آگے چل کر کچھ اور رنگ دیکھنا پڑتا ہے جو منزلیں فراخ اور سبزہ زار سے معمور نظر آتی تھیں جہاں کی ہوا دم عیسیٰ کا کام کرتی تھی اس کی بجائے اب خاردار جنگل ہیں اور بادِ سموم اور ریگستان ہیں اور سارا بیابان ایسی سنگلاخ کہ ہر قدم پر خار و خارا کے درمیان مرکب عشق ٹھوکریں کھاتا ہے اور رک جاتا ہے اس مقام پر پہنچ کر کہنا پڑتا ہے کہ عشق کیا ہے باغ محرومی کا اک خود رو پھول ہے جیسے باغبان کی پروا نہیں ہوتی گل چین کا اندیشہ نہیں ہوتا غرضیکہ عاشق کی امیدیں ٹوٹنے لگتی ہیں کم ظرف اور دوں ہمت عاشقوں کے لئے یہ مقام قعر ذلت ہے وہ اسی مقام پر رہ جاتے ہیں اور آگے ترقی نہیں کر سکتے لیکن خدا تعالیٰ نے جنہیں عالی ظرفی اور عزم و استقلال کے ساتھ تحقیق و اجتہاد کا سامان عطا

فرمایا ہو وہ ہر ایک امتحان میں پورا اتر لینے کے بعد آغوشِ محبوب میں وصال کی لذت اٹھاتے ہیں بقول داغ دہلوی مرحوم۔

راہ رو راہِ محبت کا خدا حافظ ہے ۔۔۔ اس میں دو چار بڑے سخت مقام آتے ہیں

چونکہ قلندر صاحب بھی راہِ عشق کے مسافر ہیں اس لئے شعر زیر بحث میں منازلِ عشق کی دشواریوں کا خیال کر کے فرماتے ہیں کہ عشق آسان نہیں بلکہ نہایت دشوار اور مشکل ترین مہم ہے سر العشق میں فرماتے ہیں:۔

"بادیہ بے پایانِ عشق مردم خوار است و در وے کل اصناف مردم خوار است اگر عاشق را برگِ مسافرت بود درست در شارع بے سراوی زند بلکہ نہالِ ہستی از چمن وجود بر کندہ و در دریائے نیستی افگند"۔

راہیست پر از خطر رہِ عشق ۔۔۔ آنجا ہمہ راہزنان بیباک
بے بدرقۂ عنایتِ تو ۔۔۔ نتواں شد ازیں رہِ خطرناک

جامی علیہ الرحمۃ

۵۔ ترجمہ:۔ یہ وہی جگہ ہے جو کعبہ میں دیکھی اگر تیری آنکھ کشادہ ہے تو بتکدہ کی طرف دیکھ باز۔ بہ بز لغتے بمعنی کشادہ و تکرار۔ مساوقت کاری تشبیب۔ تمیز و تفرقہ۔ جانب۔ گذرگاہ۔ نام طائرے شکاری۔ شراب۔ جدا۔ مباح۔ فراخ۔ بمعنی برگشتن۔ وصیغۂ امر از باختن و باز یدن شعر زیر تشریح میں کشادہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے

یعنی عاشقِ حق کے لئے کعبہ و بتخانہ میں ایک ہی مطلوب کا جلوہ ہے اور جن کو نورِ بصیرت عطا کیا گیا ہے وہ دونوں جگہ اسی کا نور مشاہدہ کرتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ نورِ مطلق کا ظہور ہر جگہ اور ہر چیز میں عیاں ہے کوئی تفاوت نہیں کعبہ بھی اسی کے نور سے معمور ہے اور بتخانہ بھی اسی نورِ مطلق کی آماجگاہ ہے۔

اسی کا نور ہر شئے میں جلوہ گر دیکھا ۔۔۔ اسی کی شان نظر آگئی جدھر دیکھا

آیت اللہ نور السموٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح ط المصباح فی الزجاجۃ ط الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد۔ اس کی شاہد ہے۔

۶۔ ترجمہ:۔ اس کے دل میں گداز ہے اور خدا کا ذکر اب پر فاضی تصویر میں ہے کہ

نماز کا حق یہی ہے

گاؤ خرمہ مرا از تعلقات دہر

مطلب یہ ہے کہ دل تو علائق دنیوی میں گرفتار ہے اور ذکر خدا در لب ہے تعجب ہے کہ فلاں صاحب اس کو زہد و عبادت سمجھ بیٹھے ہیں

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر — ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

فی الحقیقت نماز سے عاشقوں کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ دل کو زمانے کے تعلقات سے خارج کر کے خیالات میں یکسوئی پیدا کی جائے اور بارگاہ رب العزت میں حضور قلب کھڑے ہو کر اس کی تسبیح و تحمید کی جائے جس عبادت میں یکسوئی نہیں توجہ الی اللہ نہیں اس کو عبادت نہیں کہنا چاہیئے بلکہ وہ سراسر مکر اور فریب ہے قلندر صاحب نے کسی ظاہر پرست کو طنزاً کہہ ہی دیا کہ یہ تیری نماز نہیں دام فریب ہے شرم کر۔

تو درون نماز و دل بیروں — گشت ہا مے کند بہ ہمانی
ایں چنیں حالت پریشاں را — شرم نا ید نماز میخوانی

ترجمہ: اے قلندر اگر دوست کے دروازے پر جانا چاہتا ہے تو وہاں ہدیہ عجز و نیاز ہی قبول ہوگا۔

مطلب صاف ہے کہ بارگاہ محبوب میں باریاب ہونے کے لئے عجز و انکسار کی ضرورت ہے اس لئے تو بھی عاجزی اختیار کر کیونکہ یہی ایک وسیع اور گراں سنگ تحفہ ہے اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ۲ نمبر ۱

غزل ۲۲

مرا اندر گرہ گر نقد دیں است — ۱ — چہ چشم تو آں را در کمین است
زہے آں عقبۂ عالی کہ انجا — ۲ — جبین آسماں ہم بر جبین است

ستمگارے کہ مارا جان و دل برد ۳ ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

بگردوں انجمن تاباں کہ بینی ۴ فروغِ جلوۂ آں ماہ جبین است

بہ پیشِ عارضِ پرنورِ جاناں ۵ چہ مہرِ روشن و ماہِ مبین است

ہر آں کو دیدہ اش دیدہ است اورا ۶ نمی گوید چناں است و چنیں است

قلندر بو علی را با نور مرتبت ۷
کز اں غافل کرا آگاہ نہیں است

۱ ترجمہ۔ اگر میری گرہ میں نقدِ دیں ہے تو تیری آنکھ اس کی گھات میں کیوں ہے
قاعدہ ہے کہ صیاد کمین میں چھپ کر پرندوں کا شکار کرتا ہے۔

یعنی جب تجھے معلوم ہے کہ میری گرہ میں نقد دین وایمان ہے یعنی میرا دل نورِ ایمان اور
شمعِ عرفان سے روشن ہے تو تیری دلربا آنکھ اس کی گھات میں کیوں ہے ممکن ہے کہ شاعر کا مطلوب
بھی دین وایمان کی تاک میں ہو۔ دل کو بوجہ پوشیدگی ہونے کے گرہ کہا اور چونکہ نقدی کی حفاظت گرہ
کے سپرد ہوتی ہے اس لئے گرہ اور نقدِ دین کا استعمال ایک خاص لطف دیتا ہے لہذا دین وایمان
اور دل کی نسبت ظاہر ہے۔

۲ ترجمہ۔ واہ وہ عالی آستان کہ اس جگہ آسمان کی جبین زمین پر ہے۔
زہے کلمہ تحسین و تعجب لغت۔ بفتحات۔ آستان۔ دہلیز سیفنی۔ نام
شکل از علم رمل۔ اشارہ ہے حضور رسولِ مقبول کے آستانِ مقدس کی طرف۔

یعنی اُس آستانِ پاک کے آگے آسمان بھی سرنگوں ہے یعنی اُس کی آستانِ پاک
کی قدر و منزلت اور ادب اس قدر ملحوظ ہے کہ ہمیشہ آسمان سربسجود رہتا ہے ظاہر ہے کہ آسمان ہمیشہ
سرنگوں رہتا ہے اس لئے شاعر کی یہ وجہ بین حقیقت ہے۔

۳ ترجمہ وہ ستمگار کہ دل اور جان لے گیا یہی ہے یہی ہے یہی ہے۔
ستمگار۔ جفاکار۔ ظلم کرنے والا مراد معشوق کیونکہ جور و ستم معشوق کا شیوہ

ہوتا ہے۔

غارت گردل کی غارت گری پر شکوہ ہے کہ میرے دل وجان کا غاصب یہی ستمگر ہے شاعر نے خوب سمجھا لیکن حضرت ناسخ کو ابھی تک اپنے غاصب دل کی خبر نہیں

کہا بتائیں دل کو ناسخ کون غاصب لیگیا — بیٹھے ہیں رو دھو کر اب بیٹھے کو ہم کوئی ہوئے

۴ ترجمہ۔ آسمان پر روشن ستارے کو دیکھتا ہے اس ماہ جبین کے جلوہ کا فروغ ہے گردوں۔ آسمان یا ارابہ جس کو ہندی میں گاڑی کہتے ہیں لیکن اس جگہ فلک کے معنی دیتا ہے انجمن وہ جگہ جہاں بہت سے آدمی بیٹھے ہوں انجمن کا نون نسبتی ہے انجم کی طرف یعنی مناسبت بہ ستارگاں کیونکہ ستارے بھی ایک دوسرے کے متصل ہوتے ہیں اور ان کے نام بھی جدا جدا ہیں اس لئے انجمن کے معنے ستاروں کی مجلس یعنی ستارے ہوئے فروغ روشنی تجلی مراد یہ کہ اجرام فلکی میں محبوب مطلق کے نور کا پرتو ہے۔

ہر نقش کہ بر تختۂ ہستی پیداست — ایں صورت آنکس است کایں نقش بیاراست

۵ ترجمہ محبوب کے پرنور چہرے کے سامنے کیا ہے آفتاب درخشاں اور کیا ہے ماہ مبین مبین۔ آشکارا شدہ مطلب صاف ہے اصل اور نقل کی تمیز ناظرین خود کرلیں۔

زمہر روئے تو خورشید گشت غرق عرق — نزار ماندہ مہ آسماں ازاں عارض

۶ ترجمہ جس کی آنکھوں نے اسے دیکھا وہ یہ نہیں کہتا کہ محبوب ایسا ہے اور اسطرح کا ہے یعنی جس نے اپنے معشوق کو دیکھ لیا اس کی زبان بند ہوگئی اور وہ محبوب کے حسن و جمال کی توصیف بیان نہ کر سکا وجہ یہ کہ من عرف ربہ کل لسانہ

یک واقف اسرار تو نبود کہ گوید — از ہیبت راز تو فرو بستہ زبانہا

۷ ترجمہ۔ اہل قلندر کے تیرے ساتھ ایک رمز ہے کہ اس سے کراماً کاتبین بھی غافل ہیں۔ رمز بالفتح لب ابرو وچشم اور ان سے متعلقہ حرکات وسکنات سے اشارہ کرنے کا نام رمز ہے الانسان سرّی وانا سرّہ سے مطلب واضح ہو جاتا ہے اور فی الحقیقت عاشق ومعشوق کے راز و نیاز سے اغیار واقف نہیں ہوتے

آنکہ گفت ایزد با آدم با ملک ہرگز نگفت — گوش ناقابل نباشد محرم اسرار عشق

نیز دیکھو شعر ۵

غزل ۲۳

والضحیٰ شرحِ نورِ طلعتِ اوست ۱ لعلیٰ خلق وصفِ سیرتِ اوست

مصحفِ راورق ورق دیدم ۲ ہیچ سورت نہ مثلِ صورتِ اوست

فارغ از این و آں بدار آں را ۳ کہ دلِ تو مقامِ خلوتِ اوست

سوئے کثرت مکشائیم دل نگری ۴ جلوہ پرواز نورِ وحدتِ اوست

تا ابد زندگی ہمے باید ۵ ہر کہ او کشتۂ محبتِ اوست

نازم آں فتنۂ دو عالم را ۶ کہ قیامت غلامِ قامتِ اوست

۷ اے شرف دو جہاں اگر خواہی ۷
ہمہ در بندگی حضرتِ اوست

۱ ترجمہ۔ والضحیٰ اُس کے چہرے کے نور کی شرح اور لعلیٰ خلق اُس کی سیرت کی توصیف ہے

طلعت۔ بالفتح دیدار ہونا۔ دیکھنا۔ رخ۔ چہرہ لعلیٰ خلق۔ قرآنی آیت کا ایک حصّہ

انّک لعلیٰ خُلُقٍ عظیم سیرت۔ خو۔ عادت۔ الضحیٰ۔ قرآن مجید کی ایک سورت کا نام ہے

جس میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ یعنی قسم ہے دن چڑھے کی اور رات کی جب

ڈھانک لیوے۔ صاحبِ کشف الاسرار فرماتے ہیں کہ روز و شب سے مراد کشف و حجاب ہے کہ اشارہ

ہے انوارِ روئے محمدؐ سے اور کنایہ ہے ان کی زلفِ عنبر سے گویا کہ سورۂ والضحیٰ حضور کے رخِ پُر انوار

کی تفسیر ہے اور انک لعلیٰ خلق عظیم حضور کی سیرتِ مبارک کی توصیف ہے چنانچہ اس آیت کی تفسیر

میں مفسرین لکھتے ہیں کہ حضور کو مکارمِ اخلاق بنا کر دنیا میں بھیجا گیا خود خطاب باری کا ارشاد ہے کہ

تمہاری پیدائش یا محمد بہت بڑے خلق پر ہوئی اصطلاح تصوف میں رخ سے نور ایمان بھی مراد ہوتی ہے
ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اُس کا چہرہ نور ایمان کی تفسیر ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضور کے
روئے پر انور کو دیکھنے سے نور ایمان حاصل ہوتا ہے اور خدائے قدوس کے الطاف واکرام کا پتہ چلتا ہے
اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اُس کا چہرہ آیت لطف وکرم کی تفسیر ہے گویا اس شعر
میں حضور کے حسن صورت اور حسن سیرت کی توصیف باحسن الوجوہ کی گئی ہے

وصف خلق کسے کہ قرآن است	خلق را نعت او چہ امکان است

۲ ترجمہ۔ قرآن شریف کا ورق ورق میں نے دیکھا کوئی سورت اس کی صورت کی مثل نہیں
مُصحف صحیفوں کی کتاب مجازاً قرآن مجید کیونکہ یہ بھی خدائی صحیفوں کی کتاب ہے قرآن
مجید حضور کی تعریف سے لبریز اور حسن سیرت وحسن صورت کا مجموعہ ہے چونکہ حضور کی صورت اقدس خدائے
واحد کا نور ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کی کوئی سورت اس کی صورت کی مثل
ومثال نہیں گویا اُس کی صورت اور سیرت کی توصیف بیان سے بالاتر ہے !

۳ ترجمہ۔ اُس کو اِس سے اور اُس سے فارغ رکھ کیونکہ تیرا دل اُس کی خلوت کا مقام ہے
یہاں شاعر کا روئے سخن اپنے دل کی طرف ہے کہ اُس کو دنیا کے تعلقات سے فارغ رکھ
کیونکہ یہ مطلوب کی خلوت کا مقام ہے "اِیں و آں" کا اشارہ انہیں دنیوی تعلقات کی طرف ہے کہ تیرا دل چونکہ
انوار محبوب کی جلوہ گاہ ہے اِس لئے اس کو ان تعلقات سے فارغ رکھو۔

۴ ترجمہ کثرت کی طرف دل کی آنکھ سے دیکھ کہ اُس کا نور وحدت جلوہ ریز ہے
صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ ظاہری آنکھوں کی طرح دل کی بھی آنکھیں ہیں اگر وہ نور ایمان اور
دل سے دیکھے تو تجھے عالم کثرت میں اسی نور مطلق کا جلوہ نظر آئے گا

قلندر صاحب ایک دوسری جگہ بھی اسی مضمون کی تائید میں فرماتے ہیں۔

غافلے را چشم دل چوں وا شد از عشق او   جلوۂ وحدت شد از جلباب کثرت آشکار

مزید تشریح کے لئے دیکھو شعر ۴۳

۵ ترجمہ۔ وہ شخص ابدی زندگی حاصل کر سکتا ہے جو اُس کی محبت کا اسیر ہو۔
مطلب یہ کہ جس شخص کا دل عشق الٰہی میں زندہ ہو گیا وہ کبھی نہیں مرتا فی الحقیقت سالک کو

فناہ فی اللہ ہونے کے بعد بقا باللہ کا مرتبہ ملتا ہے جس پر کسی طرح کا تغیر نہیں ہوتا اور عاشق آغوش محبوب میں دائمی وصال کی لذت اٹھاتا ہے

کشتگان خنجر تسلیم را — ہر زماں از غیب جانے دیگر است

جناب رسالت مآب کا قول ہے

اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا يَمُوْتُوْنَ بَلْ يَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ — عاشقان الی اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک مقام سے دوسرے مقام میں نقل کرتے ہیں

امیر مینائی کا شعر ہے ۔

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے — کبھی اس گھر میں آنکلے کبھی اس گھر میں جا ٹھہرے

نیز دیکھو شعر ۲۶

اردو ترجمہ ۔ میں اس قلندر دو عالم پر ناز کرتا ہوں کہ جس کے قامت کی قیامت بھی غلام ہے ۔

چونکہ حضور شفیع الوریٰ اور شفیع المذنبین ہیں اور روز محشر لواء الحمد آپ ہی کے ہاتھ میں ہوگا بمقام محمود میں آپ ہی گنہگاروں کی شفاعت کریں گے اور آپ کے گرد دیگر مخلوق خدا کا اژدہام اور ہجوم ہوگا تو قیامت بھی آپ کے قد بالا یعنی شفاعت کبریٰ پر ناز کرے گی اور غلامی کا دم بھرے چونکہ حضور کی محبت والفت میں ایک عالم اسیر ہے اور بروز محشر وابستگان نبوی کا عام ہجوم اور رش ہوگا اس لئے قلندر دو عالم کہہ کر شاعر کہتا ہے کہ میں اس قلندر دو عالم پر ناز کرتا ہوں کہ جس کی شان شفاعت اور عظمت نبوت کی قیامت بھی غلام ہے قامت سے مراد یہاں شان و عظمت اور مراتب و درجات کی رفعت اور بلندی ہے

۲۸ ترجمہ ۔ اے شرف اگر دونوں جہاں چاہتا ہے تو یہ سب اس کی اطاعت میں ہے

مراد یہ کہ حضور کا اتباع مقصود کونین اور فلاح دارین کا ضامن ہے ۔

مزن بے رضائے محمد نفس — رہ رستگاری ہمیں است و بس

سنت نبوی کا اتباع ہر مسلمان پر فرض ہے جو شخص اس سنت پاکیزہ سے منحرف ہو جیسا کہ ذکر ہوا ہے وہ شرعاً کافر ہے کیونکہ راہ حق کی تقلید اور پیروی کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہو سکتا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طاعت و عبادت کے ساتھ ساتھ اپنے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی تاکید کی ہے جیسا کہ ارشاد ہے :-

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ   یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اُس کے رسول کی

اسی طرح منازلِ سلوک میں بھی حفظِ مراتب اور اتباع کا لحاظ ضروری ہے

هر مرتبه از وجود حکمے دارد   گر حفظِ مراتب نه کنی زندیقی

سالک جب تک ذاتِ رسول میں فنا نہ ہو جائے ..... ذاتِ حق میں فانی نہیں ہو سکتا غرضیکہ ہر صورت اور ہر پہلو میں جس پر کہ نظر کی جائے حفظِ مراتب اور اتباعِ سنتِ نبوی کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے مولانا جامی فرماتے ہیں کہ محمد الرسول اللہ ایک جاری چشمہ ہیں جس سے پیاسِ ادب ہر تشنہ دہان سیراب ہو سکتا ہے محمد کے میم کی دونوں آنکھوں سے جو کہ دو الٰہی چشموں کا منبع ہیں شراب و شہدِ شہادت ٹپکتے ہیں اور وہاں سے گمراہی کے بیابانوں کو کچھ عنایت ہوتا ہے دیکھو پائے ہویت کا چشمہ محمد علیہ السلام کے دو میم کے چشموں سے جاری ہے اور یہ بات بہت اعلیٰ پایہ کی ہے

غرضیکہ سنتِ نبوی کی تقلید اور متابعت ضروری ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اگر تجھے مقصودِ کونین اور فلاحِ دارین حاصل کرنے کی تمنا ہے تو یہ سب کچھ اُس کی پیروی اور تقلید میں ہے شیخ سعدی طلبِ حق کے لئے طاعتِ رسول کی ضرورت پر لکھتے ہیں۔

دریں راہ بجز مرد راعی نرفت   گم آنشد کہ دنبالِ راعی نرفت
کسانیکہ زیں راہ برگشتہ اند   برفتند بسیار سرگشتہ اند
خلافِ پیمبر کسے راہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہِ صفا   تواں رفت جز برپئے مصطفےٰ

اسی مضمون پر صاحب نزہت الارواح فرماتے ہیں

ہر کہ در راہِ محمد راہ نیافت   تا ابد گردی ازیں درگاہ نیافت
دولت آنجا جو و دیں آنجا طلب   مرجع اہل الیقیں آنجا طلب

غزل ۲۴

منزلِ عشق بس خطرناک است ۱ عقل اینجا نہ چست و چالاک است

عشق چوں شعلہ بلند کند ۲ ہستیٔ ما برنگِ خاشاک است

در رہِ عقل گام کے بزند ۳ ہر کہ در عشق چست و چالاک است

تا جمالِ تو پرتوے افگند ۴ روحِ رقصاں بقالبِ خاک است

چوں ستارہ ز فیضِ مقدمِ تو ۵ ذرۂ ما بہ اوجِ افلاک است

زاہدا چوں شوی تو محرمِ ما ۶ سینۂ تو ز کینہ ناپاک است

پنجۂ دیوانگی چوں کرد دراز ۷ در گریبانِ ما دو صد چاک است

در نظر صد بہشت می دارد ۸ آنکہ مفتونِ دخترِ تاک است

خواہد از جہاں بلند پروازی
بو علی از دو کون غمناک است

ترجمہ۔ عشق کی منزل بہت خطرناک ہے عقل اس جگہ چست چالاک نہیں

مطلب صاف ہے کہ عشق ایک مشکل ترین مہم ہے عقل عزیزی رہنمائی جس کو اپنی حقیقت کا ادراک نہیں کہ میں کیا ہوں کون ہوں کہاں ہوں باوجود محدود اور عاجز ہونے کے عشق کی لامحدود اور مشکل راہ میں کس طرح سالک کی راہنمائی کر سکتی ہے عرفی شیرازی لکھتا ہے۔

خوش باش کہ عشق عافیت سوز بر لشکرِ عقل گشت فیروز

در معرکِ عشق بے محابا عاجز شدہ عقلِ حیلہ اندوز

"اے برادر مپندار کہ علم و ہندسہ و ہیئت فیلسوفی خیال و ماسوی طبیعت دیدلی

حفظ از عقلیہ عقل و عشق ہیچ چیز بر نیاید ورنہ ہمہ درد بایزید داغ محبت نما

۲ ترجمہ: جب عشق شعلہ بلند کرتا ہے ہماری ہستی خاشاک ہو جاتی ہے ۔

خاشاک: مٹی۔ کوڑا کرکٹ

یعنی جب آتشِ عشق شعلہ زن ہوتی ہے تو ہماری ظاہری ہستی خس و خاشاک کی طرح جل جاتی ہے یا جب جذبۂ عشق جوش زن ہوتا ہے تو مجھے اپنی خودی اور ہستی کی خبر نہیں رہتی مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے ۔

۳ ترجمہ: جو عشق میں چست و چالاک ہے وہ عقل کے رستے میں کب قدم رکھتا ہے

یعنی جادۂ عشق و محبت کے گامزن عقل سے کوئی سروکار نہیں رکھتے بلکہ فرزانگی کے مقابلہ میں دیوانگی اختیار کرتے ہیں یہاں عقل سے مراد عقلِ فلسفی جزوی و نظری ہے سرّ العشق میں لکھا ہے ۔

"عشق راہبر عقل است اما بہ نسبت دیگر ہر چہ او اثبات کند این بر سے وارد تا بجائے برسد کہ عقل نتواند کہ ہیچ چیز را اثبات کند چون عقل از اثبات باز ایستد عشق خود را بنماید و گوید درین نگرو سے شیخ راہبر عقل از ہیبت این سخن در رسے بعالم نفی آورد و از برائے این خود نفی اغیار کردن گیرد عشق در آید و گوید از مقامات گذشتن و در مقامات آویختن در بین نفی و اثبات است و کار رفت در وے سبب ثبات است عقل بیچارہ راند جائے گریز نہ جائے قرار در میان لا و الا بود عشق از قہر او را از میان نفی و اثبات بیرون کند عقل در ماندہ از مقصود بر در ماندہ گردد و در مسالمت و منزلات جولان کردن گیرد عشق قطرۂ لمعۂ ایشان را تلخ کند او بر خواند و گوید اے بیخبران در بہ نجود دور خود خطاب است نمی بینی کہ بزرگے بہ خطاب اے حرف بود تو ہیچ و لاشئ اکنون دور مرو اے عقل چو قبلہ راہ مرو بسوئے قبلہ راہ رو سے رشتہ بر گو تا صوفیان صوامع قدس در رقص آیند"

۴ ترجمہ: اگر تیرا جمال پرتو ڈالے تو روح نقش کناں قالب خاک ہو جائے ۔

قالب: قالب خشت یا کوئی بھی چیز جس سے کپڑے پر نقش کرتے ہیں یہاں جسم و بدن۔

حضرات صوفیائے کرام نے تجلیات ربانی کے روح پر نازل ہونے کا نام مشاہدہ رکھا ہے یعنی مشاہدہ کا تعلق روح سے ہوتا ہے اگر سالک کی ہستی لوث نفسانی سے پاک نہ ہو تو اس پر جو تجلی

کا عالم طاری ہو جاتا ہے اور اگر بالکل فناء ہو چکا ہے تو مشاہدہ کر سکتا ہے قلندر صاحب بھی اس مقام کی کیفیت بیان کر رہے ہیں العاقل تکفیہ الاشارہ

یوں بھی مشاہدۂ ذات نبوی بشری کے ساتھ ممکن نہیں کیونکہ انسان میں اس کے دیکھنے کی تاب نہیں حضرت موسیٰ کا قصہ اس کی روشن دلیل ہے حدیث شریف میں آیا ہے۔

لَنْ تَرَوْا رَبَّكُمْ حَتّٰى تَمُوْتُوْا — تحقیق تم نہ دیکھو گے اپنے رب کو جب تک کہ مر نہ جاؤ

ایک عارف کا قول ہے کہ

"رویت عیاں دریں جہاں متعذر است چہ باقی در فانی نگنجد اما در آخرت مومنان را موعود است و کافراں را ممنوع"

حضور علیہ الصلوات والتسلیم کا ارشاد ہے

إِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ أَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُوْرٍ لَوْ كَشَفَهَا — اللہ تعالیٰ کے ستر ہزار پردے نور میں ہیں اگر ان پردوں
لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ كُلَّ مَنْ أَدْرَكَ بَصَرُهٗ — کو کھول دے تو اس کے رخسار کی روشنی تمام دیکھنے والوں کو جلا دے گی

لیکن کتب سلوک میں فناء کے مقام میں جو مشاہدہ ہوتا لکھا ہے وہ رویت قلبی ہے نہ کہ رویت عیانی اور مقام فناء خواب کے مشابہ ہوتا ہے اور خواب میں حق تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہے جیسا کہ حکیم محمد علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہزار بار حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔

۵ ترجمہ تیرے قدم کی برکت سے ستارے کی طرح ہمارا ذرہ آسمان کی بلندی پہ ہے۔

مقدم سفر سے واپس آنا قدم رکھنے کی جگہ مجازاً مطلق قدم — اوج بلندی رفعت

یعنی تیرے قدم میمنت لزوم کی برکت سے ہمارا ستارۂ دل بھی فلک رفعت اور عرش منزلت ہے دل کو ذرہ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ تیرے قدم کی برکت سے وہ آسمان تک بلند پروازی کرتا ہے ذرہ کو آسمان کی طرف اڑتا ظاہر ہے ذرے اور ستارے میں صنعت لطیف ہے

جذب اقبال عروجم بجائے انداخت — کہ ببال پر جبریل پریدن نرسد

---

۶ ترجمہ اے زاہد تو ہمارا محرم کب بن سکتا ہے کہ تیرا سینہ کینہ سے ملا ہوا ہے۔
کینہ بغض عداوت دشمنی۔

یعنی زاہد چونکہ ہمارا محرم راز نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کینہ توز ہے دوسرے لفظوں میں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اے زاہد چونکہ تو اہل حق سے کینہ رکھتا ہے اس لئے تو ان کے روحانی فیوض سے مستفیض نہیں ہو سکتا کیونکہ اہل حق سے برکات حاصل کرنا عقیدت اور نیازمندی پر موقوف ہے

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن (سعدی) آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

حدیث میں آیا ہے مَنْ عَادیٰ لِی وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔ شرعاً بھی کسی سے کینہ اور بغض رکھنا جائز نہیں۔

۷ ترجمہ۔ جب دیوانگی نے پنجہ دراز کیا ہمارے گریبان میں دو سو چاک ہو گئے۔

گریبان ۔ دراصل گریبان میں دو حرفی ترتیب پائی جاتی ہے گری اور بان گری بکسر اول بمعنی گردن و حلق اور بان محافظ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسے دربان۔

یعنی جب دیوانگی نے پنجہ دراز کیا تو میرا گریبان جا بجا چاک ہو گیا یعنی سمجھئے ظاہری ننگ و ناموس کی مطلق پرواہ نہ رہی۔

ظاہر ہے کہ جوش جنوں اور دیوانہ پن میں ننگ و ناموس کی پرواہ نہیں ہوتی مجنوں کا قصہ مشہور ہے عاشق کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔

دامنِ جامی ز دستِ عشق صد جا چاک شد ــــ مے ندارد عشق دست از دامنِ صد چاکِ او

---

۸ ترجمہ۔ جو دختر تاک کا مفتوں ہے وہ اپنی نظر میں سینکڑوں بہشت رکھتا ہے

مفتوں ۔ فتنہ میں ڈالا ہوا شیفتہ عاشق ۔ **تاک** ۔ بکاف عربی۔ درخت انگور اور ایک قوم کا نام ہے جو دہلی اور گجرات کے گرد و نواح میں آباد ہے

شاعر نے دختر تاک سے اپنا معشوق مراد لیا ہے کیونکہ مصرعۂ ثانی میں لفظ مفتوں عاشق ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ عاشق کو سوائے دیدار محبوب کے کسی چیز سے انس نہیں ہوتا گویا باغ و بہار اور فردوس و انہار کا لطف اسے چہرۂ معشوق سے حاصل ہو جاتا ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے محبوب کے عشق میں سرشار ہے سینکڑوں بہشت اس کی نظر میں ہیں۔

شیخ سعدی اس مضمون پر فرماتے ہیں۔

ہر آں کو روئے تو بیند بگوید از رہِ عشق — کہ من بشست بہ بیدم بہ راستی و درستی

لہذا یہ قلندر صاحب کا یہ کہنا خلافِ قیاس نہیں بلکہ عین حقیقت ہے۔

۹ ترجمہ بر تحلی جان سے بلند پروازی چاہتا ہے کیونکہ وہ دونوں جہاں سے غمناک ہے۔

دو کون ۔ ملک شاہ دنیا۔

روح کا اصلی مسکن باغِ ملکوت ہے اس خیال کو مدِنظر رکھ کر قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ

میں اپنی جان سے بلند پرواز ہونا چاہتا ہوں وجہ یہ کہ مجھے دونوں جہان کا غم ہے۔

عالمِ ناسوت کے غم و آلام تو کسی سے مخفی نہیں الدنیا دار البلا ر

اور عقبیٰ میں پرششِ اعمال اور ان کی سزا و جزا کا غم اس لئے میں اس دارِ فناہ سے بلند

پروازی چاہتا ہوں تاکہ ان تعلقات سے علیحدہ ہو کر فقط معشوق کے غمِ عشق میں بسر کروں

اگر مصرعۂ ثانی کا ترجمہ اس طرح کیا جائے کہ تو کلی دونوں جہان سے زیادہ غمناک ہے تو

بھی مطلب نہایت ہی موزوں معلوم ہوگا یعنی بوجہِ غمِ عشق کا ایسا مکمل نمونہ ہے کہ اگر زمین تے غم و

آلام کو باہم اکٹھا کر کے اس سے مقابلہ کیا جائے تو بھی اس کا پلہ بھاری رہے گا اس لئے وہ انتہائی

غمِ عشق کی وجہ سے جہان چھوڑنے پر مجبور ہے ظاہر ہے کہ غم زدہ آدمی زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے

لہذا قلندر صاحب کا یہ کہنا عین حقیقت ہے

غزل ۲۵

الغیاث اے مرشدِ جاں الغیاث ۱ جانِ ما بردند خوباں الغیاث

اے زمژگانِ قدر اندازِ تو ۲ شد بغارت دین و ایماں الغیاث

اے مسلماناں بغارت بردہ اند ۳ دلبراں مارا دل و جاں الغیاث

اے مسلسل موئے از زلفت مدام ۴ حالِ ما باشد پریشاں الغیاث

دردہا دارم پنہاں اے طبیب ۵ چیست درماں چیست درماں الغیاث

مرشدے کو تا براہم آورد ۔۔۔۔ ۶ راہ گم شد در بیابان الغیاث

بو علی مے گفت با یک شعلہ رو

سوختیم از سوز ہجراں الغیاث

۱ ترجمہ ۔ فریاد اے مرشدِ جان فریاد ! معشوق ہماری جان لے گئے فریاد !!

الغیاث ۔ بکسرِ غین داد رسی سے خواہم دراصل اطلب الغیاث تھا تخفیف کے لئے اطلب کو جو کہ فعل ہے حذف کر دیا اور الغیاث جو کہ مفعول ہے باقی رہا اور عام اصطلاح میں فریاد کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے

مطلب صاف ہے محتاجِ تشریح نہیں البتہ مرشدِ جاں کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔

حقیقت میں مرشدِ جاں اللہ تعالے ہیں کیونکہ روح آپ کی ملک ہے قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ قلندر صاحب اپنے مالکِ حقیقی سے جان جانے کی فریاد کرتے ہیں مگر لطف یہ کہ جان کا غاصب بھی وہی مالک ہے لہذا نہ جائے فریاد نہ تابِ سکوت

۲ ترجمہ ۔ اے کہ تیری قدر انداز پلکوں سے ہمارا دین و ایمان غارت ہو گیا ۔ فریاد !

قدر ۔ بفتحین ۔ قضا و حکم ۔ نہایت ۔ اندازہ بھی ہے اور خدا تعالیٰ نے ہر بندہ کیلئے جو اندازہ روزِ ازل سے مقرر کیا ہوا ہے ۔ مرادف تقدیر۔

مژگانِ محبوب کی شکایت ہے کہ تیری پلکوں نے میرا دین و ایمان غارت کر دیا گویا میری تقدیر ہی میں ایسا لکھا ہوا تھا ۔ مژگان کو بوجہ ہجوم رسنہ فوج کہا جاتا ہے لہذا دین و ایمان کا غارت ہونا خلافِ قیاس نہیں قلندر صاحب کی شکایت بجا ہے۔

۳ ترجمہ ۔ مسلمانوں ! دلبر جان و دل غارت کر کے لے گئے ۔ فریاد !

دل و جان دے کر تہید ستی کا گلہ ۔

۴ ترجمہ ۔ اے کہ تیری زلف کے مسلسل بالوں سے ہمیشہ ہمارا حال پریشان رہتا ہے ۔

زلفِ معشوق کی پریشانی عاشق کے دل کی پریشانی کا باعث ہوتی ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ تیری زلف کی مسلسل پریشانی نے ہمارا دل پریشان کر دیا۔

پیچ ذنا ہے کہ دل عزہ و در میاں داشت (قبلی) گشکن طرۂ گیسوئے تو پیدا ہے کر د

زلف پریشان سے عاشق کے دل کی پریشانی کے متعلق صاحب گلشن راز فرماتے ہیں۔

ازاں گردد دل از زلفش مشوش کہ از رویش دلی دارد بر آتش

جس سے مراد یہ ہے کہ عاشق کا دل محبوب کی زلف سے اس لئے پریشان ہوتا ہے کہ عاشق چونکہ رخِ یار کا دیدار کرنا چاہتا ہے اور زلف جو کثرتِ احکام سے مراد ہے محبوبی جمال کے مشاہدہ سے روکنے والی ہوتی ہے یعنی نگاہِ عاشق اور چہرۂ محبوب کے درمیان حائل ہونے کی وجہ سے مشتاقانِ دیدار کو سیراب نہیں ہونے دیتی بلکہ حجاب پیش کرتی ہے جس سے عاشق کا دل زیادہ بیقرار ہو جاتا ہے قلندر صاحب بھی اسی تمنا میں پریشان ہیں۔

قابلِ شانہ تری زلف ہوئی جس دن سے کبھی جو دل کہ پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

۵ ترجمہ۔ اے طبیب ہم پنہاں درد رکھتے ہیں اس کا علاج کیا ہے فریاد!

درمان۔ بالفتح علاج و معالجہ اور درماندن سے فعل امر!

حضرت امیر خسرو نے اچھا نسخہ تجویز کیا ہے ع۔ درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست۔

طبیب سے طبیب عشق مراد ہے۔ نیز دیکھو شعر ۳۔

۶ ترجمہ۔ مرشد کہاں ہے کہ مجھے راستے پر لائے فریاد کہ بیابان میں میرا رستہ گم ہو گیا۔

عالم اسباب یا منازلِ عشق کو بوجہ پیچ در پیچ اور دشوار گذار ہونے کے بیاباں کہا اور مرشد سے درخواست کی گئی ہے یا مرشد کی ضرورت کو واضح کر کے کہا گیا ہے کہ میں رستہ بھول گیا ہوں مرشد کہاں ہے کہ مجھے راہِ راست پر لائے۔

امورِ باطنیہ میں کسی کو اتباعِ مرشد سے مفر و چارہ نہیں کیونکہ اپنی رائے پر عمل کرنا کفر اور بے دینی میں داخل ہے اور اتباعِ مرشد سے انحراف کرنے میں تکبر اور غرور پیدا ہوتا ہے جو خدا کو ناپسند ہے البتہ خدا تعالیٰ جس کو تحقیق و اجتہاد کا سامان عطا فرمائے اس کو اپنی مجتہدانہ تحقیق پر عمل کرنا واجب ہے اور جو اس نعمت سے محروم ہوا سے تقلید کرنا واجب ہے۔

گو قلندر صاحب ایک لحاظ سے محقق کامل اور مجتہدِ اجل تھے تاہم اتباعِ شیخ کو طریقت کا جزو اعظم قرار دے کر طلبِ مدد کے لئے التجا کرتے ہیں کہ مجھے راہِ راست پر لا کیونکہ میں بیابانِ عشق میں رستہ بھول

گیا ہوں اسی مضمون کے لئے دیکھو نمبر (۲۰)

۷ ترجمہ۔ بجلی ایک شعلہ رو سے کہتا تھا کہ ہم سوزِ ہجراں سے جل گئے فریاد

شعلہ عذاروں کے آگے اپنے سوزِ فراق کا حال اظہار کرنے میں شاید کونسی حکمت پوشیدہ ہے۔

غزل ۲۶

ما طبیبِ عشق داریم احتیاج ۱ دردِ ما جز وے نہ بپذیرد علاج

تا جلالِ تو بما پرتو فگند ۲ در جہاں شہرہ شدیم آتش مزاج

در دیارِ خرقہ پوشانِ خدا ۳ خود فروشی را نمے باشد رواج

شاہ ما گردی ز فیضِ اہلِ فقر ۴ خاکِ شاں بر سر نہی گر ہم چو تاج.

تو بگردِ خویش و گردِ کعبہ بیں ۵ گردِ کعبہ دیدہ گر طوفِ حاج

مے شود روشن سراجِ ما ازو ۶ مرشدِ ما ہست روشن چوں سراج

۷ بہرِ تسکینِ مشتاق یا ذکرِ جہر کن ۷
بوعلی در دلِ چو داری اختلاج

۱ ترجمہ ہم طبیبِ عشق کی احتیاج رکھتے ہیں ہمارا درد اس کے سوا کسی کا علاج قبول نہیں کرتا

احتیاج۔ نیازمندی بلفظا آوردن۔ داشتن واُفتادن مستعمل مجازاً آرزو۔

یعنی مجھ مریضِ عشق کا علاج طبیبِ عشق دوسرا کوئی نہیں کرسکتا اس لئے مجھے طبیبِ عشق اور دارُوئے

دیدار کی ضرورت ہے نہ کہ طبیب کی بے شک الطبیبِ ظاہری کے علاج سے مریضِ عشق کی مرض

بڑھنے کا احتمال ہوتا ہے۔

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

لہذا قلندر صاحب کا قطعی فیصلہ ایک خاص حقیقت رکھتا ہے اس واقعہ کی تصدیق کے لئے دیکھو نمبر ۱۱

۲۔ ترجمہ۔ جب تیرے جلال نے مجھ پر پرتو ڈالا ہم جہان میں آتش مزاج مشہور ہو گئے۔

جلال۔ بالفتح بزرگی

یعنی جب تیرے جلال نے مجھ پر پرتو ڈالا تو جہان میں مشہور ہو گیا کہ یہ شخص بڑا آتش مزاج اور صاحبِ جلال ہے حالانکہ وہ آتش مزاجی تیرے ہی جلال کا پرتو تھی قلندر صاحب کی جلالتِ طبع اور عظمت کا ذکر سوانحِ عمری میں لکھا جا چکا ہے کہ بڑے بڑے عالی وقار بادشاہ بھی آپ سے نظر چراتے تھے اور ہیبت کے مارے سامنے نہیں ہو سکتے تھے۔

۳۔ ترجمہ۔ درویشانِ خدا کے شہر میں خود فروشی کا رواج نہیں۔

یعنی خاصانِ حق خود نمائی اور خود فروشی کو معیوب سمجھتے ہیں اور ان کے ہاں یہ رواج نہیں بخلاف زاہدانِ ظاہر دار کہ وہ اکثر دلق و عمامہ کو بیچتے ہیں اور خود نمائی کرتے ہیں کرتے ہیں حضرت عطار فرماتے ہیں۔

خود ستائی پیشۂ شیطاں بود ہر کہ خود را کم زند مرد آں بود

۴۔ ترجمہ۔ زوالِ فقر کے فیض سے ہمارا بادشاہ بن جائے اگر تو ان کی خاک پا کو تاج کی طرح اپنے سر پر رکھے ناصحانہ انداز ہے کہ فقرا کی خدمت عظمتِ دارین کا باعث ہوتی ہے حضرت شیخ سعدی شیرازی اصحابِ کہف اور ان کے کتے کی اطاعت کے متعلق فرماتے ہیں کہ کتے کو ان کی صحبت کے فیض سے انسانِ کامل کا مرتبہ مل گیا۔

سگِ اصحابِ کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت و مردم شد

اربابِ تاویل و تفسیر نے اصحابِ کہف اور ان کے کتے کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے صاحبِ عرائس التفسیر اپنی صوفیانہ اصطلاح میں فرماتے ہیں کہ اصحابِ کہف اور ان کے کلب کا قصہ حقیقت میں بدلائے سبعہ اساتذہ (اولیاء اللہ) سے متعلق ہے جہاں کی ساتوں ولایتیں ان کے وجود کے فیض سے قائم ہیں چنانچہ کلب سے نفسِ حیوانیہ اور بدلائے سبعہ سے روح۔ عقلِ کلی۔ قلب۔ نظریں۔ مخیلہ۔ قوتِ قدسیہ۔ (رنجیں)۔ مراد ہیں کہف بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور دقیانوس نفسِ امارہ ہے۔

مشہور ہے کہ دقیانوس کے مظالم سے تنگ آ کر اصحابِ کہف اپنی جان کی حفاظت کے لئے غار میں پناہ گزین ہو گئے اسی طرح نفسِ امارہ بدلائے سبعہ کو اقلیمِ وجود سے خارج کرنا چاہتا ہے اگر تجویز کارگر ہو گئی تو بدلائے سبعہ کی اصلی طاقت جو وصل الی اللہ کا باعث ہوتی ہے مغلوب اور رفتہ رفتہ زائل ہو جاتی

ہے اور نفس ہر کُلِ الشّجرۃ ظالم وجود پر مسلط ہو جاتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو وہ خود مغلوب ہو جاتا ہے۔

نفسِ امّارہ: حظوظِ خانی اور لذاتِ نفسانی کی طرف سخت امر کرنے والا یعنی گناہ کی طرف رغبت دلانے والا جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ۔

نفسِ لوامہ۔ ایسا نفس اولیاء اللہ اور صلحا کا ہوتا ہے کہ نورِ دل کی ہدایت سے ذوق رجع معاصی پر خود کو ملامت اور گناہوں سے باز رہنے کی کوشش کرتا ہے اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس نفس کی قسم کھائی ہے کہ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔

نفسِ مطمئنہ۔ یہ نفس صفاتِ ذمیمہ سے صاف ہو کر اوصافِ حمیدہ سے متصف اور قرب الٰہی کے مرتبہ پر فائز ہو کر اطمینان کا درجہ حاصل کر کے رضائے الٰہی کا مستحق ہوتا ہے لہٰذا اس خطاب سے مشرف ہے۔ یٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ط

نفسِ امّارہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ معاصی کی طرف راغب کرتا ہے پس جب بالفاسے ربانی طالب کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو شیخ چونکہ بمنزلہ طبیب ہوتا ہے اس لئے وہ نفسِ امّارہ اس لئے وہ نفسِ امّارہ کی خواہشات کا انسداد بذریعہ اشغال و اذکار بتدریج کرتا ہے رفتہ رفتہ جب دل میں ہدایتِ الٰہی کا نور چمکنے لگتا ہے تو اس کو خود بخود گناہوں سے ایک قسم کی نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور معاصی کے وقوع پر وہ اپنے آپ کو ملامت گذشتہ معاصی پر توبہ اور آئندہ کے لئے مجتنب رہنے کی کوشش کرتا ہے اس مقام پر پہنچ کر اس کا نفس نفسِ لوامہ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے اور جب اس مقام سے ترقی ہوتی ہے تو صفاتِ ذمیمہ کا قرار واقعی انسداد اور اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہو جاتا ہے اس مقام پر پہنچ کر سالک کا نفس نفسِ مطمئنہ کے خطاب سے مشرف ہو کر اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندوں میں داخل ہو کر تعالیٰ جنت کا حقدار ہوتا ہے ایسے لوگوں کو اصطلاح میں اولیاء اللہ کا لقب دیا جاتا ہے اور یہی لوگ دلوں کے حکمران ہوتے ہیں کیونکہ بادشاہوں کی حکمرانی جسموں تک محدود ہوتی ہے لیکن دلوں کو مسخر کرنا مادی طاقت کا کام نہیں بلکہ یہ دولت اولیاء اللہ کو منجانب اللہ عطا ہوتی ہے پس قلندر صاحب کی مراد بھی یہ ہے کہ اے مخاطب اگر تو اہل اللہ کی خاک پا کو اپنے سر کا تاج بنائے یعنی ان کی خدمت اور اطاعت کرے تو ان کے فیض سے ہمارا بادشاہ بن جائے یعنی تجھ کو تسخیر القلوب کی طاقت حاصل ہو۔

ہم نے نفس کی جو مثال دی ہے وہ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ نفسِ امّارہ اطاعت

مرشد سے بتدریج مراتب و درجات حاصل کر کے بالآخر اللہ تعالیٰ کے محبوب اور فرمان پذیر بندوں میں داخل ہو جانا ہے نتیجہ یہ نکلا کہ خاصان حق اور مقبولانِ الٰہی درویشوں کی خدمت اور اطاعت عزتِ دارین اور مقصودِ کونین کی ضامن ہے جس عزت کے مقابلہ میں شاہانہ تاج زرِ مرصع اور سب ہیچ حقیقت ہیں۔

آنچہ زر سے شود از پرتو آں قلب سیاہ	کیمیائیست کہ در صحبتِ درویشاں است
حافظا ایں جا بادب باش کہ سلطان و ملک	ہمہ در بندگیٔ حضرتِ درویشاں است

مکتوبات میں قلندر صاحب نے اپنے برادر زادہ و مریدِ خاص حضرت مولانا اخلیار الدین صاحب قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو تسلیم و اطاعت اور فرمانبرداری کی تعلیم ان الفاظ میں دی ہے۔

"اے برادر پیر محترم معشوق است از مجاہدۂ و ریاضت جذبہ حاصل کردہ او را و معشوق از عشق مے نماند و اصلاح برائے صفائی آئینۂ دل ترا حاصل آید بیرازِ صفائی حقیقت ترا ازیں قالبِ خاکی کہ دالا نفسانی شدہ راہ و خفائی نماید و ترا ازیں دمنی بر باید حکایت آوردہ اند حضرت بایزید بسطامی سی سال در خدمتِ پیر بودہ بعد سی سال پیر فرمود بر دار طاقِ خانہ فلاں کتاب بیار بایزید گفت نمی دانم در خانہ طاق کجا است پیر گفت ترا سی سال شد در خدمت ما ہنوز طاقِ خانہ نمیدانی بایزید گفت بعزتِ خدا بعزت آں صدق کہ بر تو دارم اگر دریں سی سال نظرِ من بر طاق افتادہ باشد دانستمے کہ طاق کجا است گر من برائے خدمت تو بودہ ام نہ برائے دیدنِ طاق تا آں کہ نظر بر طاق کنم آں نظر بر پیر چرا نکنم"

از خدمتِ چگونہ تواہیم سر کشید	ما را برائے بندگیت آفریدہ اند

اے برادر چوں پیر را شناختی خود را شناختی و چوں خود را شناختی نفس را دانستی چوں نفس را دانستی معرفتِ حق را شناختی و چوں معرفتِ حق دریافتی گم کردی خود را و حاصل کردی عشق را و چوں عشق حاصل کردی در تماشائے حسن تا ابد خواہی ماند"

قلندر صاحب میں ایں نوع عقیدت و ارادت اور فرمانبرداری بھری ہوئی ہے

۵ ۔ ترجمہ : ذرا اپنے گرد پھر اور کعبہ کو دیکھ اگر تو نے کعبے کے گرد حاجیوں کا طواف دیکھا ہے۔

طواف : کسی چیز کے گرد اگرد پھرنا اصطلاح میں کعبہ کے گرد پھرنے کو طواف کہتے ہیں۔

حاجّ ۔ بہ تشدید جیم صیغہ اسم فاعل بمعنے حج کرنے والا۔ حاجی کی جمع بحذف یائے نسبتی۔

کعبۂ دل کی عظمت بیان کرنا مقصود ہے کہ تو اپنی ہستی کو دیکھ اور اپنے کعبۂ دل کا طواف کر جو نورِ حق سے معمور ہے بخلاف کعبۂ ظاہری کہ اُس کی بنا آب و گل سے ہے

کعبہ بنگاہ خلیل آزر است	دل گذرگاہ جلیل اکبر است	(عارف رومی)

اسی مضمون پر ہے۔

ہمیں تفرج باغ وجود کن سبک	کہ نقشہ دل بکہ صورت منقش است نزا

نیز دیکھو شعر ۲/۴

۶۔ ترجمہ۔ ہمارا چراغ اس سے روشن ہے ہمارا مرشد چراغ کی طرح روشن ہے۔

یعنی ہمارا چراغِ دل مرشد کے چراغِ دل سے روشن ہوا کیونکہ ہمارا مرشد خود چراغ کی طرح روشن ہے قلندر صاحب کے پیر و مرشد قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کی ہمہ گیر عظمت اور عالی نسبت سے زمانہ واقف ہے و نیز قلندریہ نعمت حضرت خواجہ نجم الدین غوث الدہر قلندر غزنوی سے عطا ہوئی و نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روحانی بیعت سے مشرف ہونا کوئی معمولی بات نہیں اس لئے قلندر صاحب کا چراغِ دل مرشد کے سراج سے روشن ہونا ایک اعلےٰ حقیقت رکھتا ہے کیونکہ مرشد کے دل کے انوار کا انعکاس مرید کے دل پر ہوتا ہے توجہ اتحادی سے اس دعوے کی تصدیق ہو سکتی ہے نیز دیکھو شعر ۲۶/۵

۷ ترجمہ تسکین کے لئے ذکرِ جہر کی مشق کرا سے جو قلبی دل میں کیا اختلاج رکھتا ہے۔
اختلاج۔ بالکسر پھڑکنا عضو یعنی بدن کا اچھلنا ذکرِ جہر۔ با آوازِ بلند نفی اثبات کا ذکر کرنا۔
یعنی سکونِ دل اور تسکینِ احساس کیلئے ذکرِ جہر کی مشق کرنی چاہیئے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب

غزل ۲۷

بچشمِ عاشقاں غیر از خدا ہیچ	۱	زمین و آتش و آب و ہوا ہیچ
بنزدِ آں کہ دل اندر خدا بست	۲	نماز و قبلہ و قبلہ نما ہیچ
گدائی گزدرت خاکے بسر کرد	۳	بہ پیشِ او بود ظلِ ہما ہیچ

بچشمِ آں کہ طاعت بے ریا کرد ۴ بہشت و دوزخ و خوف و رجا ہیچ
نگیرم تا بدست آں زلفِ مشکیں ۵ کہ باشد نافۂ ملکِ خطا ہیچ
قضا گر دست مے گیرد کسے را ۶ دوا است ہیچ آں جا ہم دعا ہیچ

۷ دلِ او شد غنی از عشقِ مولیٰ ۷
قلندر داند از شاہاں عطا ہیچ

۱۔ ترجمہ۔ عاشقوں کی نظروں میں غیرِ خدا زمین و آتش آب و ہوا سب ہیچ ہیں۔

یعنی بجز مطلوب کے ہر چیز ان کی نظروں میں بے حقیقت ہے۔

۲۔ ترجمہ۔ اس کے نزدیک کہ جس نے خدا میں دل باندھا نماز و قبلہ نما ہیچ ہیں۔

یعنی جو ایمان بالعین رکھتے ہیں وہ ایمان بالغیب کے قائل نہیں۔

۳۔ ترجمہ۔ وہ گدا کہ تیرے دروازے کی مٹی پر گذر کرتا ہے اس کے لئے ہُما کا سایہ ہیچ ہے
ہُما۔ بالضم۔ اول ایک مرغ ہے کہ ہڈیاں کھاتا ہے اور جس پر اس کا سایہ پڑے اسے دولت
اور سلطنت نصیب ہوتی ہے ظل۔ سایہ

یعنی اُس گدا کی نظروں میں ہُما کا سایہ کوئی چیز نہیں جو تیرے دروازے پر زندگی بسر کرتا ہو
ز پادشاہ و گدا فارغم بحمد اللہ (حافظ) گدائے خاکِ درِ دوست بادشاہِ منست

۴۔ ترجمہ۔ جس نے بے ریا اطاعت کی اس کی نظروں میں بہشت و دوزخ خوف و رجا کوئی چیز نہیں
رجا۔ امید

مراد یہ کہ خاصانِ حق کو جن کی عبادت میں اخلاص اور بے غرضی ہو تا سوا مطلوب کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی

۵۔ ترجمہ۔ جب تک میں زلفِ مشکیں کو ہاتھ میں نہ پکڑ لوں میرے نزدیک خطا کا نافہ ہیچ ہے۔
نافہ۔ کستوری۔ خطا۔ ایک ملک کا نام ہے جہاں کے نافے مشہور ہیں۔
زلفِ محبوب کو عنبر بار کہا جاتا ہے۔

برگذرگاہِ چمن عطر فروشی سحری بوئے زلفِ تو کف داشت و سودا مے کرد

یعنی جب تک زلف یار تک مجھے دسترس نہ ہو مجھے خطا کا نافہ ہیچ معلوم ہو گا مراد یہ کہ نافہ کی قدر قیمت زلف یار کے ملاحظہ سے ہو گی ۔

ما ترجمہ۔ جب قضا کسی کا ناخن پکڑ لے تو وہاں دعا اور دوا ہیچ ہیں ۔

یعنی قضا ایک ایسی بیماری ہے جو بالکل لاعلاج ہے وہاں نہ کوئی دوا کارگر ہو سکتی ہے اور نہ کسی دعا میں اثر رہتا ہے

کرانبخِ قہر اجل در قفاست	بر سناست گر پوشش چند لاست
چوں طالع زار و زبوں بود	سپر پیش تیر قضا ہیچ بود

حکایت۔ ایک دن ایک سادہ لوح آدمی چاشت کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی دارالعدالت میں دوڑتا ہوا آیا خوف کی وجہ سے اس کا چہرہ کا رنگ زرد نظر آتا تھا اور ہونٹ نیلے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ کیوں بھائی خیر تو ہے وہ شخص عرض کرنے لگا ۔

گفت عزرائیل در من ایں چنیں	یک نظر انداخت پر از خشم و کیں

یعنی حضرت عزرائیل نے مجھے ایسی خشم آلود نگاہ سے دیکھا کہ مجھے خوف آ گیا حضرت سلیمان نے فرمایا کہ اب تو کیا چاہتا ہے۔ اس نے عرض کی اے جائے پناہ! آپ ہوا کو حکم دیجئے کہ وہ مجھے یہاں سے ہندوستان پہنچا دے شاید اس حیلہ سے میری جان بچ جائے حضرت کو اس کی بیکسی پر ترس آیا

پس سلیماں کرد بر باد ایں برات	بر د بادا در ابسوئے سومنات
باد را فرمود تا او را شتاب	بر د سوئے خاک ہندوستاں بر آب

یعنی حکم دیا کہ ہوا اسے جلد از جلد ہندوستان پہنچا دے چنانچہ ہوا نے فی الفور اسے ہندوستان پہنچا دیا۔

دوسرے روز جب حضرت سلیمان علیہ السلام دارالعدالت میں آئے تو حضرت عزرائیل سے ملاقات ہوئی اور پوچھا ۔

کاں مسلماں را بخشم از چہ سبب	بنگریدی باز گوای پیک رب

یعنی حضرت عزرائیل سے پوچھا کہ تم نے اس بیچارے کو خشم آلود نگاہ سے کیوں دیکھا عزرائیل نے کہا کہ اس کو غلط فہمی ہوئی اور میرے غصہ کا ظن پیدا ہو گیا ورنہ میں نے اس کو از راہ تعجب دیکھا تھا کیوں کہ مجھے حکم تھا کہ آج ہندوستان میں اس کی روح قبض کروں لیکن

دیدمش اینجا و بس حیراں شدم   در تفکر رفتہ و سرگرداں شدم

از عجب گفتم گر ادر احید راست — نہ رہ ہندوستاں شدن در اں بدست

یعنی میں اس کو یہاں دیکھ کر متعجب ہوتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ اگر اس کے سینکڑوں بال و پر بھی نکل آئیں تب بھی وہ ہندوستاں نہیں پہنچ سکتا پھر حبیب اللہ تعالٰے کے حکم سے وہ ہندوستان پہنچا تو میں نے وہاں جاکر اس کی جان قبض کر لی۔ اس حکایت سے نتیجہ یہ نکلا کہ اس بیچارے نے اپنی جان بچانے کے لئے گھر بار چھوڑ کر جلاوطنی اختیار کی مگر صدلے قضا چونکہ اس کے سر پر گونج رہی تھی اس لئے اس کی تدبیر اس کے حق میں نافع ثابت نہ ہوئی۔ یہی مراد قلندر صاحب کی ہے

چوں قضا آید شود دانش بخواب — ماہ سیاہ گر دو بگیرد آفتاب

ترجمہ۔ اس کا دل مولا کے عشق سے غنی ہو گیا قلندر بادشاہوں کی عطا کو ہیچ سمجھتا ہے

یعنی میں عشقِ محبوب میں اس قدر مستغنی المزاج ہوں کہ شاہانِ زماں کی عطا کو کوئی چیز نہیں سمجھتا سوانحِ عمری میں لکھا گیا ہے کہ قلندر صاحب علاؤالدین خلجی جیسے عالی وقار بادشاہ کو بھی شحنۂ دہلی اور فوجدار کے القاب سے یاد فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ شاہانہ تحائف رہدایہ کو بھی معرض خیال میں نہ لاتے تھے جس سے آپ کے انتہائی استغنا کا پتہ چلتا ہے۔

غزل ۲۸

چوں موذّن زند صلائے صلاح — ۱ — ما صبوحی کشیم وقتِ صباح

نعرۂ عاشقانہ برداریم — ۲ — کہ ببانگِ نماز نیست فلاح

ما ز جامِ طہور سے نہ بیم — ۳ — گرچہ زاہد کند ہزار الحاح

کشتی ما بہ ورطۂ دریا — ۴ — غافل از موج خیز آں ملّاح

مے کند فاش ہر کہ رازِ حبیب — ۵ — خونِ او را ہمے کنند مباح

ما چہ داریم امید از دشمن — ۶ — کہ ز دستِ تو کس نیافت نجاح

بو علی را ببیں کہ در عشقت — ۷ — مے کشد نعرہ ہر مساء و صباح

۱۔ ترجمہ۔ صبح کے وقت جب مؤذن نیک آواز دیتا ہے ہم شراب پیتے ہیں۔

مُؤَذِّن۔ آذان دینے والا۔ بانگِ نماز کہنے والا۔ صَلا ئے۔ بفتح کھانا کھانے کے لئے آواز دینا مجازاً مطلق آواز دکسر بمعنی بریان صلاح۔ بفتح نیکی بضد فساد دکسر اول جمع مصالح و نام مکہ معظمہ صبوحی۔ بفتح اول وہ شراب جو صبح کے وقت پی جاتی ہے غبوق کی ضد ہے جو شام کے وقت پیتے ہیں صباح۔ بفتح اول بامداد یعنی صبح۔

شراب کی اصطلاحی تحقیق گذشتہ غزلوں میں لکھی جا چکی ہے عموماً شرابِ بیخودی کے معنوں میں مستعمل ہے۔ قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ جب مؤذن صبح کی اذان دیتا ہے تو اس وقت ہم جلوۂ محبوب سے مست اور بیخود ہوتے ہیں خواجہ حافظ کے الفاظ میں صبح اور مے نوشی کا منظر ملاحظہ ہو۔

	الصبوح الصبوح یا اصحاب	میدمد صبح کلّہ بست سحاب
	خوش بنوشید دائما مئے ناب	می وزد از چمن نسیم بہشت

۲۔ ترجمہ۔ ہم عاشقانہ نعرے مارتے ہیں کہ بانگِ نماز میں فلاح نہیں۔

فلاح۔ بہتری۔ بھلائی۔

مطلع غزل سے مرتبط ہے کہ صرف بانگ وصلوٰۃ موجب فلاح نہیں بلکہ عشق اختیار کر کے شرابِ بیخودی سے معیت حاصل کرنی چاہیے جس کو عاشقانہ انداز میں صبوحی کہا ممکن ہے کہ حضورِ قلب کی طرف اشارہ کیا گیا ہو لاصلوٰۃ الا بحضور القلب۔ شیخ سعدی کو اس پر یہی شک ہو گیا ہے کہ شاید محبوب کا میل زاہدوں سے ہے یا رندانِ بازاری سے چنانچہ فرماتے ہیں۔

	عاشق بہ بُتی دو سالہ ربطے دارد	زاہد بہ نماز و روزہ ضبطے دارد
	ہر کس بخیال خویش خبطے دارد	معلوم نشد کہ یار مشغول کیست

۳۔ ترجمہ۔ اگر چہ زاہد ہزار منت بھی کرے ہم جامِ طہور سے شراب کبھی نہ دیں گے۔

الحاح۔ بکسر ردکر مانگنا یعنی منت وسماجت کرنا۔

یعنی جب خشک زاہد اس شراب کا اہل نہیں تو اُسے شراب پلا دینے کی ضرورت کیا ہے۔

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں   ہیں مئے ناب کے دلال و زرح خوار نہیں

جامِ طہور اور مئے کی رعایت ظاہر ا۔

۴۔ ترجمہ۔ ہماری کشتی دریا کے گرداب میں ہے اور وہ ملاح اٹھنے والی موجوں سے غافل۔

ورطہ۔ بالفتح۔ ہلاکت کا مقام یا وہ زمین جس میں کوئی راستہ نہ ہو مجازاً گرداب۔ بھنور جس کر ساتھ پہنچنا یہاں نہایت

ظاہر ہے کہ اگر کشتی گرداب میں چلی جائے اور ملاح غافل سواری کرے تو اس کا ڈوبنا یقینی ہے

مخاطب کے عدم التفات کی طرف اشارہ ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ جو حبیب کے راز فاش کرتا ہے اس کا خون کرنا بھی جائز ہے۔

مباح۔ جائز داشتہ شدہ۔ حلال۔

حضرت منصور اور راز حبیب کا واقعہ اس کی دلیل ہے کہ آپ نے مغلوب الحال ہونے کی وجہ سے ایک تو بالفاظ انا الحق اپنی ہستی کا اقرار کیا اور دوسرے محبوب کے سربستہ رازوں کو عوام پر منکشف کر دیا جس کی پاداش میں آپ سزائے دار کے مستوجب قرار دئے گئے چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جس دن منصور کو سولی دی گئی میں تمام رات سولی کے نیچے بیٹھا رہا اور التجا کی کہ الٰہی حبیب منصور حق پر تھے تو ان کو یہ سزا کیوں دی گئی ہاتف غیب نے آواز دی کہ ایسے شخص کی یہی سزا ہونی چاہیئے کہ جو بادشاہوں کے راز افشا کرے کہنا تو قلندر صاحب نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ ایسا شخص واقعی قابل دار ہے دنیز شعر ہذا سے رازداری کی تعلیم پائی جاتی ہے کہ سالک کو افشائے راز سے باز رہنا چاہیئے۔

۶۔ ترجمہ۔ ہم تیرے ہاتھ سے کیا امید رکھیں جبکہ تیرے ہاتھ سے کسی نے خلاصی نہیں پائی۔

نجات۔ رستگاری۔ فیروزی۔ حاجت روائی۔

یعنی جب کسی کو تیرے دام محبت سے رستگاری کی امید نہیں تو ہم خصوصیت سے یہ التجا بھی بیکار ہے

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب	کیا کسی کا گلہ کرے کوئی

حقیقت میں عشق کا حال ہی ایسا ہے کہ جو اس کا اسیر ہو وہ نجات کی خواہش نہیں کرتا اور اگر کرے بھی تو ملنی مشکل ہے کیونکہ دل پہلے ہی دے دیا جاتا ہے پھر از دست رفتہ چیز کا واپس آنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے

شعر دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن۔

۷۔ ترجمہ۔ بو علی کو دیکھو کہ تیرے عشق میں صبح و شام نعرہ کناں ہے۔

مسا۔ وقت شام۔

کمال عشق کا ثبوت یہی عاشق کی یہی علامت ہے کہ وصل کے شوق اور قلبیت کے غم میں روئے اور فریاد کرے۔

غزل ۲۹

گرچہ جولانگاہ در آغازِ عشق آمد فراخ ۱ لیکن آید رفتہ رفتہ راہ سخت و سنگلاخ

من بطفلی در کنارِ خوب رویاں رفتنی ۲ عہدِ من با عشق باشد مستحیل الانفساخ

سخت دشوار است راہِ من کہ بر ہر منزلے ۳ درمیانِ خار و خارا نافہ ام گیر دست راخ

جملہ دنیا بے ثبات و زندگی ہم بے ثبات ۴ در رہِ سیلاب می ریزند مردم طرح کاخ

آہِ من آتش زند در خرمنِ شمس و قمر ۵ نعرۂ من می شگافد گوش گردوں را صماخ

از نظاولہائے زلف پر زنالش آہ آہ!! ۶ در لفافہائے تشنیم بخوابش آخ آخ

۷	بوعلی چوں تازہ رو بنماید اندر عشق نو،، زود می پژمردہ گردد چوں جدا شد گل ز شاخ	۷

ترجمہ عشق کے آغاز میں جولانگاہ فراخ نظر آئی لیکن رفتہ رفتہ یہ رستہ سخت اور سنگلاخ معلوم ہوا
جولانگاہ گھوڑے دوڑنے کی جگہ فراخ کھلا کشادہ ۔ مراد از وادیٔ عشق سنگلاخ
سخت زمین یا پتھریلی زمین ۔

شاعر نے وادیٔ عشق اور راہِ محبت کی دشواریاں بیان کی ہیں کہ اس کی ابتدائی منزلیں ایسی روح افزا اور کشادہ معلوم ہوتی ہیں کہ چاروں طرف گلزار اور چمنستان ہی نظر آتے ہیں نگاہ کوسوں تک پہنچتی ہے منزلِ مقصود نزدیک معلوم ہوتی ہے اور وصالِ محبوب قریب مگر چند سے مسافت کے بعد باغ و بہار میں تغیر تبدل ہونے لگتا ہے نہ وہ پر فضا باغ ہیں اور نہ بہار کا نشان! دور دراز کی مسافتیں اور طول طویل منزلیں کھائی دیتی ہیں جہاں چشمِ بصیرت کو اکثر دھوکا ہوتا ہے راستے ایسے پیچدار کہ الامان! جن کو خواجہ حافظ نے بھی "رہ پیچ در پیچ زلفت" کہا ہے ناچار گھبرا کر یہی کہنا پڑتا ہے ۔

عشق است و صد آفات و محن لازم و ملزوم	این منزلِ دشوار و رہ سخت دراز است

اسی مضمون کے لیے دیکھو شعر ۱۴۲

۲۔ ترجمہ۔ میں بچپن میں حسینوں کے کنارہ میں گیا اس لئے عشق کے ساتھ میرا عہد توڑنا محال ہے۔
مستحیل۔ بالضم۔ محال۔ ناممکن۔ اور ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنا۔ انفساخ فسخ کرنا۔ توڑنا۔ زائل کرنا۔

یعنی میرا عشق اور عہد قدیمی ہے اور میں پرانا اسیر ہوں اس لئے میں انفساخ عہد نہیں کر سکتا اور بد ستور اسیری کا خواہشمند ہوں مندرجہ ذیل رباعی بھی اسی مضمون کو واضح کرتی ہے۔

آں دم کہ ز ہر دو کون آثار نبود — بر لوح وجود نقش اغیار نبود
معشوقہ و عشق و ما بہم بودیم مُوا — در گوشۂ خلوت کہ دیار نبود

مولانا جامیؒ عدم ترک فقر کی نسبت فرماتے ہیں۔

نیست ممکن ترکِ فقر از من کہ در عہدِ قدیم — بستہ ام با فقر عہدے مستحیل الانفساخ

مولانا جامی نے قلندر صاحب کی طرز میں پوری غزل لکھی ہے غالباً اس میں قلندر صاحب کی زیر تشریح غزل کا ہی تتبع کیا گیا ہو

۳۔ ترجمہ۔ رستہ مشکل ہے جس کی ہر منزل پر خار و خارا کے درمیان میرا قافلہ رک جاتا ہے
خار۔ کانٹا۔ خارا۔ سخت پتھر۔ مُناخ یعنی محل خواب جائے آسودگی۔
منازلِ عشق کی دشوار گذار راہوں کی طرف اشارہ ہے مسلیم لکھتا ہے۔

در رہِ عشق اے دل از محرِ فسوں غافل مباش — خار ہر راہ ایں صحرا ئے چاہ بابل است

مزید تشریح کے لئے دیکھو شعر (۱۲، ۱۹)

۴۔ ترجمہ۔ تمام دنیا بے ثبات ہے اور زندگی بھی لوگ راہ سیلاب میں محل کی بنیاد رکھتے ہیں
کاخ۔ محل۔ دنیا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ مولانا جامیؒ یوسف زلیخا کے دیباچے میں فرماتے ہیں۔

دلا تا کے دریں کاخ مجازی — کنی مانند طفلاں خاکبازی
توئی آں دست پرور مرغ گستاخ — کہ بودت آشیاں بیرون ازیں کاخ

مراد یہ کہ دنیا ناپائیدار ہے زندگی کو بقا نہیں اور جو لوگ اس میں دل لگاتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے سیلاب پر محل کی بنیاد رکھنا جو یقیناً ناپائدار ہے حضرت خواجہ محمد ابراہیم گازرونی

فرماتے ہیں کہ مسافر کی صحبت مسافر کے ساتھ اس طرح ہے جیسا کسی نے برف پر مکان بنایا جب برف پگھل گئی تو مسافر ضرور کوچ کا ارادہ کرے گا یہی مثال دنیا اور اہل دنیا کی ہے

جہاں بر آب نہادہ است عاقلاں بر ننہند	کہ در رہِ آب نہ جائے قرار و بنیاد است

نیز دیکھو شعر (۱۳۳/۳)

۵ ترجمہ - میری آہ نے شمس و قمر کے خرمن میں آگ لگائی ہے اور میرا نعرہ آسمان کے کان کاٹتا ہے

صماخ بکسر سوراخ گوش بحر الجواہر میں آنکھوں کے سوراخ لکھا ہے ۔

یعنی اگر میری آہ جہاں سوز آسمان کی طرف جائے تو شمس و قمر کے خرمن میں آگ لگ جائے اور آسمان کے کان بہرے ہو جائیں ۔

الٰہی خیر ہو جیبِ چرخِ کہن کی	لگے نالے ہمارے سر اٹھانے

دیکھو شعر (۱۴/۳)

۶ ترجمہ - اس کی پُر تاب زلف کی دست درازی سے آہ آہ اور اس کی نیم خواب آنکھ کی غفلت سے آخ آخ

تطاول بضم واؤ بمعنی گردن کشی و تکبر - دست درازی کنایہ از ظلم و تعدی آخ آخ کلمہ تحسین و آفرین اور بہار عجم میں شور و فغاں لکھا ہے ۔

یعنی زلف معشوق کی دست درازی اور اس کی نیم باز آنکھ پر جو ظلم و جفا کے ساتھ دلوں کو لے جاتی ہے ہائے افسوس ہے کہ ایک جہاں اس کی دست درازی اور بیداد گری سے شور و فغاں کر رہا ہے مگر جور و جفا کا سلسلہ بدستور جاری ہے ۔

۷ ترجمہ - تیرے عشق میں بوعلی کیسے تازہ چہرہ دکھائے کہ جب پھول شاخ سے جدا ہو فوراً پژمردہ ہو جاتا ہے ۔

یعنی جس طرح پھول شاخ سے جدا ہو کر فوراً پژمردہ ہو جاتا ہے اسی طرح بوعلی کا حال ہے کہ ہر وقت جدائی کا کھٹکا دامنگیر ہونے کی وجہ سے وہ بھی گل پژمردہ کی طرح ہے جو اپنی شاخ سے جدا کر لیا گیا ہو جس طرح پھول کی اصل شاخ ہے اور پھول شاخ سے جدا ہو کر مرجھا جاتا ہے اسی طرح انسان کی اصل عالم ملکوت ہے اور وہ وہاں سے جدا ہو کر پھر اپنے اصل سے واصل ہونے کی فکر میں

سر وقت پریشان رہتا ہے عاشق کی نشانی ہے کہ وہ قطعیت کے خوف اور وصل کے شوق میں روتے
پھر وہ تازہ زردکیوں کر ہو۔

غزل ۳

ز عشق روے تو نتابم اگر سرم برود ۱	نہ گلہ است از دل کن یاد دلبرم برود
کجا ز بادیہ عشق پاے باز کشم ۲	اگرچہ پارِ من افتد ہم استرم برود
ہزار بار بسر آید چو شمع نو بر تو را ۳	ز دست تیغ جفاے تو ار سرم برود
نصیب روئے رقیبان من شود یارب ۴	سیاہ ہے اگر از روے اخترم برود
فداے زیور گوشش کہ گوشوارہ شود ۵	چوں از رخم زر واز دیدہ گوہرم برود
دراز باد شب وصل تا ابد یارب ۶	کہ دلبرم بہ بہانہ نہ از برم برود

۷	شرف چو شربت دیدار تو چشید بگفت مبادا ایں کہ لب نام کوثرم برود	۷

اثر ترجمہ۔ اگر میرا سر چلا جائے عشق سے منہ نہ پھیروں گا اور نہ ہی دلبر کی یاد میرے دل سے جائیگی
انتہائی محبت اور ایفائے عہد و پیمان کا ثبوت دے کر فرماتے ہیں کہ اگر میرا سر کٹ جائے
تو بھی اپنے محبوب کی یاد میرے دل سے نہیں جا سکتی اور نہ ہی عشق سے منہ موڑ سکتا ہوں۔
سر کٹ جانے کے بعد دل میں یاد محبوب کا بدستور رہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت منصور
کے ہر قطرہ خوں سے انا الحق کا نقش بنتا تھا اور ہر عضو سے انا الحق کی آواز آتی تھی یہ محبت کی انتہا ہے
اور اس مقام کا ذکر ہے جس کو اصطلاح میں لاہوت کہتے ہیں جہاں نہ عاشق نہ عشق اور وہاں کی کیفیت بیان
کرنے سے الفاظ قاصر ہیں مولانا جامی کی جسارت بھی قابل دید ہے

	ز گرمئ رخ تو نتابم گرچہ بینم	بکف تیغ جفا ہر سو رقیبے

۲۔ ترجمہ۔ میں بادیۂ عشق سے کب پاؤں کھینچ سکتا ہوں گو میرا بوجھ گر جائے اور اونٹ کہیں چلا جائے

بادیہ۔ صحرا، بیابان۔ ترکی زبان میں بڑے بیابان کو کہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اگر اونٹ پر سے بوجھ گر جائے تو مسافر کو تکلیف ہوتی ہے کیونکہ اس کو دوبارہ بوجھ لادنا پڑتا ہے اشتر سے عقل مراد ہو سکتی ہے جس کا شتربان خود انسان ہے اور بار سے مراد بارِ امانت جس کا حامل انسان بروزِ میثاق بنا عقل عزیزی وعجزی عاشق کے رستے میں دلائل کے روڑے اٹکاتی ہے جس سے دل بہت عاشقوں کے عزم و استقلال میں فرق آ جاتا ہے اور وہ بارِ امانت کی حفاظت کی بجائے اس سے سبکدوش ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں جس سے مراد یہ کہ وہ ایفائے عہدِ میثاق پر قائم نہیں رہتے لیکن زہے ہمت زہے استقلال کہ شاعر کہتا ہے کہ بوجھ کا گرنا تو امرِ دیگر ہے اگر اشتر بھی کہیں چلا جائے یعنی عقل اس منزل میں میری موافقت نہ بھی کرے تو بھی میرا قدمِ ہمت پیچھے نہ ہٹے گا۔

۳۔ ترجمہ۔ اگر تیری تیغِ جفا سے میرا سر چلا جائے تو شمع کی طرح تجھ پر ہزار سر ختم کر دوں

بسر آمدن یا بر سر آمدن۔ غالب ہونا، ختم ہونا، تمام ہونا۔

مراد یہ کہ اگر معشوق کی تیغِ جفا سے میرا سر قلم بھی ہو جائے لیکن مجھے اس لذت سے جو سر کٹنے میں حاصل ہوتی ہے ہزار دفعہ قتل ہونے کی خواہش ہو گی یعنی فتیلۂ چراغ کی طرح مجھے بھی بار بار شہید ہونے کی ہوس ہو گی۔ "از حسین ابن منصور اقدس اللہ روحہٗ پرسیدند کہ لذتِ عاشق در کدام وقت کمال گیرد فرمود در آں ساعت کہ معشوق بسیاست گسترده باشد و عاشق را برائے قتل حاضر آوردہ را در آں وقت در جمالِ معشوق حیراں گردد" (اسرار العشق)

اور یہ شعر

قتلِ دشمن در دہیر انم	کز اں راندن تیغش بہ کوشی آید

ظاہر ہے کہ اگر فتیلۂ چراغ کا سر گرا دیا جائے تو وہ پہلے کی نسبت زیادہ روشن ہو جاتا ہے اور فتیلۂ چراغ کا بار بار گرانا بھی خلافِ قیاس نہیں مرزا غالب اسی تیغ آزمائی کی لذت میں معشوق کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

اتنا گشتہ ہے کس کے ناز کا قاتل سے کہتا ہے	تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

شاعر نے فتیلۂ چراغ کی طرح بار بار شہید ہونے کا ڈھب از خوب سیکھا اگر سمجھیں یہ کہ ہزار بار یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر میرا سر قلم ہو جائے تو بھی عشاق کا لا انتہا ہی سلسلہ تجھ پر نثار

ہونے کے لیئے بدستور جاری رہے گا جیسا کہ فتیلۂ چراغ کا ایک سرا کاٹ دیا جاتا ہے تو دوسرا فوراً آ موجود ہوتا ہے۔ "عشق چندے است کہ زتاب عاشقاں را افزاب خواہد کرد ہر کہ را

بواسطۂ او سر از تن جدا شود معشوق جام ولا بر کف او نہادہ او را در عالم خود بار دہد (سر العشق)

۴ ترجمہ۔ یارب میرے ستارے کی سیاہی میرے رقیبوں کے نصیب ہوں

رقیباں ۔ رقیب کی جمع بمعنی محافظ کیونکہ ہر ایک دوسرے سے اپنے معشوق کی حفاظت چاہتا ہے اور ایک معشوق کے دو عاشق آپس میں رقیب کہلاتے ہیں۔ اختر ستارہ نصیب کے ساتھ لفظ اختر کا استعمال نہایت موزوں ہے۔

یعنی اگر میرے اختر نصیب سے ہجر و فراق کی سیاہی معشوق کے قرب و وصال سے دور ہو جائے تو وہ سیاہی میرے رقیبوں کے نصیب میں ہو مراد یہ کہ میں وصال کی لذت اٹھاؤں اور وہ ہجران نصیب ہوں عاشق کی یہ دلی تمنا ہوتی ہے کہ رقیب ہر وقت محبوب سے دور ہی رہے۔

۵ ترجمہ۔ اس کے کانوں کے زیور یعنی گوشوارہ پر میرے چہرے سے سونا اور آنکھوں سے موتی نثار ہوتے ہیں۔

گوشوارہ ۔ اہل دفتر کی اصطلاح میں کاغذ کی عرض کے وسط کا نام ہے جہاں میزان لکھتے ہیں اور ایک زیور کا نام ہے جو زیب گوش ہوتا ہے۔

حاصل یہ کہ اس کے گوشوارۂ گوش پر میرے چہرے کی زردی اور آنکھوں کے آنسو نچھاور ہوتے ہیں چہرے کی زردی اور آنکھوں کی تری منجملہ علامات عشق کی دو علامتیں ہیں جن کو شاعر نے مجازاً سونے اور موتیوں سے تعبیر کر کے اپنے کمال ایثار کا اظہار کیا ہے کیونکہ سونے کا رنگ زرد ہوتا ہے اور آنسو بھی موتیوں کے مشابہ ہوتے ہیں لہذا گوشوارۂ طلائی اور چہرۂ زرد کی لطافت ظاہر۔

۶ ترجمہ۔ یارب شب وصال ابد تک دراز رہے تاکہ میرا دلبر کسی بہانہ سے میری آغوش سے چلا نہ جائے۔

بر ۔ بالفتح۔ ثمرہ، میوۂ درخت، سینہ۔ آغوش۔ کنار، بغل۔ زن جوان، پستان زن جوان۔ اور بائے مواحدہ کی طرح الصاق کے واسطے بھی آتا ہے جیسے دوش بر دوش۔ زمین بر زمین یعنی روش بدوش زمین بزمین۔ اور عربی میں فتح اور تشدید کے ساتھ نام حق تعالے۔ زمین خشک۔ بیابان۔ مہربان۔ نیکو کار

کسرہ و تشدید کے ساتھ نیکی بخشش خوشنودی۔ رضامندی۔ مادر و پدر۔ زندگی دنیا ضمہ اور تشدید کے ساتھ بمعنی گندم اور زکی میں کسرہ اور سکون کے ساتھ بمعنی بک جو گنتی کا پہلا عدد ہے۔

ظاہر ہے کہ عاشق کبھی سیر نہیں ہوتا۔

التجا کی گئی ہے کہ وصل کی رات ابد تک ختم نہ ہو تاکہ میں آغوش محبوب میں وصال کی لذت اٹھاؤں کیونکہ ایسے موقعوں پر معشوق عموماً صبح کا بہانہ کرتے ہیں اس لئے شاعر نے التجا کی ہے کہ یاالٰہی شب وصال ابد تک ختم نہ ہو تاکہ میرا دلبر صبح کے بہانہ سے میری کنار سے چلا نہ جائے اور میں منہ دیکھتا رہ جاؤں شیخ سعدیؒ کی جوانمردی بھی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

گر یک سے شبے بدست من افتد نگار من	مشکل بود کہ دامنش از کف رہا کنم

۷ ترجمہ۔ جب شرف نے تیرے دیدار کا شربت پی لیا تو کہا ایسا نہ ہو کہیں میرے منہ سے کوثر کا نام نکل جائے۔

مطلب واضح ہے شربت دیدار کو آب کوثر پر فوقیت دینا مقصود ہے چونکہ دیدار معشوق کا شربت آب کوثر سے زیادہ لذیذ ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہیں میرے منہ سے کوثر کا نام نکل جائے یعنی یہ کہوں کہ کوثر بہشت ہم یا

پر حلاوت اہل جنت را بود کوثر مگر	در لبان عاشقان تو کجا باشد لذیذ

غزل ۳۱

زہے حسنے کہ روئے یار دارد	۱	کہ در آغوش صد گلزار دارد
سر زلفش کہ مست ولاابالی است	۲	کہیں گاہ ہر دل ہشیار دارد
بے مرداں ز کار افتادہ بینی	۳	بداں چشمے کہ او بیمار دارد
ہر آں حلقہ کہ در جعدش فزودند	۴	ہزاراں حلقہ ہائے مار دارد
ہر آں سطرے کہ بر رویش نوشتند	۵	ہزاراں معنی و اسرار دارد
دلم در یاد مژگانت چناں است	۶	کہ میخواہد سرم بردار دارد

زبوئے سوئے او عیسائے مریم ۷ نفخت وفیہ را اقرار دارد
تعالی اللہ چہ روبست این کہ ہر دم ۸ ہزاران جوشش انوار دارد
ہر آں عارف کہ بر جنبش نگاہ کرد ۹ ہوائے خانہ خمار دارد
ہر آں زاہد کہ در زلفش در آویخت ۱۰ چو کافر بر کمر زنار دارد

۱۱ شرف در عشق او گشت آں قلندر
کہ ہفتاد و دو ملت یار دارد ۱۱

۱۔ ترجمہ۔ آفرین حسن یار پر کہ اپنی آغوش میں صدہا گلزار رکھتا ہے۔
حسن معشوق کی تعریف کی گئی ہے کہ اس کا چہرہ رشک گلزار ہے اور واقعی گلزار کی بہار اس کے نور جمال کا عکس ہے۔

۲۔ ترجمہ۔ اس کی مست اور بے پرواہ زلف ہر ہوشیار دل کی کمیں گاہ ہے۔
لاأبالی بفتح ہمزہ صیغہ متکلم واحد از مضارع یعنی باک ندارم اور فارسی میں بے باک اور بے پرواہ شخص کمیں گاہ۔ چھپنے کی جگہ زلف کو بوجہ سیاہ ہونے کے کمینگاہ کہا گیا ہے۔
یعنی محبوب کی مست اور بے پرواہ زلف ہر ہوشیار دل عاشق کی کمینگاہ ہے۔

معلق صد ہزاراں دل بہر سو — نہ شد یکدل بروں از حلقۂ او

گویا ہزاروں عاشق اس کی زنجیر زلف کے اسیر ہیں۔

۳۔ ترجمہ۔ بہت سے آدمی کہ تو بیمار دیکھتا ہے جان اس کی بیمار آنکھ سے گرو رکھتا ہے۔
معشوق کی آنکھ کو مست اور بیمار بھی کہتے ہیں ع۔ نرگسش خواست بیماری و مستی۔
یعنی بہت سے آدمی کہ دنیا کے کاموں سے گزر گزر سے ہوئے ہیں نوجان کہ وہ محبوب کی نرگس شہلا کے بیمار ہیں بیماری سے مراد تجدد فراق ہے گویا خاصان حق جو عالم اسباب میں کار افتادہ ہیں وہ محض محبوب حقیقی کے ہجر و فراق کی وجہ سے ہیں۔ چوں کہ بیمار آہستہ کار افتادہ ہوتا ہے اس لئے دعویٰ معقول ہے چشم اور بیمار کی رعایت ظاہر ہے۔

کسرہ و تشدید کے ساتھ نیکی بخشش خوشنودی۔ رضامندی۔ مادر و پدر۔ زندگی دنیا بضمہ اور تشدید کے ساتھ بمعنی گندم اور زکی میں کسرہ اور سکون کے ساتھ بمعنی یک جوگنتی کا پہلا عدد ہے۔

ظاہر ہے کہ عاشق کبھی سیر نہیں ہوتا۔

التجائی مُسَیٰ ہے کہ وصل کی رات ابد تک ختم نہ ہو تا کہ میں آغوش محبوب میں وصال کی لذت اٹھاؤں کیونکہ ایسے موقعوں پر معشوق عموماً صبح کا بہانہ کرتے ہیں اس لئے شاعر نے التجا کی ہے کہ یا الٰہی شب وصال ابد تک ختم نہ ہو تا کہ میرا دلبر صبح کے بہانہ سے میری کنار سے چلا نہ جائے اور میں منہ دیکھتا رہ جاؤں شیخ سعدی کی جوانمردی بھی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

گر یک سحر بدست من افتد نگار من	مشکل بود کہ دامنش از کف رہا کنم

ے ترجمہ۔ بسبب شرم کے تو نے تیرے دیدار کا شربت چکھا تو کہا ایسا نہ ہو کہیں میرے منہ سے کوثر کا نام نکل جائے۔

مطلب واضح ہے شربت دیدار کو آب کوثر پر فوقیت دینا مقصود ہے چونکہ دیدار معشوق کا شربت آب کوثر سے زیادہ لذیذ ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ اب نہ ہو کہیں میرے منہ سے کوثر کا نام نکل جائے یعنی یہ کہوں کہ کوثر بھی شیریں ہے

پر حلاوت اہل جنت را بود کوثر مگر	در لبان عاشقان تر کجا باشد لذیذ

غزل ۳۱

زہے حسنے کہ روے یار دارد	۱	کہ در آغوش صد گلزار دارد
سر زلفش کہ مست و لاابالیست	۲	کمین گاہ ہر دل ہشیار دارد
بسے مرداں ز کار افتادہ بینی	۳	بداں چشمے کہ او بیمار دارد
ہر آں حلقہ کہ در جعدش فرود وند	۴	ہزاراں حلقہ ہائے مار دارد
ہر آں سطرے کہ بر رویش نوشتند	۵	ہزاراں معنی و اسرار دارد
دلم دریا دہ مژگانت چہ نا سنت	۶	کہ میخواہد سرم بردار دارد

زبوئے موسے اد عیسئے مریم ۷ نفخت وفیہ را اقرار دارد

تعالی اللہ چہ رو است ایں کہ ہر دم ۸ ہزاراں جوششِ انوار دارد

ہر آں عارف کہ بر چشمش نگاہ کرد ۹ ہوائے خانۂ خمار دارد

ہر آں زاہد کہ در زلفش در آویخت ۱۰ چو کافر بر کمر زنار دارد

۱۱ شرف در عشقِ او گشت آں قلندر ۱۱
کہ ہفتاد و دو ملّت یار دارد

۱۔ ترجمہ۔ آفرین حسنِ یار پر کہ اپنی آغوش میں صدہا گلزار رکھتا ہے۔
حسنِ معشوق کی تعریف کی گئی ہے کہ اس کا چہرہ رشکِ گلزار ہے اور واقعی گلزار کی بہار اس کے نورِ جمال کا عکس ہے۔

۲۔ ترجمہ۔ اس کی مست اور بے پرواہ زلف ہر ہوشیار دل کی کمیں گاہ ہے۔
لاابالی۔ بفتح ہمزہ صیغۂ متکلم واحد از مضارع بمعنی باک ندارم اور فارسی میں بے باک اور بے پرواہ شخص۔ کمیں گاہ۔ چھپنے کی جگہ زلف کو بوجہ سیاہ ہونے کے کمینگاہ کہا گیا ہے۔
یعنی محبوب کی مست اور بے پرواہ زلف ہر ہوشیار دل عاشق کی کمینگاہ ہے۔

معلق صد ہزاراں دل بہر سو	نہ شد یک دل بروں از حلقۂ او

گویا ہزاروں عاشق اس کی زنجیرِ زلف کے اسیر ہیں۔

۳۔ ترجمہ۔ بہت سے آدمی کو تو بیمار دیکھتا ہے جان اس کی بیمار آنکھ سے کردہ رکھتا ہے۔
معشوق کی آنکھ کو مست اور بیمار بھی کہتے ہیں ع۔ زچشمش خواست بیماری و مستی۔
یعنی بہت سے آدمی کہ دنیا کے کاموں سے گر گزرے ہوئے ہیں تو جان کہ وہ محبوب کی نرگسِ شہلا کے بیمار ہیں بیماری سے مراد بُعد و فراق ہے گویا عاشقانِ حق جو عالمِ اسباب میں کار افتادہ ہیں وہ محض محبوبِ حقیقی کے ہجر و فراق کی وجہ سے ہیں۔ چوں کہ بیمار ہمیشہ کار افتادہ ہوتا ہے اس لئے رعایتِ لفظی ہے چشم اور بیمار کی رعایت ظاہر ہے۔

۴۔ ترجمہ۔ ہر وہ حلقہ جو اُس کی زلف میں پڑھا ہزار ہا حلقہ مار رکھتا ہے۔

جَعد۔ پیچ موسے مرغول سر یعنی سر کے بال جو خمدار ہوں موئے پیچیں زلف کو مار سیاہ بھی کہتے

ہیں مراد یہ کہ زلف معشوق کے ہر حلقے میں ہزار ہا حلقے بنے ہوئے ہیں اور ہر حلقہ میں ہزار ہا عشاق گرفتار ہیں

شد دل حلقے اسیر چند نہی گرد رخ　　　زلف شکن بر شکن جعد گرہ برگرہ

مار اور حلقہ کی نسبت ظاہر ہے کیونکہ سانپ میں حلقوں یعنی کنڈل کا ہونا لازمی ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ ہر وہ سطر جو اُس کے چہرے پر لکھی گئی ہزار ہا معانی اور بھید رکھتی ہے

یعنی اُس کے چہرے کی زصحیف میں ہر وہ سطر کہ لکھی گئی اسرار و معانی کا گنجینہ ہے۔

نگر رخسار را در سبع المثانی ست　　　کہ ہر حرفے از او بحر معانی ست　　　(گلشن راز)

۶۔ ترجمہ۔ میرا دل تیری پلکوں کی یاد میں ایسا ہے کہ میرا سر سولی پر رکھنا چاہتا ہے۔

یعنی میرا دل تیری پلکوں کی یاد میں ایسا بے قرار ہے کہ مجھے دار کے حوالے کرنا چاہتا ہے

گویا تیرے ملنے کی آرزو میں اسے میری جان کی پروا نہیں کہ جان جائے تو جائے لیکن کسی طرح تیرا قرب عطا ہو

۷۔ ترجمہ۔ مسیح اُس کی زلف کی خوشبو سے نفخت فیہ کا اقرار رکھتے ہیں

ظاہر ہے کہ خوشبو روح کو تازہ کرتی ہے گویا حضرت مسیح علیہ السلام کو محبوب کی عنبر بار زلف

کی نسبت اقرار ہے کہ وہ مُردوں میں جان ڈال سکتی ہے۔

گِل آدم شد آں لحظہ مخمر　　　کہ در دش بوئے آں زلف معنبر

یعنی ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام و الصلوٰۃ کے تخمیر میں زلف معطر کی جامعیت اور کثرت کی بو ڈالی گئی۔

نسیم زلف عنبر بو ز اور لطف　　　دماغ جملہ عالم را معطر

دماغ عالم کے عطر بار ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کو زندگی جاوید عطا کی گئی اس لئے مسیح

کا یہ اقرار صحیح ہے کہ محبوب نے اپنی زلف عنبر بار سے آدم کی روح کو تازہ کیا تخلیق آدم کے متعلق قرآن

مجید میں ارشاد باری ہے۔ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ یعنی میں پیدا کرنے والا

ہوں انسان کو پس جس وقت میں نے اسے درست کر دیا اس میں اپنی روح پھونکی۔

۸۔ ترجمہ۔ سبحان اللہ کیا چہرہ ہے کہ ہر وقت ہزار جوشش انوار رکھتا ہے۔

جوشش ۔ ف ۔ جوش۔

گوناگوں تجلیات کی طرف اشارہ ہے ع۔ تجلی گہ جلال است وگہ جمال

۹۔ ترجمہ۔ ہر وہ عارف کہ جس نے اس کی آنکھ کو دیکھا خانہ خمار کی ہوا رکھتا ہے۔

۱۰۔ ترجمہ۔ ہر وہ زاہد کہ اس کی زلف میں گرفتار ہوا کافر کی طرح کمر پر زنار رکھتا ہے۔

زنار جینؤ وہ ڈورا جو اہل ہنود کمر پہ باندھتے ہیں۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں عہد و پیمان اطاعت باری کو زنار کہا جاتا ہے۔

یعنی محبوب مطلق کی زلف گرہ گیر کا اسیر زاہد زنار بند ہے مراد یہ کہ اطاعت و عبادت کا معترف ہے

نظر کردم بدیدم اہل ہر کار (گلشن راز)	نشان خدمت آمد عقد زنار
میاں در بند چوں مرداں بمردی	در آ در زمرۂ اُوفوا بعہدی

یعنی خدمت حق تعالیٰ کا جنیو اپنی کمر پر مردوں کی طرح باندھ اور ان لوگوں میں داخل ہو جو امر اُوفوا بعہدی کے ساتھ عہد و پیماں کے وفا پر تلے ہوئے ہیں اور حق عبودیت بجا لا۔

گویا زاہد زلف کا اسیر ہو کر زنار بند ہو گیا۔ خوب!

۱۱۔ ترجمہ۔ اس کے عشق میں شرف وہ قلندر ہے کہ بہتر فرقوں کو یار رکھتا ہے۔

ہفتاد و دو ملت یعنی بہتر فرقے دین کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

دراصل ۷۳ فرقے ہیں پہلا فرقہ اہل سنت والجماعت کا ہے یہ فرقہ کیا ہے گویا آنکھوں کا نور دل کا سرور اور جان کا حضور ہے باقی بہ تفصیل ذیل چھ فرقے ہیں اور ہر ایک کی بارہ بارہ شاخیں

۱۔ رافضیہ ۲۔ خارجیہ ۳۔ جبریہ ۴۔ قدریہ۔ ۵۔ جہمیہ ۶۔ مرجیہ۔

مراد یہ کہ شرف کا مشرب صلح کل ہے اسی واسطے ہفتاد و ملت سے اس کا ربط و ضبط ہے کیونکہ عشق کا دستور یہی ہے اور یہ ہفتاد و ملت کے جھگڑے محض حقیقت سے ناشناسی کے باعث ہیں

” جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ چوں حقیقت نہ شناسند رہ افسانہ زدند

لیکن شرف حقیقت شناس ہے اس لئے سب کا دوست ہے اور سب کو دوست رکھتا ہے تمام صوفیائے کرام کا یہی مشرب ہے اور بے قلندر صاحب نے اپنے مکتوب میں بھی رائے اپنے مشرب کے متعلق ظاہر فرمائی ہے "در عشق محبوب چنانم کہ من خود را نمیدانم واز ہفتاد و دو ملت درمیان کیانم ہمہ را در خود دیدم مگر بجز حسن معشوق دیگر را نخواہم۔

غزل ۳۲

گمان برم کہ زعشقِ تو جان نیارم برد ۱ کہ گونہ گونہ غمِ عشقِ تو مرا آزرد
خلافِ مصلحتش ساقیا نہ پندارم ۲ اگر بجامِ کساں صافی و بجامم درد
نہ یک پسر بدلم جا کند نہ یک دختر ۳ ہزار عشق بدلبساں بزاد و بار بمرد
تو یک نظر بسرِ کوئے خود فگن بارے ۴ کہ چند کشتۂ تیغِ غمِ عشقت از بزرگ و زخورد
چہ خوفِ محتسب و واعظ آرد اندر دل ۵ طریقِ طعن و ملامت چو عاشقِ تو سپرد
زناوکے کہ بجیبت از کمانِ ابرویت ۶ کدام ہست کہ برسینہ زخمِ عشق نخورد
برادرم من و سادجی زماہر یک ۷ ہماں قدر کہ بود جائی مناسب برد

۸ قلندرانہ بسر مے برد شرف در عشق
کہ بحوزلفِ تو گردید دربیشں و سر نسترد ۸

۱ ترجمہ۔ مجھے گمان ہے کہ تیرے عشق میں میری جان کو آرام نہ ہوگا کیونکہ تیرے عشق
کے گوناگوں غموں نے مجھے آزردہ کر دیا۔
مراد یہ کہ مجھے پورا یقین ہوگیا ہے کہ معشوق کے عشق میں میری جان سلامت نہ رہے گی
کیونکہ غمِ عشق نے مجھے بے حد پریشان کر دیا ہے۔
۲ ترجمہ۔ اے ساقی میں اس کی مصلحت کے خلاف نہیں سمجھتا اگر وہ کسی کے جام میں
صاف شراب ڈالے اور میرے جام میں درد۔
گویا قلندر صاحب راضی برضا ہیں اور ع ہرچہ از دوست می رسد نیکوست کہ حالِ
من از ازل بنہادہ ام سر برخطِ فرمانِ تو رائے تو باشد رائے من نبود مرا دوئے دگر
۳ ترجمہ۔ نہ کسی لڑکے نے میرے دل میں جگہ کی نہ کسی لڑکی نے ایسے ہزارہا عشق پیدا ہوئے اور مر گئے

پسر اور دختر سے تعلقات ماسوا اللہ مراد ہو سکتے ہیں یعنی ایسے صدہا تعلقات پیدا ہوئے اور جاتے رہے لیکن اب ماسوا المطلوب کسی چیز کی سیر سے دل میں گنجائش نہیں۔

کس زباں سے کروں اے تنگدلی زا شکوہ	عشق کو جا نہ ملی بارہما یا نہ سما

سوانح عمری میں لکھا گیا ہے کہ قلندر صاحب نے شادی نہیں کی یعنی آپ کو پسر و دختر پیدا کرنے کی خواہش نہ تھی بلکہ آپ من و معشوقہ عشق کے مصداق تھے غالباً شعر میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۴ ترجمہ۔ تو ایک دفعہ اپنی گلی کی طرف دیکھ کہ تیرے عشق کے غم میں کتنے خورد و بزرگ گھائل ہیں۔ یعنی تیرے غم عشق میں شیخ و شاب کشتہ و گھائل ہیں کیونکہ عشق کی قدر استعداد ہر دل میں موجود ہے بلکہ کائنات کا یہ سارا کارخانہ عشق و محبت کی طفیل ہے۔

سرّ حب ازلی در ہمہ اشیا ساری است	ورنہ بر گل نہ زدے بلبل بیدل فریاد

۵ ترجمہ۔ تیرا عاشق واعظ و محتسب کا خوف دل میں کیا لائے عجب کہ اس نے طعن و ملامت کا طریق اختیار کیا۔

محتسب۔ شرعی حاکم یعنی مجھے واعظ و محتسب کی پرواہ نہیں کیونکہ میں اسی طعن و ملامت کے لئے وقف ہوں۔

اہل ملامتم نہ شکیبم ز طاعنان	لو رقت القلوب لان شقت القلوب

نیز دیکھو شعر ۱۲

۶ ترجمہ۔ تیری کمانِ ابرو سے جو تیر نکلا وہ کون ہے جس نے سینہ پر عشق کا زخم نہ کھایا ہو۔

ناوک۔ چھوٹا تیر۔ اسم تصغیر ناوہ بمعنی چوب مجوف میان خالی بعض نے لکھا ہے کہ دراصل ناوی تھا یعنی وہ آہنی چیز جس میں تیر رکھ کر ایک مخصوص وضع سے کمان کی زرہ سے بند کر کے چلاتے ہیں کثرت استعمال سے اس کے تیر کو بھی ناوک کہنے لگے۔ مجازاً بطور الحاق ظرف بر مظروف۔

مراد یہ کہ تیری کمانِ ابرو کے ہر تیر نے ہر سینے کو زخمی اور گھائل کر دیا۔

۷ ترجمہ۔ میں اور ساوجی دونوں بھائی ہیں اور ہم میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق شراب نوش کیا۔

ساوجی۔ اصل نام سلمان ہے۔ آپ شاعر تھے شہر ساوہ آپ کا مولد و مسکن تھا جو عراق عجم

میں واقع ہے اصل لفظ ساؤ گی تھا کاف فارسی کو جیم عربی سے بدل دیا اور ساؤجی بن گیا آپ بڑے فصیح و بلیغ شاعر تھے آپ کی تصنیف سے دو مثنویاں جمشید و خورشید یادگار ہیں ایک اور تصنیف بھی ہے جس کا نام فراق نامہ ہے غزلیات بھی بیشمار ہیں مطبوع و مصنوع لیکن عشق و محبت کی چاشنی سے جو غزل کا مقصود ہوتا ہے تہی دست اور عاری ہیں ارباب ذوق کی نظروں میں اس قدر وقیع نہیں جیسا کہ عاشقانہ کلام ہونا چاہیئے۔

جاگی ۔ بکاف فارسی ۔ روزینہ ۔ وظیفہ ۔ اور وہ میل کہ پینے کے بعد پیالے میں باقی رہ جاتی ہے دردِ شراب تیرہ اور خالص شراب کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے

قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں اور ساؤجی بلحاظ شاعر اور اہل طریقت ہونے کے ہم مشرب اور بھائی ہیں لیکن ہمارا ظرف اور حوصلہ جدا جدا ہے کیونکہ ہم دونوں نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق جامِ محبت نوش کیا۔ لفظ جاگی چونکہ شرابِ تیرہ و شرابِ صاف دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ قلندر صاحب نے نکتہ یہ پیدا کیا ہو کہ مجھے شرابِ خالص عطا کی گئی اور میرے بھائی سلمان کو اس کی درد

اب اگر شاعرانہ لحاظ سے دیکھا جائے تو قلندر صاحب کا دعویٰ درست ہے کیونکہ آپ کا کلام عشق و محبت کی چاشنی سے بھرا پڑا ہے اور ساؤجی کی غزلوں میں یہ رنگ مفقود ہے جس کا مولانا جامی نے بہارستان میں اعتراف کیا ہے کہ "غزلیات رے و سلمان بسیار است اما از چاشنی عشق و محبت کہ مقصود از غزل است آں خالی است طبع ارباب ذوق برآں اقبال نمے نمائند"

اور اگر صوفیانہ نکتہ نگاہ سے دیکھا جائے تو بھی یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ قلندر صاحب کی روحانیت اور عظمت نے ایک عالم کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اور شاہان زماں ان کی عتبہ بوسی کو اپنا فخر تصور کرتے ہیں اور ساؤجی کا صرف نام ہی نام ہے گو وہ بھی کاملانِ وقت سے ہوں لیکن دونوں میں از روئے حقیقت بعد المشرقین ہے۔

عشق اور شرابِ محبت کی تقسیم کے متعلق صاحب گلشن راز فرماتے ہیں۔

یکے از بوئے دردش عاقل آمد ۔ یکے از رنگِ صافش ناقل آمد
یکے از نیم جرعہ گشتہ صادق ۔ یکے از یک صراحی گشتہ عاشق
یکے دیگر فرو بردہ بیک بار ۔ خم و خمخانہ و ساقی و مے خوار
کشیدہ جملہ و ماندہ دہن باز ۔ زہے دریا دلی رندی سرافراز

جن کا مفہوم یہ ہے کہ اُس شرابِ محبت کی درد کی بو سے کسی کو عقل کا مرتبہ ملا یعنی اُس نے حسبِ
استعداد معقولات میں تشقیق و تعقل سے کام لے کر ہر چیز کی حقیقت کی شناخت کی اور کوئی نقلی دلائل کے ساتھ
راہِ حق میں گامزن ہوا۔ اہلِ ذوق جنہوں نے عقلی و نقلی دلائل سے تجاوز کیا وہ اس شرابِ محبت کے آدھے
گھونٹ سے ثابت و صادق ہو کر حق تعالےٰ کی محبت کے مرتبے پر فائز ہو گئے ایک گروہ ایسا آیا کہ خم و
خمخانہ ساقی و مےخوار سب نگل گیا ان کو اقطاب کا مرتبہ حاصل ہوا لیکن ان سب پر فوقیت ان کو ہے جو جام
کیا دریا کے دریا نوش کر گئے اور پھر بھی اپنی تشنہ لبی کا یوں اعتراف کرتے رہے کہ "ھل من مزید"

یہ وہ لوگ ہیں جو ہر وقت جذباتِ حق کی لوریوں میں محو در محو اور فانی اور باقی ہوتے رہتے ہیں اور ماسوا اللہ
کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتے قلندر صاحب کے مرتبہ اور مشربِ قلندریہ سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچی ہے
کہ وہ یقیناً ان لوگوں سے تھے جو باوجود دریا نوش ہونے کے "ھل من مزید" پکارتے ہیں اس لئے قلندر صاحب کا یہ
دعوےٰ عین حقیقت ہے کہ ساقی اور مجھ کو علیحدہ علیحدہ جام دیا گیا قلندر یا استغراق کو مدنظر رکھتے ہوئے
ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ ع ۔ ایں زمیں را آسمانے دیگر است

۸۔ ترجمہ: شرفؔ عشق میں قلندرانہ بسر کرتا ہے (اس لئے) اُس نے تیری زلف کا محرم ہو کر ریش و سر منڈایا
یعنی تیرے عشق میں اس قدر مست اور بیخود ہو گیا کہ اپنی زینت و زیبائش کا خیال تک نہ رہا جو دیوانگی اور
مستی کا خاصہ ہے۔

نقل ہے کہ حالتِ جذب اور مستی میں قلندر صاحب کی لبیں اور ریشِ مبارک بہت بڑھ گئیں تھیں مگر
کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ مزاحم ہو اور یہ کہہ سکے کہ آپ کا یہ فعل احترامِ شریعت کے خلاف ہے آخر مولانا
ضیاء الدین سنامی نے جوشِ شریعت سے مقراض ہاتھ میں لے کر ایک ہاتھ سے آپ کی ریش پکڑ کر لبیں کتریں
مولانا کی اس دلیرانہ حرکت پر قلندر صاحب نے اپنی ریشِ مبارک کو بوسہ دیا اور عاشقانہ انداز میں کہا کہ کیا مبارک
ریش ہے جو شریعتِ محمدی میں پکڑی گئی ممکن ہے کہ شعر ہذا میں اسی تاریخی واقع کی طرف اشارہ ہو جس سے ثابت
ہوتا ہے کہ قلندر صاحب کی جذباتِ حق میں یہ حالت تھی کہ اپنی زیب و زینت قائم رکھنے اور ایک سنت
کی ادائیگی کا بھی خیال تک نہ تھا اور پھر لبہائے مبارک کے کترنے پر داڑھی کو بوسہ دے کر احترامِ شریعت
کا خیال آنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ عاشقِ سنت تھے مگر استغراق کی وجہ سے مجبور تھے کیونکہ قلندریہ مشرب
کے بزرگ اکثر محو در محو رہتے ہیں لیکن شاعرانہ بلند پروازی دیکھئے کہ مجاز کو حقیقت کے رنگ میں کس قدر رنگا ہے

کہ اے محبوب تیری زلف دراز ہے لہٰذا مجھے بھی رشک آیا اور میں نے اپنی ریش و سر گرہ کر تیری زلف دراز کا نمونہ اہل نظر کے پیش نظر کر دیا۔

یہ شعر صنعت و کرشمہ کا نمونہ ہے گویا میں اور سر کے بال تر بتر ہو گئے استغراق کی حالت میں لیکن شاعر نے وجہ یہ بتلائی کہ میں چونکہ تیری زلف کا محو ہوں اس لئے مجھے اپنی آرائش کا خیال تک نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ تیرا اسیر ہر قسم کی پابندی اور قیود سے آزاد ہے۔

	بندۂ معشوق چوں بایست بود از ہمہ بند ہا رہا بودن	

غزل ۳۳

تن غمم او را فدا سر می کند ۱ جاں غمش را بر سر افسر می کند

عشق او در سینہ ام ہر ساعتے ۲ دار و گیرے دیگر از سر می کند

عشق او چوں مے زند امواج تند ۳ جملہ را در خوں شناور می کند

سوختم از آتش ہجر کسے ۴ شعلہ ہا از سینہ ام سر می کند

رحم و شفقت در دلش نا ید مگر ۵ غفلت اندر جور کمتر می کند

خوش کسے کو از عطائے ایزدی ۶ خلعت تجرید در بر می کند

خوش کسے کو را خدائے بے نیاز ۷ در جہاں مرد قلندر می کند

بر سر دریائے آتش محو تو ۸ در زمان خواب بستر می کند

۹	بو علی خستہ از غمہائے تو ہر زماں شادی دگر می کند	۹

ترجمہ: جسم اس کے غم میں سر فدا کرتا ہے اور جان اُس کے غم کو سر کا تاج بناتی ہے۔

افسر ـ تاج ـ حاکم ـ

سبحان اللہ غم عشق ایسا محبوب اور عزیز ترین غم ہے کہ جسم کی خواہش ہے کہ میں غم عشق میں سر فدا کروں اور جان کی آرزو ہے کہ غم عشق کا تاج سر کو پہنایا جائے بہر حال معشوق کے عشق میں غم کرنا وصال کا اچھا ذریعہ ہے سر اور افسر کی رعایت ظاہر کیونکہ سر کیف ہو کر عروج اور مرتبہ حاصل کیا جاتا ہے۔

۲۔ ترجمہ۔ اُس کا عشق میرے سینہ میں ہر گھڑی ایک نیا فساد برپا کرتا ہے۔

دار و گیر ـ مراد از حکومت و ریاست ـ نیز جنگ و پیکار اور لڑائی کے معنوں میں بھی آتا ہے از سر از سر نو۔ یعنی عشق محبوب ہر ساعت نئی شکل و صورت اختیار کر کے میرے سینہ میں فتنہ و فساد برپا کرتا ہے گویا میرا سینہ جوش عشق سے پیر نہاد میں نعرہ کناں۔

۳۔ ترجمہ۔ جب اس کا عشق موجزن ہوتا ہے سب کچھ خون میں ڈوب جاتا ہے۔

نشستن و رسـ ڈوب جانا یا بیٹھ جانا مجازاً غرق ہونا یا غرق کرنا۔

یعنی امواج عشق سے میرا دل اور جگر غرق خون ہیں عشق میں خون کے آنسو رونا یا دل کا خون ہونا مشہور ہے لہذا قلندر صاحب کی شکایت بجا ہے مولانا مغربی امواج عشق کے متعلق فرماتے ہیں۔

بر انداخت موج قلزم عشق ۔۔۔ ہر چہ در رفتہ بعہد مجنوں

۴۔ ترجمہ۔ میں کسی کے آتش ہجر سے جل گیا میرے سینہ سے شعلے باہر نکلتے ہیں

یعنی آتش ہجر اور سوز فراق میرے سینہ میں شعلہ زن ہے جس کی وجہ سے میں سر تا پا جل گیا۔

۵۔ ترجمہ۔ اُس کے دل میں رحم و شفقت بالکل نہیں مگر غفلت میں ظلم کم کرتا ہے۔

معشوقوں کی بے وفائی اور بے مہری مشہور ہے قلندر صاحب بھی اُن کے شاکی ہیں۔

خوبرو ہو سکے باوفا ہو وے ۔۔۔ ہم نہ مانیں اگر خدا ہو وے

۶۔ ترجمہ۔ وہ شخص خوش ہے جو عطائے ایزدی سے خلعت تجرید رکھتا ہو

مراد یہ کہ وہ شخص خوش نصیب ہے جو عطا و نوازش یزدانی سے تجرد و اتقا کی خلعت زیب تن کرتا ہو

سیم بر سرے بر بالعل الناس است ۔۔۔ خسرو کسے کہ خلعت تجرید در بر است

۷۔ ترجمہ۔ وہ شخص خوش ہے جس کو خدا نے بے نیاز جہاں میں مرد قلندر کرے

یعنی قلندری مرتبہ عطائے ایزدی ہے اور جسے عنایت ہو وہ خوش نصیب!

ایں سعادت بزور بازو نیست ۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۸۔ ترجمہ: تیرا مست دریائے آتش پر حالتِ خواب میں بسر کرتا ہے

یعنی جس طرح تیرا مست حالتِ بیداری میں سوزِ عشق سے جلتا ہے اسی طرح حالتِ خواب میں آتش زیر پا اور بیقرار رہتا ہے آگ پہ بسر کرنا کمالِ عشق اور وصال کی علامت ہے جس کی وجہ میں خود قلندر صاحب اس طرح رقمطراز ہیں کہ "عاشق داند کہ در سرا دن با آتش نشستن چہ راحت دارد او خود در عالم دل خود آتش نشستہ داشت کہ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدہ عبارت ازاں است کہ آتش دوزخ ازاں گریزاں است اورا باں آتش از آتش دوزخ چہ باک است"

۹۔ ترجمہ: نعمت لوٹی تیرے غم از عشق میں ہر دم ایک نئی لذت اور نئی نعمت حاصل کرتا ہے یعنی وہ خوش ہے گو حالتِ غم میں خوشی کرنا بظاہر اصول سے ناممکن ہے مگر یہ صرف اہلِ حق لوگوں کا حصہ ہے کہ غم میں خوش رہتے ہیں اور خوشی میں مغموم اگرچہ غمِ عشق ایک جگر خراش غم ہے لیکن عشاق کو خوشی اس لئے ہوتی ہے کہ یہی غم بارگاہِ محبوب میں باریاب ہونے کا ذریعہ ہے اس لئے وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور دنیا کی خوشی گو حقیقت میں ایک دل خوش چیز ہے لیکن ناپائدار اور فانی ہے اس لئے عاشق اس کی ناپائداری کا خیال کر کے نوحہ کرتے ہیں۔

قلندر صاحب نے رسالہ "سر العشق" میں بعد و فراق اور وصال کے متعلق ایک نکتہ پیدا کیا ہے:-

"آنچہ عاشقاں ہجر و فراق را بر وصل محبوب ترجیح دہند موجب ایں است کہ در ہجر امید وصل باشد کہ باعث راحت است و در وصال اندیشۂ ہجر ایشاں را رگشتہ دارد"

غزل ۴۳

عکسِ روئے تو چو اندر آدم آوردند ۔ ۱ ۔ پیشش بسجدہ آں خیل قدس را بردند

ہزار آدم و عالم نمود چہرہ ترا ۔ ۲ ۔ اگرچہ سجدہ ملائک بر آدم آوردند

خیالِ روئے تو در ہر سرے چو غوغا کرد ۔ ۳ ۔ دو عالمش چو خیالے پدید آوردند

ایں روئے آدم و ہم روئے یوسفِ مصری ۔ ۴ ۔ زکوٰۃِ خوبیِ حسنِ تو یافت و پروردند

خیالِ روئے تو در دیدہ کسے کہ نشست ۵ خیالِ ہر دو جہانش ز دیدہ بسترند

ز شمعِ روئے تو سودے بعاشقاں نرسید ۶ کہ جان خود ہمہ پروانہ وار بسپردند

نخوردہ اند مئے عشق در الست کساں ۷ کہ بر فضیلتِ عشاق حیف مبجزردند

ملائکاں بازل عکسِ صورتت دیدند ۸ از آنکہ تا بہ ابد پائے حیرت افشردند

۹	شرف ز عشقِ تو گشت آں قلندرے ست کہ جملہ عیباں از ہمہ ابلقش مردند	۹

ترجمہ: تیرے چہرہ کے عکس سے آدم میں جان پڑی اس کے بعد فرشتوں کے گروہ نے اس کو سجدہ کیا۔
خیل ہے سوار اور گروہ آدمیوں کا۔ گلہ گھوڑوں کا۔

یعنی حضور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے پرنور کے عکس اور پرتو سے آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی گویا کہ حضور کے نورِ اقدس سے حضرتِ آدم کی مٹی کا تخمیر کیا گیا جس کے سبب سے وہ مسجودِ ملائکہ ہوئے انا من نور اللہ کا مفہوم بھی یہی ہے۔

وجعلی اللہ طلعتے لوئہ کلا دستہ نورہا بیبدا	زمیں از سبب او ساکن فلک از عشق او شیدا
محمد احمد و محمود وے را خالقش بستود	(جامیؒ) ازو شد بود ہر موجود ازو شد دیدہ ہا بینا

اسی مضمون پر مرزا جان محمد صاحب قدسیؔ اپنے دیوان میں فرماتے ہیں۔

جسم جب حضرتِ آدم کا بنا مٹی ہی	ان کو ملکوت نے سب سجدہ کیا کہتے ہیں
کیا سبب ایسی بزرگی کا ہوا اے قدسیؔ	ان میں تھا نور نبی جلوہ نما کہتے ہیں

مراد یہ کہ آدم میں تیرا نور تھا اس لئے وہ مسجودِ ملائکہ ہوئے گویا حقیقت میں وہ سجدہ تجھی کو کیا تھا۔

شنو! سجدہ آدم مگر برائے تو بست	کہ عاشقانہ ازہر حجاب سے نگرند

نیز دیکھو شعر (۱۲)

۲۔ ترجمہ: جہاں کی ہزارہا مخلوق نے تجھے سجدہ کیا اگرچہ ملائکہ ملکوت نے آدم کو سجدہ کیا۔
یعنی آدم علیہ السلام میں چونکہ حضور کا نور تھا اور حضور کی مقدس و بابرکات ذات کونین کی علت

غالی اور تخلیقِ عالم کا باعث تھی اس لئے علم الاسماء پہ حضرتِ آدم کو بحرمت نورِ رسولِ مقبول مطلع اور آگاہ کیا گیا جس سے ملائکہ منفرین پر حضرتِ آدم کی برتری ثابت ہوئی اور فرشتے اُن کے آگے سربسجود ہوئے گو وہ سجدہ تعظیمی تھا لیکن تھا ذاتِ حق کو کیونکہ وہ رازِ کچھ اور تھا جس کی طرف عارف رومی نے اشارہ کیا۔

گر نبودے ذاتِ حق اندر وجود	آب و گل را کے ملک کردی سجود

عارف نے یہ نکتہ پیدا کیا کہ وہ تعظیمی سجدہ حضور رسولِ مقبول کو تھا کیونکہ حضور ہی کے نورِ مبارک کی طفیل ملائکہ ملکوت پر حضرتِ آدم کو شرف عطا کیا گیا جیسا کہ کوہِ طور پر تجلی نور کی نسبت عارف لکھتے ہیں۔

بے ہوش ہوئے جس سے مشتاق کلیم اللہ	جلوہ محمدؐ تھا وہ شعلۂ سینائی

اسی سجدہ ملائک سے سجدہ تعظیمی کی اباحت ثابت ہوتی ہے و نیز حضور کی مبارک زندگی میں بھی جناب کا درِ دولت سجدہ گاہِ عالم و آدم تھا اور شاہانِ زماں آپ کی نعلین برداری کو سعادتِ دارین تصور کرتے تھے اور بعدِ وفات بھی حضور کا روضہ مبارک مسجودِ ملائک ہے مولانا قدسی کا شعر ہے۔

نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را	برتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

۳ ترجمہ۔ تیرے چہرے کے خیال نے جس سر میں شور کیا دونوں عالم نے اُس خیال کی طرح اس کو آنکھوں میں بٹھایا۔

یعنی تیرے روئے زیبا کا خیال جس شخص کے سر میں جاگزیں ہو گیا اُس خیال کی برکت سے دونوں عالم نے اس کو عزت و توقیر کی نظروں سے دیکھا یعنی مطمعِ خلائق اور مقبولِ عالم ہو گیا۔

آنکھوں میں جگہ دینا یا آنکھوں میں بٹھلانا کمالِ توقیر اور عزت کی طرف اشارہ ہے۔

۴ ترجمہ۔ آدم اور یوسفِ مصری کے چہروں کو تیرے حسن کی زکوٰۃ ملی اور مشہور ہو گئے۔

یعنی آدم اور یوسف کا حسن و جمال تیرے نورِ جمال کا پرتو ہے جس کی وجہ سے وہ آسمانِ شہرت پر آفتاب و مہتاب بن کر چمکے یعنی تیری زکوٰۃِ حسن سے ان کی پرورش ہوئی۔

یا قرت کا اشارہ اگر اس طرف ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام ازل ہی سے تیرے روئے زیبا کی زکوٰۃ سے مستفید ہو کر ہمیشہ رخ در نقاب رہتے تھے حتیٰ کہ مصر میں جب وہ ہی درپہ وہ جمال زنانِ مصر کے سامنے جو حسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھیں نقاب کشا ہوا تو وہ بے ساختہ پکار اٹھیں کہ ہذا ملک کریم اور اُس نظارۂ جمال سوز سے بیتاب ہو کر ترنج کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔

اور پروانہ سے مراد یہ لی جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے تیری زکوٰۃِ حسن سے مستفیض ہو کر زنانِ مصر میں شہرت اور ناموری حاصل کی تو یہی مطلب واضح ہے حضرت منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مرحوم و مغفور فرماتے ہیں

نہیں ہے یہ جو حسنِ یوسفی کی دھوم عالم میں ۔۔۔ کہ سایہ چھپ کے اُس پردہ میں آیا تھا محمد کا

۵ ترجمہ ۔ تیرے چہرے کا خیال جس کی آنکھ میں بیٹھا اسکی آنکھ سے دونوں جہاں کا خیال جاتا رہا ۔

یعنی تیرے روئے پرنور کا خیال جس آنکھ میں جم گیا وہ آنکھ دونوں جہان کے خیال سے کنارہ کش ہو گئی یعنی اس میں تیرے خیال کے سوا کسی دوسری چیز کی گنجائش نہ رہی ۔

۶ ۔ تیرے چہرے کی شمع سے عاشقوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچا کیوں کہ انہوں نے اپنی جان پروانہ وار دے دی ہے ۔

مراد یہ کہ تیری شمعِ حسن پر پروانہ وار جل گئے مر مٹے مگر حاصل کچھ نہ ہوا یعنی سوزشِ دل میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی قلندر صاحب کا اصلی مقصود تو دیدار تھا وہ مر کر بھی حاصل نہ ہوا اور بشریت و نمود کے ساتھ ہونا ممکن بھی نہ تھا کیونکہ اُس کا وعدہ حشر و نشر کے بعد ہے اس لئے سوزِ دروں میں کوئی کمی نہ ہوئی ۔

ظاہر ہے کہ پروانہ بے تاب ضیائے شمع پر نثار ہو جاتا ہے لیکن وصال سے دل ٹھنڈا کرنے کی بجائے اسے التانذر پاسلش ہونا پڑتا ہے اس خصوص میں پروانہ بھی قلندر صاحب کا ہم مشرب ہے ۔

۷ ترجمہ ۔ جنہوں نے الست ہی سے تیرے عشق کی شراب نہیں چکھی وہ تیرے عشاق کی رسوائی چاہتے ہیں ۔

فضیحت ۔ رسوائی بدنامی ۔

گویا جو لوگ الست ہی سے تیری شرابِ محبت سے محروم ہیں وہ تیرے عشاق کو رسوا کرنے کی فکر میں ہیں یا ان کے درجاتِ عالیہ کا شکوہ اور گلہ کرتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں

۸ ترجمہ ۔ لیکن جن مولائی لوگوں نے ازل میں تیری صورت دیکھا وہ ۔۔۔ ابد تک حیرت میں پا گئے

مولہاں ۔ مولائی لوگ یعنی صاحبِ کشف ۔ **پائے حیرت افشردن** ۔ حیرت میں پاؤں نچوڑنا یعنی محوِ حیرت ہونا ۔ باقی باقی ہونا ۔

شعر بالا میں قلندر صاحب نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو ازل ہی سے شرابِ محبت سے

محروم رہے اور عشاق کی قدر و منزلت سے ناواقف لیکن شعر زیر تشریح میں ان صاحب کشف لوگوں کی نسبت فرماتے ہیں جنہوں نے ازل میں تیری صورت پاک کا عکس دیکھا اور بے خود ہو گئے کہ وہ ابد تک بدستور محو حیرت رہیں گے اور ان کو رسوائی اور بدنامی کی پروا نہیں۔

۹ ترجمہ: کم ظرف تیرے عشق میں وہ سرمست قلندر ہو گیا کہ جملہ مدعی اس کی ہیبت سے مر گئے۔

مہابت: خوف، ڈر، خشم

یعنی تیرے عشق میں کم ظرف کی سرمستی دیکھ کر تمام دعویدار کافور ہو گئے ممکن ہے مدعیوں سے ان ابنائے زمان کی طرف اشارہ ہو جو بوالہوس اور خام عاشق تھے انہی خام طبع لوگوں کی نسبت کسی بزرگ نے لکھا ہے۔

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں — ہیں مے ناب کے دلال قدح خوار نہیں
شہر میں ان کے نہیں جنسِ وفا کی بکری — کیا کوئی پوچھتے پھرتے ہیں خریدار نہیں
کون سے وہ گلِ رعنا پہ فدا ہیچ نہیں — کون سی نرگسِ شہلا کے وہ بیمار نہیں
نت نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا ان کو — در بدر جا کے بھٹکتے پھرنے سے انہیں عار نہیں
بوالہوس کام طلب بندۂ نفس اہلِ ہوا — ایک عالم ہے اسی رنگ میں دو چار نہیں
دعویٔ عشق و محبت پہ نہ جانا ان کے — ان میں گفتار ہی گفتار ہے کردار نہیں

عمر کے آخری حصے میں قلندر صاحب پر رعب و جلال ہیبت و سطوت کی کیفیت بہت غالب تھی۔

غزل ۳۵

هزار سجده که یاران بصورت تو برند ۱ ولے ز باغ وفائے تو میوه نخورند
خبر نبود عزازیل را ز صورت تو ۲ وگرنه گفتے یاران بسجده مفتخر اند
کسان که منکر صورت پرستی استند ۳ اگرچه عیسئ وقتند جمله دم خر اند
کسان که طاعت بت میکنند معذورند ۴ اگر ز حسن روے تو هیچ با خبر اند

نبود سجدۂ آدم اگر برائے رخت ۵ کہ عاشقانت از ہر حجاب می نگرند
جمالِ روئے تو در بحر و بیت ہیے نگریم ۶ دریں محلہ "انا الحق" زناں نہ معتبرند

۷ شرف قلندری از پئے تو جلال تو یافت
زرازِ عشق وے ایں کور و خام بےخبرند

۱۔ ترجمہ۔ عاشقوں نے تیری صورت کو ہزارہا سجدے کئے لیکن تیری دفا کے بارے کچھ نہ ہو سکے(؟) کہا
یعنی تیرے عشق سے کچھ حاصل نہ ہوا معشوق کو بے وفا اور نامہربان اکثر کہا جاتا ہے مراد یہ
کہ حسینوں میں وفا کی بو نہیں ہوتی۔

ریاضِ دہر میں یوں تو ہیں رنگ رنگ کے پھول (اقبال) وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی

۲۔ ترجمہ۔ عزازیل کو تیری صورت کی خبر نہ تھی ورنہ یہ نہ کہتا کہ میں سجدہ کرنے سے محتاج ہوں
عزازیل۔ شیطان علیہ اللعنۃ مستغنی۔ محتاج۔ فقیر۔
یعنی اگر عزازیل کو علم ہوتا کہ حضرتِ آدم میں ذاتِ خداوندی کا ظہور ہے تو وہ کبھی بھی سجدہ سے
انکار نہ کرتا یا دوسرے لفظوں میں نورِ محمدی کا ظہور آدم میں موجود ہوتا اس کو معلوم ہوتا تو کبھی سجدہ سے گریز نہ کرتا
مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے اسی مضمون کے لیے دیکھو شعر (۵/۲)
۳۔ ترجمہ۔ جو تیری صورت پرستی کے منکر ہیں اگرچہ عیسیٰ وقت ہوں مگر وہ تمام گمراہ ہیں۔
یعنی چونکہ مظاہر کونین کے ہر ذرے میں تیرا جمال جاری و ساری ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ تیرے
نور سے معمور ہے اس پر بھی اگر کوئی تجھے لائقِ پرستش اور سزاوارِ معبودیت نہ جانے تو وہ نادان ہے اور غلطی
پر ہے گو وہ بزعم خود کیسا ہی ہو اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر (۴/۲)
۴۔ ترجمہ۔ جو لوگ تیرے چہرہ کے راز سے کچھ بھی باخبر ہیں اگر وہ بت پرستی کریں تو وہ معذور ہیں۔
تشریح کے لئے دیکھو شعر (۱/۱)
۵۔ ترجمہ۔ آدم کو سجدہ نہ ہوا اگر تیرے چہرے کے واسطے کیونکہ تیرے عاشق ہر حجاب سے
دیکھتے ہیں۔

مراد یہ کہ تیرے عاشقوں کی نظر مقصود پر ہے اس لئے وہ سجدہ آدم کو تیرا ہی سجدہ خیال کرتے ہیں مزید تشریح کے لئے دیکھو شعر (۳۴)

۱۵ ترجمہ ـ تیرے چہرے کا جمال بحر و بر میں دیکھتے ہیں اس مقام میں انا الحق کہنا معتبر نہیں

محل ـ مقام ـ بحر و بر ـ تری و خشکی مراد ہر جگہ ۔

یعنی ارض و سما کے ہر ذرے میں تیرے روئے پرنور کا عکس ہے اس لئے اپنی ہستی کا اعتراف کرنا غلطی ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ہٰذَا بَاطِلًا جو کچھ ہے تیرے نور کا ظہور ہے بذاتہ کوئی چیز قائم نہیں ظہیر فاریابی کا شعر ہے

پرتو حسن تو در سجدہ و بر انداختہ اند | آتش است این کہ در خشک و تر انداختہ اند

حضرت مولانا اسی ہستی مطلق کے بذاتہ موجود ہونے کی نسبت فرماتے ہیں :

نمود جنبش نوک قلم ہیں ساری تحریریں	عوالم کیا ہیں مسلم ذات کی ہیں چند تفسیریں
تماشا گاہ عالم ہے کسی استاد کامل کا	یہ ہم تم کیا ہیں گویا سینما کی چند تصویریں

۱۶ ترجمہ ـ شرف نے تیرے جمال کے عکس سے قلندری پائی اس کے عشق کے راز سے خام اور کور بے خبر ہیں۔

یعنی کونین کے ہر ذرہ میں تیرے نظارہ جمال کو دیکھ کر کہ وہ مظاہر تیرے نور کا عکس ہیں مجھے مرتبہ قلندری حاصل ہوا مراد یہ کہ میں تیرے جمال کے نظارے میں محو اور بے خود ہو گیا ہوں جو قلندر کی اعلیٰ صفت ہے لہذا میرے اس راز سے خام طبع اور کور باطن لوگ بے خبر ہیں اور نہیں جانتے کہ شرف کی اصلی مستی کی کیا وجہ ہے ۔

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست | نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

غزل ۳۶

جمالش را نقابے بر نتابد ۱ جلالش را حجابے بر نتابد

بجاں بازی باو نتواں رسیدن ۲ کہ جاں از وے خطابے بر نتابد

چرا پروانہ گرد شمع گردد ۳ چو زو یکدم عتابے بر نتابد

بچشمم روئے تو نازش دیدن ۴ کہ خفاش آفتابے بر نتابد
اگر در روئے او صد آفتابست ۵ گزاں کو نیز تابے بر نتابد
کجا مجروح تو آرام یابد ۶ کہ چشم خستہ خوابے بر نتابد

۷ شرف صبر و تحمل عادتے کن
کہ مقصودت شتابے بر نتابد ۷

۳ ترجمہ۔ نقاب اُس کے جمال کی تاب نہیں رکھتا اور حجاب اُس کے جلال کی۔
یعنی نقاب و حجاب میں اُس کے جلال و جمال کو چھپانے کی تاب نہیں ردیف ب میں قلندر صاحب
اسی مضمون کی تصدیق کرتے ہیں۔

بر در آرد صد پردہ را گر بر رخ او افگند حسن بے پروائے او سر گر نماند در حجاب

۴ ترجمہ۔ جان پر کھیل کر بھی اس تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ جان اُس کے عتاب کی طاقت نہیں رکھتی
خطاب۔ سخن کسی کے روبرو بات کرنا نام۔ لقب جس طرح پائی جائے ضد غیبت اور
عتاب کے معنوں میں بھی آتا ہے اس جگہ یہی آخر الذکر معنے مراد ہیں۔
یعنی ہر گز بھی اس کو دیکھنا محال ہے یہ اُس کی عنایت ہے کہ کسی کو مشرف کرے ورنہ انسان مجبور ہے

بہ سعی نتواں برد پے گوہر مقصود خیال باشد کہ ایں کار بے حوالہ بر آید

اسی مشاہدہ کی نسبت قلندر صاحب کا اپنا فیصلہ یہ ہے کہ
"اگر عاشق خواہد کہ بہ قوت خود بہ عالم بے چوں رسد محال بود مثال آں چناں بود کہ مورچہ
از سند نصیبہ مکہ کند و بپائے ضعیف خود راہ بر بدین بہر محال بود کہ برسد اما اگر خود را بر بال کبوتر
تیز پر بہ بندد تا او را بیک روز بحرکات اجنحہ خطیرہ خود بمقصود رساند وصول او بمقصد محال
نہ بود اے برادر تو آں مور ضعیفی کہ از سند امکان مکہ مقصد جوب داری اگر بپائے ضعیف
بشریت سر در بیابان بے پایان بے خودی آری و خواہی کہ برسی محال است محال چہ بلکہ ضلال
است ضلال"

رابے کرم دیدگان دردر پر نہ نہند ۔ آں راہ بپائے خود بپیمودن نتواں

۳۔ ترجمہ۔ پروانہ شمع کے گرد کیوں پھرتا ہے جبکہ اُس میں ایک دم کے لئے عتاب کی تاب نہیں
یعنی جب پروانے میں ضیائے شمع کی تاب نہیں تو شمع کا طواف کیوں کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی
کم ظرف اور دون ہمت عاشق کی طرف اشارہ کیا گیا ہو کہ جب تجھے شمعِ جمالِ محبوب کی تاب نہیں تو طواف کرنا
کیا معنی رکھتا ہے عبرت آموز شعر ہے کہ جب تجھ میں اس کی اہلیت نہیں تو خواہشِ وصل کو دل میں جگہ ہی نہ دیجے

نوٹ:۔ مگر ایسے آدمی سے تو پروانہ ہی بہتر ہے کہ گو عتاب کی تاب نہیں رکھتا مگر کمالِ عشق
کی بدولت شمع کا طواف تو ضرور کرتا ہے اور جل مرتا ہے نتیجہ یہ نکلا کہ اس میں بھی اہلیت اور شناخت کا مادہ
ہے لیکن تو اس نعمت سے محروم ہے۔

۴۔ ترجمہ۔ اُسے چہرہ کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ چمگادڑ آفتاب کی تاب نہیں لاسکتی۔

خفّاش۔ ایک پرندے کا نام ہے جس کو شپرک کہتے ہیں۔ چمگادڑ۔

آفتاب۔ سورج دو لفظوں سے مرکب ہے۔ آفت اور آب یعنی آفتِ آب کیونکہ سورج
حقیقت میں پانی کے لئے بمنزلہ آفت ہے کہ اُس کو خشک کر دیتا ہے

ظاہر ہے کہ خفّاش کی آنکھیں ضیائے آفتاب کے سامنے خیرہ ہو جاتی ہیں اسی وجہ سے
کہ وہ رات ہی کو باہر نکلتی ہے اور تمام دن چھپی رہتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ جس طرح خفّاش کو تابندہ آفتاب کے جمال کی تاب نہیں اسی طرح ظاہری آنکھ
سے محبوبِ مطلق کو نہیں دیکھ سکتے اس نظارۂ دیدار کے لئے باطنی آنکھوں کی ضرورت ہے جسکو عارف بصیرت کہتے ہیں

جلوہ دکھلائے جو وہ اپنی خود آرائی کا (غریبؔ) نور جل جائے ابھی چشمِ تماشائی کا

سمجھ لکھا گیا ہے کہ جنت میں عامۃ المسلمین کو دیدار ہوگا یعنی دیکھنے والی آنکھوں کو وہ نور عطا کیا
جائے گا یا دیکھنے والوں کو خاص الخاص وہ آنکھیں مرحمت ہوں گی جو نظارۂ بے حجاب کی تاب لاسکیں کیونکہ یہ
ظاہری آنکھیں اس کی مخصوص ہیں یہاں اور وہاں دونوں جگہ بیکار ہیں شیخ سعدیؒ ایک منظوم حکایت میں اسی مضمون
کو اس طرح واضح کرتے ہیں۔

نگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ ۔ بتابد بشب کرمکے چوں چراغ
یکے گفتش ای کرمکِ شب فروز ۔ چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز

بہ بیں کا تشیں کرک خاک زاد	جواب از سرِ روشنائی چہ داد
کہ من روز شب جز الصبر انیم	ولے پیشِ خورشید پیدا نیم

اِس مضمون کی وضاحت کے لیے ہم رسالہ "سر العشق" سے ایک حکایت نقل کرتے ہیں جو قلندر صاحب نے خود رقم فرمائی ہے۔

"منصور عمارِ مغربیؒ کہ در فقر نشانے داز عالم بے نشاں نشانے داشت گفت روزے بہ قبیلہ رسیدم از قبائلِ عرب جوانے دیدم با قدِ معطر و خطِ معنبر مرا دعوت کرد چوں مائدہ حاضر کرد آں جوان بسوئے خیمہ نگاہ کرد نعرہ بزد و بے ہوش شد و زبانش از گفتن خاموش گشت چوں بہ ہوش باز آمد در خروش آمد از حالِ او پرسیدم چرا نعرہ زدی و بے ہوش گشتی گفت اے راہی خیمہ معشوقِ من است دریں حال غبارِ دامنِ او کہ گریبانِ جانم گرفتہ است و بسوئے عالمِ بیخودی مے کشد بدیدم و بیہوش شدم و چنیں خاموش گشتم من از کمالِ مرحمت بر در خیمہ آں دل ربائے و جاں افزائے گذر کردم و گفتم بحرمتِ آں نظر کہ شما را در کارِ دو دلیشاں است چرا آں تشنۂ ضربتِ فراق را شربتِ وصال نچشانی و آں بیمارِ علت بے مرادی را بمراد نہ رسانی آں معشوقہ از حجاب آواز داد و گفت او چوں طاقتِ دیدنِ غبارِ دامنِ من نمے دارد در طاقتِ دیدنِ جمالِ من چگونہ بود"

۵ ترجمہ۔ اُس کے چہرے کے گرد صدہا آفتاب ہیں کہ کوئی ان کی تاب نہیں۔
مطلب صاف ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کسی میں اُس کے نظارۂ جمال کی تاب نہیں۔
۶ ترجمہ۔ تیرا مجروح کب آرام پاتا ہے کہ خستہ آنکھ نیند کی تاب نہیں رکھتی۔
یعنی تیرے مجروح پر نیند حرام ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ مجروح کو نیند نہیں آتی کیونکہ اسے زخموں کا درد تکلیف دیتا ہے یہی حال عاشقوں کا ہوتا ہے اور من جملہ علاماتِ عشق عاشق کا کم سونا بھی ایک علامت ہے

عاشقی را شش نشاں است اے پسر	آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر
گر کسے پرسد کہ سہ دیگر کدام	کم خورد کم گفتن و خفتن حرام

خوابِ عاشق۔ کے متعلق سر العشق میں قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ عاشق نخسپد و خفتن او عجب بود۔

عجباً للمحب کیف ینام	کل نوم علی المحب حرام

"اے برادر عاشق یا در مقام فراق بود یا در عروج وصال اگر در عالم فراق بود از الم و حزن خواب گرد او نگردد و اگر در مقام وصال بود از لذت و راحت او گرد خواب نگردد و آں چہ گفتہ اند النّوم حرام علی قلوب الاولیاء بدیں معنی قریب است عجب از محبے کہ محبوب بخشید را و قصد خواب کند"

ترجمہ۔ اے شرف صبر و تحمل کی عادت ڈال کیونکہ تیرا مقصود جلدی حاصل نہ ہوگا۔ یعنی اگر تجھے شاہد حقیقی تک دسترس حاصل کرنا ہے تو صبر کر تا نفع صبر جلدی نہ کر کیونکہ یہ نعمت جلد بازی سے حاصل نہیں ہوتی اس کے لئے ایک عرصہ درکار ہے کہ یار کنار میں آئے صبر کے متعلق حضرت مولانا روم فرماتے ہیں۔

کارہا از صبر گردد دل پسند	خرم آں کز صبر باشد بہرہ مند
چوں در افتادی بگرداب حرج	صبر کن والصبر مفتاح الفرج
صد ہزاراں کیمیا حق آفرید	کیمیا ہمچوں صبر آدم ندید

عارف نے کیا اعلیٰ اصول بیان فرمایا ہے

غزل ۳۷

نہ مثل قامتت سروی بہ بستاں جانفزا خیزد ۱ نہ ماہی ہمچو رخسارت ز گردوں پر ضیا خیزد

نہ پنداری کہ مہرت از دل عاشق رود ہرگز ۲ چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

چو بعد از مرگ من روید گیاہ بر گور من رستہ ۳ نوشتہ نام تو جاناں بہر برگ گیا خیزد

ازیں بالائے موزونت بلاہا خاستہ ہر سو ۴ چنیں بالا کہ تو داری ازیں بالا بلا خیزد

دلم از گردش گردوں چناں نالد کہ در عالم ۵ جفا بر دانہ مسکیں مدام از آسیا خیزد

کسے کو پرتو شد عاشق سلامت کے برد جاں شش ۶ ز چشمت عشوہا خیزد ز قدت فتنہا خیزد

شرف را گر تو خوں ریزی سرِ تسلیم خم سازد ؎ ہر آں قطرہ کہ از خونش چکد نقش وفا خیزد

۱۔ ترجمہ۔ تیرے قد کی طرح باغ میں کوئی سرو جانفزا نہیں اور نہ تیرے رخسار کی طرح آسمان پر پُرضیا ر چاند ہے۔

محبوب کے قامتِ بالا اور عارضِ پرنور کی تعریف میں قلندر صاحب رطب اللسان ہیں کہ تیرے قدِ بالا کی مانند باغ میں کوئی سرو نہیں اور نہ تیرے رخسارِ پُرانوار کی طرح آسمان پر چاند کو وہ ضیا حاصل ہے گویا قد کو سرو سے اور عارض کو چاند سے تشبیہ دینا غلطی ہے۔

اصطلاحِ تصوف میں قامتِ بالا سے صفتِ معبودیت اور سزاواری پرستش بھی مراد لی جاتی ہے لیکن سرو میں یہ صفت سراسر مفقود ہے لہٰذا سرو کو قدِ یار سے کوئی نسبت نہیں۔

(قاسم) سرو را قدِ یار سے گوید ۔ سرو بوالہوست نا تراشیدہ (دیوانہ)

نیز دیکھو شعر (۱۹/۱)

۲۔ ترجمہ۔ تو نہیں جانتا کہ تیری محبت عاشق کے دل سے ہرگز نہ جائے گی جب مرے کا مبتلا مرے گا جب اٹھے گا مبتلا اٹھے گا۔

یعنی جو محبت ازل سے میرے دل میں ہے ابد تک برقرار رہے گی مروں گا تو تیرے خیال میں اٹھونگا تو تیرے خیال میں مراد یہ کہ زندگی میں بھی اور بعد از مرگ بھی تیرا خیال رہے گا۔

اسرار الاولیاء سے نقل ہے کہ حضرت شیخ الاسلام خواجہ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ قاضی حمیدالدین ناگوریؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ حکم دیگا کہ مجنوں کو حاضر کرو حسب الارشاد مجنوں کو حاضر کیا جاوے گا تو حکم ہوگا کہ جو اولیا ہماری محبت کا دم بھرتے تھے وہ بھی حاضر ہوں اور مجنوں کے پاس کھڑے ہوں جب محبانِ خدا اس کے پاس کھڑے ہوں گے تو ارشاد ہوگا کہ دیکھو محبت ایسی ہوتی ہے جیسے مجنوں کی ہے جب تک زندہ رہا لیلیٰ کی محبت میں غرق رہا جب مرا تو اسی میں غرق مرا اور اب جو اٹھا ہے تو اسی میں غرق ہے!! اور یہ انتہائی محویت ہے عاشقوں کے بھی عجیب ہی خیال ہوتے ہیں۔

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی ۔ دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

۳۔ ترجمہ۔ تیرے قدِ موزوں سے ہر طرف بلائیں اٹھتی ہیں جیسا قد کہ تو رکھتا ہے اس سے

بلائیں اٹھتی ہیں۔ یعنی تیرا قامت بالا بلا در بلا ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ میرا دل آسمان کی گردش سے ایسا رہا جیسے دنیا میں ہمیشہ چکی کے دانہ پھنسا رہتا ہے

آسیا۔ چکی۔ دانہ پیسنے کی مشین

آسمان کو بوجہ گردش آسیا کہا گیا چکی میں جو دانہ پِستا ہے آواز دیتا ہے جس کو شاعر نے رونے سے تعبیر کیا مراد یہ کہ میں بھی جورِ فلک کے ہاتھوں سے نالاں ہوں

عمر نا اہلِ کہاں فلکِ کج رفتار کے شاکی رہے ہیں

۶۔ ترجمہ۔ جو تجھ پر عاشق ہوا اس کی جان سلامت نہ رہی کیونکہ تیری آنکھیں بلا کی غمزہ ساز اور قد عجیب لطف انگیز ہے۔

یعنی تیرا قامتِ بالا اور غمزہ ساز آنکھیں عشاق کی قاتل ہیں

	جس کو دیکھا اسے مارا نظر پیار سے یار	ہم نے آنکھوں میں تیری زہرِ ہلاہل دیکھا	

نیز دیکھو شعر (۲۵)

۷۔ ترجمہ۔ اگر تو شرف کا خون بھی گرائے اس کا سر تسلیم خم ہے اور اس کے ہر قطرہ خون سے وفا کا نقش ظاہر ہوگا۔

یعنی شرف اس قدر کشتۂ وفا ہے کہ اس کے ہر قطرہ خون سے اگر محبوب قتل کرے نقشِ وفا پیدا ہو حضرتِ منصور حلاج کے ہر قطرہ خون سے انا الحق کا نقش پیدا ہوتا ہے۔ جاں بازی اور جاں نثاری اسی کا نام ہے قلندر صاحب کا یہ شعر رضا و تسلیم کا بہترین نمونہ ہے۔

غزل ۳۸

پرتو اگر جمالِ تو بر خاک افگند ۱	ہر ذرہ تو مہر بعالم پراگند
با مدعی بگو کہ شماتت چہ میکنی ۲	مہرے بکن کہ گبند زہر سینہ بر گند
لبیک عاشقی بزنم بعد مرگ نیز ۳	خاکم ز گور باز براہست پراگند
چوں یار را بجالِ دلِ ما توجہے ست ۴	ما را دل از ملامتِ اغیار نشکند

کس یک نظر بروئے تو کردن نمی تواں ۵ انوار گرد روئے تو برتیغ ہمی زند
آں کس کہ چشم مست ترا یک نظر بدید ۶ چندیں ہزار نعرۂ مستانہ ہمی زند

۷ باشد کہ یک نگاہ حبیب تو اے شرف
برقے بخرمن دل وجان تو افگند ۷

ا ترجمہ۔ اگر تیرا جمال خاک پر پرتو ڈالے تو جہان کا ذرہ ذرہ ذوق محبت سے پراگندہ ہو جائے۔

یعنی تیرے جمال کے پرتو سے طبقات الارض کا ذرہ ذرہ ذوق محبت سے پراگندہ معمور ہو جائے۔

ذرہ ذرہ شد منور چوں کشید از رخ نقاب　　آں جمالِ بے حجابش بروں چو آفتاب

۲ ترجمہ۔ مدعی سے کہہ دو کہ تو کب طعن کرتا ہے سینہ سے کینہ کو نکال اور محبت کر۔

کینہ۔ بغض و عناد۔ عداوت خصومت۔

یعنی مدعی یا خشک زاہد سے کہو کہ تو اہل بصیرت پر طعن و ملامت کیوں کرتا ہے یہ انداز اچھا نہیں بلکہ سینہ کو کینہ سے پاک کر کے اہل اللہ سے محبت کرنی چاہیئے شرعاً بھی کسی سے کینہ و بغض رکھنا جائز نہیں۔

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن (سعدی) آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

ناصحانہ انداز ہے۔

خدائے بزرگ و برتر نے بھی اس ذلیل ترین جذبے کی نہایت ہی مذمت کی ہے جیسے کہ وارد ہے۔

من عادی ولیا فقد اذنتہ للحرب　　جو لوگ میرے دوستوں سے کینہ رکھتے ہیں وہ مجھ سے جنگ پر تیار رہتے ہیں

شماتت یعنی کسی کی برائی پر خوش ہونا کسی کی خرابی پر رضامندی ظاہر کرنا۔

یعنی مدعی یا خشک زاہد سے کہو کہ تو اہلِ بصیرت پر طعن و ملامت کیوں کرتا ہے تیرا یہ لہذا اچھا نہیں بلکہ سینے کو کینے سے پاک کر کے اہل اللہ سے محبت کرنی چاہیئے مترجم کبھی کسی سے کینہ اور بغض رکھنا جائز نہیں

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن — آئین ما ست سینہ چوں آئینہ داشتن

ناصحانہ انداز ہے اور اہلِ طریقت کے لئے نہایت اعلیٰ اصول

۳ ترجمہ میں بعد از مرگ عاشقی میں لبیک کہتا ہوں اور میری خاک قبر سے تیرے رستہ کی طرف اڑتی ہے

لبیک ۔ بالفتح و تشدید کلمہ ایجاب یعنی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں بعض اوقات لبیک کے ساتھ سعدیک کا استعمال آتا ہے یعنی باری باری دیتا ہوں جیسی کہ دینی چاہیئے اور حاجی مقام عرفات میں بار بار لبیک کہتے ہیں۔

مطلب یہ کہ میں بعد از مرگ بھی تیری خدمت اور اطاعت کا دعویدار ہونگا اور جوشِ محبت میں میری قبر کی خاک تیری راہگذار کی طرف اڑے گی تاکہ تیرے قدم میمنت لزوم کی خاک راہ ہونے کا فخر حاصل کرے

۴ ترجمہ جب ہمارے دل کے حال کی طرف یار کی توجہ ہے تو ہمارے دل کو غیروں کی ملامت کی پرواہ نہیں۔

یعنی جب محبوب میرے دل کی طرف متوجہ ہے اور میرا دل اسکی طرف تو مجھے اغیار کی طعن و تشنیع کی مطلق پرواہ نہیں۔

مئے صافی ز شاہد در کنارم — نرگس در دو جہاں با کسے ندارم	

نیز دیکھو شعر ۱۱/۱۴ ۱۲/۱۵

۵ ترجمہ ۔ کوئی شخص تیرے چہرے کو دیکھ نہیں سکتا کیونکہ اس کے گرد نیزۂ انوار تنا ہوا ہے۔

معشوق کے حسن کو ما فوق الحسن کہا گیا ہے کہ تیرے رخِ زیبا کے گرداگرد انوار کا نیزہ ہے اگر اسے اٹھایا جاوے تو زائرین تیرے دیدار کی تاب نہ لا سکیں اور چشم بینا خیرہ ہو جائیں ارشادِ خداوندی ہے لا تدرکہ الابصار

شیخ فخر الدین عراقی لمعہ بیست و ہم میں فرماتے ہیں۔

"محبوب حقیقی ہفتاد ہزار حجاب از نور و ظلمت بہر آں بر روئے فرو گذاشتہ تا محب خو سے

فرا کند وا در ایں پردہ چند تا چوں دیدہ آشنا شود عشق سلسلہ شوق بجنباند بہ دل عشق پردہای بیگانگاں
فرو گشاید آں گاہ برق جلال غیرت در و برم را بسوزد"

پردے سے باہر آئے تو کیا جانے کیا کرے	پردے میں ہو تو اس پہ یہ عالم ہے حسن کا

۱۶ ترجمہ جس نے ایک دفعہ تیری مست آنکھ دیکھ لی وہ کئی ہزار مستانہ نعرے مارتا ہے ۔
یعنی نرگس مست کی مستی سے ناظرین مستانہ وار نعرہ کناں ہیں ؛
۱۷ ترجمہ اے شرف ایسا ہو کہ تیرے معشوق کی ایک نگاہ تیرے جان اور دل کے خرمن پر بجلی گرا دے
آرزو ہے کہ معشوق ایک دفعہ نگاہِ برق بار سے میری طرف دیکھے تاکہ دل و جان کے خرمن میں آگ لگے

سِرّ العشق میں قلندر صاحب اس آگ کی حقیقت بیان فرماتے ہیں

"راحتِ عاشق در آں بود کہ معشوق آتشِ غیرت برفروزد و جانِ عاشق در ایں بسوزاند
زیرا کہ داند کہ ہر آنچہ کہ ہست بحرقی است ہرچہ بدو دہند بسوزد مگر آتشِ غیرت از خس و خاشاک
مغائرت را بسوزد ۔ ہر کہ ایں معنی بداند در عالم وحدت بار یابد"

غزل ۳۹

چوں محرمانِ حریم تو راز ما دانند ۱ چہ خوش بود کہ یکے زاں بگوش من خوانند
کساں کہ شرحِ کتابِ جبینش کردند ۲ اگر بعلم شکنہاش سخت نادانند
ز ہر دو کون چناں بر فشاندہ ام دامن ۳ کہ آستینِ بلا ہست نہ بر من افشانند
بشر چہ حوصلہ دارد کہ بنگرد برخت ۴ کہ قدسیاں ز جمالِ رخِ تو حیران اند
چہ مشکلے است ترا پاس را بہانہ مکن ۵ کہ زیر چرخ مشعبد ہزار در دانند
چگونہ فتنہ چشم تو بر من مسکین ۶ کہ صد ہزار فدائے تو از دل و جاں اند
کساں کہ سلسلہ با موئے تو نمیدارند ۷ ہزار سلسلہ کفر و دیں بجنبانند
چہ جذب در نظر خویش اے شرف داری ۸ کہ از فسونِ تو افسانہا ہمے خوانند

ا۔ ترجمہ۔ جب تیرے حریم کے محرم تیرے راز جانتے ہیں کیا اچھا ہو کہ ان میں سے ایک مجھے بھی سنائیں۔

یعنی مجھے تیرے رازہائے سربستہ کے سننے اور سمجھنے کی کمال خواہش ہے خدا کرے کہ میری آرزو پوری ہو اور تیرے محرم راز مجھے بھی تیرے راز سنائیں۔

قاعدہ ہے کہ جو بات ایک دفعہ سن لی جائے دوسری بار سننے سے اُس میں کوئی لذت اور لطف حاصل نہیں ہوتا لیکن داستانِ عشق ایسی پر لذت اور پر لطف سٹوری ہے کہ جس کے ہر بار سننے سے ایک نئی لذت حاصل ہوتی ہے اس لئے قلندر صاحب خواہش کرتے ہیں کہ تیرے رازہائے عشق کی داستان کوئی داستانگو مجھے سنائے

صد راہ حکایتِ تو بپایاں اگر رسد (جامی) خواہم کہ بار دیگر ز آغاز بشنویم

۲۔ ترجمہ۔ وہ کہ تیری کتابِ محبت کی شرح کرتے ہیں اگر علم پر صبر کریں تو سخت نادان ہیں۔

یعنی جو لوگ تیری کتابِ محبت کی شرح علم کے ذریعہ کرنا چاہتے ہیں اور علم کو تیرے عرفان کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ سخت نادان ہیں اور غلطی پر ہیں کیونکہ علم بذاتِ خود تیرے ادراک سے عاری عاجز اور قاصر ہے اور تیرے دفترِ محبت کی شرح علم کے ساتھ کرنا ایسی ہے جیسے ہوا میں گرہ باندھنا۔ مراد یہ کہ تیری شناخت اور عرفان علم و عقل سے بالاتر ہے۔

علم بھی دو طرح کا ہے ایک رسمی دوسرا توحیدی پس علومِ رسمی تو واقعی کتابِ محبت کی شرح سے عاجز ہیں البتہ علمِ توحید ذاتِ حق کے عرفان کا ذریعہ ہے جس کو عارف اپنی اصطلاح میں علم الف کہتے ہیں جس کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ فِی الصِّیْن یعنی علمِ توحید حاصل کرو خواہ وہ چین میں ملے۔

قلندر صاحب کا اشارہ علمِ رسمی کی طرف ہے کہ وہ اُس کے ادراک سے عاجز ہے جس کی نسبت حدیث میں آیا ہے اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَر یعنی علمِ رسمی ایک بڑا حجاب ہے قلندر صاحب خود علمِ رسمی کے متعلق فرماتے ہیں

"کہ علم تا ساحلِ عشق بیش نرسد و را در لجہ این بحر کارے نیست زیرا کہ وے رہبر است و رہبر اگرچہ قوت باشد اما تا ساحلِ عشق راہ بردن و پائے طلب را استوار کردن و خود را نگوں سار کردن در لجہ بحرِ خونخوار تا دُرِ ثمینِ وصال بر آرد یا بار روزگار خود بسر آرد کارے دیگر است علم تا باب اول بیش راہ نبرد" (سر العشق)

۳۔ ترجمہ۔ میں نے دونوں جہان سے اپنا دامن ایسا پاک کیا ہے کہ مجھ پر ملامت کی آستین نہیں جھاڑ تی

یعنی میرے دامن میں گرد و غبار کی کلفت اور تعلقاتِ کونین کی الفت کی گرہ نہیں اس لئے مجھے

طعن و ملامت سے ہے پراں نہیں اور نہ ہی آستینِ ملامت جھاڑنے کا احساس۔

اہلِ ملامتیم نہ تکلیم ز طاعناں — لوزنت القلوب ان تغنت المحبوب

۴ ترجمہ۔ انسان کا کیا حوصلہ ہے کہ تیرا چہرہ دیکھے جبکہ فرشتے بھی تیرے جمال سے حیران ہیں۔
یعنی جب فرشتے باوجود نوری ہونے کے تیرے نورِ جمال کی تاب نہیں رکھتے تو خاکی بشر میں کیا طاقت ہے کہ تیرا جمال دیکھ سکے۔

زشانِ حسنِ تو نتواں نشاں گفتن معاذ اللہ — تو در دانش نمی گنجی تو در بینش نمی آئی

۵ ترجمہ۔ تجھے کیا مشکل ہے ناامیدی کی بہانہ نہ کر کیونکہ اس چرخِ مجدر کے نیچے ہزارہا مرد ہیں۔
مجدر۔ بروزن منور آں کہ آبلہ در آبلہ داشتہ باشد مجازاً منقش صیغہ اسم مفعول از تجدیر یا نحو ذاز جدر یعنی تو رحمتِ حق سے ناامید نہ ہو کیونکہ اس منقش آسمان کے نیچے صدہا خشک دل سیراب ہو چکے ہیں اَلْیَأْسُ مِنَ الْکُفْرِ کا مفہوم سمجھ ارشادِ خداوندی لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَتِ اللّٰہِ پر نظر رکھ الطافِ محبوب سے ناامید نہ ہو کبھی نہ کبھی گوہرِ مقصود ہاتھ آہی جائے گا سعی عمل کا اعلیٰ نمونہ ہے۔
۶ ترجمہ۔ تیری آنکھ مجھ مسکین پر کیسے پڑے جبکہ ہزارہا دل و جان سے تجھ پر فدا ہیں۔
یعنی مجھ خستہ حال مسکین کو تو کیوں کر دیکھے جبکہ تجھے اپنے چاہنے والوں سے فرصت نہیں بھلا میں غریب کس شمار و قطار میں ہوں جبکہ ہزاروں تجھ پر نثار ہونے کو تیار ہیں۔

نظرت ہیچگو نہ افتد بر من کہ چوں تو شاہا (مولف)، ہمچو غریب منظر صدہا غلام داری

۷ ترجمہ۔ جو تیری زلف سے سلسلہ نہیں رکھتے وہ کفر و دین کے ہزارہا سلسلے ہلاتے رہتے ہیں۔
یعنی جو تیری زلفِ مسلسل کے اسیر نہیں وہ لذتِ اسیری سے مطلق بے خبر ہیں اور اس بے خبری کا باعث وہی تعلقات کونین ہیں جن میں وہ سرتاپا گرفتار ہیں۔ زلف سے عالم کثرت مراد لی گئی ہے کہ وہ عالم اسباب کے تعلقات میں گرفتار ہیں کفر و ایمان کی مفصل تحقیق کے لئے دیکھو شعر (۵۵)
۸ ترجمہ۔ اے تشرف تو اپنی نظر میں کیسا جاذب رکھتا ہے کہ لوگ تیرے فسوں کے فسانے پڑھتے ہیں
یعنی تیری نظرِ فسوں ساز میں ایسی کشش ہے کہ تیری داستان خلائق کا وردِ زبان ہے یعنی ہر محفل میں تیری ہی چشمِ فسوں ساز کا تذکرہ ہے ٭

غزل ۳

جمالِ مظہرِ او روحِ پاکِ آدم شد ۱ کہ از فرِ طلعتش آں ہستیِ دو عالم شد

تبارک اللہ آں صورتِ چنیں بدیع سرشت ۲ کہ سجدہ گاہِ ملک از طفیلش آدم شد

دراں نفس کہ جمالش شعاع بر ہستی زد ۳ کمینہ پرتوِ آں عیسیِ ابنِ مریم شد

کساں کہ بت بپرستند نمی شناسندت ۴ مگر بظنِ خیالِ تو کار مبہم شد

ز شوخیے کہ تو داری و شیوہ کہ تراست ۵ بہر دو کون بپا فتنہ ہائے پیہم شد

بیانِ صورتِ پاکت ز حدِ عقل گذشت ۶ چہ جائے عقل کہ ہم روحِ پاک ابکم شد

ز شوقِ قبلۂ ابروئے تو نیافت خبر ۷ قلندرے کہ بسوئے کعبۂ رسم و شغل ملزم شد

ز پاکیٔ حرمے کہ در ابروئے تو در آورند ۸ ہزار کعبہ بپیشِ تو پشت در خم شد

کسے مباد ز خوباں کہ با تو لاف زند ۹ کہ خوبیِ دو جہاں مر ترا مسلم شد

ہزار معنیٔ عقل و ہزار جلوۂ علم ۱۰ بزیرِ پرتوِ عشقِ تو کمتر از کم شد

۱۰	ز داغہا کہ شرفؔ را بدل زدی ہر یک برائے دستِ سلیمانِ عشق خاتم شد	۱۰

۱ ترجمہ۔ آدم کی پاک روح اُس کے جمال کا مظہر ہوئی کہ جس کی پیدائش سے دونوں جہان پیدا ہوگئے
مراد یہ کہ حضور رسولِ مقبول کا مظہر نور حضرت آدم صفی اللہ پر جلوہ گر ہوا جس کے سبب سے
دونوں عالم پیدا ہوئے یعنی حضور کا نور ہی نورِ تخلیقِ عالم اور کونین کی علت غائی تھا انا من نور اللہ تعالی والخلق کلہم من
نوری کا مفہوم بھی یہی ہے۔

۲ ترجمہ۔ سبحان اللہ وہ صورت ایسی نادر ہے کہ آدم اس کی طفیل فرشتوں کا مسجود ہوا۔

تبارک اللہ بابرکت ہے خداوند تعالیٰ یہ تعجب اور مدح کے مقام پر بولا جاتا ہے سبحان اللہ بھی ایسے موقعوں پر کہتے ہیں بدیع۔ نادر۔ انوکھا۔ عجیب۔ نئی بات۔

چونکہ حضور کا مقدس نور تخلیقِ عالم کا باعث تھا اس اعتبار سے شاعر کہتا ہے کہ اس شاہِ لولاک کا چہرہ ایسا خوبصورت اور نادر ہے اور فرشتوں کا اس کا اس قدر ادب اور احترام ملحوظ تھا کہ وہ اسی جمالِ جانفزا کے عشق میں حضرتِ آدم کے آگے سر بسجود ہوئے یعنی آدم میں اس پاک نور کا ظہور تھا اس لئے قدسیوں نے بلحاظ تعظیم و تکریم اسے سجدہ کیا۔ (اسی مضمون کیلئے دیکھو شعر ۲۴۲، ۲۴۳)

۳۔ ترجمہ:- حسن زینت کہ اس کے جمال نے شعاع ڈالی اس کی کیمیا پرتو سے عیسیٰ ابن مریم پیدا ہوئے۔

شاعر نے ثابت کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی اسی نورِ مقدس سے ہوئی جس کی وجہ یہ بیان کی کہ جب تیرے جمالِ روح پرور کا عام ظہور ہوا اور اس کی شعاعوں نے روئے زمین کے ذرے ذرے کو منور کر دیا تو اس کی ایک ادنیٰ شعاع سے عیسیٰ ابن مریم پیدا ہوئے یعنی حضرت عیسیٰ بھی تیرے نورِ جہاں افروز کی بدولت عالمِ وجود میں آئے۔

۴۔ ترجمہ:- جو لوگ بت پرستی کرتے ہیں وہ تجھ کو پہچانتے ہیں مگر تیرے وہم و گمان میں یہ کام مبہم ہے

مبہم۔ وابستہ اور کار فرو بستہ مشتبہ۔ اور جو کسی طرح دریافت نہ ہو سکے کہ کیا مطلب ہے از لا یحل۔

مراد یہ کہ جو لوگ مظاہرِ کونین میں تیرا انوار مشاہدہ کرتے ہیں وہ تجھے پہچانتے ہیں لیکن جو لوگ تیری ذات میں خیال دوڑاتے ہیں یعنی تیری کنہ ذات کی حقیقت معلوم کرنے کے درپے ہیں وہ وہمی ہیں وجہ یہ کہ کنہ ذات کی حقیقت وہم و خیال سے بھی وراء الوراء ہے جہاں خیال کی رسائی بالکل محال ہے البتہ صفاتِ باری تعالیٰ اس کی شناخت اور عرفان کا ذریعہ ہیں جس کو شاعر نے بت پرستی سے تعبیر کیا۔

جہاں متفق بر الہیتش	فرو ماند در کنہ ماہیتش
نہ بر اوج ذاتش پرد مرغ وہم	نہ در ذیل وصفش رسد دست فہم

۵۔ ترجمہ:- شوخی کہ تو رکھتا ہے اور مستی کہ مجھ میں ہے ان دونوں سے جہان میں مسلسل فتنے برپا ہیں۔

مراد یہ کہ تیری شوخی اور میری مستی نے نظامِ عالم کو زیر و زبر کر دیا اور کونین میں جو فتنہ برپا ہوتا ہے وہ تیری شوخی اور میری مستی کا نتیجہ ہے

۶۔ ترجمہ:- تیری پاک صورت کا بیان عقل کی حد سے گزر گیا غلط کیا بلکہ روح پاک بھی گنگ سی ہو گئی۔

اُبکمٌ ۔ گونگے جو بول نہیں سکتے، بکمٌ جمع ہے

یہاں بھی صورت سے مراد ذات ہے یعنی تیری ذات کا بیان عقل کی حد سے خارج ہے بلکہ روح الامین جیسا مقرب فرشتہ بھی تیری کنہ ذات کی حقیقت سے عاجز ساکت اور صامت ہے مراد یہ کہ تیری حریم حرم میں کسی کو بار یابی نصیب نہیں بیچاری عقل کی کیا مجال ہے کہ تیری ذات کا بیان کرے جس کو اپنی اصلیت کا ادراک نہیں کہ میں کون ہوں۔ کیا ہوں۔ کہاں ہوں۔

گر صد ہزار سال ہمہ عقل کائنات　　فکرت کنند در صفت عزت خدا
آخر بہ عجز معترف آیند کائے الٰہ　　دانستہ شد کہ ہیچ نہ دانستہ ایم ما

فارابی کی ایک رباعی بھی اسی مضمون پر ہے

اسرار وجود جملہ بہ نہفتہ بماند　　آں گوہر بس شریف ناسفتہ بماند
ہر کس بدلیل عقل چیزے گفتند　　آں نکتہ کہ اصل بود ناگفتہ بماند

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کنہ ذات کا عرفان انسان کی عقل اور قیاس سے بعید ہے

اسرار ازل را نہ تو دانی نہ من　　ایں حرف معما نہ تو خوانی نہ من

۷ ترجمہ وہ قلندر نے تیرے قبلۂ ابرو کے بھید سے خبر نہ پائی جو کعبۂ معظم کی طرف گیا۔

یعنی وہ قلندر کہ عازم کعبہ ہوا تیرے قبلۂ ابرو کے بھید سے ناواقف رہا مراد یہ کہ اس نے ایمان بالعین کا مرتبہ حاصل کیا اور ایمان بالغیب کا قائل رہا گویا وہ صحیح معنوں میں قلندر ہی نہیں کیونکہ قلندر کی علامت ہے کہ اس کا ایمان عینی ہو نہ کہ رسمی و علمی ۔ ع :- قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

۸ ترجمہ تیرے ابرو کے ایک خم کے سامنے ہزارہا کعبوں نے اپنی پشت خم کر دی۔

ابروئے محبوب کو بوجہ خمیدہ ہونے کے محراب کہا جاتا ہے ۔ مراد یہ کہ تیرے محراب ابرو کے سامنے کعبہ بھی سربسجود ہے اگر کعبوں سے مختلف مذاہب مراد لی جائے کیونکہ ہر مذہب اور ہر فرقہ کا مذاقیہ قبلہ جدا ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ ہر ایک مذہب یا فرقہ تیری حقیقت کو سمجھنے میں کوشاں ہے ۔

۹ ترجمہ خوبصورتوں میں سے ایسا کوئی نہیں کہ تیرے ساتھ برابری کی لاف مارے کیونکہ دونوں جہان میں تیری خوبی مسلّم ہے ۔

یعنی دونوں جہان کے حسینوں میں سے کوئی بھی تیرے حسن و جمال کی برابری نہیں کر سکتا کیونکہ تیرا

حسن دونوں جہاں میں برتر و مسلم ہے۔

	بحسنِ صورت اگر زمیں نہ خواہد بود	بصورتِ تو بتا کمتر آفرید خدا	

مراد یہ کہ حسینوں میں حسین اور دلبروں کا دلبر یہی ایک محبوبِ حقیقی ہے جس کا حسن حسینانِ جہاں کا منبع اور مخزن ہے اور کسی کو اس کے جمال کی برابری کا دعوے نہیں

• ا تر جمہ عقل کی ہزار روشنی اور علم کے ہزار جلوے تیرے عشق کے پرتو کے نیچے کم سے کمتر ہو گئے

اس شعر میں عشق کی رفعت اور عظمت کا بیان ہے یعنی عشق کا پرتو ہزارہا انوارِ عقل اور ہزارہا جلوۂ علم پر غالب ہے مراد یہ کہ علم اور عقل عشق کا مقابلہ نہیں کر سکتے بلکہ اس کے سامنے ہیچ ہیں یہاں علم اور عقل سے مراد علمِ رسمی و عقلِ جزوی ہے جو ابتدائے عشق میں ہونے ضرور ہیں لیکن کم جوں جوں عشق کا غلبہ ہوتا جاتا ہے یہ بھی کم سے کمتر اور انتہائے عشق میں کمتر سے کمتر ہیں گویا بالکل نہیں رہتے سر العشق میں عقل و عشق کی نسبت قلندر صاحب فرماتے ہیں

"عشق آفتاب است و عقل ذرہ ہا اگرچہ ذرہ بتابِ آفتاب در ظہور مے آید اما اور از کجا یارائے آں بود کہ بخود در پرتوِ آں نور آید ذرہ در سایہ مفقود است بلکہ نابود است بتابِ آفتاب محسوس گردد پس ذرہ اگرچہ ہست نماید اما اضافتِ ہستی او از آفتاب است و علم و عقل ہمراہِ عشق است تا ساحلِ دریائے عظمت اگر قدم پیش نہد غرق شود چوں عشق غواصی کند تا بہ دُرِ یتیمِ وصال در صدف مکنون شود علم و عقل منتظر بماند و تماشائی آں بود کہ عشق از قعرِ بحرِ عظمت گوہرِ شب افروز مراد بر آرد تا او در پرتوِ یافتہ آں راہ بخود باز یابد گرآں گماں غلط است و ایں از نوادراتِ عشق است فرق است میانِ آں غواص کہ در بحر فرو رود تا دُر بر آرد و میانِ آں کہ در قعرِ بحر از برائے آں رود تا بہ دُر زنا فی در صدف شود"

ا ترجمہ۔ ان داغوں سے کہ تو نے شرف کے دل پر لگائے سلیمانِ عشق کے ہاتھ کو اسطرح نعمتِ خاتم ہو گئی

خاتم۔ انگوٹھی۔ انگشتری۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ان کے لئے نعمت اور سلطنت کا راز تھی جس کی وجہ سے وہ جنوں اور انسانوں پر حکومت کرتے تھے چنانچہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ وہ انگوٹھی آپ سے جاتی رہی جس کو صخر جن نے حاصل کر کے تختِ سلطنت پر قبضہ کر لیا لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ انگوٹھی آپ کو مل گئی اور آپ بدستور سریرِ سلطنت پر متمکن ہو گئے +

قلندر صاحب نے اپنے اٹھائے دل کو خاتم نقشِ سلیمان اور عشق کو سلیمان کہہ کر کہا کہ میرے . . . . .

داغہائے فراق جو ہجر کی فرقت میں میرے سینے پر لگے خاتمِ سلیمانی کا کام کر گئے اور مجھے وہ ابدی نعمت اور لازوال دولت حاصل ہوئی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو خاتم عطا ہونے پر ہوئی مراد یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام خاتمِ عطیۂ ایزدی کی وجہ سے تخت و سلطنت کے دعویدار تھے اور قلندر صاحب اپنے داغہائے دل پر نازاں ہیں۔

داغ و سینہ اور دست و خاتم کی معنوی رعایت اور لطافت ظاہر کیونکہ انگوٹھی ہاتھ میں پہنی جاتی ہے اور داغ ہمیشہ سینہ پر ہوا کرتا ہے۔

غزل ۱۴۱

اے آنکہ جلوہ گاہت جوشِ بہار دارد ۱ ہر سو زمیں ز خونِ ما لالہ زار دارد
معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکیست اینجا ۲ چوں وصل در نگنجد ہجراں چہ کار دارد
اے آنکہ آشنیافت گل جام کف درآید ۳ نرگس کشادہ چشمے در انتظار دارد
بنگر کہ عاشقِ تو از اشک و پارۂ دل ۴ لعل و گہر بدامن بہرِ نثار دارد
نخ نخ کہ خاکِ ما را بر آسماں رساند ۵ رخ سوئے مرقدِ ما آں شہسوار دارد
آسودہ کس نگردد زپیچ و تابِ غمہا ۶ زاں گردشے در خود لیل و نہار دارد

۷	بنگر یکے شرف را کہ مے کشند فغانہا ورآتشِ فراقت دل شعلہ زار دارد	۷

۱ ترجمہ۔ اے کہ تیری جلوہ گاہ بہار کا جوش (موسم) رکھتی ہے اور زمین ہر سو ہمارے خون سے لالہ زار ہے اس شعر میں موسمِ بہار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے قلندر صاحب نے پوری غزل ہی موسمِ بہار کی آمد پر لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ صانعِ قدرت کی جلوہ گاہ میں بہار کا عالم ہے اور ہر سو چمنستان اور لالہ زار ہی نظر آتے ہیں مگر ان کی سرخی اور تازگی میرے دل کے خون سے ہے۔ ظاہر ہے کہ گلِ لالہ سرخ رنگ ہوتا ہے اس لئے قلندر صاحب کا کہنا بجا ہے

۲ ترجمہ۔ اس جگہ معشوق و عشق اور عاشق تینوں ایک ہی ہیں جب وصل کی گنجائش نہیں تو ہجر کیا کام رکھتا ہے شاعر نے شعرِ بالا میں اس انتہائی مقام کی طرف اشارہ کیا ہے جسے اصطلاحِ صوفیہ میں وصال کہتے

ہیں یہ وہ آخری مقام ہے جہاں سالک خدا جانے کیا ہو جاتا ہے وہاں نہ عاشق ہے نہ عشق نہ ہیں نہ تو فقط ایک
باری تعالیٰ کی مقدس اور واحد ذات باقی ہوتی ہے سالک کی وہمی ہستی نورِ وحدت میں مل کر نور ہو جاتی ہے تمام اوہامی
پردے علیحدہ ہو جاتے ہیں

فرماتے ہیں کہ جس جگہ وصل کی گنجائش نہیں وہاں ہجر کا کیا کام جس سے مراد یہ ہے کہ وصل و ہجر کی ضرورت
وہاں محسوس ہوتی ہے جہاں عاشق و معشوق علیحدہ علیحدہ ہوں لیکن جب بقول شیخ ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد سالک
کی وہمی ہستی نورِ وحدت میں مل جائے اور کامل اتصال ہو جائے تو پھر وصل کیسا اور ہجر کیسا جب دوئی نہیں یکجائی ہے
اور وصل و ہجر کا احساس ہی نہیں تو ہجر کا گلہ اور شکوہ کون کرے اور وصل سے خوش کون ہو۔ یہاں تو معاملہ ہی دوسرا ہوتا
ہے نہ عاشق نہ عشق نہ معشوق نہ خودی نہ خود پرستی غرضیکہ بجز ذاتِ سالک کی وہمی ہستی ہی ناپید ہو کر اصل سے
واصل ہو جاتی ہے سر العشق میں غوث قلندر صاحب فرماتے ہیں:۔

"کارِ عاشق آنگہ تمام شود کہ عاشق معشوق شود از آنکہ از عشق عاشق چیزے بیفزاید در
حسنِ معشوق چیزے بکاہد زیرا کہ حسن معشوق را لازم وجود است زوالِ آں تا بقائے ذاتِ وے
ممتنع بود و عشق در عاشق اگرچہ نابود است بر وجود از خارج در وجود آمدہ است اما بقوتِ حسنِ
معشوق کہ ذریعہ او است اوصاف اورا در و مضمحل گردانیدہ است و چوں عاشق معشوق شود بہر
آئینہ معشوق عاشق گردد سبب ازانکہ وصف او از و نقل کند و بدیں پیوندند۔
اے درویش اگر دیدۂ نہاں بکشائی بہ بینی کہ عشق و عاشق و معشوق ہر سہ یکیست
و ایں اصل بے شبہ و شکے ایست"

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ عشق و عاشق و معشوق عالم توحید
میں ایک ہیں۔

۳؎ ترجمہ۔ اے کہ تیرے اشتیاق میں پھول جام ہاتھ میں لے کر اور نرگس آنکھیں کھول کر تیرے انتظار میں ہے
محبوب کے استقبال کا منظر ملاحظہ ہو کہ پھول جام ہاتھ میں لے کر اور نرگس شہلا دیدۂ مشتاق سے
آمدِ محبوب کا انتظار کر رہی ہے پھول جب کھلتا ہے تو جام نما ہوتا ہے اس لئے پھول کو جام سے تشبیہ دیا کرتے
ہیں۔ نرگس ایک گھاس ہوتا ہے جو اکثر باغوں میں ہوتا ہے اس کے پھول آنکھ کے مشابہ ہوتے ہیں۔
۴؎ ترجمہ۔ دیکھ کہ تیرا عاشق تجھ پر نثار کرنے کے لئے آنسوؤں کے موتی و مرواریدا اور پارۂ دل کے

گوہر دامن میں رکھتا ہے

عشق میں خون کے آنسو رونا اور دل کا پارہ پارہ ہونا لازمی ہے۔ شاعر معترف ہے کہ میں نے اشکہائے خونیں کے لعل اور پارہ ہائے دل کے گوہر محبوب پر نثار کرنے کے لیے دامن میں رکھے ہوئے ہیں

طرفہ سانچا ہے غم درد محبت جس میں (امیر) ڈھلتے ہیں آٹھ پہر موتی سے آنسو دل میں

۵۔ ترجمہ۔ واہ واہ!! اگر وہ شہسوار ہماری مرقد کا رخ کرے تو میری خاک کنج لحد سے آسمان کی طرف اڑے بخ بخ کلمۂ تحسین۔

یعنی اگر محبوب میرے مرقد کی طرف رخ کرے تو میری خاک کنج لحد سے بیدار ہو کر آسمان کی طرف اڑے عام محاورہ میں آسمان کی طرف اڑنا کمال خوشی اور اشتیاق کی علامت ہے۔

تپاں تپاں ز لحد خاکِ ما کند پرواز (عرفی) بسوئے تربتِ ما گر کسے گذار کنی

اسی مضمون پر مختلف شعرا کی خیال آفرینی ملاحظہ ہو۔

بوئے محبوب کہ بر خاکِ احبا گذرد (سعدی) نہ عجب باشد اگر زندہ کند عظم رمیم

چوں شوم خاک بجا کم گذرے کن چوں صبا (سلمان) تا ہوئیت ز لحد رقص کناں بر خیزم

از پس مرگ اگر بر سرِ خاکم گذری (خسرو) بانگِ پا بیت شنوم نعرہ زناں بر خیزم

بر سرِ تربتِ من شورِ قیامت انگن (آزاد) کہ من بے سر و بے خوں نوجواں بر خیزم

یاد رہے کہ جس جگہ سے کوئی شہسوار گذرتا ہے وہاں گرد و غبار ضرور اڑتا ہے لہذا شہسوار اور خاک کی رعایت ظاہر ہے!

۶۔ ترجمہ۔ غم کے پیچ و تاب سے کوئی شخص آرام نہیں پاتا اس گردش سے جو لیل و نہار میں ہے دن اور رات کی تبدیلی کو گردش کہا گیا ہے۔

مراد یہ کہ عالم اسباب میں کوئی شخص بھی غم و آلام کے پیچ و تاب سے آزاد نہیں گر با اس چرخ چنبری اور آسمان مدور کے نیچے کوئی بھی آسودہ حال نظر نہیں آتا بلکہ ہر شخص بجائے خود گردش روزگار کا شاکی ہے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دنیا مصیبتوں کا گھر ہے اس میں بلاؤں سے خالی رہنا محال ہے۔

۷۔ ترجمہ۔ ایک شرف کو دیکھ کہ شور و فغاں کرتا ہے اور تیری فرقت کی آگ سے اس کا دل شعلہ زار ہے

یعنی شرف چونکہ مبتلائے غم ہجر و فراق ہے اس لئے ہر وقت شور و فغاں کرتا ہے اور اس کا دل تیری

فرقت کی آگ سے جل رہا ہے۔

غزل ۴۲

بوسۂ لعلِ لبت اے دلربا باشد لذید ۱ شربتِ وصلت مگر بے انتہا باشد لذید

پر حلاوت اہلِ جنت را بود کوثر مگر ۲ در مذاقِ عاشقاں تو کجا باشد لذید

چوں نہ بخشی شربتِ دیدار را آں گہے ۳ شربتِ مرگ اے پریرو زودیا باشد لذید

تلخ جانم از فراقِ آں وجودِ ہم وصلِ او ۴ کے بجامم جرعۂ آبِ بقا باشد لذید

۵ ہمنشیں شعرِ شرف بشنو کہ از مستیِ عشق
شعرِ او چوں شرابِ عمر با باشد لذید ۵

ترجمہ: اے دلربا تیرے لبِ لعلین کا بوسہ گو لذیذ ہے مگر تیرا شربتِ وصل نہایت ہی لذیذ ہے لبِ معشوق کو بوجہ سرخی لعل سے تشبیہ دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اے معشوق تیرے لبِ لعلین کا بوسہ لذیذ اور پر حلاوت ہے مگر تیرا شربتِ وصال اس سے بھی بڑھ کر لذیذ اور لطف آفریں ہوتا ہے یعنی بوسہ میں وہ لذت و حلاوت نہیں جو تیرے وصل میں ہے۔ بوسہ کے متعلق صاحبِ گلشنِ راز فرماتے ہیں۔

ز غمزہ میدہد ہستی بہ غارت	بہ بوسہ میکند بازش عمارت
ز چشمش خونِ ما در جوش دائم	ز لعلش جانِ ما مدہوش دائم
بغمزۂ چشم او دل مے ربائد	بعشوۂ لعلِ او جاں مے فزائد
ز غمزہ عالمے را کار سازد	بہ بوسہ ہر زماں جاں می نوازد
از و یک غمزہ و جاں دادنِ ما	از و یک بوسہ و استادنِ ما

جن کا مفہوم یہ ہے کہ غمزہ یعنی عدم التفاتِ محبوب عالم کو فنا کی لوٹ میں عدم کر دیتی ہے لیکن سرخ لب کے بوسۂ محبوب سے جس سے روح پھونکنا اور زندہ کرنا مراد ہے نیست شدہ عالم کو پھر از سرِ نو آباد کیا صاحب جواہر غیبی وصل کے متعلق یہ وجد انگیز رائے رکھتے ہیں "وصل عبارت است از نسیانِ خود بشہود نورِ وجودِ حق تعالےٰ"

معشوق کے روح پرور اور دلنواز بوسہ کی لذت زلیست کو بہت کرنے پر قدرت رکھتی ہے لیکن اس کے وصال میں جو لذت اور حلاوت حاصل ہوتی ہے وہ اس سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ بوسہ کا تعلق دہن سے ہوتا ہے اور معشوق کے لب لعل کو شعرا آب حیات بھی کہتے ہیں چنانچہ حضرت امیر مینائی نے اسی لذت و حلاوت میں اپنی جان دے دی۔ فرماتے ہیں۔

بوسہ ملا جو اس لب شیریں کا مر گئے ۔۔۔ دی جان ہم نے چشمۂ آب حیات پر

عارف نے کیا نکتہ پیدا کیا کہ میں نے آب حیات پر جان دی

۲۔ ترجمہ۔ گو اہل جنت کے لئے کوثر پر حلاوت ہو مگر تیرے عاشقوں کے مذاق میں کہاں لذیذ ہے

حلاوت۔ شیرینی۔ مزہ۔ ذائقہ۔ مٹھائی۔ مذاق۔ چکھنا۔ چکھنے کی جگہ۔ محل ذائقہ۔

یعنی اہل جنت کے لئے آب کوثر گو لذیذ ہے لیکن تیرے عاشقوں کے نزدیک وہ لذیذ نہیں شاعر کا مقصود اس سے آب کوثر اور شربت دیدار کا مقابلہ ہے کہ آب کوثر میں وہ لذت اور حلاوت کہاں جو شربت دیدار میں ہے ظاہر ہے کہ شربت پانی کی نسبت زیادہ مرغوب الطبع ہوتا ہے صاحب گلشن راز اسی شربت دیدار کی حلاوت کے متعلق فرماتے ہیں۔

زہے شربت زہے لذت زہے ذوق ۔۔۔ زہے دولت زہے حسرت زہے شوق

کسے کہ تشنۂ وصل است باکوثر نہ سازد (ظہیری) بآب خضر اگر عاشق رود لب تر نہ سازد

۳۔ ترجمہ۔ جب تو ہم کو شربت دیدار عطا نہ کرے اس وقت ہمارے نزدیک اے پریرو شربت مرگ ہی بہتر ہو گا۔

فی الحقیقت عشاق کی اصلی غرض و غایت دیدار محبوب ہوا کرتی ہے اگر حاصل ہو تا ہے تو زندگی ورنہ موت کو زیست پر ترجیح دیتے ہیں۔

۴۔ ترجمہ۔ میں اس کے فراق سے تلخ جان ہوں اور اس کا وصل چاہتا ہوں میرے جام میں آب بقا کا جرعہ کب لذیذ ہے۔

ہجران محبوب میں شاعر اپنی زندگی سے بھی تنگ آیا ہوا ہے اور وصال کا طلبگار ہے شربت وصال کو آب بقا پر فضیلت دیکر کہتا ہے کہ میرے نزدیک آب بقا کا جرعہ لذیذ نہیں میں تو آب وصال اور شربت دیدار کا تشنہ ہوں جس سے زندگی جاوید حاصل ہوتی ہے۔

وہ ایک دم کہ جس میں میسر ہو وصلِ یار (اذن) بہشت سمجھتے ہم اسے عمر ابدی ہیں

اسی مضمون پر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ یوں فرماتے ہیں۔

اگر بدیں چاہِ زنخدانِ تو رہ بردی خضر	بے نیاز آمدے از چشمۂ حیوان دیدن

شربتِ وصل اور آبِ خضر کا مقابلہ نہایت لطیف ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ اے ہمنشیں شرفؔ کے اشعار میں جو مستی عشق کی وجہ سے ظاہر ہے شراب کی طرح لذیذ ہیں

ظاہر ہے کہ شراب غم ربا ہوتی ہے کیونکہ اس کی پرکیف تاثیر سے ظاہری ہوش و حواس میں تعطل اور

فقدان پیدا ہو جاتا ہے اور غم اور صدمہ کا تعلق چونکہ حواسِ ظاہری سے ہوا کرتا ہے اس لئے جب ان میں تعطل اور

فقدان پیدا ہو جائے تو غم و آلام بھی کافور ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میرے اشعار میں بھی عشق کی مستی اور کیف

موجود ہے اس لئے اے ہمنشین انہیں سن تاکہ تجھے راحت حاصل ہو۔ شاعرانہ طرز منقطع ہے اور حقیقت کا اعتراف

بھی! بے شک عاشق کی رفتار، گفتار اور کردار میں عشق کی مستی موجود ہوتی ہے اس لئے ان کے اشعار میں بھی

مستی عشق کا ہونا تعجب خیز نہیں۔

غزل ۴۳

خویشتن گم کردم فراموشم تا بدیدم روی یار ۱ مست می گردم بہر سو از جمالِ آں نگار

من چو ہر سو بنگرم جز وی نہ بینم ذرہ ۲ نزدِ من یکساں بود ہر مومن و زنار دار

نے ہراسیم از عذاب و نے امید از ثواب ۳ خواہ در جنت بدار و خواہ در دوزخ سپار

جنتِ من روئے یار و دوزخ از وی دوری است ۴ وصلِ او باشد چو نور و ہجرِ او باشد چو نار

کے بود در لنگی ما را بہ چیزے غیر ازو ۵ در نگاہِ ما دو عالم ہست منتفی از غبار

تو عطا ہا مے کنی و من خطا ہا مے کنم ۶ چوں گناہانِ من آمد رحمتِ تو بے شمار

غافلے را چشمِ دل چوں وا نشد اندر فہمِ او ۷ جلوۂ وحدت شد از جلبابِ کثرت آشکار

عشق را آساں شمردی غافلی از وسعتش ۸ گر بہ امعاں بنگری بحریست نا پیدا کنار

برقعی دردم شود نظم جہاں زیر و زبر ۹ غمزہ گر برزنم و رعشق او مستانہ وار

ا۔ ترجمہ: میں نے اپنے آپ کو فراموش کیا اور یار کا چہرہ دیکھا اب اس کے جمال کی طرح ہر سو مستانہ پھرتا ہوں
فرامش اصل میں فراموش ہے وزنِ شعری کے لئے واؤ کو حذف کیا گیا یعنی بھول جانا۔ نگار نقش بہت
یعنی میں نے اپنی خودی اور ہستی کا حجاب دور کر کے محبوب کا چہرہ دیکھا اور اب اُس کے جمالِ جانفزا
کے عشق میں مستانہ وار پھرتا ہوں فی الحقیقت عاشق اور معشوق کے درمیان من و تو کا پردہ حائل ہوتا ہے اگر اسے
دور کیا جائے تو وصالِ محبوب حاصل ہوتا ہے اور مشاہدہ جمال بھی۔ سلطان ابوسعید ابوالخیر کا قول ہے کہ حجاب
اللہ تعالےٰ زمین و آسمان نیست بلکہ پندارمنی و توئی است چوں از خود دگذشتی بخدا پیوستی"

(جمیل الدین اجمیری)	کہ جز وجود تو او را حجاب دیگر نیست	شہود مِن طلبی از وجود خود بگذر	

اسی مضمون پر مولانا مغربی فرماتے ہیں ۔

	ای کہ ہستی تو آمد روئے دلبر را نقاب	دور کن از رخ نقابے چون نقابے بیش نیست	
	مغربی آمد حجاب راہ جانان مغربی	درگذر از وے چہ شد آخر حجابے بیش نیست	

شہزادہ دارا شکوہ قادری کا شعر ہے

	بادوست رسیدیم چوں از خود بیش برآمدیم	از خویشتن برآمدن چہ مبارک سفرے بود	

	ترا با حق آن آشنائی دہد (سعدی) کہ از دست خود نیست رہائی دہد	
	کہ تا با خودی با خدا راہ نیست (بر) وزین کلمہ جز بیخود آگاہ نیست	

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ۱۳، ۲۵، ۱۰۔

۲۔ ترجمہ: میں ہر طرف اس کے سوا ایک ذرہ بھی نہیں دیکھتا میرے نزدیک ہر مومن اور زنار دار یکساں ہے
چونکہ مظاہر کونین کے ذرّہ ذرّہ میں نورِ مطلق کا ظہور ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ بلحاظ ظہور
میرے نزدیک مومن اور کافر (زنار بند) میں کوئی فرق نہیں کیونکہ مجھے ہر ایک میں اسی نورِ مطلق کا جلوہ نظر آتا ہے
حضراتِ صوفیائے کرام کائنات کی کسی چیز کو جمالِ الٰہی سے الگ تصور نہیں کرتے ہمہ اوست اور ہمہ از وست
کا مفہوم بھی یہی ہے اس لئے قلندر صاحب کا یہ خیال عین حقیقت ہے کیونکہ مومن اور کافر ہر دو اسی
نورِ مطلق کے مظاہر ہیں گو اعتقادات میں بعد المشرقین رکھتے ہیں مگر بلحاظ ظہور ان میں کوئی فرق نہیں۔

	گر بہ مسجد سر بود زنگ غالب خیر (جامی) گر صاحب خانقاہ گر راہب دیر	

از رُوئے تعین ہمہ غیر اند زعین (جامی) وز رُوئے حقیقت ہمہ عین اند زغیر۔

اِسی ظہورِ مطلق کی نسبت لمعات میں قلندر صاحب کے والدِ ماجد شیخ فخرالدین عراقی فرماتے ہیں

حقیقت ہمہ چیز آمد یکے — تو اندر مراتب بکن فرق ہا
نظر بر حقیقت ہمہ عین ہست — نظر بر تعین ہمہ غیر ہا

مراد یہ کہ عالمِ اسباب میں یہ سب فرقِ مراتب تعینات کی رُو سے ہیں اگر بنظرِ امعان تحقیق غور کیا جائے تو سب ایک ہی ہیں مومن بھی اسی کے جمال کا مظہر ہے اور زنار بند بھی کافر بھی لکتوبات شریف میں قلندر صاحب نے شعر ہذا کی تشریح خود فرمائی ہے لکھتے ہیں:۔

"ہر طرف کہ عاشق نظر میکند در آئینۂ دلِ خود حسن خود معائنہ میکند از حسن ہیچ ذرہ خالی نیست پس ہیچ طریقِ فرقِ مومن و زنار دار کردہ نشود چونکہ در نظرِ عاشق ہمہ حسنِ دوست شود و عاشق صورتِ معشوق است و معشوق آئینۂ حسنِ عاشق۔ عاشق چوں خود را در حسن معشوق یافت معشوق گشت و معشوق عاشق پس دراں وقت در نظرِ عاشق یکساں نماید مومن و زنار دار"

۳۔ ترجمہ مجھے نہ عذاب کا ڈر ہے نہ ثواب کی امید خواہ مجھے جنت میں رکھ خواہ دوزخ کی حوالے کر۔

سپار: فعل امر از سپردن بمعنی سونپنا حوالے کرنا۔

رضا و تسلیم کا ذریں نمونہ ہے کہ میں راضی برضا ہوں خواہ جنت دیدے خواہ دوزخ میں ڈال دے۔

نکتہ: سر العشق میں قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ "عاشق را از دوزخ ترسانیدن ہمچناں است چوں پروانہ دیوانہ را بہ شمع تخویف کردن پروانہ در عشقِ آں مے میرد و کجا آتش را در بر گیرد در اہماں بس بود کہ یک زمان آتش شود اگر در زمانِ دیگرش از راہِ خاکستری بدر اندازی زنام و نشانش بر اندازی باکے ندارد"

اور ایک دوسری جگہ اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فردا عاشقانِ جمال در بہشت انگشت گزاں روند و در دوزخ انگشت زناں روند در بہشت ذکرِ شان الرحمٰن والجبار باشند و در دوزخ ذکرِ شان الحنان والمنان بود زیرا کہ دانند کہ قہاری او از نعمت احباب سازد و رحمت او از آتش بوستاں کند۔ عارف نے کیا اعلیٰ نکتہ پیدا کیا ہے نیز دیکھو شعر ۲۴

۴۔ ترجمہ محبوب کا چہرہ میری جنت ہے اور اس سے دوری دوزخ اس کا وصل نور کی طرح ہے اور

اور ہجر یار کی طرح

شعر بالا سے مربوط ہے کہ میری جنت رخ یار کا دیدار ہے اور اس سے دوری دوزخ واقعی محبوب کا وصل اور دیدار تو بڑی اعلیٰ دولت ہے اور اس کے ہجر و فراق میں عاشق کو جن جن مصائب و نوائب کا شکار ہونا پڑتا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں۔

۵۔ ترجمہ۔ ہمارا دل اس کے بغیر کسی اور چیز سے کب بندھا ہوا ہے جبکہ ہماری نگاہ میں دونوں عالم مشت غبار کے برابر ہیں۔

ظاہر ہے کہ دنیا ناپائیدار اور فانی ہے قلندر صاحب نے اسے مشت خاک کہہ کر اپنی جوانمردی اور حقیقت شناسی کا ثبوت دیا ہے کہ مجھے اس سے اصلاً محبت نہیں عارف لوگ ہمیشہ اس کی محبت سے اجتناب اور اس کے تعلقات سے انقطاع کرتے رہے ہیں۔

جہاں بر آب نہادہ است عاقلاں دانند	کہ روئے آب نہ جائے قرار و بنیاد است

اسی مضمون پر ہے۔

جہاں از رنگ و بو سازد اسیرت	ولے نزدیک ارباب بصیرت
نہ رنگ دلکشش را اعتبار است	نہ بوئے دلفریبش را مدار است

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

۶۔ ترجمہ۔ تو بخشش کرتا ہے اور میں گناہ کرتا ہوں میرے گناہوں کی طرح تیری رحمت بھی بیشمار ہے درحقیقت انسان سہو و خطا کا پتلا ہے کیونکہ نفس امارہ اس کے ساتھ لگا ہوا ہے جو نیکی کی طرف مائل نہیں ہونے دیتا قلندر صاحب اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں کہ گو میرے گناہ بعید از قیاس ہیں لیکن تیری رحمت اور بندہ نوازی بھی بے پایاں ہے۔

مری بندگی سے مرے جرم افزوں	ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ

انسان کو اس واہب العطیات کی رحمت و شفقت سے ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔

۷۔ ترجمہ۔ جب غافل کے دل کی آنکھیں کھلیں اسے کثرت کے پردہ میں وحدت کا جلوہ نظر آیا۔

جلباب۔ بالکسر چادر اوڑھنی

اس شعر میں وحدت اور کثرت کا بیان ہے قلندر صاحب عالم کثرت کو جلباب کہہ کر حقیقت کو

واضح کرنے میں ظاہر ہے کہ اگر چادر کو آنکھوں کے آگے رکھ کر اس میں دیکھا جائے تو سب کچھ نظر آتا ہے مگر آنکھوں کا کھلا رکھنا اور بینائی کا بہتر ہونا شرط ہے اس لئے قلندر صاحب نے واشگاف فیصلہ لگا دی کہ اگر دل کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ محبوب حقیقی کا جلوہ پردۂ کثرت کے اندر ہے یعنی وحدت پردہ کثرت میں ہے اور کائنات کے تمام مظاہر اسی محبوب حقیقی کے نور سے معمور ہیں جو پردۂ کثرت میں ظاہر و آشکار ہیں رشحات میں خواجہ علیہ الرحمۃ اللہ احرار نقشبندی فرماتے ہیں۔

لمعۂ اوست در مکین و مکاں — جلوہ اوست در یمین و یسار
جملہ ذرات کون آئینہ ہاست — کہ دراں جلوہ میکند رخ یار
در ہر آئینہ بہ آب دگیر — مے نماید بعاشقاں دیدار
گاہ مستور در پس پردہ — گاہ مشہور بر سر بازار
گاہ در پردہ می نوازد ساز — گاہ بے پردہ مے درانداز
پردگی اوست ما ہمہ پردہ — پردہ ساز اوست ما ہمہ اوتار

گویا عالم کثرت میں جو چیز ہے یا جس چیز میں ہے اسی کے نور کا جلوہ ہے۔

دائرے سے مقصود یہ ہے کہ مرکز و نقطہ و محیط سے شان وحدت کی ہوتی ہے شان کثرت کا

۸۔ ترجمہ۔ تو نے عشق کو آسان خیال کیا تو اس کی وسعت سے غافل ہے اگر تحقیق سے دیکھے تو یہ ناپیدا کنار سمندر ہے۔

وسعت۔ فراخی۔ کشادگی۔ چوڑائی۔ امعان۔ بالکسر گہری نظر۔ خوب سوچنا کسی کام میں خوب غور و خوض کرنا۔

کسی خام اور ورد نا آشنا کو طنزاً کہتے ہیں کہ تو نے عشق کو سہل اور آسان خیال کر کے اس کی وسعت اور فراخی کو نظر انداز کر دیا لیکن اگر تو بنظر امعان و تحقیق دیکھے تو یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا ساحل اور کنارہ معلوم ہی نہیں ہوتا مراد یہ کہ اس کی وسعت اور فراخی وہم و خیال سے بھی وراء الوراء ہے۔

یہ وہ دریا ہے کہ جس کے نہیں ساحل کا پتہ — یہ وہ ساحل ہے کہ لب تشنہ ہیں جس پر صدہا
یہ وہ طوفان ہے کہ ڈالے لو گرداب بلا — یہ وہ قطرہ ہے کہ اک پل میں بنے سیل فنا
یہ وہ ہے موج کہ مقصد کی روانی دکھلائے — یہ وہ ہے گھاٹ کہ تلوار کا پانی دکھلائے

مولانا غنیمت رازِ عشق کی وسعت کے متعلق فرماتے ہیں

نہ گرد د قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدن ہا ‏ ‏ ‏ ‏ کہ مے بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدن ہا

مولانا حالی کو شک ہو گیا کہ شاید اس سمندر کا کوئی کنارہ ہے بھی یا نہیں

دریائے محبت سے جو پار اتر یں وہ جائیں ‏ ‏ ‏ ‏ ہوتا ہے خدا جانے کہ ساحل نہیں ہوتا

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ۲۱/۴

۲/ ترجمہ۔ اے برقِ تجلی ایک لحظہ میں جہاں کا نظم و نسق منتشر ہو جائے اگر میں اس کے عشق میں نعرہ ماروں
عاشق کے نعرۂ پرسوز کا منظر دیکھئے شاعر جو بیدار ہے کہ اگر میں ایک نعرہ ماروں تو عالم کون و فساد کا شیرازہ منتشر ہو جائے

شیر پنہاں است اندر ابر و بیم (رومی) عاشق گر گوئم جہاں را بر ہم زنم

نیز دیکھو اشعار ۔ ۱/۴ ، ۵/۵ ، ۹/۴ ، ۸/۴

غزل ۴۴

ہم از جمالِ تو برخاست شعلۂ طور	۱	ہم از نقابِ تو جوشید چشمۂ نور
چوں ذوقِ وصلِ تو یا بم برقص مے آیم	۲	کہ نیست لذتِ آنگونہ در شرابِ طہور
در انتظارِ تجلی و صد تنیم از دیر	۳	نقابِ کثرت از رخ کش و نمائے ظہور
زپردۂ رخِ شاں من خدا ہمے نگرم	۴	دلم ز جلوۂ روئے بتاں عباد صبور
مرا بسنگ مزن زاہدا کہ سینۂ من	۵	برنگِ سینۂ سنگ است از شرر معمور
تو جلوہ کردی و از دست خویشتن رفتم	۶	کجاست صبر و شکیب و کجاست عقل و شعور
بترس از نگۂ قہرِ او ردم در کشش	۷	بزہد و طاعتِ خود زاہدا مشو مغرور
۸	شرف تو چشم بلند و بہر طرف بنگر کہ روئے او نتواں شد بہ پردہ مستور	۸

۱/ ترجمہ۔ اے شعلہ رو تیرے ہی جمال سے شعلۂ طور اٹھا اور اے چشمۂ نور تیرے ہی نقاب سے چشمہ جوش میں آیا

یعنی کوہ طور پر تیرا ہی جمال متجلی ہوا حضرت کلیم الرحمان جس کی تاب نہ لا سکے اور بیہوش ہو کر گر پڑے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا یعنی تجلی ڈالی اللہ تعالے نے طور پہاڑ پر جس سے وہ رقص میں آگیا اور موسیٰ بیہوش ہو گئے مصرعۂ ثانی میں فرماتے ہیں کہ جب تیرا جمال نقاب کشا ہوا تو چشمۂ رواں جوش و خروش میں آگیا۔

ظاہر ہے کہ بعض چشموں کا پانی نہایت زور و شور سے باہر نکلتا ہے عموماً گرم پانی کے چشموں میں ایسا ہوتا ہے محبوب کے نقاب اٹھانے اور چشمۂ آب کے پوشیدہ ہونے کی نسبت اور وجہ قابل تعریف ہے۔

اگر چشمۂ رواں سے عالم کثرت مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ کائنات تمام مظاہر اسی چشمۂ نور کی شعاعیں ہیں جو پردہ کثرت سے نکل نکل کر ظاہر ہو رہی ہیں عالم کثرت کو چشمۂ رواں کہنا نہایت موزوں ہے کیونکہ اس کی اصلیت بھی چشمۂ آب کی طرح ہے۔

۲۔ ترجمہ۔ جب تیرے وصل کا شوق پاتا ہوں تو رقص میں آکر کہتا ہوں کہ شراب طہور میں بھی ایسی لذت نہیں رقص۔ ناچنا خوشی کی علامت ہے شراب طہور۔ پاک شراب جو جنت میں اہل جنت کو ملے گی وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا

"وصل عبارتست از نہان خود شہود نور وجود حق تعالےٰ" یعنی بیخود ہو کر نظارۂ محبوب میں محو ہو جانا شراب طہور سے افضل ہے و نیز شراب بیخودی اور مئے طہور کا مقابلہ پایا جاتا ہے کیونکہ اصطلاح صوفیہ میں وصل سے مراد مشاہدۂ نور ذات میں محو ہو کر اپنی ہستی کا امتیاز اٹھا دینا ہے اور شراب سے بھی بیخودی مراد لی جاتی ہے اس لئے مقابلہ نہایت لطیف ہے شراب وصل کی لذت کے متعلق دیکھو شعر ۱۲

۳۔ ترجمہ۔ ہم مدت سے جلائے وحدت کے انتظار میں ہیں چہرہ سے کثرت کا نقاب اٹھا اور ظہور کر یعنی میں مدت سے جلائے وحدت کا منتظر ہوں اس لئے پردہ سے باہر آکر بیحجابانہ جلوہ نمائی کر

بے حجابانہ درآ از در کاشانۂ ما	کہ کسے نیست بجز درد تو در خانۂ ما

اسی مضمون پر ہے

پردہ بردار کہ صاحب نظران منتظر اند	حیف باشد کہ ترا خواہند و نادیدہ روند

عاشقوں کی یہ خواہش محض سادگی ہے ورنہ بے حجابی کا نتیجہ لو اظہر من الشمس ہے۔

جانتا ہوں جلوۂ بے پردہ ہے کاشانہ سوز (اقبال) سادگی دیکھو تو پھر دیدار کا سائل ہوں میں

۴۔ ترجمہ: میں اس کے چہرہ کے پردہ سے خدا کو دیکھتا ہوں میرے دل کو بتوں کے جلوۂ رخسار سے صبر نہ ہو۔

اس شعر میں بھی کثرت اور وحدت کا نظارہ دکھایا گیا ہے رخ سے انوارِ الٰہی کے مظاہر مراد ہیں قلندر صاحب انہی مظاہر اور تجلیاتِ بالمرآت کے ذریعہ خدا تعالےٰ کا عرفان حاصل کرتے ہیں لیکن اس دیکھنے سے دیدار بالمرآت مراد ہے نہ کہ دیدار بے حجاب کیونکہ دیدارِ بے نقاب کی نفی قرآن مجید میں وارد ہے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا مشاہدہ بھی اسی قسم کا تھا مولانا مغربی وحدت اور کثرت کے متعلق فرماتے ہیں

اگرچہ ما و من نیز جز تو کی نیست	زما و من بیاک زمان من و ما را
نقوشِ کثرتِ امواج ظاہر و دریا	حجابِ وحدتِ باطن نشد است دریا را

۵۔ ترجمہ: اے زاہد مجھے پتھر نہ مار کیونکہ میرا سینہ پتھر کی طرح شراروں سے معمور ہے

پتھر کی ایک قسم کا نام چقماق ہے جس سے زمانہ سلف میں بالخصوص دیا سلائی کا کام لیا جاتا تھا یوں بھی دو پتھروں کی باہمی رگڑ سے شرار نکلتے ہیں قلندر صاحب زاہد کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ میرے سینہ پر پتھر نہ مار کیونکہ یہ چقماق کی طرح بذاتِ خود شراروں سے معمور ہے ایسا نہ ہو کہ تیرا پتھر ہی جل جائے مراد یہ کہ ہمارے مراتب و درجات کا گلہ و شکوہ نہ کر ایسا نہ ہو کہ تجھے کبھی نذرِ آتش ہونا پڑے عبرت آموز شعر ہے ظاہر ہے کہ زاہدِ خشک عموماً سنگ دل اور بے رحم ہوتے ہیں اس لئے قلندر صاحب کی یہ وجہ قابلِ تعریف ہے۔

۶۔ ترجمہ: تو نے جلوہ کیا اور میں اپنے ہاتھ سے چلا گیا اب صبر و شکیب کہاں اور عقل و شعور کجا!

شکیب۔ صبر آرام۔ شعور۔ جاننا دریافت کرنا۔ از دست رفتن۔ بے خود ہونا مشاہدہ میں ایسا محو ہونا کہ اپنے وجود کی خبر تک نہ رہے

یعنی تو نے جلوہ نمائی کی اور میرا دل ہاتھ سے چلا گیا ساتھ ہی صبر و شکیب اور عقل و شعور بھی کافور ہو گئے دل از دست رفتن ایک ایسا حادثہ ہے جس کا علاج ممکن نہیں مولانا شہیدی لکھتے ہیں۔

دل کے جانے کا شہیدی حال دنیا پہ ہے	تشنہ لبِ اس غم میں سب جن و بشر دیا گئے

مراد یہ کہ میں جلوۂ محبوب کے وقت صبر و شکیب اور عقل و شعور کھو بیٹھا

چھوڑا نہ دل میں صبر نہ آرام نے شکیب	تیری نگاہ نے صاف کیا گھر کے گھر یہ ہاتھ

۷۔ ترجمہ: اس کی نگاہِ قہر سے ڈر اور خاموش ہو جا اے زاہد اپنی زہد و طاعت پر مغرور نہ ہو۔

دم درکشیدن ۔ سانس کھینچ لینا ۔ خاموش ہو جانا ۔

محبوب کی شانِ جلال اور ہیبت و سطوت کی طرف اشارہ کرکے تنبیہ کی گئی ہے کہ اپنی زہد و اطاعت پر غرور نہ کر اور قہرِ خدا سے ڈر کیونکہ راہِ عشق میں ذرا سی تعلّی عمر بھر کی عبادتوں کو ملیا میٹ کر دیتی ہے جب اُس کی نگاہِ قہر کے آگے ارض و سماء بے حقیقت ہیں تو تیرا زہد کیا چیز ہے

خواجہ پندارد کہ طاعت میکند ۔ بیخبر کز معصیت جاں میکند
این خیالِ خویش را رو ترک کن ۔ از خیالِ تو شود زشت کہن

قرآن مجید میں سورۂ نور میں ارشاد ہے وَالَّذِینَ کَفَرُوٓا اَعْمَالُهُمْ کَسَرَابٍ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْئًا ۔ یعنی جو لوگ کافر ہوئے ان کے اعمال سراب کی مانند ہیں جو ہموار میدان میں ہو پیاسا اسے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اُس کے پاس جاتا ہے تو کوئی چیز نہیں دیکھتا "

فی الحقیقت زاہدانِ پرغرور اپنے زہد و عبادت پر نازاں ہو کر اپنے اعمال کو ضائع کرتے ہیں کیونکہ غرور و تکبر بجز ذاتِ کبریا بشر کی شایانِ شان نہیں لیکن یہ لوگ با تکبِ دل اپنے زہد و ورع کا اظہار کرکے اُس کو معصیت کا آلۂ کار بناتے ہیں ۔ اس لئے قلندر صاحب نے تنبیہ کہا کہ اے زاہد غضبِ خدا سے ڈر ۔

۸ ۔ ترجمہ ۔ اے شرف تو آنکھ بند نہ کر اور ہر طرف دیکھ کہ اُس کا چہرہ پردے میں مستور نہیں ۔
یعنی دل کی آنکھوں سے دیکھ کہ اُس کا نور کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں جاری و ساری ہے ۔

کہاں ہے پردہ کدھر ہے تجلی کم اُس کا کھلا ہوا آفتاب ہے ۔ قصور اپنی نگاہ کا ہے دگر نہ وہ کب حجاب میں ہے

غزل ۴۵

اندر جہاں ہر کس بود محوِ تماشائے دگر ۱ یار ابجز دیدارِ تو نبود تمنائے دگر
جز کوئے یارِ مہرباں ہرگز نمی گیرم جا ۔ ۲ ہرگز نباشد دل کشا در پیشِ ما جائے دگر
جولانگہِ دیوانہ است باشد ورائے دو جہاں ۳ مجنوں ندارد در نظر جز نجد صحرائے دگر
زاہد ازراہِ ریا جورِ بتاں را دل دہد ۴ باشد مرا شام و سحر میلِ دل آرائے دگر
زاہد لبست از بادۂ فردوس خواہی تر شود ۵ من مست باشم روز و شب از ذوقِ صہبائے دگر

من ازازل بنهاده ام سر بر خطِ فرمانِ تو ۳ رائے تو باشد رائے من نبود مرا رائے دگر

۴	بر رخ زروبیت بر فگن یک جلوه کن بر بوعلی تا در جهان باز افگند از عشق غوغائے دگر

۱۔ ترجمہ۔ جہاں میں ہر شخص کسی دوسرے تماشا میں محو ہے مگر ہمیں تیرے دیدار کے سوا کوئی تمنا نہیں یعنی بقولِ شیخ سعدی رح۔ ہر کس بخیالِ خویش خبطے دارد۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی مخصوص مشغلہ ہے لیکن ہمیں تیرے دیدار کے سوا کوئی خواہش نہیں گویا ہمارا شغل تیرے دیدار کی تمنا ہے اور بس مولانا جامی قلندر صاحب کے اس خیال کو لے کر اپنے مخصوص انداز میں فرماتے ہیں۔

خیداست دردار دہر کسے عزمِ تماشائے دگر ما را نباشد غیب تو در دل تمنائے دگر

مولانا نے یہ غزل بھی قلندر صاحب کے تتبع میں لکھی ہے۔ دیکھو کلیاتِ جامی صفحہ ۲۸۴ مطبوعہ نولکشور پریس

۲۔ ترجمہ۔ مہربان دوست کی گلی کے سوا ہم کوئی جگہ نہیں پکڑتے کیونکہ ہمارے نزدیک کوئی دوسری جگہ دلکش نہیں۔

یعنی ہمارا قیام کوئے محبوب میں ہے کیونکہ ہماری نظروں میں اس سے بہتر اور دلکشا جگہ اور کوئی نہیں مراد یہ کہ ہمارا غنچۂ دل ریاضِ محبوب کے جانفزا کوچہ کے سوا کہیں نہیں کھلتا

بہار روضۂ جنت بکوچہ کارین امرسٹ مرتف فضائے خلد بکوچہ شہر یارین است
نقش بیٹھا ہے سرِ کوچۂ جاناں میں آمیر (امیر) کیا نگہبانوں کی طاقت کہ اٹھائیں مجھ کو

۳۔ ترجمہ۔ تیرے دیوانہ کا قیام دونوں جہانوں سے وراء الوراء ہے مجنوں کی نظر میں سوائے نجد کے دوسرا کوئی صحرا نہیں۔

ورا ء۔ پس و عقب و جانبِ پس۔ فرزند سوا د بالفتح و بکسر یعنی بدون بمعنی مخلوقات از جن و انس اور فارسی میں ورا کا مخفف ہے مجنوں۔ اصل میں قیسِ عامری تھا جس کا تعلق عرب کے قبیلۂ عامر سے تھا لیلیٰ پری نجد پر عاشق ہو کر حرکاتِ دیوانگی کی وجہ سے مجنوں نام مشہور تھا۔ نجد۔ بالفتح بلند زمین اور ملکِ عرب میں ایک ملک کا نام ہے جو حجاز اور عراق کے درمیان واقع ہے و بمعنی آرائش خانہ اور دلیری سے غلبہ کرنا رنج دیکھنا۔ پناہ۔ خوشی و خرمی۔ (از قاموس و صراح)

اس شعر میں محبوب سے خطاب ہے کہ تیرے دیوانے کی منزل دونوں جہان سے بالاتر و بلند ہے بخلاف نفس کہ اس کی نظر صرف دشت نجد تک ہی محصور تھی لیکن میں تیرے عشق میں دونوں جہان سے بلند جگہ پر متمکن ہوں۔

معنوی معنوں میں کسی مقام پر رکے ہوئے سالک کو مجنوں سے تشبیہ دے کر تاکید کی گئی ہے کہ تجھے مجنوں کی طرح ایک ہی مقام پر رک نہیں جانا چاہیے۔ کہ اس کی نظروں میں صحرائے نجد کے سوا اور کوئی دوسری جگہ نہ تھی بلکہ اپنے موجودہ مرتبہ سے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے لئے کوشش کرنی چاہیئے خواجہ حافظ طالب کو سعی عمل کی تعلیم اور درجات عالیہ پر فائز ہونے کی تعلیم و ترغیب ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

چہ گویمت کہ بمیخانہ دوش مست و خراب	سروش عالم غیبم چہ مژدہ ہا دادست
کہ اے بلند نظر شاہباز سدرہ نشین	نشیمن تو نہ این کنج محنت آبادست
ترا ز کنگرۂ عرش می زنند صفیر	ندانمت کہ درین دامگہ چہ افتادست

۴ ترجمہ۔ زاہد ریا کے طریقے سے حور جناں کو دل دیتا ہے مگر مجھے ہر شام و سحر کسی دوسری دلآرا کی ضرورت ہے
زاہدوں کی نسبت مشہور ہے کہ ان کی زہد و عبادت کرو فریب کی ہوتی ہے قلندر صاحب نے قطعی فیصلہ کر دیا کہ زاہد کی عبادت اور زہد صرف اس لئے ہے کہ مجھے حور و قصور اور جنت ملے مگر مجھے نہ حور عین کی خواہش ہے اور نہ جنت کی پرواہ بلکہ شام و سحر کسی دوسرے ہی دلربا کی آرزو رکھتا ہوں۔

زاہد کو مت کہو کہ یہ وحدت پرست ہے	حوروں پہ مر رہا ہے یہ شہوت پرست ہے

شیخ آذری نے قریب قریب اسی مضمون پر ایک قصیدہ لکھا ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں

گر بقدر ہمت عشاق خود سازی مقام	بر تر از جنت بباید ساختن ماوائے دگر
ما بسیر باغ جنت الفردوس در نادیم سر	ہست ازین حضرت گدایان را تمنائے دگر
ہر کسے را از تو در جنت تماشائے بود	ما کہ خواہیم جز رویت تماشائے دگر
با خریداراں بہا کن باغ جنت را کہ ہست	مفلسانت را درین بازار سودائے دگر

۵ ترجمہ۔ اے زاہد تو چاہتا ہے کہ بادۂ فردوس سے میرے لب تر ہوں لیکن میں شب و روز کسی دوسری شراب سے مست رہتا ہوں

یعنی تو شراب طہور سے سیراب ہونے کا خواہشمند ہے لیکن میں کسی اور شراب سے مست ہوں۔ ناظرین جان سکتے ہیں کہ قلندر صاحب کی شراب کونسی ہے قلندر صاحب کی شراب، شراب محبت ہے جس کی مستی

خود مست و فلک مست و جہاں مست ہوا مست و زمیں مست آسماں مست

لیکن زاہد تنگ خیال اور کم ظرف مرا تو شراب طہور پر مگر شراب محبت کی چاشنی سے محروم رہا اسی مضمون کی کی شعر ۱۲۵

۱۲۵ ترجمہ: میں نے ازل سے تیرے فرمان کو خط پر سر رکھا میری رائے وہی ہے جو تیری ہے میری کوئی دوسری رائے نہیں

رضا و تسلیم کا زریں نمونہ ہے اور آب زر سے لکھنے کے قابل ہے عبد کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

از من چہ پرسی ایں و آں خواہی بخواں خواہی براں (جامی) محکم فرمانم بجاں نبود سرا را ئے دگر

مولانا کے شعر کا ماخوذ حضرت قلندر صاحب کا زیر تشریح شعر ہے

۱۲۶ ترجمہ: چہرے سے برقعہ اٹھا اور لوگوں پر جلوہ کر تا کہ عشق سے جہاں میں پھر ایک دوسرا شور پیدا ہو۔

برقعہ۔ عورتوں کے پہننے کا پردہ جو منہ پر ڈال کر باہر نکلتی ہیں۔ غوغا۔ شور و غل۔

قلندر صاحب کو قیامت قبل از قیامت دیکھنے کا شوق دامنگیر ہے جو برقعہ اٹھنے کا لازمی نتیجہ ہے۔

بسیار حسن شیم عاشق کن تجلی روئے زیبا را	کہ جز وامق نہ داند کس کمال حسن عذرا را
بصحرائے دل عاشق بیا جلوہ کناں بگذر	بروئے عالم آرائت بہار روئے صحرا را
دمے از خلوت وحدت تماشا را بصحرا آ (مغربی)	نظر بر ناظران افگن بہ بیں اہل تماشا را
دماغ جان اہل دل معطر کن ز بوئے خود	ز روئے خویش نور بخش ہر دم چشم زیبا را

نیز دیکھو شعر ۱۲۴

غزل ۴۶

یکے تو پردہ برافگن ز روئے پرتنویر	۱ کہ تا جواں شود و تازہ باز عالم پیر
نگاہ قہر تو ارض و فلک دہد برباد	۲ نگاہ مہر تو کونین را کند تسخیر
بذرہ چو سے منے جلوہ اگر کنی چہ عجب	۳ کہ نور روئے تو باشد چو مہر عالمگیر
قلندریم و بہر جائے مے کنیم گذر	۴ چو موج بحر نباشیم پائے در زنجیر
بہ سنگ پارہ چہ بیند لعل پارہ کنید	۵ مسلم اہل نظر راست در نظر تاثیر

بحیرتم کہ چرا ذکر حور و غلمان ست ٦ جہان ز حسن تو گردید عالم التصویر

مرا نصیب نیابی تو ہم بعالم عشق ٧ نصیب فہم چو نبود در جہان حسن تطہیر

ظہور می کند از زلف تو شب یلدا ٨ طلوع می کند از روی تو آفتاب منیر

اگر تو زلف معنبر کشادہ بسند ٩ معطر است مشام جہان ببوی عبیر

بگیر تیغ بیا و بریز خون بندہ بریزد ١٠ کہ خون من نشود روز حشر دامنگیر

اگر نماز نیارم ہمین گناہ من است ١١ گو محو می نتوان شد نوشتۂ تقدیر

١٢	شرف چرا نگری زی ز عالم ناسوت کہ طلعت تو بلاہوت کردہ اند خمیر	١٢

ترجمہ - ایک دفعہ اپنے پرنور چہرے سے پردہ اٹھا تاکہ یہ عالم پیر از سر نو جوان ہو
پرتنویر یعنی پرنور - روشن۔ عالم پیر - دار کہن مراد از عالم اسباب یعنی دنیا -
التجا کی گئی ہے کہ اے محبوب روئے زیبا سے نقاب الٹ تاکہ یہ عالم پیر دوبارہ زندگی اور جوانی حاصل کرے۔ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ ایک دفعہ مر کر پھر زندہ ہونا ہے اور اس کے بعد موت کا کھٹکا دامنگیر نہ ہوگا اور وہ زندگی ابدی اور غیر فانی ہوگی۔ وہ زندگی مشروط ہے یعنی قیامت کے بعد لیکن قلندر صاحب حسینۂ عنصری کے سامنے محبوب سے نقاب کشائی کی التجا کرتے ہیں جس سے مراد شاید یہ ہوگی کہ اس نظارۂ جانسوز کی تاب کسی کو نہ ہوگی اور قیامت قبل از قیامت برپا ہو جائے گی جس سے یہ پیر زال (دنیا) از سر نو جوانی کی بہار حاصل کر لے گی۔ عمر رفتہ اور شباب رفتہ کو دوبارہ حاصل کرنے کی تمنا میں مختلف حضرات کی خیال آفرینی ملاحظہ ہو۔

گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر (حافظ) تا سحرگاہ ز کنار تو جوان برخیزم
بر سر تربت من شور قیامت انگن (آزاد) کہ من پیر ز فیض تو جوان برخیزم
چوں شوم خاک بخاکم گذرے کن چو صبا (سلمان) تا بہ بوئے تو ز لحد رقص کنان برخیزم
از پس مرگ اگر بر سر خاکم گذری (خسرو) بانگ پائے تو شنوم نعرہ زنان برخیزم

١٣ ترجمہ - تیرے قہر کی نگاہ ارض و فلک کو برباد کر دیتی ہے اور تیری محبت کی نگاہ کونین کو تسخیر کرتی ہے

کونین ۔ دوجہان یعنی دنیا و آخرت ۔ تسخیر ۔ تابع کرنا فرمانبردار کرنا ۔

قہر و غضب معشوق کا شیوہ ہے جس کو اصطلاحِ صوفیا میں تجلیٔ جلالی کہتے ہیں بخلاف اس کے دوسری تجلّی کا نام جمالی ہے جس کا اثر تجلیٔ جلالی کے برعکس ہوتا ہے اگر سالک کے دل پر صفاتِ جلالی تجلی کریں تو اس پر خضوع و خشوع کا غلبہ ہوتا ہے ظاہری ہستی نیست اور بیہوشی کا عالم طاری ہو جاتا ہے اور اگر صفاتِ جمالی تجلی کریں تو سالک کے دل میں انس و سرور پیدا ہوتا ہے ۔

قلندر صاحب نے انہیں دو تجلیات کا کنایۃً ذکر کیا ہے کہ اگر محبوبِ مطلق قہر و غضب کی نگاہ سے تجلی کرے تو ارض و فلک برباد ہو جائیں اور اگر انس و محبت کی نظر سے دیکھے تو کونین اُس کے تابع ہو جائیں ظاہر ہے کہ نگاہِ مہر سے دونوں عالم کو تسخیر کرنا کوئی مشکل بات نہیں ۔

۳۔ ترجمہ اگر تو مجھ ناچیز پر جلوہ کرے تو کیا عجب ! کیونکہ تیرے چہرے کا نور مہرِ عالمگیر کی طرح ہے

مہرِ عالمگیر ۔ مراد از آفتاب کیونکہ اُس کی شعاعیں ہر جگہ یکساں جلوہ ریز ہیں

محبوب کے چہرۂ پر نور کے نور کو آفتابِ درخشاں کی طرح محیط الکل بیان کر کے درخواست کی گئی ہے کہ سورج کا نور ہر کہ و مہ کے لئے یکساں ۔ فیض رساں ہے اور چونکہ تیرا نور بھی عالمگیر ہے اس لئے اگر مجھ ناچیز کو پرتوِ حسن سے نوازے تو کچھ عجب نہیں ۔ الطاف و اکرام کی درخواست ہے ۔

۴۔ ترجمہ ۔ ہم قلندر ہیں اور ہر جگہ گذر رکھتے ہیں سمندر کی موج کی طرح پا در زنجیر نہیں ۔

سمندر کی لہروں کو بوجہ خمدار ہونے کے زنجیر کہا گیا گویا وہ پا در زنجیر ہیں ۔

فرماتے ہیں کہ ہم امواجِ سمندر کی طرح پا در زنجیر اور یک جائی اسیر نہیں بلکہ ہر مقام میں ہمارا گذر ہے شعر ہذا میں گذر سے اشارہ تفکّر اور سیر کی طرف ہے جس سے عارفوں کی اصطلاح میں سیرِ کشفی و عیانی مراد ہوتی ہے ۔ صوفیائے کرام نے اس سیر کے تین درجے قرار دیے ہیں (۱) سیر الی اللہ (۲) سیر فی اللہ (۳) سیر باللہ جس کو تفکر بھی کہتے ہیں اور جن کا انحصار موانع غیرِ حق سے تجرید ظاہر اور تفرید باطن پر ہے تفکر کے معنوں میں صاحبِ گلشنِ راز فرماتے ہیں ۔

تفکر رفتن از باطل سوئے حق	بجزو اندر بدیدن کل مطلق
درا سما فکر کردن شرطِ راہ است	ولے در ذاتِ حق محض گناہ است

یعنی صوفیوں کی اصطلاح میں سالک کا سیرِ کشفی کے ساتھ کثرت سے وحدت کی طرف لوٹ جانا

تفکر ہے۔ قلندر صاحب کی تحریر بہ تعبیر اور ہوائے غیر حق اظہر من الشمس ہے زیر تشریح شعر میں بہر جائے سے کہ ہم گذرے
یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہم قلندر ہیں اس لئے ایک سے دوسرے مرتبہ میں سیر کرتے رہتے ہیں اور باطل
سے حق اور کثرت سے وحدت کی طرف ہمارا میلان ہے یعنی جس حکم کا جو مرتبہ ہے اسی کے مطابق ہماری
سیر پا در زنجیر سے اسیری مراد ہے اور اسیر آدمی نقل و حرکت سے عاری ہوتا ہے جس کی تفصیل اصطلاح عرفاء
میں یوں سمجھو کہ جس حکم کا جو مرتبہ ہے اس کو اس کے مطابق نہ سمجھنا اور جہل و نادانی سے کسی ادنیٰ مرتبہ پر
قناعت کرنا اور سیر باللہ سے باز رہنا اسیری ہے کیونکہ اسی سیر میں بقا باللہ کا آبِ حیات پوشیدہ ہے

ہر کہ نہ بدیں مقام جا کرد	ہوائے قلندری خطا کرد

کیونکہ سوادِ مطلق ایسی جگہ حاصل ہوتا ہے الفقر سواد الوجہ فی الدارین۔ فقر سے مراد فنا فی اللہ ہوتی ہے اور سواد الوجہ
یہ کہ سالک اس طرح فانی فی اللہ ہو جائے کہ ظاہر و باطن دنیا و آخرت میں اس کے لئے وجود نہ رہے

سواد الوجہ فی الدارین درویش	سوادِ اعظم آمد بے کم و بیش

پس قلندر صاحب کا یہ ارشاد کہ ہم ہر جگہ گذر رکھتے ہیں اور امواج بحر کی طرح پا در زنجیر نہیں انہی مقامات کی حقیقت
کو واضح کرتا ہے ظاہر ہے کہ سمندر کی لہروں کی روانی سطحِ آب ہی تک محدود ہوتی ہے گویا وہ اسیرِ زنجیر ہیں
ظاہری معنوں میں یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم آزاد قلندر ہیں یہاں بھی چاہا چلے گئے کیونکہ ہم تعلقات کے اسیر نہیں۔

۵۔ ترجمہ۔ اہلِ نظر کی نگاہ میں تاثیر مسلّم ہے جس پتھر کے ٹکڑے میں لعل چھپا ہوا دیکھتے ہیں اسے
پارہ پارہ کر دیتے ہیں۔

پارہ۔ ٹکڑا۔ حصہ۔ رشوت۔ اور ایک دھات کا نام۔

یعنی اہلِ بصیرت کی نظروں میں ایک خاص تاثیر تسلیم کی گئی ہے کہ جس پتھر میں لعل چھپا ہوا دیکھتے
ہیں اپنی باطنی اور روحانی قوت سے اسے پاش پاش کر دیتے ہیں۔

سالک کو ہر مقام پر حضرتِ باری سے ایک نئی قوت عطا ہوتی ہے تاثیرِ نظری بھی منجملہ ان کے
ایک ہے اگر شعر کو معنوی اور حقیقی معنوں میں لیا جائے اور سنگ سے ایسا دل مراد ہو جو کثرتِ معاصی سے
سخت ہو گیا ہو۔ تو مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر اس دل میں کچھ نور باقی ہو اور اس شخص پر کسی اہلِ حق کی نظرِ کیمیا اثر
پڑ جائے تو اس نور کا لعل بن کر چمکنا چنداں حیرت انگیز نہیں کیونکہ اہلِ نظر کی تاثیرِ استحادی سے اکثر ایسے واقعات
وقوع پذیر ہوئے ہیں اہلِ حق لوگوں کی روحانی تاثیر جو دوسرے آدمی کے اندر اثر کرتی ہے اور جسے اصطلاح

تصوف میں توجہ کہتے ہیں کی کئی قسمیں ہیں منجملہ ان کے تاثیر انعکاسی، القائی، اصلاحی اور اتحادی ہیں۔

تاثیر انعکاسی جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی اہل حق کی صحبت میں بیٹھے اور اتنا عرصہ اس کا دل متوجہ الی اللہ رہے اور خیالات کا ایک سلسلہ اس کے دل میں قائم ہو جائے خواہ چلے جانے کے بعد وہ سلسلہ قائم نہ رہے چنانچہ شیخ کامل کی شناخت بھی منجملہ دوسری شناختوں کے ایک یہ ہے کہ جس کی صحبت میں خدا یاد آئے اور دل معاصی سے نفرت کرے وہ پیر کامل ہے۔

تاثیر القائی ۔ کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ کسی شخص کے پاس شمع ہو جس میں بتی اور تیل دونوں موجود ہوں لیکن دیا سلائی نہ ہونے کی وجہ سے وہ شمع کو روشن نہ کر سکے اب کوئی ایسا شخص آجائے کہ جس کے پاس دیا سلائی موجود ہو اور وہ شمع کو روشن کر دے یہی تاثیر القائی کا حال ہے کسی شخص کا دل فیض ازلی کے قابل ہو اور کوئی کامل اس پر توجہ ڈال کر اس کے قلب کو جاری کر دے مگر یہ تاثیر دائمی نہیں ہوتی اور اس پر حوادثات ضرور غالب آجاتے ہیں جس طرح چراغ ہوا سے مغلوب ہو جاتا ہے

تاثیر اصلاحی ۔ کی مثال اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایک دریا سے پانی کھینچ کر کسی حوض میں جمع کیا جائے اور حوض سے پانی خارج کرنے کے لئے ایک فوارہ لگایا جائے اور حوض سے فوارہ تک پانی جانے کا رستہ بالکل صاف کر کے پانی چھوڑ دیا جائے تو پانی خوب زور سے فوارہ سے نکلنا شروع ہوگا ظاہر ہے کہ فوارہ کا زور اور پانی کی روانی دریا پر منحصر نہیں بلکہ حوض اور فوارہ کی درمیانی مسافت پر ہے البتہ اگر پانی کی گذرگاہ میں کوئی رکاوٹ آجاوے تو فوارہ کے زور اور پانی کی تیزی رفتار میں فرق آسکتا ہے۔ اسی طرح تاثیر اصلاحی بھی ان دونوں تاثیروں سے طاقتور ہے مگر نقصان کا خطرہ کسی حد تک اس میں بھی ہے گو تاثیر اصلاحی میں تزکیہ نفس حاصل ہو سکتا ہے مگر فوارہ کی طرح اس کی مثال بھی حوض اور درمیانی مسافت جیسی ہے کہ حوض میں پانی کی جتنی اکثریت ہوگی اور رستہ جتنا صاف ہوگا پانی اتنا ہی زور سے چلے گا گویا تزکیہ نفس حاصل ہوگا۔

اس مثال سے مراد یہ ہے کہ تزکیہ نفس حاصل کرنے کے لئے حوض کی طرح سالک کا ظرف بھی عالی ہونا چاہیئے

تاثیر اتحادی ۔ سب تاثیروں سے زیادہ قوی ہے مگر اس کی مثالیں شاذ و نادر ہیں طریقہ یہ ہے کہ پیر کامل مرید کی روح پر اپنی روحانی توجہ اس طرح کرے یا اپنی روح کو مرید کی روح کے ساتھ اس

زور سے ملائے کہ پیر کی روح کے کمالات مرید کی روح میں سرایت کر جائیں یہاں تک کہ قریب قریب دونوں کی روحیں ایک مرتبہ کی ہو جائیں۔

ناظرین! اب قلندر صاحب کے شعر کا مطلب سمجھ گئے ہوں گے کہ اہل حق کی نظر میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی ہوئی ہے کہ وہ پتھر کو پارس اور پارس کو کندن کر سکتی ہے

بگذار یک نظارہ درآں روکہ اہل دل (جامی) گیرند کیمیا نظر پاک باز را

اسی مضمون پر امیر مینائی فرماتے ہیں

غبار جہل اڑا دیتا ہے فیضِ صحبتِ کامل — شعاعِ مہرِ تاباں کم نہیں سایہ کشیر سے

۶ ترجمہ۔ میں حیرت میں ہوں کہ حور و غلمان کا ذکر کیوں ہے جبکہ جہاں تیرے حسن کی تصویر ہے قلندر صاحب کو استعجاب ہے کہ جب کائنات محبوب مطلق کے حسن و جمال کا عکس اور بہشت بریں اور اس کے لوازمات بھی اسی نور مطلق کا پرتو ہیں تو پھر حور و غلمان کا تذکرہ چہ معنی دارد قلندر صاحب کا تحیر اور استعجاب بجا ہے۔

۷ ترجمہ۔ تو عالم عشق میں میرا نظیر نہیں پائے گا اور میں نے جہاں میں تیرے جیسا کوئی حسین نہیں دیکھا یعنی تجھے دنیا میں میرے جیسا کوئی عاشق نہ ملے گا اور مجھے تجھ سا کوئی حسین نظر نہیں آتا مراد یہ کہ میں عشق میں اور تو حسن میں شہرۂ آفاق ہے نسبت بہت اچھی ہے

یہ ہیں کہ نیست بعالم نظیر عشق مرا — و تو بہ حسن و ادا بے مثال پیدا شدی

اسی مضمون پر ہے

جنونی فوق غایت الجنونی — جنونی من حبیب ذوفنونی
لعشقت من زہیر جنوں فزونم (مغربی) — تو در خوبی ز ہیر لیلےٰ فزونی

۸ ترجمہ۔ تیری زلف سے اندھیری رات کا ظہور ہوتا ہے اور تیرے چہرہ کا آفتاب منبر طلوع ہوتا ہے۔ یلدا۔ بفتح بیا لمبی رات جو آخریں درجہ قوس میں واقع ہوتی ہے تمام سال میں سب سے بڑی رات یہی ہے اور اس کے ساتھ کا دن سب سے چھوٹا ہوتا ہے اس رات کو کرسمس کہتے ہیں یا ۲۲ دسمبر کی رات زلف ۔ دراصل بضم اول و بفتح لام ۔ عربی لفظ زلفہ بالضم کی جمع ہے بمعنی پارۂ شب مجازاً بوجہ سیاہی گالوں کے قریب کے سیاہ بالوں کو زلف کہتے ہیں صاحب کشف کی بھی یہی رائے ہے سراج الدین خاں آرزو

نے سراج میں لکھا ہے کہ زلف زلفین کا مخفف ہے بضم اول وکسر فا بمعنی زنجیر اور زلف بھی قریب قریب زنجیر کے مشکل ہوتی ہے۔

زلف کو بوجہ سیاہ ہونے کے شبِ یلدا کہا اور رخِ روشن کو آفتابِ منیر مطلب یہ کہ تیری زلف سیاہ سے شبِ یلدا کا ظہور ہوتا ہے اور روئے پرنور سے آفتابِ منیر گویا لیل و نہار کی سیاہی اور سفیدی کا راز تیری زلف و رخ میں مستور ہے۔

اگر زلف سے عالمِ کثرت مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ عالمِ اسباب میں تیرے نور کا ظہور ہے یعنی نورِ وحدت پردہ کثرت میں ہے زلف سے ہجر و فراق بھی مراد ہوتی ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تیری زلفِ سیاہ سے ہجر و فراق کی جانگداز رات یاد آتی ہے لیکن جب پردۂ زلف کے نیچے رخِ روشن کا خیال آتا ہے تو امید ہو جاتی ہے کہ صبحِ وصال بھی قریب ہے زلف و رخ سے کفر و ایمان بھی مراد ہو سکتی ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا۔

ایمان و کفرِ من رخسار و زلفِ تو است (خسرو) در بندِ کفر ماندہ ایم ایمانم آرزو است
سوئے زلفش نگہ کردن و روئش دیدن (〃) گاہ کافر شدن و گاہ مسلماں بودن

ترجمہ۔ شاید تو نے صبح کے وقت عنبریں زلف کے بند کھولے جس سے جہاں کا دماغ بوئے عبیر سے معطر ہو گیا۔

معنبر عنبر کیا گیا جس میں عنبر ملایا گیا ہو۔ عنبر ایک قسم کی خوشبو کا نام ہے خوشبودار۔ عبیر ایک خوشبو کا نام ہے صندل مشک اور گلاب کو ملا کر بناتے ہیں مشام محلِ قوتِ شامہ دماغ کا وہ حصہ جو خوشبو کو محسوس کرتا ہے۔

سحر کا وقت قدرتاً عطر بیز اور راحت بخش ہوتا ہے خصوصاً موسمِ بہار کی صبح قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ شاید محبوب نے صبح کے وقت زلفِ عنبریں کو کھولا ہے جس کی وجہ سے مشامِ عالم خوشبو سے معطر ہو گیا

نسیمِ زلفِ عنبر بوئے او ساخت	دماغِ جملہ عالم را معطر

خواجہ حافظؒ بھی دماغِ عالم کے معطر ہونے کا ذریعہ زلفِ محبوب کو قرار دیتے ہیں لکھتے ہیں

مگر تو شانہ زدی زلفِ عنبر افشاں را	کہ باد غالیہ سا گشت و خاک عنبر بوست

• ترجمہ۔ اللہ تو اس کا اور غلام کا تو ان بہا کیونکہ میرا ہوا حشر کے روز تیرا دامن نہ پکڑیگا۔

ظاہر ہے کہ خون کا قصاص یا تو خون ہوا کرتا ہے یا اُس کا بدل اور اگر معاف کر دیا جائے تو یہ نہایت ہی احسن ہے کیونکہ یہ اپنے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے فَمَنْ تَصَدَّقَ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ قلندر صاحب میں شوقِ شہادت اس قدر ترقی پذیر ہے کہ قاتل کو خون معاف کر کے کہتے ہیں کہ میرا خون حشر کے دن تیرا دامنگیر نہ ہوگا ورانوا ز توا حقا۔

اگر ہمیں عزاداری بیا و قتل کن	بکار این چنین نیکو تامل بیش ازیں تا کے

الترجمہ۔ اگر میں نماز نہیں پڑھتا تو یہ میرا گناہ ہے گو تقدیر کا لکھا ہوا مٹ نہیں سکتا۔

کیا اعلےٰ اصول بیان فرمایا ہے اور حقیقتاً موتی پروئے ہیں کہ مصرعِ اولیٰ میں قدری خیالات اور مصرعہ ثانی میں جبری خیالات کا اظہار کر کے اپنے مذہب کو بین الامرین ثابت کر گئے ہیں اور اہلِ سنت الجماعت کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ انسان مجبور بھی ہے اور مختار بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ارادے میں تو مجبور ہے لیکن فعل میں مختار۔ فرماتے ہیں کہ اگر میں تارکِ صلوٰۃ ہوں تو یہ میرا ذاتی گناہ ہے کیونکہ انسان پر فرض ہے کہ سعی اور کوشش کرے اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دے "لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی" یعنی انسان کے لئے اور کچھ نہیں مگر کوشش۔ مصرعہ ثانی میں جبریہ خیالات کی تائید کر کے پھر بھی سعی عمل کی ترغیب دلاتے ہیں کہ یہ تو مسلم ہے کہ نوشتۂ تقدیر کسی صورت مٹ نہیں سکتا مگر کوشش کرنا تو انسان پر فرض ہے خواجہ حافظ بھی سعی عمل اور کوشش کے معترف ہیں لکھتے ہیں۔

آنچہ سعی است من اندر طلبت بنمودم	این قدر ہست کہ تغییر قضا نتواں کرد

چونکہ شعر زیرِ تشریح میں قلندر صاحب نے مسئلہ جبر و قدر کی بحث چھیڑی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان ہر دو فریقین کے عقائد اختصار کے ساتھ لکھ دئے جائیں تاکہ ناظرین کما حقہٗ آگاہ ہو جائیں۔

جبریہ کہتے ہیں کہ عالم اسباب میں انسان سے جو کام سرزد ہوتے ہیں خدا تعالےٰ کو ان پر پورا پورا اختیار اور قدرت ہے اور۔۔۔ انسان بالکل مجبور ہے اور اُس کی تمام حرکات و سکنات، اعمال و افعال اور خیر و شر خدا کی تابع ہیں انسان بوجہ ضعیف الخلقت ہونے کے اپنے افعال اور کردار پر اختیار و قدرت نہیں رکھتا بلکہ جو کام یا جو حرکت اُس سے ظہور میں آتی ہے بہ سبب ارادتِ الٰہیہ اور قدرتِ ربانیہ کا خاصہ ہے جس کی نسبت فرمانِ قدسی لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ و دیگر ویسی کئی آیات جبری اپنی دلائل میں پیش کرتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کتنا ہی محتاج ہو یہاں تک کہ اُس کے پاس کوئی چیز کھانے تک کو میسر نہ ہو اس کو کوئی چیز دینے

کی ضرورت نہیں کیونکہ جو کچھ اُس کی تقدیر میں لکھا ہے وہ بغیر کسی توسط کے اُسے ملیگا بلکہ یہاں تک فیصلہ کر دیا ہے کہ جب ہر فعل اور عمل خدا کی قدرت اور ارادت سے سرزد ہوتا ہے تو انسان یعنی خود اُس میں گرفتار نہیں ہو سکتا کیونکہ فعل کی قدرت اور ارادت اُس کی دسترس سے باہر ہے۔

قدریہ۔ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال اور اعمال میں مختار ہے اور کسی کام میں وہ حق تعالےٰ کی مدد کا محتاج نہیں کیونکہ تمام افعال اُس کے اپنے پیدا کردہ ہیں جن پر اُس کو پورا پورا اختیار اور قدرت ہے اور کوئی چیز اُس کے فعل اور ارادے میں مخل نہیں جس سے اُس کی مجبوری کا ثبوت ملے

کشف المحجوب میں خواجہ علی ہجویریؒ لکھتے ہیں کہ جس زمانے میں قدریوں نے غلبہ پکڑا تو حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اے پیغمبر کے بیٹے اس معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے جبکہ ہم کو قدر میں حیرت ہو۔ اور استطاعت میں اختلاف کریں آپ ہم کو اپنا طریقہ تعلیم فرمائیے کہ آپ کا اس میں کیا مسلک ہے کیونکہ آپ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت ہیں اور آپ کا علم ہرگز منقطع نہیں ہو سکتا اس خط کے جواب میں حضرت امام حسن علیہ السلام نے لکھا کہ تم نے جو اپنی حیرت اور اُمت مسلمہ کی حیرت قدر کی نسبت لکھی ہے اس میں میری مستقیم رائے یہ ہے کہ جو شخص خدا کے ہر خیر و شر پر قادر ہونے کا ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے اور جو شخص ان امور میں گناہ کرتا ہے یعنی مذہب تقدیر کا انکار کرتا ہے وہ فاجر ہے اور جو اپنے گناہوں کو خدا تعالےٰ کے حوالے کرتا ہے وہ مذہب جبریہ کا ہے لیکن بندہ اپنی طاقت کے موافق جس قدر خدائے عزوجل نے اُس کو دی ہے اپنے اعمال اور افعال میں مختار ہے اور ہمارا مذہب جبر و قدر کے درمیان ہے

نتیجہ یہ نکلا کہ انسان مجبور بھی ہے اور مختار بھی۔ ارادے میں تو مجبور ہے لیکن فعل میں مختار۔ اَلْاِنْسَانُ مُخْتَارٌ فِیْ فِعْلِہٖ وَمَجْبُوْرٌ فِیْ اِخْتِیَارِہٖ کیونکہ اِرَادَۃُ اللّٰہِ غَالِبًا عَلٰی اِرَادَۃِ النَّاسِ۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ نہ جبر ہے نہ قدر بلکہ بین بین ہے خواجہ حافظ بھی دیگر شعرا کی طرح جبری خیالات کو تکرار تا ضرور لکھتے ہیں۔

گناہ اگرچہ نہ بود در اختیار ما حافظ	تو در طریق ادب کوش گو گناہ من است

"قلندر صاحب کی قطعی رائے بھی بین الامرین ہے کہ گو نوشتۂ تقدیر بدل نہیں سکتا لیکن کوشش کرنا تو فرض ہے قلندر صاحب کے اس شعر میں بھی سعی عمل اور کوشش کی تعلیم پائی جاتی ہے فرماتے ہیں۔

چہ مشکلے است تریا پاس راہ شاکن	کہ زیر چرخ گجدر ہزار سر دانند

ڈپٹی نذیر احمد اس مسئلہ کی باہمی کشمکش سے تنگ آکر یوں لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

یہ بھی تھی اک طرح کی بے صبری — ورنہ میں ہوں حقیقتاً جبری
دے سکے یہ اختیار تھوڑا سا — کیا ہی اچھا دیا ہے روڑا سا
جبکہ دل ہی نہاں ہے تابو کا — لگے اس اختیار کو لوکا۔۔

۱۲ ترجمہ۔ اے شرف تو عالم ناسوت سے کیوں گریز نہیں کرتا جب کہ تیری طینت کو لاہوت سے خمیر کیا گیا ہے۔

عالم ناسوت ۔ عالم اجسام دنیا۔ کبھی مجازاً بمعنی شریعت و عبادت ظاہری استعمال ہوتا ہے **طینت** ۔ بالکسر گل و سرشت ۔ **لاہوت** ۔ عالم ذات الٰہی جس مقام میں سالک کو فنا فی اللہ کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے مرتبہ صفات کو جبروت اور مرتبہ اسما کو ملکوت کہتے ہیں ۔ بعض لاہوت کو لا ہُو یعنی اِلّا ہُو کہتے ہیں پس لا ہُو نفی ہے غیر اللہ کی۔

ناصحانہ انداز ہے کہ جب تیری ہستی کا خمیر نور وطہارت سے کیا گیا ہے اور عالم ناسوت تیری اصل نہیں تو پھر تو دنیا میں کیوں مبتلا ہے اور اس سے بھاگتا نہیں واقعی انسان کی اصل عالم قدس ہے اور دنیا اس کا دائمی مقام نہیں پھر اگر وہ اس میں مبتلا ہے تو نہایت افسوس ہے ۔ ناسوت ملکوت جبروت ۔ لاہوت اور ہاہوت کی تھوڑی سی حقیقت اختصار کے ساتھ مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ دہلوی مدظلہ کے رسالہ تسکین احساس سے نقل کی جاتی ہے کیونکہ یہ الفاظ صوفیوں کی اصطلاح اور کتابوں میں اکثر استعمال ہوتے ہیں۔

ناسوت ۔ ہمارے اس موجود محسوس نظر آنے والے عالم کا نام ہے اور اس عالم ظاہر کی زبان اور اصطلاح میں جو کچھ کہا جائے اس کو ناسوت کی زبان کہنا چاہیئے۔

ملکوت ۔ ناسوت کا باطن ہے یعنی عالم ظاہر کے بطون کو ملکوت کہتے ہیں جو عالم ناسوت کے قریب اور متصل ہے ناسوت کے عالم سے جب عروج ہوتا ہے تو پہلے ملکوت کا منظر سامنے آتا ہے ذکر و فکر کے ذرائع جو ناسوت میں استعمال کیے جائیں پہلے ملکوت میں پہنچاتے ہیں اور انسان اپنی حمد و ذکر کا بطون مشاہدہ کرتا ہے۔

جبروت ۔ یہ ملکوت کا باطن ہے گویا یہ ناسوت کا تیسرا درجہ ہے یہاں اپنے وجود کی پوری پوری شناسائی ہو جاتی ہے اور ناسوت و ملکوت کے در سیاں عرفان کی باتیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔

لاہوت ۔ پھر جبروت کا باطن نمودار ہوتا ہے اس کا نام لاہوت ہوتا ہے یہاں اکثر ثبت

اور تعین کا صرف حسن باقی رہتا ہے ورنہ ذات الوہیت کے سوا کچھ نہیں باقی رہتا۔

ہاھوت - لاہوت کا بطون ہاہوت ہے یہ وہ درجہ ہے جہاں نہ اپنی خبر رہتی ہے نہ خبر کا حس نہ ہمہ کا نشان نظر آتا ہے اور نہ ادست کی ضرورت رہتی ہے اس کی حقیقت جاننے کے لیے نہ کوئی لفظ کام آتا ہے نہ فہم کام دیتا ہے گویا یہ مقام علم و عقل سے وراء الورا ہے یعنی ہو کا مقام ہے

غزل ۷۴

گر صدری کردے ما عشقت ای سلطان سپہر ۱ بودے رندی و قلاشی زوصلت دور تر

حجت عشقت قیاس عقل را بے ہودہ خواند ۲ چوں ید بیضا نماید مے نہ برتابد شرر

چوں جمال تو صداے لن ترانی مے زند ۳ نیست اندر وادی ارنی مرا راہ گذر

تو ہمی گوئی الست و من ہمی گویم بلی ۴ بر خط فرمان تو بنہادہ ام زیں گونہ سر

عشق تو آوازہ انی انا اللہ مے زند ۵ جان من انی انا المعبود مے گوید مگر

گر زیم از وصل تو پس فارغم از ہر غمے ۶ ور بمیرم در غمت پس ایمنم از ہر خطر

جاں بروبیند دل بیارد دل بموئے جاں دہد ۷ رو و موے تو بود از جان و دل محبوب تر

تا کنم حسن ترا محفوظ از چشم بداں ۸ عقل من آمد سپند و عشق تو آمد شرر

عشق چوں شمع فروزاں عقل چوں پروانہ ۹ چوں رود پروانہ نزد شمع مے یابد ضرر

ہستی ما مے شود چوں ذرہ رقصاں از طرب ۱۰ آفتاب حسن تو چوں مے نماید جلوہ گر

از جمال مہر تو گردد عزازیل آدمے ۱۱ وز جلال قہر تو آدم عزازیلے دگر

ہستیم موہوم باشد چوں نیابی در ظہور ۱۲ ذرہ بر خورشید تاباں شد گواہے معتبر

بر زبان تیغ آں دلدار مے نازیم کاں ۱۳ قصہ عمر دراز ما نماید مختصر

موسیٰ از یک تجلیِ طور از خویشتن رفت لیکن ۱۴ روز و شب بینیم ہماں آتش میانِ ہر شجر

در خرافاتِ قلندر ہم بود اسرارِ حق ۱۵ موجِ عمّاں با خس و خاشاک می آرد گہر

اندر آں ہا ماندہ پیرانِ زماں وا ماندہ تر ۱۶ آں مقاماتے کہ در طفلی نمودم پے سپر

خرمنِ جان و دلِ تا زود خاکستر شود ۱۷ مے تپد برقِ تجلی اے جواناں الحذر

تاج بر سر مے نہد از خاکِ راہت ہر گدا ۱۸ تاج از سر مے نہد در کوئے تو ہر تاجور

گے روم بر رہگذارت گر شناسم کو بکو ۱۹ گے شوم بر آستانت گر بگردم در بدر

صد خیالِ خامِ دنیا وار مے بندد بدل ۲۰ چوں بفانوسِ خیالی مے کند گردش صور

آں کہ ماند در خودی ہرگز نباشد با خدا ۲۱ آں کہ دریابد خدا را از خودی شد بیخبر

بے خوشی او را بجنباند نہ رنجاند غمے ۲۲ ہر کہ بشناسد کہ آید از قضا ایں خیر و شر

صلحِ کل مے باش و فارغ از غمِ دنیا نشیں ۲۳ بے خطر گرد بعالم گر شوے بے شر بشر

از تمنا دست شو نا کامِ دل حاصل کنی ۲۴ چیست جز حرمان و غم نخلِ تمنا را ثمر

ہیچ مے دانی کہ باشد حرصِ دنیا را چہ رنگ ۲۵ آں کہ مے باشد بعینہا ورا نماید بے بصر

چوں جنونِ عشقت آمد عقلِ ما را در ربود ۲۶ گرچہ مے بودیم مایاں سرِ میدانِ ہنر

آفتابِ وحدتش در جلوہ باز آید مگر ۲۷ منتشر شد ظلمتِ کثرت بعالم سر بسر

جلوۂ خونریزِ تو خواہد کہ بارد ابرِ تیغ ۲۸ غرق در دریائے خوں ما را نماید تا کمر

قہرِ تو مے جویم و از قہرِ تو در لرزہ ام ۲۹ نے مرا پروائے جنت نے مرا خوفِ دگر

۳۰	بو علی از عشقِ تو ہر دم بحالِ نو بود گاہ بستہ گاہ کشتہ گاہ زیر و گاہ زبر	۳۰

۱۔ ترجمہ۔ اے معشوق اگر میں تیرے عشق سے خوف کرتا درپرہیز کرتا تو زرد او قلاش ہوتا اور تیرے وصل سے دور رہتا۔

حذر۔ بتحقیق۔ پرہیز کرنا۔ بفتحِ اوّل وکسرِ ثانی خائف وترساں۔ رند۔ منکر لیکن امورِ شرعیہ سے اس کا انکار دانائی کی وجہ سے ہو نہ کہ جہل سے۔ قَلّاش۔ بالفتح وتشدید بمعنی بے ننگ و نام مفلس۔ ترکی لفظ ہے
مطلب یہ کہ اگر میں تیرا عشق اختیار کرنے سے ڈرتا یا پرہیز کرتا تو ان نعمات سے جو عشق ومحبت میں حاصل ہوتی ہیں تہیدست اور مفلس ہو کر نا کارہ خلائق رہتا اور تیرے وصل ووصال کی لذت حاصل نہ ہوتی جو بدنصیبی اور بدقسمتی کا بیّن ثبوت ہے

وصالِ محبوب کی لذت سے وہی لوگ بہرہ ور ہوتے ہیں جو آلامِ عشق سے حذر نہیں کرتے اور مردانہ وار دریائے محبت میں کود پڑتے ہیں چونکہ قلندر صاحب کے شعر سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ عشق سے ڈرے نہیں اس لئے وہ نعمائے عشق اور لذتِ وصال سے بہرہ ور بھی ہوئے

۲۔ ترجمہ۔ تیرے عشق کی دلیل کے سامنے قیاسِ عقل بیہودہ ہے کیونکہ جب روشن ہاتھ دکھائی دیتا ہے تو شرارہ تاب نہیں رکھتا۔

یدِ بیضا کی لغوی تحقیق کے لئے دیکھو شعر (۹) یہاں اعجازِ عشق کی طرف اشارہ ہے شرارہ۔ بتحقیق چنگاری آتش آگ کا ٹکڑا یعنی عشق کے مقابلہ میں قیاسِ عقلی ایک بیہودہ اور لایعنی بات ہے کیونکہ جب یدِ بیضا یعنی عشق ظاہر ہو تو شرارہ یعنی عقل کی کوئی وقعت نہیں ہوتی عشق کو بوجہ غالب ہونے کے یدِ بیضا اور عقل کو بوجہ مغلوب ہونے کے شرر کہا گیا۔

عشق آں شعلہ است کہ چوں برفروخت	ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

سرِ العشق میں لکھا ہے "عشق آفتاب است وعقل ذرّہ اگرچہ ذرّہ بتابِ آفتاب در ظہور مے آید اما اور اازکجا یارائے آں بود کہ بخود در پرتوِ آں نور آید" یدِ بیضا اور شرر کی معنوی لطافت اور نسبت قابلِ دید ہے

۳۔ ترجمہ۔ جب تیرا جمال لَن تَرَانِی کی صدا کرتا ہے تو وادیٔ ارنی میں میرا گذر نہیں ہو سکتا۔

لَنْ تَرَانِیْ۔ تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا مجازاً بمعنی خودنمائی۔ اَرِنِیْ۔ بفتحِ اوّل قرآنی آیت کا حصّہ ہے قَالَ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ یعنی اے پروردگار تو مجھے اپنا دیدار دکھا تاکہ میں تجھے دیکھوں۔
مطلب یہ کہ جب بارگاہِ محبوب سے پہلے ہی لن ترانی کی صدا آرہی ہے تو میں وادیٔ ارنی میں کیوں

قدم رکھوں۔ کمالِ اخلاق اور دور اندیشی کا ثبوت ہے قلندر صاحب اپنے دیوان میں ایک دوسری جگہ بھی یہی خیال ظاہر کرتے ہیں

ہر کہ ارانی بگوید بشنود — لن ترانی چہرۂ زیبائے ما

صاحبِ گلشنِ راز فرماتے ہیں۔

ترا تا کوہِ ہستی پیش باقی ست — جوابِ لفظِ ارنی لن ترانی ست

۴۔ ترجمہ۔ تو نے الست کہا اور میں نے بلیٰ۔ دیکھ میں نے تیرے فرمان کے خط پر اسی طرح سر رکھا ہوا ہے۔

مطلب صاف ہے کہ میں روزِ ازل سے تیری طاعت و عبادت پر کمربستہ ہوں اور ابد تک ایسا ہی رہوں گا

گفتی تو الست و زدم آوازِ بلیٰ من — بنگر کہ مرا با تو ز میثاق نیاز است

گویا میں ازل سے تیرا خواہشمند ہوں اور ابد تک ایسا ہی رہوں گا

الستُ از ازل ہمچناں شان بگوش — (سعدی) بفریادِ قالوا بلیٰ در خروش

کسی شاعر نے اسی عہدِ میثاق کا الفاظ دنیا میں منتقل خیال کر کے ایک نکتہ پیدا کیا ہے کہتا ہے۔

میں کہہ کے ہائے بلیٰ پھنس گیا بلا میں مدام — بلا وہ میرے لئے تھی میں تھا بلا کے لئے

نیز دیکھو شعر ۱۲/۲، ۴۵/۴۔

۵۔ ترجمہ۔ تیرا عشق شور کرتا ہے کہ تحقیق میں اللہ ہوں قسم ہے مجھے جان کی کہ کہتا ہے تحقیق میں معبود ہوں

انّی۔ تحقیق۔ جانِ من۔ سوگندِ جانِ من۔ یعنی مجھے اپنی جان کی قسم۔

یعنی تیرا عشق کہتا ہے اور بصد شور کہتا ہے کہ میں حق ہوں اور لائقِ پرستش۔ مصرعۂ ثانی جملۂ قسمیہ ہے جس میں قلندر صاحب حلفاً اس امر کی تائید کرتے ہیں کہ تیرا عشق جو کچھ کہتا ہے وہ صحیح ہے مراد یہ کہ عشق حق ہے اگر نہ ہوتا تو عاشق کو دربارِ حق تعالےٰ میں کس طرح لے پہنچتا۔ رندانہ خیالات میں عشق کی باحسن الوجوہ توصیف کی گئی ہے مزید وضاحت کے لئے دیکھو شعر ۵۶/۱، ۸۶/۲

۶۔ ترجمہ۔ اگر میں تیرے وصل سے زندہ ہو جاؤں تو ہر غم سے فارغ ہو جاؤں اور اگر تیرے غم میں مر جاؤں تو ہر خطرہ سے بے خوف ہو جاؤں۔

زیم۔ مضارع از زیستن بمعنی جینا۔ ایمن۔ بے خوف۔ نڈر۔ بے باک۔

یعنی اگر مجھے تیرے وصل سے زندگیٔ جاوید حاصل ہو جائے تو میں ہر قسم کے غم و آلام اور مصائب

ذوائب سے فارغ ہو جاؤں وصالِ محبوب سے حیاتِ ابدی کا حاصل ہونا ضروری اور لابدی ہے ۔

مردہ ہرگز نبود آں بمیرد در عشق   کشتۂ نازِ ترا زندۂ دائم شمریم

"وصل عبارتست از نسیانِ خود و شہود وجود حق تعالیٰ" پس ایسے شخص کو جو ہر وقت محوِ نظارۂ جمال اور فانی ربانی ہوتا رہے دنیا کے غم و آلام اور اس کے روح فرسا تعلقات سے اصلا سروکار نہیں ہوتا اور اگر غمِ عشق میں مر جائے تو سبے نصیب ع چوں دلِ غمگین عشق آمد ز غمہا جملہ بے غم شد

۷۔ ترجمہ۔ جان تیرے چہرے پر دل دیتی ہے اور دل تیری زلف پر جان دیتا ہے تیرا چہرہ اور زلف مجھے جان اور دل سے زیادہ عزیز ہے ۔

یعنی میری جان تیرے رخسارِ پر انوار پر دل نثار کرتی ہے اور دل تیری زلف گرہ گیر پر جان قربان کرتا ہے کیوں ؟ کہ تیرا چہرہ اور زلف اپنی جان اور دل سے زیادہ محبوب ہیں مراد یہ کہ میں بذاتِ خود کچھ نہیں جو کچھ مجھ میں ہے وہ تیرے چہرے اور زلف کی بدولت ہے ۔

ایں من نہ منم اگر منی ہست توئی   در در برِ من پیرا ہنے ہست توئی
در راہِ غمت نہ ایں من ماند و نہ جاں   از آں کہ مرا جان و تنے ہست توئی

۸۔ ترجمہ۔ تاکہ تیرے حسن کو غیروں کی نظروں سے محفوظ رکھوں میری عقل سپندی اور تیرا عشق شرر

سپند۔ ایک بیج کا نام ہے جس کو دفعِ نظرِ بد کے لئے آگ پر جلانے میں جرل مشہور ہے ۔

قاعدہ ہے کہ عاشق اپنے معشوق کو اغیار کے ملاحظہ سے ہمیشہ محفوظ رکھنا چاہتا ہے تاکہ کسی حاسد کی نظرِ بد اثر نہ کرے قلندر صاحب نے دفعِ نظرِ بد کے لئے یہی نسخہ تجویز کیا ہے ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے تیرے حسن و جمال کو اغیار کی نظروں سے محفوظ رکھنے کے لئے عقل کو سپند بنا کر آتشِ عشق میں جلایا تاکہ کسی کی نظرِ بد کا اثر محسوس نہ ہو مراد یہ کہ میں نے فرزانگی کے مقابلہ میں دیوانگی اختیار کی تاکہ کسی کی نگاہ میرے حال کے جمال پہ نہ پڑے ۔

ظاہر ہے کہ جب عقل جواب دے چکی ہو تو ایسی رسوماتِ بد کا احساس نہیں رہتا دیوانہ آدمی فطرتاً مجبور ہوتا ہے قلندر صاحب کی یہ تجویز نہایت ہی احسن ہے اس شعر میں عشق و عقل کا مقابلہ بھی پایا جاتا ہے چونکہ عقل منزلِ عشق میں سالک کی راہنمائی نہیں کر سکتی اس لئے قلندر صاحب نے اسے یکسر جلا دیا ۔

عشق آمد و عقل ہمچو باد سے   رفت از من ہزار فرسنگ

عشق و عقل کے لیے دیکھو شعر ۱۳/۱۴، ۲۴/۴۳، ۱۰/۴۰، ۲۴/۴۴، ۲/۵، ۲/۶، ۱۰/۲۱، ۱۲/۶۳، ۱/۵

۹ ترجمہ۔ عشق روشن شمع کی طرح ہے اور عقل پروانہ کی طرح جب پروانہ شمع کے نزدیک جاتا ہے تو ضرور نقصان اٹھاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر پروانہ شمع کے نزدیک جائے تو جوشِ محبت میں ضرور جلے گا یہی حال عقل کا ہے جس مقام پر عشق کا تسلط ہو جائے وہاں عقل کو پروانہ کی مثال سمجھنا چاہیے شیخ سعدی یوں فرماتے ہیں۔

کہ یک پنجۂ آہنی راست کرد	کہ با شیر زور آوری خواست کرد
چو شیرش بسر پنجہ در خود کشید	دگر زور در پنجۂ خود ندید
یکے گفتش آخر چہ خسپی چو زن	بسر پنجۂ آہنینش بزن
شنیدم کہ مسکین در آن زیر گفت	نشاید بدین پنجہ با شیر گفت
چو بر عقل دانا شود عشق چیر	ہمان پنجۂ آہنی است و شیر
تو در پنجۂ شیر مرد اوژنے	چہ سود است گند پنجۂ آہنے
چو عشق آمد از عقل دیگر مگوے	کہ در دست چوگان اسیر است گوے

۱۰ ترجمہ۔ میری ہستی خوشی میں ذرہ کی طرح رقص کرتی ہے جب تیرے حسن کا آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے۔

ذرہ چونکہ لطیف الجسم ہوتا ہے اس لئے ہوا کی ذرا سی جنبش سے اڑنے لگتا ہے فرماتے ہیں کہ جب تیرا آفتابِ حسن جلوہ نما ہوتا ہے تو میری ہستیٔ ناچیز ذرہ کی طرح طرب و سرور میں رقص کرتی ہے حالتِ بسط میں سالک کے دل پر تجلیات کا نزول اکثر ہوتا رہتا ہے اور تجلیات کے نزول کے موقع پر سالک کا از خود رفتہ ہونا بھی خلافِ قیاس نہیں طلوعِ آفتاب کے وقت ناچیز ذرہ پر بھی یہی کیفیت طاری ہوتی ہے اور وہ لرزہ براندام نظر آتا ہے کیونکہ آفتاب کی شعاعیں اس میں جھلکتی ہیں۔

۱۱ ترجمہ۔ تیرے لطف سے عزازیل آدمی ہو جائے اور تیرے قہر سے آدمی عزازیل ہو جائے۔

یعنی اگر تیرا لطف چارہ ساز ہو تو گنہگار سے گنہگار اور خاطی انسان موردِ الطاف ہو جائے اور اگر تیرا قہر نازل ہو تو صد سالہ عابد قعرِ ذلت میں گر جائے۔

۱۲ ترجمہ۔ جب تک تو ظاہر نہیں ہوتا میری ہستی موہوم ہوتی ہے جیسے خورشیدِ تاباں پر ذرہ معتبر گواہ ہے ذرہ کی چمک خورشید کی درخشندگی کی شاہد ہے فرماتے ہیں کہ یہی حال میری ہستیٔ موہوم کا ہے یعنی جب

بغیر کے کوئی چیز قائم بالذات نہیں اور ایک وہم ہے ظاہر ہے کہ جب آفتاب غروب ہو جائے تو ذرہ بھی ناپید ہو جاتا ہے سرالعشق میں اللہ رصاحب فرماتے ہیں۔

" ذرہ در سایہ مفقود است بلکہ نابود است بتابِ آفتاب محسوس گرد پس ذرہ اگرچہ ہست نماید امّا اضافتِ ہستی او بہ آفتاب است اے برادر از اشتعالِ آں ذرات مشتعل شدہ و آں نور عین نور آفتاب است و ایں سر در غروبِ آفتاب بتواں دانست و سترِ ہستی و نیستی عاشق در عشق بدیں معنی بتواں دید "

	از جامِ شرابِ عشق مستیم ہنوز	چو ذرہ ز آفتاب ستیم ہنوز	
	چوں ذرہ نابود مفقود شدہ	در عشق تو خورشید پرستیم ہنوز	

۱۳ از ترجمہ۔ ہم اس دلدار کی تیغِ زباں پر ناز کرتے ہیں کہ اس سے ہماری عمرِ دراز کا قصہ مختصر معلوم ہوتا ہے
زباں کو بوجہ بے پناہ ہونے کے تیغ کہا اور زبان سے امرِ الٰہی بھی مراد ہو سکتی ہے ۔
ایسی صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ ہمیں محبوب کی تیغِ زبان (امرِ الٰہی) پر ناز ہے کیونکہ ہمیں اپنی عمرِ دراز کا قصہ مختصر نظر آتا ہے یعنی ہماری زندگی اور موت کا انحصار امرِ الٰہی پر موقوف ہے تلوار کے روبرو زندگی کا ختم ہونا ظاہر

۱۴ از ترجمہ۔ موسٰی طور کے ایک ہی نخل کو دیکھ کر بے خود ہو گئے لیکن میں روز و شب ہر شجر میں وہی آگ دیکھتا ہوں
نخلِ طور ۔ سے وہ درخت مراد ہے جس پر وادیٔ ایمن میں موسٰی علیہ السلام نے تجلائے ربانی کا مشاہدہ کیا اور اس سے اِنّی اَنَا اللّٰہ کی آواز سنی جیسا کہ قرآن مجید سورہ قصص میں وارد ہے فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی آپ کو منصبِ رسالت عطا ہوا فلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں اُس آتش کو شب و روز ہر شجر میں افروختہ دیکھتا ہوں اس کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے صاحب گلشنِ راز فرماتے ہیں :-

	درآ در وادیٔ ایمن کہ ناگہ	درختے گویدت اِنّی اَنَا اللّٰہ	

وادیٔ ایمن سے تصفیۂ دل اور درخت سے انسانی حقیقت جو تجلائے ذات و صفاتِ ربّانی کا آئینہ ہے مراد ہے یعنی روح کی روشنی اور دل کی صفائی سے انسانِ کامل کے وجود کی مبارک زمین میں جامعیت کے درخت سے جو اس کی حقیقت ہے ندا آتی ہے کہ اِنّی اَنَا اللّٰہ چونکہ عارفِ منتہی بلا مزاحمتِ وہم سب چیزوں میں واحدِ مطلق کی وحدت کو مشاہدہ کرتا ہے اس لئے ہر شجر میں آتشِ عشق کو افروختہ دیکھنا عجب نہیں

سرالعشق میں قلندر صاحب تجلی طور سے روح مراد لے کر فرماتے ہیں کہ:-

"اگر آں شجرۂ روح او نبودے وثمرۂ آں شجرہ عشق نبودے خطاب انی اللہ کے

درست آمدے زیرا کہ در عشق روا بود کہ در صفت حال از عشق جاناں مر عاشق را بجز نخواند و ایں ندا ہم

از و بدو رساند کہ انی انا اللہ"

اس لئے فرمایا کہ میں روز و شب مظاہر کائنات میں اسی نورِ مطلق کا جلوہ دیکھتا ہوں مولانا شہیدی اسی ضو فشانی پر کہتے ہیں

دیکھ کر ایک جبل پر جیسے حیراں تھا کلیم	شام کے وقت وہی نور ہے سر کو ٹھے پر

۱۵ ترجمہ قلندر کے بیہودہ کلام میں بھی اسرارِ حق پوشیدہ ہیں جس طرح موجِ عماں خس و خاشاک کے ساتھ

موتی بہا کے لاتی ہے۔

خرافات بضم اول سخنانِ بیہودہ و پریشان۔ خرافہ کی جمع ہے دراصل خرافہ ایک عربی آدمی کا نام

ہے جس پر پریاں عاشق تھیں اور وہ اُس عالم کے حکایات بیان کرتا تھا جس کو لوگ متعجب ہو کر باور نہ کرتے تھے

لہٰذا ہر اُس بات کو جو قابلِ اعتماد نہ ہو خرافہ و خرافات کہتے ہیں۔ (سروری)

عُمّان بضم عین بحرِ اعظم کے کنارے پر ایک شہر کا نام ہے اسی نسبت سے دریائے اعظم کو بھی عمّان کہتے ہیں

مطلب یہ کہ ہماری ان معمولی باتوں میں جن کو لوگ خرافات کہتے ہیں موجِ عمّان کی طرح اسرار و معارف

کے گنجینے مخفی ہوتے ہیں۔

سخنِ مردم دلیرا حقیقت دارد (ظاہر) در عبارت بہ اشارات نہاں می آید

سمندر میں ہر چوبیس گھنٹے کے بعد پانی کے صعود و ہبوط کا نام جوار بھاٹا ہے جب سمندر کا پانی اوپر

چڑھتا ہے تو اپنے ساتھ کئی قسم کے معدنیات بہا کر لے آتا ہے اور انہیں سمندر کے کنارے پر چھوڑ دیتا

ہے یہی مراد قلندر صاحب کی ہے کہ میری معمولی باتوں میں بھی گہرے راز ہیں۔

خاکساران جہاں را بہ حقارت مگر (ملاحظہ) تو چہ دانی کہ دریں خاک سوارے باشد

۱۶ ترجمہ۔ وہ مقامات کہ میں نے طفلی میں طے کئے پیرانِ زماں ابھی تک ان میں رکے ہوئے ہیں۔

مراد یہ کہ مشائخینِ زمانہ ہنوز انہیں مقامات میں الجھے ہوئے ہیں جو میں نے مدت ہوئی کہ طے کر لئے

مراتبِ قلندری کی جاہ و منزلت ثابت کرنا مقصود ہے کہ جن مقامات کو میں ایک زمانہ گذرا کہ طے کر گیا ہوں اب تک

زمانہ ابھی تک ان میں درماندہ اور حیران ہیں۔

۷ ترجمہ۔ اے نوجوانو! حذر کرو۔ ورنہ جان و دل کے خرمن بہت جلدی خاکستر ہو جائیں گے کیونکہ برقِ تجلّی تپ رہی ہے۔

ناصحانہ انداز ہے لیکن خوف و تحذیر کا پہلو لئے ہوئے کہ حذر کرو ورنہ تجلّاے وحدت سے تمہارے دل و جان خاکستر ہو جائیں گے مراد یہ کہ دیدارِ بے حجاب کی خواہش نہ کرو وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَاللّٰہُ رَؤُفٌۢ بِالْعِبَادِ

کلیم غش کر گر و حشر تک نہ ہوش آتا	ہوئی ہے خیر کہ وہ شوخ بے حجاب نہ تھا

۸ ترجمہ۔ تیری خاک راہ سے ہر گدا سر پر تاج رکھتا ہے اور تیری گلی میں ہر تاجور سر سے تاج اتارتا ہے

یعنی ادھر تو تیری خاک راہ کا تاج ہر گدا کے زیبِ سر ہے اور ادھر تاجورانِ زماں تیری گلی میں تاج سر سے اتارتے نظر آتے ہیں مراد یہ کہ تیرے چاہنے والے خلعتِ تجرید و اتقا سے آراستہ و پیراستہ ہو کر سرِ رہگذار بیٹھے ہیں مراد یہ کہ خاکِ راہ ان کے لئے شاہانہ مسند ہے اور تجرّد و اتقا ان کا تاج ہے مگر تیرے کوچہ میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے تاجوران زمانے تاج و تخت کو چھوڑ کر تیری محبت اختیار کی اور اپنی بے سر و سامانی اور تہیدستی کو عقبیٰ کی ملک تصور کرتے رہے سِرُّ العشق میں لکھا ہے۔

"عشق در عرف بلائے است کہ عاشق و معشوق سر دو از دو سر حذر از بابر کہ بوید د
ادراز مقامِ تاجداری بر خاکِ خواری اندازد"

حضرت ابراہیم بن ادہم بلخی کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ نے تاج و تخت کو چھوڑ کر عشق الٰہی اختیار کیا حتیٰ کہ بادشاہ وقت ہو کر اپنی دارالسلطنت میں کوچہ بکوچہ خانہ بخانہ دریوزہ گری کی اور اسے باعثِ عار خیال نہ کیا

۹ ترجمہ۔ اگر میں کوچہ بکوچہ اور در بدر پھرتا تو تیرے راہگذار اور آستان تک کب پہنچتا

مراد یہ کہ اگر میں ہر جائی ہوتا تو تیری راہگذار تک میری رسائی نہ ہوتی اور اگر میں کاسہ لیسانِ زماں کی طرح در بدر مارا مارا پھرتا تو تیرے دروازے پر جبہ سائی کا موقعہ نہ ملتا یعنی جب میں تعلقاتِ کونین سے دست کش اور ابنائے زمانہ سے بے پرواہ ہو گیا تو اس کے صلہ میں تیری راہگذار کی خاک بن کر تیرے آستان تک میری رسائی ہو گئی یعنی مقصود حاصل ہو گیا۔ استقلال اور عزم و ثبات کا ثبوت ہے

۱۰ ترجمہ۔ دنیا دار صدہا خام خیال دل میں باندھتا ہے جس طرح خیال کی فانوس میں تصویریں گردش کرتی ہیں

فانوس۔ اصل میں اس کے معنی سخن چین کے ہیں اور شمع کو فانوس اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے روشنی باہر نکلتی ہے صُوَر۔ بالضم صُوَر یعنی تصویریں۔ صورت کی جمع ہے۔

طائرِ خیال کو فانوس کہا گیا ہے جس طرح مصوّر کے دماغ میں خیالات کا لا انتہا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے یہی مثال اہلِ دنیا کی سمجھ لو کہ صدہا خیالاتِ خام دل میں آتے اور جاتے ہیں لیکن ان کا حاصل کچھ نہیں ہوتا محض خیالی نقش کی حیثیت ہوتی ہے شیخ چلّی کا خیالی پلاؤ مشہور ہے۔

۲۱ ترجمہ۔ جو خودی میں رہتا ہے خدا کو نہیں پاتا جس نے خدا کو پہچان لیا وہ خودی سے بےخبر ہے۔

یعنی بندِ خودی اور قیدِ ہستی میں خدا نہیں ملتا۔ اس لئے اسے چھوڑ کر محبوب کا عرفان حاصل کرنا چاہیئے

اگر یاری از خویشتن دم مزن (سعدی)، کہ شرک است با یار و با خویشتن

امیر مینائی خودی اور بیخودی کے معاملہ میں فرماتے ہیں۔

ہے بےخودی ہی جس سے ہوتا ہے قرب حاصل	غائب جو آپ سے ہو پائے حضور تیرا

اسی مضمون پر ہے۔

خودی میں آیا تو اس کو کھویا خودی کو کھویا تو اس کو پایا (محبوب) انہیں نگاہوں سے عمر بھر تک خدا کو نزدیک دور دیکھا

نیز دیکھو اشعار $\frac{۳}{۵}$، $\frac{۷}{۵}$، $\frac{۱۹}{۱۰}$، $\frac{۴۳}{۱}$، $\frac{۴۷}{۷}$

۲۲ ترجمہ۔ وہ شخص نہ خوشی سے جھومتا ہے نہ غم سے رنجیدہ ہوتا جو جانتا ہو کہ خیر و شر قضا سے آتی ہے

یہاں بھی جبر و قدر کا مغالطہ ہے کہ جو شخص خیر و شر کو تقدیر الٰہی اور اقتضائے ربانی سے وابستہ جانتا ہو اس پر خوشی اور غم کا کوئی اثر نہیں ہوتا یعنی نہ آئے کی خوشی نہ گئے کا غم بلکہ وہ دونوں کو اقتضائے الٰہی کے ماتحت تصور کرتا ہے اس لئے دونوں سے فارغ ہوتا ہے۔

گر گزندت ز خلق مرنج	کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج
از خدا دان خلافِ دشمن و دوست	کہ دل ہر دو در تصرفِ اوست
گرچہ تیر از کمان ہمی گذرد	از کماں دار بیند اہلِ خرد

اسی مسئلہ جبر و قدر کے متعلق دیکھو شعر $\frac{۴۶}{۱۱}$۔

۲۳ ترجمہ۔ صلحِ کل ہو اور دنیا کے غم سے فارغ کیونکہ ہم اہلِ (؟) سے بے تبر آدمی بےخطر ہوتا ہے۔

یعنی دنیا کے غم و آلام سے فارغ ہو کر صلحِ کل مسلک اختیار کر کیونکہ آزاد آدمی کو دنیا میں کوئی خطرہ نہیں ہوتا شیخ سعدی شیرازی بھی یہی تعلیم دیتے ہیں۔

سعدیا گر نیک نامی صلح کن با خاص و عام	با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

اسی مضمون پر ہے۔

اگر دشمن نسازد با تو اے دوست　　ترا باید کہ با دشمن بسازی

۲۴ ترجمہ۔ تمنا سے ہاتھ دھو تاکہ تو دل کی مراد حاصل کرے کیونکہ نخلِ تمنا کا ثمر بجز غم اور نا امیدی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

حرمان محرومی۔ ناامیدی۔ بدنصیبی۔ افلاس تنگی

ہر کام کی تہ میں ایک غرض پوشیدہ ہوتی ہے جس کے ماتحت وہ کام کیا جاتا ہے عبادت کی تہ میں جزا مستور ہے جس میں نجات کا راز مضمر ہے لیکن صوفیائے کرام کا اصول اور مسلک یہ ہے کہ عبادت بے غرض و بے لوث ہونی چاہیے جس عبادت میں جزا کی تمنا ہو وہ عبادت نہیں بلکہ مزدوری ہے جس سے کم از کم ہر بٹ کر جنت تو مل جائیگی لیکن عشاق کا مقصود اس جنت اور حور و قصور سے وراء الورا ہوتا ہے یعنی مشاہدۂ ذاتِ حق

پس جس عبادت میں غرض کا شائبہ ہو وہ شاہدِ مقصود سے ہمکنار نہیں کر سکتی اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ تو تمنا سے ہاتھ اٹھا لے تاکہ تجھے اپنے دل کی مراد حاصل ہو دوسرے مصرع میں ایک عام فہم مثال سے طالب کو سمجھاتے ہیں کہ نخلِ تمنا کا پھل اکثر حرمان اور نا امیدی ہوتا ہے۔

بباید دست ز اسباب جہاں برداری　　شجرۂ حرص و امل ثمرۂ حرمان گرد

ظاہر ہے کہ تمنائیں اکثر ناکام رہتی ہیں جن کا حاصل سوائے یاس اور کچھ نہیں علامہ اقبال کہتے ہیں۔

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے　　او بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

اسی مضمون پر ہے۔

اے طالبِ دنیا تو بسے مزدوری　　وے مائلِ عقبیٰ تو بیکے مزدوری
وے آں کہ زمیل ہر دو عالم دوری　　تو طالبِ نور بلکہ عین نوری"

خواجہ عمادالدین کاشانیؒ اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں "ہر کہ مطمع شود اد راچیزے بدست نیاید زیرا کہ لفظ طمع ہمہ خالی افتادہ است عزت از قناعت است و خواری از طمع لفظ مراد ہم خالی است" اما نامرادی نقطہ دارد اگر با نامرادی بسازند مراد بہ رسند" قلندر صاحب اپنی عارفانہ اصطلاح میں اس حقیقت کی وضاحت خود سر العشق میں کرتے ہیں۔

"کہ تا عاشق را از معشوق طمع وصال بود ہر روز بہ نزد وے ذلیل تر بود ذلّ من

الطمع سرّ این سخن است چنانکه زلیخا با طمع وصالِ حضرت یوسف علیہ السلام سے داشت ہر روز از وصال دور تر بود و از فراق رنجور تر چوں طمع از خود بیند اخت و با محنت بساخت جمال و جوانی باز یافت و با کمالِ کامرانی بسوئے محبوب شتافت"

۲۵ ۔ ترجمہ ۔ کچھ جانتا ہے کہ دنیا کی حرص کا کیا رنگ ہوتا ہے جو بینا ہوتا ہے اسی لیے بصر کر دیتی ہے

یعنی دنیائے دوں کی حرص اور محبت دانا کو نادان اور بینا کو بے بصر کر دیتی ہے مراد کہ اس کے دلکش رنگ اور آرائش و زیبائش کو دیکھ کر انسان دل دے بیٹھتا ہے اور متاعِ ایمان کھو دیتا ہے دنیا کی زیب و زینت اور آرائش کے متعلق سورۂ کہف میں خود اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ہم نے جو کچھ زمین پر پیدا کیا اس کی آرائش کے لئے کیا تاکہ انسان کی آزمائش کریں کہ کون اعمال میں نیک ہے

چنانچہ جو اہلِ بصیرت ہیں وہ اس کے دلکش اور دلفریب رنگ کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ سراسر دھوکہ کی ٹٹی ہے

جہاں از رنگ و بو سازد اسیرت ولے نزدیک اربابِ بصیرت
نہ رنگِ دلکشش را اعتبار است نہ بوئے دلفریبش را مدار است

سلطان ابوسعید دنیا کو کہنہ سرا تصور کر کے اس کی ناپائداری پر لکھتے ہیں

بزد نیست جہاں کہ پر دلش باخلق است بزد دیگر او زلفش کم ساخلق است
دنیا مثال کہنہ سرا نیست برداشتنش برائے اہلِ خلق است

۲۶ ۔ ترجمہ ۔ سیلابِ عشق آیا اور ہماری عقل کو لے گیا اگرچہ ہم میدانِ ہنر کے مرد تھے ۔

یہاں بھی عشق و عقل کا مقابلہ ہے کہ اگرچہ ہم علم و عقل اور میدانِ ہنر میں شہرۂ آفاق اور لاثانی تھے لیکن جب سیلِ عشق کا ظہور ہوا تو ہمارے علم و عقل کو پانی کی طرح بہا لے گیا اور میدانِ ہنر کی مردانگی مفقود ہو گئی مراد یہ کہ عشق سب پر غالب آگیا۔

عشق چوں آمد ہنر پوشیدہ شد صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

اسی مضمون پر ہے ۔

عشق آمد و عقل ہمچو بادے رفت از من ہزار فرسنگ

عشق و عقل کے لئے دیکھو شعر ۱/۴۹ ، ۹۰/۹۶ ، ۶۱/۱۰ ، ۶۴/۱۲

۷۲۔ترجمہ۔ شاید اس کی وحدت کا آفتاب پھر جلوہ نما ہو کیونکہ جہاں میں کثرت کی ظلمت سر بسر منتشر ہو رہی ہے

منتشر۔ پراگندہ۔ پریشان بکھرنے والا۔ پھیلنے والا۔

جہاں کو فتنہ و فساد اور آشوب و پراگندگی سے لبریز دیکھ کر آفتابِ ہدایت کی طلب میں فرماتے ہیں کہ شاید پھر دریائے رحمت جوش میں آئے کیونکہ اس دورِ پرآشوب میں فسق و فجور اور معاصی کی ظلمت پھیل رہی ہے توقع ہے کہ آفتابِ ہدایت جلوہ ریز ہو تاکہ موجودہ آشوب نورِ ہدایت سے مبدل ہو جائے قلندر صاحب اپنی مثنوی میں اس دورِ پرآشوب کے متعلق لکھتے ہیں۔

قحط افتاد است در ملکِ سمار	خشک گشتہ مزرعۂ مہر و وفا
ہیچ نے بر خاست از صاحبدلاں	دارم از دستِ زمانہ صد فغاں
ایں نشانی ہا قیامت شد پدید	تا قیامت در جہاں گردد پدید
برکت از کشت و زراعت گشت کم	قامتِ جود و سخاوت گشت خم
رحم از دلہائے مردم شد نہاں	سختی پیدا شدہ در مردماں
مہر کم شد از دلِ فرزند و زن	فتنہ برپا گشت از وہمِ کہن
چوں چناں بر خاست عالم گشت تنگ	دختراں با مادراں دارند جنگ

قلندر صاحب کے یہ اشعار زمانۂ حال کے عین مطابق ہیں۔

۷۸۔ترجمہ۔ تیرا خوں ریز جلوہ چاہتا ہے کہ تیغ سے سینہ برسائے اور مجھے خون میں کمر تک غرق کر دے

کمر۔ بالفتح بزرگی سے کسی پر غلبہ پانا میان اور میان بند جس کو ہندی میں پٹکا کہتے ہیں صاحب سراج اور خیابان کی رائے ہے کہ کمر کو پٹکہ کہنا غلطی ہے دراصل اس کے معنی کمر بند کے ہیں۔

مراد یہ کہ تیرا خونریز جلوہ مجھ ناتواں پر غلبہ حاصل کر کے مجھ کو مٹانا چاہتا ہے اور اصولاً بھی جب پانی کمر سے اوپر آنے لگے تو پاؤں زمین سے اکھڑنے لگتے ہیں اور پانی کا بہاؤ بہا کر لے جاتا ہے۔

۷۹۔ترجمہ۔ میں تیری محبت ڈھونڈتا ہوں اور تیرے قہر سے ڈرتا ہوں باقی نہ مجھے جنت کی پرواہ ہے اور نہ عذاب کا ڈر ہے۔

شعر آسان ہے کہ مجھے جنت کی خواہش اور دوزخ کا خوف نہیں اگر خواہش ہے تو تیری محبت

کی اور دُور ہے تو نیز سے قہر و غضب کا عاشق کی علامت ہے کہ ما سوا المطلوب کسی چیز کی گنجائش اس کے دل میں نہ ہو حکیم سنائی ایک رباعی میں فرماتے ہیں۔

مردے کہ براہِ عشق جاں فرساید ۔ باید کہ بروں یار خود نہ گراید
عاشق براہِ عشق چناں مے باید ۔ کز دوزخ و از بہشت یادش ناید

بہ ترجمہ۔ بو علی کہ نیز عشق ہر دم ایک نئے حال میں لاتا ہے کبھی بار بناتا ہے کبھی مارتا ہے اور کبھی زیر و زبر کرتا ہے

مراد یہ کہ نیز عشق ہر بار نئے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔

عشق ہر دم ظہورِ دیگر داشت ۔ زاں کند نقش مختلف پیدا
ہر دم از کوئے سر بر دل آرد ۔ رد اے دیگر نماید او ہر جا

حکیم سنائی کی ایک رباعی بھی سننے کے قابل ہے لکھتے ہیں۔

بر سینِ سر بر سپاہ آمد عشق ۔ بر میم ملوکِ ملک ماہ آمد عشق
بر کافِ کمالِ کل کلاہ آمد عشق ۔ با ایں ہمہ یک قدم ز راہ آمد عشق

عشق کا حال تو سمجھ لیا اب عاشق کی کیفیت دیکھیے

کبھی اٹھے کبھی بیٹھے کبھی لیٹے کبھی تڑپے ۔ تماشہ دید کے قابل ہے تیرے بیقراروں کا

غزل ۴۸

چوں پائے شوق نداری براہِ دوست منازا ۱ کہ ہست در رہِ الفت بسی نشیب و فراز
سرود و شاہد و ساقی نہاں نمے ماند ۲ چوں شمع پردہ در زد صبح مے شود غماز
مراکہ شاہدِ مسرت و ساقی رعناست ۳ حقیقت است ہمہ دار داتِ راہِ مجاز
چو حسنِ شاہدِ ما را نہایتے نبود ۴ بعشقِ ما ہمہ انجام مے شود آغاز
ز جام چوں کفِ ساقی تہی نمے گردد ۵ کجا دماغِ لطیفم ز مستی آید باز

۶ زعکسِ روئے تو نزسیم کہ روز گردد باز ۔ شبست و شمع شراب است لیکن اے ساقی

۷ چہ حاصل است ز روزہ چہ منفعت بہ نماز ۔ تو گر براہِ حقیقت نمے نمائی رو

۸ بمسجدے نشایم ندر وکنم بہ حجاز ۔ مرا کہ قبلۂ ابروے تست پیشِ نظر

۹ چو زاہدان ریائی بزہد خویش مناز ۔ اے بوعلی دم تو صبہ چہ زنی ہشدار

۱۰ قبائے عشق کہ بر قامتِ شرف دوزند
بدامنش ز سبابِ ملامت است طراز ۱۰

۱۰ ترجمہ ۔ اگر تو پائے شوق نہیں رکھتا تو دوست کے راستہ میں مت درآ کیونکہ راہِ الفت میں بہت نشیب و فراز آتے ہیں ۔

نشیب ۔ زمینِ پست ۔ نجان یعنی فراز ۔ بفتح اول ۔ کشادہ شدہ پھیلا ہوا ۔ نزدیک آگے عقب ۔ بلند ۔ سرکش لیکن شعر زیرِ تشریح میں نشیب و فراز بمعنی بلندی و پستی مجازاً مشکل استعمال ہوا ہے ۔

راہِ محبت کی دشواریوں کا بیان کئی اشعار میں گذر چکا ہے طالب کو تنبیہ کی گئی ہے کہ چونکہ منزلِ عشق اور راہِ محبت ایک پرخطر مقام ہے جہاں جابجا نشیب و فراز ہیں اس لئے ایسے پرخطر مقام سے صحیح و سالم گذرنے کے لئے سرمایۂ شوق درکار ہے ہاں اگر تیرے پاس شوق و الفت اور طلبِ صادق کا سرمایہ ہے تو اس منزل میں قدم رکھ ورنہ اپنے ارادہ سے باز آجا یہی نصیحت ہے منزلِ عشق کی دشواریوں کی نسبت حضرت سلیم فرماتے ہیں ۔

در رہِ عشق اے دل از سحر فسوں ایمن مباش	خانۂ ہر مو ازیں صحرا چاہِ بابل است

جن سے صحیح و سالم گذرنے کے لئے سرمایۂ شوق اور طلبِ صادق درکار ہے مُلّا نظیری نیشاپوری بھی سرمایۂ شوق کو ضروری خیال کرتے ہیں ۔

وصل اگر خواہی نظیری شوق را سرمایہ ساز	نورِ عشق است ایں چراغ وادیٔ ایمن شود

۲ ترجمہ ۔ نغمۂ شاہد و ساقی چھپا نہیں رہتا جب شمع پردہ پھاڑتی ہو اور صبح غماز ہوتی ہے ۔

سرود ۔ نغمہ ، راگ ۔ گیت ۔ سخن ۔ غمّاز ۔ بالفتح و تشدید میم سخن چین ۔ اشارہ کنندہ بچشم طعن کرنے والا ممکن ہے کہ نغمۂ شاہد و ساقی سے تمجید ربانی یا ظہورِ نورِ حق مراد ہو کیونکہ صبح کے وقت کائنات کی تمام

مخلوق اپنی اپنی اصطلاح میں حمدِ ربّانی میں رطب اللّسان ہوتی ہے اور اُس وقت نورِ الٰہی کا عجیب ظہور ہوتا ہے اِس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ ظہورِ حق پوشیدہ او مخفی نہیں رہ سکتا کیونکہ جب صبح آتی ہے تو ظلمت کافور ہو جاتی ہے صبح کی غمازی شمع کی پردہ دری کرتی ہے جس سے شمع خجل ہو کر آخر بجھ جاتی ہے اسی طرح نور و ظلمت اور حق و باطل کا مقابلہ کر لو۔

۳ ترجمہ۔ چونکہ میرا معشوق سرمست اور ساقی رعنا ہے اسلئے میری نزدیک مجاز کی تمام واردات حقیقت ہے
رعنا۔ زیبا۔ خود آرا۔ خوشنما۔ متکبر۔ چالاک معشوق۔

مطلب یہ کہ میرا معشوق سرمست اور رعنا ہے اِس لئے مجھے بھی وارداتِ مجاز میں حقیقت نظر آتی ہے یعنی میں بھی مست اور مجاز میں حقیقت کا رنگ دیکھتا ہوں

دراصل مجاز حقیقت کا زینہ ہے المجاز قنطرۃ الحقیقت. سالک جب تک مجازی واردات سے صحیح و سالم گذر نہ لے حقیقت کے بام پر پہنچ نہیں سکتا جب سالک کو اِس منزل کی پوری پوری حقیقت معلوم ہو جاتی ہے تو آگے طریقت کا زینہ شروع ہو جاتا ہے پھر وہاں سے درجہ بدرجہ ترقی کرتے اور اعلےٰ مراتب پر فائز المرام ہونے کے بعد وصالِ محبوب اور مشاہدہ مطلوب حاصل ہوتا ہے لہذہ وارداتِ مجاز میں حقیقت کا رنگ دیکھنا العجب نہیں نہیں علامہ اقبال بھی مجاز میں حقیقت کو دیکھنا چاہتے ہیں

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں	کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

عارف جامی مجاز سے جلدی گذر جانے کی تاکید کرتے ہیں۔

متاب از عشق رو گرچہ مجازی ست	کہ آں بہر حقیقت کارسازیست

بلوحِ اوّل الف با تا نخوانی	ز قرآں درس کردن کے توانی
ولے باید کہ در صورت نمانی	وزیں پل زود خود را بگذرانی
چو راہ خواہی بخت در منزل نہادن	نباید بر سرِ پل ایستادن

مجاز و حقیقت کے لئے دیکھو شعر ۲۱، ۴۹

۴ ترجمہ۔ چونکہ ہمارے معشوق کے حسن کی کوئی انتہا نہیں اسلئے ہمارے عشق کا انجام بھی آغاز ہے
محبوبِ حقیقی کے حسنِ روز افزوں اور جمالِ لامتناہی کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ چونکہ ہمارے معشوق کے حسن و جمال کی کوئی انتہا اور حد مقرر نہیں یعنی اُس کا حسن حدِ قیاس سے بعید ہے اِس لئے ہمارا عشق

بھی بے پایاں ہے گویا انتہا پر پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ اب آغاز ہوا ہے

نگردد قطع ہرگز جادہ عشق از دویدنہا	کہ مے بالد بخود این راہ چون تاک از بریدنہا

وصال شیرازی بھی عشق کو بے پایاں لکھتے ہیں۔

یکے بر فرق فرقد پو بہا ئے وہم تا بینی	اناں جا فرقد دیگر بچشم آسماں بینا
چنیں با صد ہزاراں فرمدار بوئی پہناں یا بی	کہ ہر یک نشاں بود نسبت بہم مہ پست وہم بالا

نیز دیکھو شعر ۲۱/۴

۵ ترجمہ جب ساقی کا ہاتھ جام سے خالی نہیں ہوتا تو میرے لطیف دماغ میں مستی کا فخر کیسے آئے

مراد یہ کہ جب ساقی ہر وقت جام بدست رہتا ہے اور میں غٹا غٹ پیتا رہتا ہوں تو مجھے اپنی

مستی اور بیخودی پر فخر کیسے آسکتا ہے حضرت آسی بہنانی بھی یہی وجہ بتلاتے ہیں۔

بار ادھر بدست میں بیخودی تکلف برطرف	ایسی حالت میں جو آتا ہوش کیا دیوانہ تھا

۱۶ ترجمہ۔ رات ہے شمع ہے۔ شراب ہے لیکن اے ساقی میں تیرے چہرہ کے عکس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں صبح نہ ہو جائے

عشاق کی آرزو ہوتی ہے کہ شب وصال ابد تک دراز رہے قلندر صاحب اپنے عشرت کدہ کا نقشہ کھینچ کر محبوب سے کہتے ہیں کہ سامان عیش تو موجود ہیں لیکن خوف ہے تو اس کا کہ کہیں صبح نہ ہو جائے اور آپ رخصت ہونے پر آمادہ ہوں۔ قلندر صاحب اپنے دیوان میں ایک اور جگہ بھی یہی خیال ظاہر کرتے ہیں۔

دراز باد شب وصل تا ابد یا رب	کہ دلبرم ز بہانہ نہ از برم برود

اس شعر میں بھی یہی غرض پوشیدہ ہے۔

۷ ترجمہ۔ اگر تو راہ حقیقت کی طرف متوجہ نہیں تو روزہ سے کیا حاصل اور نماز سے کیا فائدہ۔

منفعت۔ نفع تمتع۔ سودمندی۔

یعنی احکام شرعیہ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ان پر کاربند ہو کر حقیقت کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ طریقت، حقیقت اور معرفت حاصل کرنے کے لئے پہلے شریعت پر عمل پیرا ہونا پڑتا ہے۔

اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ جب حقیقت کی طرف تیرا میلان ہی نہیں تو نماز اور روزہ سے کیا حاصل یعنی کہ تیری نماز بھی بیکار اور بے سود ہے۔

۸۔ ترجمہ۔ میں کہ تیرا قبلۂ ابرو میرے پیشِ نظر ہے نہ مسجد کی طرف دوڑتا ہوں اور نہ حجاز کی طرف منہ کرتا ہوں
حجاز بکسرِ اول عرب کے ایک شہر کا نام ہے اور حجاز حجز سے ماخوذ ہے جس کے معنی دو چیزوں
کے درمیان حائل ہونا ہے چونکہ حجاز نجد اور تہامہ کے درمیان حائل واقع ہے لہٰذا اسی نام سے مشہور ہے
پچھلے شعر سے مربوط ہے کہ چونکہ ابروئے محبوب میرا قبلہ ہے اور میں اُسی کو سزاوارِ پرستش اور لائقِ
عبودیت جانتا ہوں اس لئے مجھے مسجد سے سروکار نہیں۔

عاشقِ حق کے لئے مسجد اور مندر کی کوئی قید نہیں عبادت اگر خلوص سے ہو تو ہر جگہ مقبول ہو سکتی ہے

۹۔ ترجمہ۔ اے بوعلی تو توحید کا کیا دم مارتا ہے ہوش رکھ اور ریاکار زاہدوں کی طرح اپنی پرہیزگاری
پر ناز نہ کر۔ ہشدار اصل میں ہوشدار ہے وزنِ شعری کے لئے واؤ کو محذوف کیا گیا ہے

یعنی زاہدانِ ریاکار کی طرح اپنی زہد و عبادت پر نازاں و مغرور نہ ہو بلکہ عجز و انکسار کر پند آموز شعر ہے۔

۱۰۔ ترجمہ۔ قبائے عشق جو شرف کے قد پر سیا گیا اُس کے دامن پر اسبابِ ملامت کے نقش ہیں۔

قبا ۔ جامۂ دوتہی ۔ جامۂ تنگ ۔ طراز ۔ نقش و نگار ۔ علم ۔ جامہ ۔ سنجاف۔

مراد یہ کہ شرف طعن و ملامت کے لئے وقف ہے کیونکہ ازل سے جو قبائے عشق اسے پہنائی گئی
ہے وہ سراسر طعن و ملامت سے منقش ہے۔ عاشق ہونا ہدفِ ملامت کی علامت ہے نیز دیکھو شعر ۱۲ ؍ ۴۲ ؍ ۲

غزل ۴۹

درلابہ ام گذشت ہمہ شب بپائے راز ۱ لیکن سر الوصل نہ کردی تو سرفراز

عجز و نیاز شیوہ کن و بے نیاز باش ۲ شاید در حقیقت بر تو کنند باز

بے نردبان چو سے نہ رسی بر فرازِ بام ۳ پس طالبِ حقیقت شو از رہِ مجاز

پروانہ وار مردنِ تو نیست خوب تر ۴ باید چو شمع شغلِ تو ہم سوز و ہم گداز

پروائے طعنِ زاہد و واعظ نمی کنم ۵ کردم بسوئے قبلۂ ابروئے تو نماز

شغلِ تو ہست گر ستم و جور و سرکشی ۶ کارِ من است پیشِ تو ہم عجز و ہم نیاز

کے بو قلبی بکون ومکاں ملتفت شدے	جز روئے دوست از ہمہ مے کرد احتراز

۱۔ ترجمہ۔ منت وسماجت میں شبِ دراز تیرے سامنے گذر گئی لیکن تو نے مجھے وصل سے سرفراز نہ کیا

لابہ۔ بفتح بائے موحدہ یعنی تملق۔ چاپلوسی۔ خوشامد۔ فریب۔ عجز واخلاص ۔

معشوق کی بیوفائی کا گلہ کرتے ہیں کہ ہجر وفراق کی لمبی رات منت اور سماجت میں گذر گئی لیکن تو نے اپنے وصل سے مجھے سرافراز نہ کیا مولانا شہیدی کی التماس بھی سنئیے۔

کٹ چکی ساری شبِ عشرت نہیں میں حیلہ جو	اب تو ہاں فرما کہ باقی صرف ہاں کا وقت ہے

۲۔ ترجمہ عجز و نیاز اختیار کر اور راستباز ہو شاید تجھ پر حقیقت کا دروازہ کھول دیں۔

بازکردن ۔ کھولنا ۔ باز کے مختلف معنوں کے لئے دیکھو شعر ۱۲۔

ناصحانہ شعر ہے اور کوشش وطلبِ صادق کا پہلو نمایاں ہے کہ عجز وانکسار اور راست گوئی اختیار کر تاکہ تجھ پر حقیقت کا دروازہ کھلے یعنی تو اسرار و رموزِ الٰہیہ اور حقائق و معارفِ لاانتہا ہیہ سے واقف ہو تواضع کی نسبت شیخ سعدی لکھتے ہیں ۔

تواضع سرِ رفعت افرازدت	تکبر بخاک اندر اندازدت
بگردن فتد سرکش و تند خو ۔	بلندیت باید بلندی مجو
تواضع کند ہوشمند گزیں	نہد شاخِ پرمیوہ سر بر زمیں

مثنوی معنوی میں مولانا روم لکھتے ہیں کہ تواضع اور عاجزی کے بڑے ثمرات مترتب ہوتے ہیں

تا نگرید ابر کے خندد چمن	تا نگرید طفل کے جوشد لبن
یا تضرع باش تا شاداں شوی ۔	گریہ کن تا بے دہاں خندہ شوی
کے برابر مے نہد شاہِ مجید	اشک را در وزنِ با خونِ شہید
زابرِ گریاں باغ سبز و تر شود	زانکہ شمع از گریہ روشن تر شود

۳۔ ترجمہ ۔ تو زینہ کے بغیر بامِ بلند پر نہیں چڑھ سکے گا اس لئے راہِ مجاز سے حقیقت کا طالب ہو۔

نردبان ۔ زینہ ۔ سیڑھی۔ بام ۔ گھر کی چھت ۔ اٹاری ۔

یعنی بام مراد پر پہنچنے کے لئے معراج کی ضرورت ہے جس کے بغیر بام وصال تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے تو بھی مجازی زینہ سے حقیقت کے بام تک رسائی حاصل کر۔

تو بت پرست و نظر باز شو کہ طبع ترا	مجاز مے برد آخر بجانب تحقیق ۳۸

اَلْمَجَازُ قَنْطَرَۃُ الْحَقِیْقَۃِ۔ انسانی ہستی کے لوازم اس کے مقتضی ہیں کہ اس کا مجاز کی طرف میلان ہو کیونکہ وہ فرشتہ نہیں انسان ہے اور انسان بوجہ اپنی ناقص العقلی اور ضعیف الخلقتی حقیقت منتظر کو لباس مجاز میں دیکھنے کے لئے مجبور ہے قلندر صاحب مکتوبات شریف میں مجاز و حقیقت کے متعلق لکھتے ہیں۔

"اگر عشقِ مجاز را بدانی بر عشقِ حقیقی دائم بمانی چوں حسنِ مجاز را از معنی بینی بر عشقِ حقیقت

آراں دل نشینی مجاز را چوں تراز دانی بر حسنِ حقیقت از عشق مانی چوں حقیقتِ حق نماید از حسنِ

خود عشقت ربابد" نیز دیکھو شعر ۲۵

۳۹ ترجمہ۔ پروانہ کی طرح تیز اجل کر مرنا اچھا نہیں بلکہ شمع کی طرح تیرا شغل سوز و گداز ہونا چاہیئے۔

ظاہر ہے کہ پروانہ شمع کو دیکھ کر بخواہش وصل فوراً اس کا شکار ہو جاتا ہے اور شمع دیر تک جلتی رہتی ہے گویا یہ اس کا دائمی شغل ہے قلندر صاحب اس لطیف تشبیہ سے عاشق کو ترغیب دلاتے ہیں کہ پروانہ کی طرح شمع رخ محبوب کا شکار ہو کر جان دے دینا قابل قدر نہیں بلکہ اگر تجھ کو عشق کا دعویٰ ہے تو شمع کی طرح ہمیشہ سوزاں و گریاں رہنے کا شغل اختیار کر اور یہی مرتبہ قابل ستائش ہے شیخ سعدی نے شمع اور پروانہ کا مخاطبہ لکھا ہے

شبے یاد دارم کہ چشمم نخفت	شنیدم کہ پروانہ با شمع گفت
کہ من عاشقم گر بسوزم رواست	ترا گریہ و سوز بارے چراست
بگفت اے ہوادارِ مسکین من	برفت انگبیں یارِ شیرین من
کہ اے مدعی عشق کارِ تو نیست	کہ نہ صبر داری نہ یارائے ایست
تو بگریزی از پیش یک شعلہ خام	من استادہ ام تا بسوزم تمام
ترا آتشِ عشق اگر پر بسوخت	مرا بیں کہ از پائے تا سر بسوخت
ہمہ گفت و میرفت دودش بسر	ہمیں بود پایانِ عشق اے پسر

قاعدہ ہے کہ اگر کسی کو یک لخت جان سے مار دیا جائے تو اسے صرف تھوڑی دیر کے لئے تکلیف ہوتی ہے جو کسی نہ کسی طرح گذر ہی جاتی ہے لیکن اگر کسی کو تکلیف دے دے کر مارنے کا قصد کیا جائے مثلاً

پہلے اُس کے پاؤں کاٹے جائیں پھر ہاتھ۔ پھر زبان قلم کر دی جائے حتیٰ کہ تمام اعضا یکے بعد دیگرے قطع کر کر پھر سر اُتارا جائے تو ایسی موت قبل الذکر موت سے زیادہ تکلیف دہ ہوگی لیکن جو شخص اس جان دوز امتحان میں پورا اترے اور تکلیف برداشت کر کے راضی برضا رہے اُس کا مرتبہ اور اجر کسی سے مخفی نہیں اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اگر تجھے حقیقی عشق ہے تو شمع کی طرح دائمی سوز و گداز اختیار کر۔ شہیدِ عشق حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا جانگداز واقعہ اسی قبیل سے ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ مجھے زاہد اور واعظ کی طعن و ملامت کی پرواہ نہیں کیونکہ میں تیرے قبلۂ ابرو کی طرف نماز پڑھتا ہوں۔

یعنی مجھے زاہدانِ خشک اور واعظانِ ریا کار کی طعن و ملامت سے ہراس نہیں کیونکہ میرا دل تیرے قبلۂ ابرو کی طرف مائل ہے۔

زاہدِ ظاہر پرست از حالِ ما آگاہ نیست	در حقِ ما ہر چہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست

۶۔ ترجمہ۔ تیرا شغل ستم و جور اور سرکشی ہے اور میرا کام تیرے سامنے عجز و نیاز ہے۔

مجھ کو میری بندگی مبارک رہے	تجھ کو تیری شانِ کبریائی

عبد کے خیالات ایسے ہی ہونے چاہئیں کیونکہ وہ محبوب کبریائی کے لائق ہے اور بندہ عجز و نیاز کے!

"عاشق ہمیشہ در افتقار باشد و معشوق ہمیشہ در افتخار بود زیرا کہ افتقار صفتِ عاشق است صفتِ لازمہ وجود و افتخار صفتِ معشوق است صفتِ جوہرے و ذاتے (سرالعشق)

از ما ہمہ عجز و نیستی مطلوب است	ہستیٔ تو العشق زما مسلوب است
ایں اوست پدید آمدہ در صورتِ ما	(جامی) ایں قدرت و فعل ازاں بہ منسوب است

۷۔ ترجمہ۔ تو جلی کون و مکاں کی طرف کب ملتفت ہو سکتا ہے جب کہ وہ بجز روئے دوست سب سے پرہیز کرتا ہے۔

ملتفت۔ التفات کرنے والا۔ توجہ کرنے والا۔ احتراز۔ پرہیز۔ کنارہ کشی۔

یعنی روئے دوست کے مقابلہ میں یوعلی دونوں جہاں کو ہیچ سمجھتا ہے اور ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کیونکہ اس کا متوجہ الیہ رخِ دوست ہے۔

غزل

مستم از بادۂ الست ہنوز	۱	ساغرم پر از مے است ہنوز
رفتہ از جائے پائے بلہوساں	۲	من بعشق تو پائے بست ہنوز
زانکہ در دیر ہم تو جلوہ گری	۳	مرد مانند بت پرست ہنوز
غافل از خود شدی مگر زاہد	۴	منکری زاں نگاہ مست ہنوز
رفت بر عرش و تا با و نہ رسید	۵	کہ فغان من است پست ہنوز
خاک راہ گشتم و بباد شدم	۶	دامنش نامدم بدست ہنوز

۷ بوعلی گرچہ شد دلم غربال
ہست انگشت با و شست ہنوز ۷

۱ ترجمہ۔ میں بادۂ الست سے ہنوز مست ہوں اور میرا ساغر شراب سے پر ہے۔
یعنی میں شراب الست سے ہنوز مست اور بے خود ہوں اور میرا جام اسی شراب سے لبریز ہے اسی لئے ابد تک میری مستی بحال رہے گی
من ازاں جام کہ در روز ازل نوشیدم (جامیں)، ہمچناں سرمست خواہم بود تا یوم النشور
۲ ترجمہ۔ ہوس پرستوں کے پاؤں جگہ سے ہل گئے لیکن میں ابھی تک تیرے عشق میں پابستہ ہوں
بوالہوس۔ جس کو ہوس زیادہ ہو۔ حریص۔ طامع۔
یعنی تمام طمع لوگ اپنے دعوی عشق سے ہٹ گئے لیکن میں ابھی تک اپنے عہد پر قائم ہوں۔
بروز میثاق جب خداوند کریم نے ارواح سے بالفاظ اَلَسْتُ بِرَبِّکُم اپنی ربوبیت کا اقرار لیا
تو اس کے جواب میں حضرت انسان نے بلیٰ کہا جس کے بعد عشق کی امانت اٹھا ... کی اس واقعہ
کی طرف اشارہ کرتے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ ... اس اقرار ... عہد میثاق پر قائم نہ رہے

اور عشق سے دست بردار ہو کر ہوس پرستی میں پھنس گئے لیکن میں اب تک اپنے وعدہ پر قائم ہوں قلندر صاحب ردیف خ میں بھی ایفائے عہد کا اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

عہد من با عشق باشد مستقیل الانفساخ	من بطفلی در کتاب خوب رویاں رفتہ

۳۔ ترجمہ۔ کیونکہ تو دیر میں جلوہ گر ہے اس لئے لوگ بت پرست ہیں۔

دیر۔ عبادت خانۂ ترسایاں۔ بت خانہ گنبد۔

مطلب صاف ہے کہ چونکہ دیر و حرم میں تیرا ہی جلوہ ہے اس لئے ناظر ہر جگہ تجھے ہی دیکھتے ہیں۔

کہ بارم بت بود من بت پرستم	ندارم ننگ و عار از بت پرستی

اسی مضمون پر ہے۔

آں بت را نگر ساکن بتخانہ نباشد	بہہ سجدہ کنی مارا کہ ما بت سے پرستم

بت پرستی کی تحقیق کے لئے دیکھو شعر ۱/۱، ۱۵/۱، ۲۵/۲، ۳/۴ ۔

۴۔ ترجمہ۔ تو خود سے غافل ہو گیا مگر زاہد اب تک اس نگاہ کا منکر ہے۔

یعنی جس نظارہ جمال اور نگاہِ دل ربا سے میں غیر حق سے غافل اور خودی سے بیگانہ ہو گیا زاہد اب تک اس چشم مست کا منکر ہے مراد یہ کہ اس کے ایمان کو قیام نہیں۔

۵۔ ترجمہ۔ عرش تک پہنچ گئی مگر اس تک نہ پہنچی کیونکہ میری آواز ابھی پست ہے۔

یعنی میری آواز عرش تک تو پہنچ گئی لیکن افسوس کہ گوشِ محبوب تک رسائی نہ ہوئی اس لئے کہ میری آواز ابھی پست ہے یعنی عرش سے آگے جانے کے قابل نہیں عاشقوں کا یہ شیوہ ہے کہ وصل کی تمنا میں روتے اور فریاد کرتے ہیں قلندر صاحب کا اشارہ بھی ایسی آہِ نارسا کی طرف ہے

۶۔ ترجمہ۔ میں اس کی خاکِ راہ ہو کر برباد ہو گیا لیکن اس کا دامن اب تک میرے ہاتھ نہ آیا۔

یعنی میں محبوب کی راہ میں خاک ہو کر خاک میں مل گیا اور میرے ذراتِ جسم کو ہوا اڑا کر لے گئی مگر دامنِ محبوب اب تک ہاتھ نہ آیا یعنی وصل حاصل نہ ہوا خواجہ حافظ عشقِ محبوب کی دولت سے سلیمانی کے مرتبہ پر پہنچ کر اپنی حرماں نصیبی کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں۔

یعنی از وصلِ تو اش نیست بجز باد بدست	حافظ از دولتِ عشقِ تو سلیمانی یافت

۷۔ ترجمہ۔ دل اگرچہ میرا دل بے جلنی ہو گیا لیکن اس کی آنکھ ابھی سرشست پر ہے

غربال چھلنی۔ شست۔ بالفتح۔ نام عدد۔ جسکو صادِ مہملہ کے ساتھ بھی لکھتے ہیں بشستر حجام۔ تار ساز۔ حلقۂ زلف و زنار۔ نیز۔ کانٹا جس سے مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں۔ مضراب۔ نر انگشت یہاں بمعنی تیر اور نشانہ استعمال ہوا ہے۔

یعنی میرے دل میں غربال کی طرح سوراخ ہو گئے اور تاب و تواں۔ صبر و تحمل جاتا رہا لیکن محبوب ابھی تک کمان بدست ہے یعنی جور و جفا اور خونریزی پر آمادہ ہے قلندر صاحب سر العشق میں معشوق کے اسی جنگ وجدال کی حقیقت بیان فرماتے ہیں۔

"کہ جنگِ معشوق صلح آمیز بود و صلح او جنگ آمیز تا طلب مزید شود و عشق سوکند گردد عاشقان کار افتادہ دل بباد دادہ دانند کہ در ابتدائے عشق جنگِ معشوق از عتاب و کرشمہ و ناز بود تا محکم گردد۔۔۔۔۔۔ در میانہ از تکاسب نور طبیر و ناز صید ان از پاک زلف سر چہ در ابتدا ار باد روئے نماید در آخر سکونِ سبب حرکت و حرکتِ سبب گفت و انتظار سبب نصرت حاصل آید"

غزل ۵۱

شیخ در عشقِ الٰہی وجد می‌کن یک نفس	۱	افسرِ بے‌عقل ہم می رقصد از بانگِ جرس
چوں بیاید عشق عقل از سر ہمی تازد بروں	۲	کے فنا بد در رہِ عشقِ تو عقلم را فرس
ہم صفیرانِ مرا کس در چمن گوید ز من	۳	ہمچو مرغِ نو گرفتارم نہاں اندر قفس
علم و عقلم را فروغِ جلوۂ روئے تو سوخت	۴	ہمچناں کز شعلۂ آتش بسوزد خار و خس
گر تو شوقِ نغمہ داری بشنو ایں فریادِ من	۵	ایں چنیں دلکش نمے باشد نوائے ہیچ کس
گر نبودے صد ہزاراں ہمچو من شیدائے تو	۶	وعدۂ وصلِ تو زاہر گز نبودے پیش و پس

تا نشود غافل ز دنیا تا نشود فارغ ز دیں
بوعلی را یک نظر از چشمِ شہلائے تو بس

ا ترجمہ۔ اے شیخ عشقِ الٰہی میں ایک دم وجد حاصل کر دیکھ بے عقل اونٹ بھی جرس کی آواز پر

قاعدہ ہے کہ اونٹ گھنٹی کی آواز پر مست ہو کر رقص کرتا ہے اور اسی دھن میں مست ہو کر طے مسافت کرتا ہے قلندر صاحب شیخ کو دعوت دیتے ہیں کہ حدی کو کہو اونٹ جیسی بے عقل چیز آواز جرس پر رقص کرتی ہے لیکن تو اشرف المخلوقات ہے کہ عشق میں جذب محبت حاصل نہ کرے تو حیف ہے

نہ بینی اشتر بر شعر عرب　　　　کہ چوں شوق بر رقص اندر آرد طرب

شتر را چو شور و طرب در سر است　　　　اگر آدمی را نہ باشد خر است.

۲۔ ترجمہ۔ جب عشق آیا عقل جاتی رہی بھلا تیرے عشق کے راستہ میں عقل کا گھوڑا کیسے دوڑ سکتا ہے

فرس۔ اسپ گھوڑا افرس اس کی جمع ہے۔

یہاں بھی عشق و عقل کا مقابلہ ہے کہ عشق کی دشوار گذار اور پیچ در پیچ منزلوں میں مرکب عقل دوڑنے سے عاری عاجز و قاصر ہے بلکہ عاشق کے جنون کا گھوڑا اور شوق محبت کی مہمیز زیادہ مفید ہو تاکہ منزل مقصود تک رسائی حاصل کرے

ہر نتابد عشق علم و عقل را　　　　ایں چنیں فرس دریں رہ سست لنگ

ظاہر ہے کہ تنگ اور پیچیدہ راستوں پر گھوڑا چل نہیں سکتا اور پھر مرکب عقل کا عشق کی وادی میں چلنا کچھ معنی رکھتا ہے

قدح پر شراب افیون کرد　　　　عقل را داد با شراب افیون

بند بکشاد و پردہ ہا بدرید　　　　شد سراسیمہ الجنون و فنون

۳۔ ترجمہ۔ میری صغیر و کبیری بابت یہ نہیں کہنا کہ میں مرغ گرفتار کی طرح قفس میں تڑپ رہا ہوں۔

باغ سے عالم ملکوت اور ریاض قدس جو انسان کی اصل ہے مراد ہے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں باغ ملکوت کا پرندہ عالم ناسوت کے پنجرہ میں مرغ گرفتار کی طرح تڑپ رہا ہوں اس لئے اے ہم صفیر و ہم بزم جاناں میں میری گرفتاری کا تذکرہ بھی کرنا۔ واقعی انسان کی اصل عالم ملکوت سے ہے ع مرغ باغ ملکوتیم دریں دیر خراب۔ لیکن وہ عارضی طور پر عالم ناسوت کے قفس میں گرفتار کیا گیا ہے یہاں پر وہ اپنی اصل سے واصل ہونے کی تمنا میں نالہ و فریاد کرتا ہے۔

۴۔ ترجمہ۔ تیرے چہرہ کی روشنی نے ہمارے علم و عقل کو ایسا جلایا جیسے آگ کا شعلہ سر خار و خس جلاتی ہے

یعنی میری عقل خس و خاشاک کے طرح شعلہ رخ محبوب کی شکار ہو گئی اور علم بھی اس علم کے متعلق قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ علم از برائے آبادانی عالم است پس عالم صاحب خشیت باید انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء از آبادی عالم راست شود و عشق برائے خرابی عالم است المحبۃ نار و الشوق لہبۃ پس عاشق صاحب تخریب باید تا آتش عشق ہر دو کون سوزد

آگ اور خس و خاشاک میں معاملہ نہایت نازک اور زود اثر ہے۔

۵۔ ترجمہ ۔ اگر تو نغمہ کا شوق رکھتا ہے تو میرے پاس آواز سن کیونکہ ایسی دلکش آواز کسی شخص کی نہیں
مراد یہ کہ اگر تجھے نغمہ و سرود سننے سے دلچسپی ہے تو مجھ سے سن کیونکہ میرے جیسا خوش الحان
گویا تجھے کہیں نہیں ملے گا۔

اف رے عشق تیری طنّاعی! اشرف اپنی خوش الحان آواز سے محبوب کو مست کرنا چاہتے
ہیں تاکہ کسی طرح مجھ پر کبھی الطاف و اکرام کی نظر ہو۔

۶۔ ترجمہ ۔ اگر میری طرح تیرے سو ہزار عاشق ہوتے تو تیرے وصل کا وعدہ ہرگز پس و پیش نہ ہوتا
مراد یہ کہ عاشقِ صادق کمیاب ہیں لہٰذا طلب صحیح نہیں ورنہ تیرا ایفائے عہد آسان ہوتا غرض یہ کہ
بہت سے عاشق مل کر تجھے راضی کر لیتے

اس کے جلوے کا اگر دیکھنے والا ہوتا	حشر پہ دید کے وعدے کو نہ ٹالا ہوتا
ہم سا ایک اور اگر چاہنے والا ہوتا	دونوں عالم سے تجھے ڈھونڈھ نکالا ہوتا

۷۔ ترجمہ ۔ تاکہ بکلی دنیا اور دین سے فارغ ہو جائے اگر تیری چشم شہلا کی ایک نظر کافی ہے
شہلا ۔ وہ عورت جس کی آنکھیں بھیڑ کی مانند ہوں یعنی چشم عورت اور نرگس کے پھول کی ایک
قسم کا نام ہے جو بجائے زرد ہونے کے سیاہ ہوتا ہے انسان کی آنکھ کو اس سے تشبیہ دیتے ہیں اور شہلا
سیاہ چشم جو مائل بہ سرخی ہو۔

خواہش کہ مجھے اپنی نرگس شہلا سے ایک نظر دیکھ تاکہ میں عوائق دین اور علائق دنیا سے فارغ ہو جاؤں
حقیقت یہ ہے کہ محبوب کی نرگس شہلا اور چشم مست کے متوالے دنیا و مافیہا سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں
چنانچہ ایک نظر باز کہتا ہے

چشم محبوب کے بس ایک ہی نظارہ ہیں	دونوں عالم سے کیا قطع تعلق ہم نے

غزل ۵۲

آمد اندر گوش ہم آواز سروش ۱	کاے قلندر ساغرے از بادہ نوش
بادہ کز لمعاتش سوز جہان ۲	چوں بخم بادہ مے آید بجوش

بادہ کز جرعۂ آں بے گماں ۳ قدسیاں را مے نہ ماند عقل و ہوش

بادہ کز مستی آں سنگری ۴ ہم زمین و ہم زماں را در خروش

بادہ کز جلوۂ آں مے شود ۵ روضۂ رضواں دکانِ مے فروش

بادہ کز وے بدوشش مے کشند ۶ ہر کہ را سجادہ مے باشد بدوش

بادہ کز قلقلِ مینائے آں ۷ آیۂ لاتقنطوا آید بگوش

بادہ کز تندی و تلخی خویش ۸ ہست رندانِ ازل را عیب پوش

بادہ کاندر ثنائے آں شرف ۹
می نہ باید شد قلندر گر خموش

اس پوری غزل میں قلندر صاحب نے شرابِ محبت کی خصوصیات اور اس کی تاثیرات بیان فرمائی ہیں۔ یہ غزل قلندر صاحب کے شاعرانہ کمال اور ید طولیٰ کا بہترین نمونہ ہے۔

۱۔ ترجمہ۔ میرے کان میں جبرائیل کی آواز آئی کہ اے قلندر ساغرِ شراب نوش کر۔

سروش: بضمتین۔ مراد از جبرائیل علیہ السلام اور ہر ایک فرشتہ کا نام جو خوشخبری لاوے۔

۲۔ ترجمہ۔ وہ شراب کہ جب خم میں جوش مارے تو اس کی روشنی سے جہاں جل جائے۔

لمعہ جلوہ۔ روشنی۔ چمکانا اس کا جمع لموع ہے خُم یعنی شراب کا برتن۔ صراحی۔

یعنی ایسی شراب پی جس کی حدت سے جہاں جل کر خاک ہو جائے یا جس سے تیری وہمی ہستی اور تعینات کا حجاب دور ہو جائے اور تجھ پر عین مستی اور بیخودی کی کیفیت طاری ہو جس کا اثر ساکنانِ جہاں پر بھی پڑے

۳۔ ترجمہ۔ وہ شراب جس کے ایک جرعہ سے قدسیوں کو ہوش نہ رہا۔

یعنی جس سے قدسی بھی بیخود اور مدہوش ہیں۔

۴۔ ترجمہ۔ وہ شراب جس کی مستی سے تو زمین و آسماں کو شور میں دیکھتا ہے۔

خروش۔ شور غوغا۔ از خروشیدن

یعنی جس شراب سے ارض و سما میں ایک عجیب شور برپا ہے ظاہر ہے کہ آسمان گردش کرتا ہے اور

اور دنیا آگے ہی شورہ نشینوں کا مقام ہے مگر قلندر صاحب نے وجہ خوب بیان کی۔

خرد مست و ملائک مست و جاں مست   ہوا مست و زمیں مست آسماں مست

۵ ترجمہ۔ وہ شراب جس کے جلوہ سے روضۂ رضواں بھی میفروشی کی دکان ہے۔

رِضواں۔ بالکسر خوشنودی اور ایک فرشتہ کا نام ہے جو بہشت کا دربان اور متوکل ہے

یعنی ایسی شراب پی جس کی باغ رضواں میں بھی گرم بازاری ہے۔

۶ ترجمہ۔ وہ شراب جس سے کل پی لینے پیر اُن نے جس کے دوش پر سجادہ ہے۔

دوش۔ کل یعنی بروز پیشان۔ کندھا۔

یعنی وہ شراب پی جو بروز پیشان پی تھی جس کی وجہ سے آج تک سجادہ نشینان جہاں سجادہ بدوش ہیں

مراد یہ کہ اُن کی مستی اور بیخودی سے زہد خشک اور سجادۂ ریا کو انہوں نے ترک کر دیا ہے سجادہ بدوش ہونے

سے دست بردار ہونا مراد ہے

ہر جا کہ رسد بوئے تو صفا کہ نہ ماند   یک گوشہ نشین بر سر سجادہ تقویٰ

مصرع اولیٰ میں دوش بمعنی کل اور مصرعۂ ثانی میں بمعنی کندھا استعمال ہوا ہے لہذا دونوں میں صنعت تجنیس ہے

۷ ترجمہ۔ وہ شراب جس کی قلقل سے آیت لاتقنطو کی آواز کان میں آتی ہے۔

قُلقُل بضم ہر دو قاف چونکہ صراحی کا منہ تنگ ہوتا ہے اس لئے شراب یا پانی نکلتے وقت

ایک آواز آتی ہے جسے قلقل کہتے ہیں۔

یعنی ایسی شراب پی جس کے پینے سے خداوند قدوس کی شان جمالی کا ظہور ہو اور جسے آیت کریمہ

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ کا

مژدہ سنائیں۔ کہتے ہیں کہ تمام آیات قرآنی سے یہ آیت بہترین اور امید افزا ترین ہے پس جس شراب کے پینے سے بقول

سرور ربّ العالمین کی شان جمالی کا ظہور اور لاتقنطو من رحمتہ اللہ کا جاں نواز مژدہ سنایا جائے اس کا پینا بے

شک افضل ترین عبادت ہے۔

۸ ترجمہ۔ وہ شراب جو اپنی تیزی اور تلخی سے رندانِ ازل کی عیب پوش ہے۔

یعنی شرابِ محبت گو تیز اور تند ہوتی ہے لیکن رندانِ ازل کی عیب پوش ہو اُلٹا اسے نوش کر

۹ ترجمہ۔ اے شرف ایسی شراب کی تعریف میں تجھے ہرگز خموش نہ رہنا چاہئے۔

یعنی ایسی شراب نوش کر کے خاموش رہنے کی بجائے مجھے اس کے فوائد کی تبلیغ کرنی چاہیے مراد یہ کہ خود پی اور دوسروں کو پینے کی ترغیب دے۔

غزل ۵۴

هر کہ بر وے باشدت الطافِ خاص ۱ مے نیابد از کمندِ تو خلاص

دست از جانش بشوید بایدش ۲ مے زند ہر کس کہ لافِ اختصاص

گر مرا کشتن ہمے خواہی بکش ۳ مے نیارم بر زباں حرفِ مناص

دوش می پرسید یک زاہد ز من ۴ چیست اندر بادۂ گلگوں خواص

اے شرف تا نشنوم ہذیانِ خلق ۵
بایدا ندر گوشم افگندن رصاص

۱ ترجمہ۔ ہر وہ کہ جس پر تیرا خاص لطف ہو تیری کمند سے رہائی نہیں پاتا۔

یعنی جس شخص پر تیری نظرِ عنایت و لطف ہو وہ تیرے دامِ محبت سے رہائی نہیں پا سکتا مراد یہ کہ وہ ہر وقت رحمت و شفقت کا امیدوار رہتا ہے۔

زچنگِ زلفِ کمندت کسے نیافت خلاص حافظا نہ از کمانچۂ ابرو و تیرِ غمزہ نجات ح۔

ظاہر ہے کہ جب دام میں پھنسا تو نکل نہیں سکتا مگر یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جانوروں کی اسیری رہائی سے انہیں مجبور کر دیتی ہے مگر عاشق کو جذبۂ شوق کمندِ الفت سے نکلنے نہیں دیتا۔

۲ ترجمہ۔ جو شخص لافِ اختصاص مارتا ہے اُسے اپنی جان سے ہاتھ دھو لینا چاہیے

اختصاص۔ خصوصیت ظاہر کرنا۔ بڑائی ظاہر کرنا۔

یعنی جو شخص زمرۂ خاصان میں سے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اُس کو ہمیشہ سر بکف رہنا چاہیے۔

۳ ترجمہ۔ اگر تو مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو کر میں اپنی زبان پر حرفِ مناص نہ لاؤں گا۔

مناص۔ جائے انکار۔ رضا و تسلیم کا بہترین نمونہ ہے۔

بیاد شیخ بیاد بیز و خون سبنده ہر بیز ۲۲۲ — کہ خون من نشود روز حشر دامن گیر

۴ ترجمہ۔ کل ایک زاہد مجھ سے پوچھتا تھا کہ شراب گلگوں کی خاصیت کیا ہے۔

گلگوں۔ سرخ رنگ۔ شراب بھی سرخ ہوتی ہے اور شیریں کے گھوڑے کا نام جو خسرو پرویز کی ملکہ اور فرہاد کی معشوقہ تھی مجازاً ہر اچھے گھوڑے کو گلگوں کہتے ہیں۔

یعنی کل ایک زاہد مجھ سے پوچھتا تھا کہ شراب محبت میں کیا کیا خواص ہیں مراد یہ کہ زاہد شراب محبت کی لذت سے ناآشنا تھا اس لئے پوچھتا تھا کہ بادۂ الفت کی خاصیت کیا ہے ممکن ہو کہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ ذخواص بتائی ہوں۔

۵ ترجمہ۔ اے شرف مجھ چاہیے کہ اپنے کانوں میں قلعی ڈال لوں تاکہ مخلوق کی بیہودہ باتیں نہ سنوں۔

رصاص۔ بفتح اول۔ ارزیز قلعی جس کو ہندی میں رانگ کہتے ہیں ہذیان۔ بیہوشی میں بیہودہ باتیں کرنا۔

یعنی مخلوق کی بدکلامی سے اپنے کانوں کو بچانے کے لئے لازم ہے کہ ان میں قلعی ڈال لی جائے یعنی مطلق بہرہ ہو جانا چاہیئے تاکہ اس عذاب سے جو ایسے لوگوں کے حق میں مقرر ہے پناہ ملے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے روز چغلخوروں کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اس عذاب بھگتنے کو بہتر یہ ہے کہ ایسی بیہودہ باتیں سنی ہی نہ جائیں۔

غزل ۵۴

ز کوے تو نتوانم کہ من کنم اعراض ۱ کہ بلبلم ز کوے تو روضہ زریاض

جمالِ تو چوں بذرات دو جہان سار بیست ۲ بخلوتے نہ نشینم چوں زاہد مرتاض

تو جان و دل ندہی از جام بادہ دہ ۳ تو چوں بخیل نشوی ساقی است چوں فیاض

ز دہر قطع تعلق بباید ست کردن ۴ چنان کہ قطع شود جامہ لز از مقراض

جمالِ ذات وصفاتش بجلوہ آمدہ است ۵ ببیں بچشم بصیرت جواہر و اعراض

ہمیشہ ہجوم کند بر روان و دل وسواس ۶ چنان کہ حملہ کند بر توان و تن امراض

شرف خدا و خودی جمع کے نشود ز نیسان ۷ چنان کہ ہست بچشم جہان سواد و بیاض

ا۔ ترجمہ۔ میں تیرے کوچہ پر اعراض نہیں کر سکتا کیونکہ میں تیرے روضۂ ریاض کی گل کا بلبل ہوں

اعراض۔ بالکسر۔ روگردانی کرنا۔ منہ پھیرنا۔ اور بالفتح متاعہا۔ بیماریہا۔ اور اصطلاحِ اطباء میں اس عرض کو کہتے ہیں جو کسی خاص مرض سے پیدا ہو جیسے صداع۔ تپ سے پیدا ہوتا ہے و جمع عرض جوہر کے مقابلہ میں ہوتا ہے مثلاً اگر کپڑے پر رنگ ہو اور کاغذ پر حروف تو کاغذ اور کپڑے کو جواہر کہیں گے کیونکہ یہ بذاتِ خود قائم ہیں اور رنگ و حروف کو جن کا وجود کاغذ اور کپڑے کے توسط سے قائم ہو اعراض کہیں گے کیونکہ یہ بذاتہٖ قائم نہیں بلکہ توسل کے محتاج ہیں اور اعراضِ نفسانی سے غم و ہم فزع و فرح و خجلت مراد ہوتی ہے۔

مطلب یہ کہ کوئے محبوب سے میرا سکون تبدیل نہیں ہو سکتا کیونکہ میں اس کی گل کا بلبل ہوں اور بلبل کا قیام ہمیشہ باغ و بہار میں ہوتا ہے یا عشقِ محبوب سے میں دست بردار نہیں ہو سکتا کیونکہ میرا شیوہ یہی ہے۔

نقش بیٹھا ہے مرا کوچۂ جاناں میں امیر	کیا نگہبانوں کی طاقت کہ اٹھائیں مجھ کو

۲۔ ترجمہ۔ جب تیرا جمال دونوں جہاں کے ذرہ ذرہ میں جاری و ساری ہے تو میں زاہد مرتاض کی طرح گوشے میں نہیں بیٹھتا۔

زاہد۔ وہ شخص جو دنیا کی رغبت اور خواہش نہیں رکھتا اور دنیا کے مال و جاہ و ننگ و ناموس سے بے تعلق ہو کر

مرتاض۔ بضم میم۔ ریاضت کرنے والا صاحبِ ریاضت اور اہلِ تصوف کی اصطلاح میں نفسِ سرکش کا رام کرنا ریاضت کہلاتا ہے۔ عبادت میں رنج کھینچنا۔ علم و ہنر۔

کثرت میں وحدت کے ظہور کا بیان ہے کہ جب ہماری جلوۂ محبوب سے وابستہ ہے اور ارض و سما میں وہی نورِ مطلق جاری و ساری ہے تو میں مرتاض زاہد کی طرح گوشہ نشین کیوں ہوں اور مظاہرِ کائنات میں دفترِ معرفت کا مطالعہ کیوں نہ کروں جبکہ جلوۂ محبوب کسی خاص جگہ کے لئے مخصوص نہیں شیخ سعدی شیرازیؒ موسمِ بہار میں سیر گلزار کو گوشہ نشینی پر ترجیح دے کر فرماتے ہیں۔

بامدادان که تفاوت نکند لیل و نهار	خوش بود دامنِ صحرا و تماشائے بهار
صوفی از صومعه گو خیمه بزن در گلزار	وقت آں نیست که در خانه نشینی بیکار
کوه و دریا و درختاں همه در تسبیح اند	نه همه مستمعاں فهم کنند ایں اسرار
بلبلاں وقتِ گل آمد که بنالد از شوق	نه کم از بلبل مستی تو بنال اے هشیار

۳۔ ترجمہ۔ تو جان و دل نہیں دیتا وہ جام سے شراب دیتا ہے تو بخیل اور ساقی فیاض ہے۔

مراد یہ کہ تو عشق میں جان و دل دینے سے بخل کرتا ہے حالانکہ ساقی ازل تجھے شراب دیتا ہے یعنی تو واہب العطیات کے انعامات اور نعمات کا شکریہ ادا نہیں کرتا اس لئے تو بخیل ہے اور ساقی فیاض۔

ہرگز عطائے ساقئے ما را کرانہ نیست للظرفی از تنگ ظرفی است کہ پیمانہ پر نداست

۴ ترجمہ۔ تجھے جہاں سے قطع تعلق کرنا چاہئے جیسا کہ ترا جامہ مقراض سے قطع ہوتا ہے

مقراض۔ قینچی۔

یعنی تجھے جہان اور اہلِ جہان سے اس طرح تعلق قطع کرنا چاہئے جیسے قینچی جامہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے مراد یہ کہ تیرا کسی قسم کا تعلق جہان سے وابستہ نہیں رہنا چاہئے۔

دنیا را ہے بہشت منزل گاہے ایں ہر دو بنزدِ اہلِ معنی کاہے
گر عاشق صادقی ز ہر دو بگذر (اوحدیؒ) تا دوست ترا بخود نماید راہے

۵ ترجمہ۔ اس کی ذات و صفات کا جمال جلوے میں آیا ہے تو چشم بصیرت سے قدیم حدث کو دیکھ
جواہر و اعراض کی معنوی و لغوی تحقیق کے لئے دیکھو مطلع غزل ہذا یہاں مراد قدیم حدث ہے
یعنی ذات و صفاتِ باری تعالےٰ کا جمال کائنات کے ہر ذرہ میں جلوہ نما ہے اگر تو چشم بصیرت رکھتا ہے تو اس سے تجلیاتِ ذات و صفات کو دیکھ اور ساتھ ہی اعراض یعنی کائنات اور اپنی ہستی کا مشاہدہ بھی کر جو جواہر کے عرفان اور شناخت کا ذریعہ ہے اس شعر میں جواہر سے مراد ذاتِ احدیت مآب ہے جو بغیر وسیلہ کے بذاتہٖ قائم قدیم اور زندہ ہے اور اعراض سے کائنات مراد ہے جو وسیلہ کی محتاج اور حادث ہے

۶ ترجمہ۔ روح اور دل پر وسواس اس طرح ہجوم کرتے ہیں جیسے جسمانی طاقت پر امراض حملہ کرتے ہیں۔
زوال۔ بضم اول روح و جان۔ نوال۔ بضم۔ زور قوت و طاقت و بالفتح اول بمعنی خطا۔
مراد یہ کہ روح اور دل پر وساوسِ شیطانی اس طرح یورش کرتے ہیں جس طرح امراض جسم انسانی کو بے تاب و نزار کر دیتے ہیں امراض سے جسمانی طاقت کم ہو جاتی ہے اسی طرح وسواس الخناس روح اور دل کی استعداد کے لئے نقصان رساں ہیں اعوذ باللہ من شر الوسواس الخناس۔

۷ ترجمہ۔ اے شرف خدا اور خودی اس طرح کب جمع ہو سکتے ہیں جیسے جہان کی آنکھ میں سفیدی اور سیاہی ہے
سواد۔ سیاہی۔ تاریکی بیاض۔ سفیدی۔ روشنی۔
چشم انسان اور جہان میں سفیدی اور سیاہی دونوں موجود ہیں لیکن قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ ان

میں سفیدی و سیاہی کا یکجا ہونا تو لازمی ہے مگر ایک وجود میں خدا اور خودی کا جمع ہونا ممکن نہیں یعنی خودی میں خدا سما نہیں سکتا۔

تا تو زی کے یار گردد یارِ تو چوں نباشی یار باشد یارِ تو

سلطان ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ خودی سے بچنے کی ترغیب میں فرماتے ہیں

گر صیدِ عدم شوی ز خود رستہ شوی در در صفتِ خویش روی بستہ شوی
میداں کہ وجودِ تو حجابِ رہِ تست با خود منشیں کہ ہر زماں خستہ شوی

اسی مضمون کی وضاحت کے لئے دیکھو شعر ۳/۵۶، ۱۸/۱۰، ۲۴/۱، ۴۷/۳۱، ۵۵/۶۔

غزل ۵۵

بوالہوس باشد اسیرِ خال و خط ۱ عشقِ ما ہرگز نباشد زیں نمط
در نگاہِ ما ہمہ عالم یکیست ۲ چوں نقطِ پیوستہ و پنہاں بخط
چوں نگاہ گردد بکثرت آشنا ۳ خط شود پنہاں و ہم پیدا نقط
آگہ از رازِ تہِ دریا شوی ۴ گر شوی غواص و نشینی بشط
ہست گوہر در تہِ دریا نہاں ۵ تو شناکردن ہمی خواہی چو بط
لوحِ ہستی را صفا خواہی اگر ۶ محو کن خود را تو چوں حرفِ غلط
گاہ می سے نوش و گاہے کن نماز ۷ زاہدا خیر است خیر اندر وسط

آں کہ از دنیا بترسد گیرد کنار
می نہ خواہد کہ در دنیا شطط

ترجمہ۔ بوالہوس خط و خال کا اسیر ہوتا ہے لیکن ہمارے عشق میں یہ دستور نہیں۔
نمط بچھونا۔ فرش، قالین۔ روش۔ دستور۔

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا — سرخ و سفید مٹی کی مورت ہوئی تو کیا

یعنی عام اور بوالہوس لوگ ظاہری صورت اور ٹیپ ٹاپ کے دلدادہ ہوتے ہیں لیکن ہمارا عشق اس دستور سے مستثنیٰ ہے کیونکہ عشق حسنِ صورت سے نہیں بلکہ حسنِ سیرت سے مختص ہے عاشق کے دل میں جو چیز پیدا کرتی ہے وہ ایک ناقابلِ بیان نکتہ ہے

لطیفہ ایست نہانی کہ عشق ازو خیزد	کہ نام آں نہ لبِ لعل و خطِ زنگاریست
جمالِ شخص نہ چشم است و زلف و عارض و خال	ہزار نکتہ دریں کار و بارِ دلداریست (حافظ)

گویا چشمِ مست اور شمعِ عارض یا خالِ سیاہ اور زلفِ مشکبو عاشق کو فریفتہ کرنے کے اسباب نہیں بلکہ سرِ عشق ایک نکتہ ہے جو ناقابلِ بیان ہے جس پر عاشق اپنی جان نثار کرتا ہے۔

حسن میمندی سے لوگوں نے دریافت کیا کہ سلطان محمود کے اتنے جمیل غلام تھے کہ ہر ایک بجائے خود حسن کا دعویدار تھا مگر کسی سے سلطان کو اتنی الفت نہ تھی جتنی ایاز سے تھی جو زیادہ جمیل بھی نہ تھا حسن نے جواب دیا "ہرچہ در دل فرود آید در دیدہ نیکو نماید"

(عرفی)	خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست — بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست	(نظیری)

۲۔ ترجمہ۔ ہماری نظر میں تمام جہان ایک ہی ہے جیسا کہ خط میں نقطہ پنہاں ہوتا ہے۔

۳۔ ترجمہ۔ جب نگاہ کثرت سے آشنا ہو جاتی ہے تو خط چھپ جاتا ہے اور الفاظ پیدا ہو جاتے ہیں۔

یہ دونوں اشعار قطعہ بند ہیں جن میں قلندر صاحب نے وحدت اور کثرت کے متعلق ایک مثال لکھی ہے کہ جیسے ایک خطِ مستقیم میں کئی نقطے پنہاں ہوتے ہیں یہی معاملہ وحدت اور کثرت میں ہے دراصل عالمِ کثرت کا ظہور اسی چشمۂ نور کے جمالِ جاں فزا سے ہے اور کائنات کے مظاہر کو اگر بنظرِ عمیق دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز میں نورِ مطلق جلوہ ریز ہے جو پردۂ کثرت سے باہر نکل کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو رہا ہے سرّ العشق میں قلندر صاحب وحدت اور کثرت پر ایک اور مثال لکھتے ہیں۔

"کہ در چشم و چشمہ یک صاحبِ نقطہ است سہ در چشم و چہار در چشمہ این سہ را بگو

سہ دہ بدیں بصیرت دریں نقطہ کہ بر نون جمع است نظر کن و صفتِ وجود را از وحدت خبر کن"

در نقطہ اگر سرِ سخن می بینی	از حرفِ مقدس آنچہ خواہی بنگر

"ہندستان سرِ این سخن در رقم و صفر باز یابند مثلاً یکے بود بہ صفر دہ بود در بود بہ صفر

بست گردد چوں رقم محو کنند صفر ہیچ بود و چوں صفر از یکے محو کنند از کثرت بوحدت باز آید و یکے شود چنانکہ در ہر رقمے بواسطہ صفرے معنے پدید مے آید کہ بیش از اں نبودہ است اگرچہ بے ازاں نبودہ است در ہر حرفیکہ منقوط است ارباب بصیرت را از نقطہ معنی ظاہر مے شود کہ بواسطہ آں از حرف استغنا پدید مے آید"

زہر یک نقطہ زیں دور مسلسل ہزاراں شکل مے گردد مشکل

زہر یک نقطہ در دگشت دائر ہموں مرکز ہموں دور دور سائر

یکے خط است ز اول تا بآخر براو خلق جہاں گشتہ مسافر

مراد یہ کہ جس طرح خط میں نقطے پنہاں ہیں اور نقطوں میں خط یہی راز وحدت اور کثرت میں ہے۔

۴۔ ترجمہ۔ تو دریا کی تہ کے راز سے آگاہ ہو اگر غواص بنے اور کنارے پر نہ بیٹھے۔

۵۔ ترجمہ۔ کیونکہ موتی دریا کی تہ میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور تو بطخ کی طرح شنا وری کرنا چاہتا ہے

شط۔ کنارۂ دریا۔ دریا۔ جو۔ غواص۔ غوطہ خور۔ بط۔ شراب کی صراحی ہوا۔ گرد۔ آب و آتش اور بطخ مشہور آبی جانور ہے۔ شنا کردن۔ شناوری کرنا۔ تیرنا۔

یہ دونوں اشعار بھی قطعہ بند ہیں کہ گوہر ہائے آبدار دریا کی تہ میں پوشیدہ ہوتے ہیں اس لیے غواص بن کر دریا کی تہ تک پہنچنا چاہیئے کنارے پر بیٹھ رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا شعر ثانی کا دوسرا مصرعہ مثالیہ ہے کہ بطخ پانی کے اوپر تیرتی ہے لیکن پانی کی تہ تک پہنچ نہیں سکتی اس لئے کیڑے وغیرہ گندی چیزیں حاصل کرتی ہے لیکن اصلی چیز کی لذت سے محروم رہتی ہے۔

اصطلاحی مطلب یہ ہے کہ بحر وحدت ایک ناپیدا کنار سمندر ہے اور گوہر آبدار یعنی محبوب مطلق کی ذات کا عرفان اس کی تہ میں پوشیدہ ہے اس لئے طالب کو چاہیئے کہ کنارے پر نہ بیٹھے بلکہ آنکھیں بند کر کے دریا میں کود کر تہ نشین ہو جائے تا کہ گوہر مقصود ہاتھ آئے کیونکہ بطخ کی طرح پانی کے اوپر تیرنے سے وہ موتی ہاتھ نہیں آتا بلکہ بجائے اس کے تن آلودگی ہو جاتی ہے۔

دریں دریا فگن خود را کہ تا زرے بدست آری کزیں دریائے بے پایاں گہر بسیار مے خیزد

۱۔ ترجمہ۔ اگر تو لوح ہستی کو صاف کرنا چاہتا ہے تو خود کو غلط حرف کی طرح مٹا دے

محو۔ زائل ہونا۔ گم ہونا۔ اور اصطلاح صوفیائے کرام میں وجود سالک کا زائل ہونا اور اثبات ان افعال

ہے محو ہونے کے بعد اس کی حقیقت کا یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ ۔ محو کے تین مراتب ہیں

۱۔ درجۂ اولیٰ یعنی صفاتِ ذمیمہ اور اعمالِ بد کو زائل کرنا۔

۲۔ درجۂ وسطیٰ یعنی مطلق صفاتِ حمیدہ اور ذمیمہ کو مٹا دینا۔

۳۔ درجۂ اعلیٰ یعنی محوِ ذات ۔ جاننا چاہیئے کہ سالک کو ہر محو کے مقابلہ میں ایک اثبات حاصل ہوتا ہے اس مقام پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ "محوِ نظری است نہ محوِ عینی یعنی نفیِ سالک از نظرِ او زائل می گردد نہ آں کہ در نفس الامر محو شود کہ آں الحاد و زندقہ است"

"قاعدہ ہے کہ غلط اور ناپسندیدہ حرف کو عموماً مٹا دیا جاتا ہے تاکہ کاغذ پر اس کا نشان نہ رہے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اگر تو اپنی لوحِ ہستی کو پاک اور صاف کرنا چاہتا ہے تو اپنی خودی اور آثار و صفات کو حرفِ غلط کی طرح محو اور زائل کر دے اور بے خودی اختیار کر تاکہ تیری ہستی آئینہ روشن کی طرح جھلا ہو جائے اسی مضمون پر سلطان ابوسعیدؒ نے خوب نکتہ پیدا کیا ہے فرماتے ہیں

دل خستہ و سینہ چاک مے باید شد	و ز ہستیِ خویش پاک مے باید شد
آں بہ کہ بخود پاک شویم اوّل کار	چوں آخر کار خاک مے باید شد

۷ ترجمہ ۔ کبھی شراب پی اور کبھی نماز گزار اے زاہد بہتر وسط میں ہے ۔

حدیث میں آیا ہے خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا کام وہی اچھا ہے جو اوسط درجہ پر کیا جائے یہی مضمون شعر زیرِ تفسیر میں ہے کہ اے زاہد نماز بھی پڑھ لیکن کبھی کبھی شرابِ عشق کا ایک جرعہ بھی نوش کر لیا کر کیونکہ نماز معراج المومنین ہے اور شرابِ بیخودی وصالِ محبوب کا اچھا ذریعہ ہے اس لئے اس پر عمل بھی کر۔

۸ ترجمہ ۔ اے شرف جو دنیا سے کنارہ کرتا ہے وہ دنیا پر ظلم کرنا نہیں چاہتا

شَطَطْ ۔ یعنی ۔ اندازہ یا حد سے گزرنا ظلم کرنا

یعنی جو مردِ حق دنیا اور اہلِ دنیا سے کنارہ کش ہے وہ کسی کے درپے آزار نہیں ہوتا مومن کی علامت یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو آزار نہ پہنچے ۔

غزل ۵۶

زاہدا از جامِ مے پرہیزگاراں راچہ حظ ۱ واز نماز و روزہ و حج میگساراں راچہ حظ

ماکہ از مے بیخودیم و گہ ز دیدارِ نگار ۲ واعظا زیں بیخودیہا ہوشیاراں راچہ حظ

دیدہ باشند از رخِ آں دوست ناوک جلوہ ۳ ورنہ از احیائے شب شب زندہ داراں راچہ حظ

چوں ندارد جلوۂ حسن و جمالِ شاں ثبات ۴ از تغافلہائے خود ایں گلعذاراں راچہ حظ

چوں نباشد جز وصالِ یار درمانے مرا ۵ پس ز شغلِ چارہ سازی غمگساراں راچہ حظ

گر نہ برداری نقاب از عارضِ خود گاہ گاہ ۶ از امیدِ وصلِ تو امیدواراں راچہ حظ

چوں شرقؔ دل را بدار در کمندِ نازِ تو ۷
ورنہ اندر رستگاری رستگاراں راچہ حظ

ا ترجمہ۔ اے زاہد جامِ شراب سے پرہیزگاروں کو کیا لطف ہے اور رندوں کو نماز روزہ اور حج سے
حظ۔ بالفتح والتشدید۔ بہرہ و نصیب۔ بہارِ عجم میں لکھا ہے کہ اہلِ فارس خوشی اور خرمی کے معنوں میں
استعمال کرتے ہیں۔

زاہدانِ ظاہر پرست اور صوفیانِ صفا باطن کا مقابلہ ہے کہ زاہد لوگ جامِ شراب کے ذائقہ اور لطف
سے ناآشنا ہیں۔ اور بادہ نوشانِ وحدت کو نماز روزہ اور حج میں جن کی بنا ریا و نمائش پر ہو لطف نہیں آتا۔

۲ ترجمہ۔ ہم کہ شراب اور دیدارِ محبوب سے بے خود ہیں اے واعظ ایسی بیخودی سے ہوشیاروں کو کیا حظ ہے
یعنی میخواروں اور شاہد بازوں کو بیخودی میں جو لطف و سرور حاصل ہوتا ہے وہ تمہیں معلوم ہے کیونکہ
ہم نے مستوری کے عوض مستی خرید کی ہے جس کو ہوشیار نہیں جانتے۔

لطف مے تجھ سے کیا کہوں واعظ ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

اسی مضمون پر ہے۔

بردار لحظہ نادان ز بزم مے خراماں   دل مستان چہ کار است ہوشیاران را

۳ ترجمہ - اس دوست کے رخسار سے تو نے شاید اسپارہ دیکھا ہو گا ورنہ رات کی زندگی سے شب بیداروں کو کیا لطف ہے

عارفان شب زندہ دار ہوتے ہیں جن سے مراد تجلیات محبوب کا ورود ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ شاید عاشقان شب بیدار مشاہدۂ انوار تجلیات سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں اگر ایسا نہیں تو شب بیداری سے انہیں لطف کیا ہے مراد یہ کہ عاشقوں کا مقصود اس شب خیزی کو مشاہدۂ انوار و تجلیات ہوتا ہے مولانا جامی قلندر صاحب کے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں

دیدہ بخواب جامی گشت زماں برخ بہرہ مند	از فروغ ماہ بجز شب زندہ داراں را چہ حظ

مولانا نے یہ غزل قلندر صاحب کے تتبع میں لکھی ہے اور یہ خیال بھی قلندر صاحب کا لیا ہے قلندر صاحب کے اس شعر میں غالباً کی قید تھی مولانا نے یہ بھی اڑا دی۔

۴ ترجمہ - جب ان کے حسن و جمال کو قیام نہیں تو گلعذاروں کو اپنی ان نخوت شعاری سے کیا لطف ہے۔

گلعذار - گرد یعنی پھول جیسے چہرے والے۔ مجازاً حسینان زماں۔

دنیا کی ناپائیداری اور حسینان مجازی کی بے ثباتی کو پھول سے تشبیہ دی گئی ہے ظاہر ہے کہ پھول کی بہار کو ثبات نہیں فرماتے ہیں کہ جب معشوقان مجازی کا حسن و جمال ناپائیدار اور فانی ہے تو پھر انکی عشوت چہ معنی دارد۔ مراد یہ کہ غفلت چھوڑ کر حسن حقیقی پر کیوں جان فدا نہیں کرتے۔

بر حسن حقیقی جان فدا کن	کہ حسن دلبراں موج سراب است

نیز دیکھو شعر ۲۹/۵ ، ۳۴

۵ ترجمہ - جب وصال محبوب کے سوا میرا کوئی علاج نہیں تو میرے غمخواروں کو چارہ سازی کے شغل سے کیا لطف حاصل ہے۔

درمان - بالفتح - علاج بیمار - اور درماندن سے فعل امر۔

یعنی جب میرا واحد علاج ہی وصال محبوب ہے تو میرے چارہ سازوں کی غمخواری بے سود اور لاحاصل ہے حضرت امیر خسرو چارہ گر طبیب سے فرماتے ہیں۔

از سر بالین من برخیز اے نادان طبیب	درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست

مراد یہ کہ وہ جبری غم خواری نہ کریں یہی ان کا احسان ہے۔

۶ ترجمہ۔ اگر تو چہرے سے نگاہ نقاب نہ اٹھائے تو تیرے وصل کے امیدواروں کو امید سے کیا لطف ہے۔

یعنی جب تو نے رخِ زیبا سے نقاب اٹھائی ہی نہیں تو ہمیں محض امیدِ وصل سے کیا لطف حاصل ہو سکتا ہے اسی مضمون پر مولانا جامی فرماتے ہیں۔

ای امید یار ما ہمہ راز تو امید ہا بدل	غیر نومیدی ز تو امیدواران را چہ حظ

مولانا نے یہ خیال بھی قلندر صاحب سے لیا لیکن کمال مایوسی کا اظہار کیا ہے

۷ ترجمہ۔ چونکہ شرف اپنے دل کو تیری کمندِ ناز میں رکھتا ہے اس لئے آزادوں کی طرح اسے سنگاری میں کیا لطف ہے۔

سرِ سنگاری بفتح یعنی غلامی۔ آزادی کمند۔ اصل میں خمند تھا جس کے معنی پیچ و تاب کے ہیں یہاں کمند سے مراد زلف ہے۔

یعنی شرف تیری کمندِ زلف کا اسیر ہے اس لئے آزادوں کی طرح مطلق سنگاری میں اسے لطف نہیں آتا۔

دل میرا تیری زلفِ گرہ گیر میں الجھا	اچھا ہوا دیوانہ تھا زنجیر میں الجھا

غزل ۵۷

چوں فتد بر جانِ ما از جلوۂ حسنت شعاع ۱ جاں کند ما را وداع و ما کنیم آں را وداع

گوشِ کر می دارد و سر خالی از سودائے یار ۲ شیخ گر حظے ز نے گیرد ز آہنگِ سماع

گر نہ باشد سیلِ عیشِ ما بسے علیے ندیم ۳ غمزۂ یار سے بغارت می برد ما را متاع

گر نباشد از تو اندر زندگی لطفے مرا ۴ من ز لطفِ زندگی ہرگز نہ گیرم انتفاع

کاش بر دارد نقاب از روئے خود آں ماہ وش ۵ در میانِ عارف و واعظ ہمی بینم نزاع

گر ہمے خواہی پیوستن باوا سے واعظاں ۶ بایداز دنیا و دیں کردن ترا انقطاع

۷	اے سحرِ ف مارا ز دورانِ حریمِ قدسیم نیست بر اسرارِ یار ہرگز کسے را اطلاع	۷

۱ ترجمہ - جب ہماری جان پر تیرے حسن کی شعاع پڑتی ہے جان ہم کو الوداع کہتی ہے اور ہم جان کو خیر باد کہتے ہیں -

یعنی جب تیرا انوارِ جلوہ نما ہوتا ہے تو میری جان شوقِ لذت میں جسم کو چھوڑنا چاہتی ہے اور الوداع کہتی ہے اور چونکہ ہم بھی سراپا شوق ہوتے ہیں اس لئے کہتے ہیں فی امان اللہ

۲ ترجمہ - اگر شیخ سماع کی آواز سے لذت حاصل نہیں کرتا تو اس کے کان بہرے ہیں اور سر سودائے یار سے خالی ہے !

آہنگ - آواز - سماع - سننا - راگ سننا - رقص و سرود -

فرماتے ہیں کہ اگر شیخ کو سماع میں لطف حاصل نہیں ہوتا تو اس کے کان بہرے ہیں اور سر طبل تہی کی طرح سودائے عشق سے خالی -

چونکہ قلندر صاحب نے سماع کی نسبت کمال خصوصیت سے ذکر کیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق حضراتِ صوفیائے کرام کے خیالات کے مطابق کچھ بیان کیا جائے سماع کے متعلق کشف المحجوب میں سید علی ہجویری فرماتے ہیں " کہ اس کے مذاق کا نہر اتب ہیں جیسے کسی تائب کو توبہ کرتے وقت کمال ندامت ہوتی ہے اسی طرح مشتاق کو مایۂ شوق و رویت اور مومن کو تاکیدِ یقین اور مرید کو تحقیقِ بیان اور اہلِ محبت کو باعثِ انقطاعِ تعلقات اور فقیر کو اساس نومیدی غرضیکہ ہر چیز کو اس کے ظرف کے مطابق ذوق و شوق حاصل ہوتا ہے - اور سماع کی مثال آفتاب کی طرح ہے کہ سب چیزوں پر بقدر مراتب اپنا ظرف چمکتا ہے چنانچہ کسی سامع کو روشن کرتا ہے کسی کو فناہ کرتا ہے اور کسی کو نواز تا ہے " -

حضرت امام غزالیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں -

" بدانکہ ایزد تعالیٰ را سرّیست در دلِ آدمی کہ آں در اں چناں پوشیدہ است کہ آتش در آہن و سنگ وچنانکہ بہ زخمِ آہن بر سنگ آں سرِّ آتش آشکارا گردد و بصحرا افتد ہمچنیں سماع آوازِ خوش موزوں گوہرِ دل را بجنباند و در اں چیزے پیدا آورد و سبب آں کہ آدمی را در اں اختیار

باشند آواز خوش موزوں نغمات مناسب است ہم مشابہتے دارد از عجائب آں عالم بآں سبب آگاہی در دل پیدا آید و حرقتے و شوقے پدید آورد و ہر کرا در دل آتش شوق حق تعالیٰ باشد سماع اورا مہم بود کہ آں آتش تیز تر گردد۔

سید محمد بندہ نواز گیسو دراز گلبرگوی کا قول ہے :-

" اول انوار از عالم علوی نازل مے شود بر ارواح بعدہ اثر آں ظاہر مے شود بر قلب بعدہ بر جوارح و جوارح مطابق قلب است چوں قلب متحرک شود جوارح نیز در حرکت مے آید "۔

مراد یہ کہ شیخ کو سماع میں لطف نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ عشق و محبت میں لپسماندہ ہے اور یقین و ارادت میں درماندہ گویا کہ اس کے کان اس قابل نہیں کہ سماع سنیں اور سر اس لائق نہیں کہ سماع کی آواز پہ وجد کر سکے۔ شیخ سعدی سماع کی نسبت فرماتے ہیں۔

نہ مطرب کہ آواز پائے ستور	سماع است اگر عشق داری و شور
مگس پیش شوریدہ دل پر نہ زد	کہ او چوں مگس دست بر سر نہ زد
نہ بم داند آشفتہ سامان نہ زیر	بہ آواز مرغے بنالد فقیر
چوں شوریدگاں مے پرستی کنند	بر آواز دولاب مستی کنند
نہ بینی شتر بر حدائے عرب	کہ چونش برقص اندر آرد طرب
شتر را چو شور و طرب در سر است	اگر آدمی را نباشد خر است

۳ ترجمہ۔ اے دوست اگر ہم تہیدست ہیں تو کوئی عیب نہیں کیونکہ غمزۂ یار نے ہمارا متاع غارت کر دیا

ندیم۔ مصاحب۔ دوست۔ متاع۔ رخت۔ پونجی۔ اسباب۔

یعنی اگر میں تہیدست ہوں تو میرا کوئی قصور نہیں کیونکہ غمزۂ محبوب نے میرے متاع کو غارت کر دیا

چشم اگر اینست و ابرو این و ناز و عشوہ این الوداع اے زہد و تقوی الفراق اے عقل و دیں

۴ ترجمہ۔ اگر مجھے زندگی میں تجھ سے کوئی لطف حاصل نہ ہو تو میں زندگی کے لطف سے ہرگز نفع حاصل نہیں کر سکتا۔

انتفاع۔ نفع اٹھانا۔ فائدہ حاصل کرنا۔

مطلب یہ کہ اگر تیرا لطف شاملِ حال نہ ہو تو میری زندگی بیہودہ ہو۔ ملا نظیری نے کیا خوب فرمایا ہے۔

عمرِ من بے رخصت اے زہرہ جبیں می گذرد — حیف اوقات شریفم کہ بہ این سے گذرد

۵ ترجمہ۔ کاش وہ ماہرخ اپنے چہرے سے نقاب اٹھائے کیونکہ میں عارف اور واعظ کے درمیان جھگڑا دیکھ رہا ہوں۔

کاش۔ کلمۂ آرزو و افسوس۔ نام شہر۔ شیشہ و آبگینہ۔ کاچ کا معرب ہے جو ہندی لفظ ہے

نزاع۔ جھگڑا۔ دشمنی کی وجہ سے باہم کشاکش کرنا

یعنی عارف اور واعظ کے درمیان جھگڑے کا باعث محبوب کا نقاب ہے کیونکہ ہر شخص بخیال خود اس کو اپنے مذاق کے مطابق سمجھتا ہے لیکن اگر محبوب نقاب اٹھا دے تو اصلیت سمجھ میں آجائے اور جھگڑا وغیرہ مٹ جائے۔

فقیہاں دفترے را مے پرستند — حرم جویاں درے را مے پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد — (عرفی) کہ یاراں دیگرے را مے پرستند

اسی مضمون پر ہے :-

حرم و دیر کے جھگڑے نے تیری چھنپی سو پڑے — تو اگر پردہ اٹھا دے تو ابھی تو ہو جائے

۶ ترجمہ۔ اے واعظو اگر تم اس کو ملنا چاہتے ہو تو تمہیں دنیا اور دین سے قطع تعلق کرنا چاہئے۔

انقطاع۔ قطع کرنا۔ کاٹنا۔ دست بردار ہونا۔

یعنی اگر تم محبوب حقیقی کا وصل حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کا واحد ذریعہ تعلقات کونین سے انقطاع ہے

۷ ترجمہ۔ اے شرف ہم حریم قدس کے رازدار ہیں ہمارے اسرار کی کسی کو خبر نہیں۔

مراد یہ کہ ہم حریم حرم محبوب کے رازدار ہیں اغیار ہمارے راز و اسرار کو سمجھ نہیں سکتے

غزل ۵۸

می فروزم ہر شب از یاد رخ جاناں چراغ ۱ — نیست چوں پروانہ ام از سوختن ہرگز فراغ

کاش بارد بر سرِ او سنگ و خاک از آسماں ۲ — ہر کسے کو خالی از سودائے تو دارد دماغ

داغِ ما در سینۂ ما ہست از عکسِ رخش ۳ ما نمی گیریم حظے زینہار از سیرِ باغ

از خیالِ روئے چشمِ آن نگارِ شوخ و شنگ ۴ دیدۂ من پُر ز اشک و سینۂ من پُر ز داغ

در گل و عطر و عبیر و عنبر و مشک و ختن ۵ از شمیمِ زلفِ تو ہرگز نمی یابم سراغ

واعظا سوئے دماغی در میانِ عاشقان ۶ در میانِ بلبلاں ہرگز نہ زیبد شورِ زاغ

۷ اے شرف فارغ نگشتی گر ز دنیا و ز دیں ۷
روز و شب مستانہ می گردی چرا در باغ و راغ

۱ ترجمہ۔ میں رخسارِ محبوب کی یاد میں ہر روز چراغ جلاتا ہوں مجھے پروانہ کی طرح جلنے سوا ایک لحظہ فراغت نہیں۔

فراغ۔ فرصت۔ فراغت

ظاہر ہے کہ رات کے وقت عموماً چراغ جلایا جاتا ہے اور اُس کے گرد پروانوں کا ہجوم بھی ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ قلندر صاحب نے محبوب کی آمد آمد کے لئے چراغ افروختہ کیا ہو کیونکہ مہمان کی تشریف آوری کے لئے چراغ افروختہ کرنا بھی خاطر و مدارات میں داخل ہے۔

۲ ترجمہ۔ کاش اُس کے سر پر آسمان سے خاک اور پتھر برسیں جو شخص کہ تیرے سودا سے دماغ خالی رکھتا ہے یعنی جس شخص کا دماغ تیرے سودائے عشق سے خالی ہے اُس پر آسمان سے خاک اور پتھروں کا مینہ برسے یعنی وہ غارت اور برباد ہو۔

۳ ترجمہ۔ ہمارا داغ اُس کے چہرہ کے عکس سے ہمارے سینہ میں ہے ہم سیرِ باغ کر کے ہرگز لذت حاصل نہیں کرتے رخسارِ محبوب کو گلزار سے تشبیہ دے کر سینہ کو باغ کہا گیا ہے کہ میرے سینہ میں رخِ محبوب کا عکس بمنزلہ باغ ہے اور میں اُس کی سیر میں شب و روز مصروف ہوں۔ اس لئے مجھے سیرِ باغ کی حاجت نہیں۔

سینہ و دل میں ہمارے داغ رنگِ لالہ (اضافی) سیر کرنے کو کافی ہے گلستاں اپنا

حضرت آصف خلد مکانی نے اوصافِ محبوب میں جو باغ لگایا تھا اُس کا منظر بھی ملاحظہ ہو۔

انگلیاں پنجۂ دہن سیب ہے رخسار انار ہم ترے وصف میں اک باغ لگا دیتے ہیں

۴۔ ترجمہ ۔ اس شوخ معشوق کے چہرہ اور آنکھ کے خیال سے میری آنکھیں آنسو دار ہو گئیں اور سینہ داغوں سے
شنگ ۔ اصل میں پاس کے معنی دزد اور رہزن کے ہیں مجازاً معشوق پر اطلاق کرتے ہیں شوخ و ظریف
روئے محبوب کی یاد میں حسرت کے داغ جل رہے ہیں اور آنکھیں اشکبار ہو رہی ہیں عشقِ محبوب میں قلندر
صاحب کی حالت بھی یہی ہے ۔

۵۔ ترجمہ ۔ میں پھول ، عطر ، عبیر ، عنبر اور مشکِ ختن میں تیری زلف کا سراغ ہرگز نہیں پایا ۔
عطر ۔ بالکسر خوشبو ۔ و بالفتح خوشبودار ہونا یا خوشبو دار کرنا عطر خوشبودار پھولوں سے بنائی جاتی ہے
عبیر ۔ ایک خوشبو کا نام ہے **مشکِ ختن** ۔ ختن کا نافہ مشہور ہے کستوری ۔ **سراغ** ۔ کھوج ، نشان یا نقشِ پا سے
تلاش کسی چیز کی ۔ **شمیم** ۔ خوشبو ۔ شمائم جمع ہے ۔
یعنی پھول اور عطر ، عبیر ، عنبر ، مشکِ ختن کی خوشبو تیری بھیگی زلف کی رہینِ منت ہیں یعنی ان کی خوشبو
تیری شمیمِ زلف سے عاریتاً لی گئی ہے اور تیری زلف کی خوشبو کو ان پر فوقیت حاصل ہے ۔

۶۔ ترجمہ ۔ اے واعظ تو عاشقوں کے درمیان مجلس میں ہے جیسے بلبلوں کے درمیان کوے کا شور
ہوئے دماغ ۔ وہ شخص جو کسی کی مجلس میں خلل انداز ہو ۔ **زاغ** ۔ کوا مشہور پرندہ ہے ۔
یعنی واعظ کی بے ہنگام آواز عاشقوں کے درمیان اس طرح ناخوشگوار ہے جیسے بلبلوں کی خوش الحانی
میں شورِ زاغ مراد یہ کہ واعظوں کی قیل و قال صوفیائے صفا کیش کے وجد و حال اور اشغال و صدقِ مقال میں شورِ زاغ کی
طرح خلل انداز ہے ۔

۷۔ ترجمہ ۔ اے شرف اگر تو دنیا و دیں سے فارغ نہیں تو باغ و راغ میں شب و روز کیوں مستانہ وار پھرتا ہے
راغ ۔ صحرا ۔ دامنِ کوہ ۔ مرغزار
یعنی جب تو دین و دنیا سے فارغ نہیں تو باغ و راغ یعنی عالمِ اسباب میں مستانہ وار کیوں پھرتا ہے
بلکہ ایسی اسیری سے نادم ہو ۔ ناصحانہ انداز ہے کہ تعلقاتِ دنیا میں گرفتار ہو کر اس چند روزہ زندگی پر مست
اور غفلت شعار نہیں ہونا چاہیے ۔

غزل ۵۹

ساقی گرفت جام مئے لالہ گوں بکف | مطرب ترانہ کرد برآہنگ چنگ و دف

گر نشنویم نغمہ و ساغر نہ برکشیم ۲ ما مے کنیم عمر گرانمایہ را تلف

دوش از شکستِ توبہ پشیماں ہمے شدم ۳ آمد ندائے ہاتفِ غیبی کہ لاتخف

رازے نہاں ز پیرِ مغاں است در دلم ۴ چوں گوہرے کہ سر نہ بروں آرد از صدف

جان و دل از برائے ہدف پیشت آورم ۵ تیرے اگر بغمزہ نشانی تو بر ہدف

باید ترا کہ تیغ بروں آری از نیام ۶ ما عاشقاں ستادہ چو باشیم صف بصف

ایں لعبتانِ شوخ کہ باشند سنگ دل
رحمے نمے کنند بجان و دلِ شرف

۱ ترجمہ۔ ساقی نے شرابِ سرخ کا جام ہاتھ میں پکڑا ہے اور مطرب نے چنگ و دف کی آواز میں ترانہ گایا۔

۲ ترجمہ۔ اگر ہم نغمہ نہ سنیں اور ساغر نوش نہ کریں تو ہم اپنی گرانمایہ عمر کو تلف کرتے ہیں۔

مطرب بفتح گانے والا گویا۔ ڈرم۔ ترانہ۔ سرود نغمہ۔ راگ کی ایک قسم کا نام ہے اور رباعی کو بھی ترانہ کہتے ہیں۔ چنگ۔ بفتح باجہ مشہور ہے انگس ہیل۔ نام کتابِ مانی پنجہ چنگل آدمیوں اور جانوروں کا دف۔ بالفتح۔ ایک مشہور ساز کا نام ہے۔ یہ دونوں اشعار قطعہ بند ہیں جس میں قلندر صاحب نے بزمِ طرب کا ایسا نقشہ کھینچا ہے جو مے خواروں کی عین حسبِ منشا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب معشوق کے ہاتھ میں مئے گلگوں کا جام ہو اور مطرب چنگ و رباب سے نغمات گا رہا ہو تو عاشقوں کا بزمِ طرب میں شریک نہ ہونا اپنی گراں مایہ عمر کو تلف کرنے کے مترادف معلوم ہوتا ہے اس لئے وہ توبہ توڑ دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ اگر میں مطرب کے نغمات نہ سنوں اور شراب نوش نہ کروں تو میرا یہ فعل عمر گرانمایہ کو تلف کر دینے کے مترادف ہوگا چنانچہ غزل کے تیسرے شعر میں آپ قلندر صاحب نے ذکر کر ہی دیا کہ اس بزمِ طرب اور مجلسِ نشاط سے متاثر ہو کر میں نے توبہ توڑ دی اور ہاتفِ غیب کی آواز آئی لاتخف یعنی شکستِ توبہ کا خوف نہ کر

۳ ترجمہ۔ میں کل توبہ توڑ لینے سے پشیمان ہوا لیکن ہاتفِ غیب کی آواز آئی کہ خوف نہ کر

ہاتف - آواز دینے والا فرشتہ جو غیب سے آواز دے اسم فاعل از ہتف بمعنی آواز دینا -

یعنی کل میں نے شراب پی کر توبہ توڑ دی لیکن بعد میں اپنی حرکت پر بہت پشیمان ہوا مگر میری دلجوئی اور ہمت افزائی کے لئے ہاتف غیب نے آواز دی کہ اے قلندر ساغر سے زیادہ نوش۔ توبہ ٹوٹنے کا خیال نہ کر اور اپنے فعل پر پشیمان نہ ہو مولانا جامی قلندر صاحب کا خیال لے کر شکستِ توبہ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

گفتم بعزم توبہ نہم جام مے زکف　　　مطرب زد ایں ترانہ کہ مے نوش لاتخف

میر مہدی حسن مجروح کی سنئے لکھتے ہیں -

مری ٹوٹی ہوئی توبہ کے ٹکڑے　　　اٹھا لانا در پیر مغاں سے
کہ تا میں جوڑ کر پھر اس کو توڑوں　　　بس اک جام شراب ارغواں سے

حافظ جلیل حسن جلیل بیانی بھی جب توبہ توڑنے پر آئے تو کہہ ہی دیا -

میں توبہ کر چکا تھا پر کیا کروں جلیل　　　کالی گھٹا کو دیکھ طبیعت مچل گئی

۴ ترجمہ - پیر مغاں سے ایک خفیہ راز میرے دل میں ہے اس موتی کی طرح جو صدف سے باہر نہیں لاتا -

صدف - سیپ از قطب کی طرف مثلث کی شکل کے تین تارے جن کو صدف قطب کہتے ہیں -

یعنی پیر مغاں نے مجھے ایک خفیہ راز بتایا جو میرے دل میں گوہر صدف کی طرح پوشیدہ ہے جس کا افشا کرنا خلاف مصلحت ہے ممکن ہو کہ شکستِ توبہ کی اہمیت بتائی گئی ہو -

۵ ترجمہ - میں نشانے کیلئے تیرے سامنے جان و دل لایا ہوں اگر تو غمزہ سے تیر نشانے پر چلائے -

مراد یہ کہ اپنی جان اور دل اس لئے تیرے سامنے لایا ہوں کہ تو تیر غمزہ سے انہیں مجروح کرے

ادھر بھی ایک نظر ادھر بے نگاہ رنگین　　　یہی جگہ ہے ترے تیر کے نشانے کی

۶ ترجمہ - تجھے نیام سے تلوار نکالنی چاہیئے کیونکہ ہم عاشق صف بصف استادہ ہیں

نیام - بالکسر تلوار کا خول جس میں تلوار رکھی جاتی ہے اور نوم کی جمع ہے بمعنی خوابہا - غنودیں اور نائم کی بھی جمع ہے بمعنی مردمانِ خوابیدہ -

یعنی تیرے عشاق گھائل ہونے کی تمنا میں قطار در قطار استادہ ہیں - اس لئے تجھے جلدی تلوار کو نیام سے نکالنا چاہیئے -

۷ ترجمہ - یہ شوخ معشوق ایسے سنگدل ہیں کہ شرف کی جان اور دل پر رحم نہیں کرتے -

گر نشنویم نغمہ و ساغر نہ برکشیم ۲ ما بے کنیم عمر گرانمایہ را تلف

دوش از شکست توبہ پشیماں ہمے شدم ۳ آمد ندائے ہاتف غیبی کہ لاتخف

رازے نہاں ز پیر مغاں است در دلم ۴ چوں گوہرے کہ سر نہ بروں آرد از صدف

جان و دل از برائے ہدف پیش آورم ۵ تیرے اگر ز غمزہ نشانی تو بر ہدف

باید تراکہ تیغ بروں آری از نیام ۶ ما عاشقاں ستادہ چو باشیم صف بصف

این لعبتانِ شوخ کہ باشند سنگ دل
رحمے نمے کنند بجان و دلِ شرف

۱ ترجمہ ۔ ساقی نے شرابِ سرخ کا جام ہاتھ میں پکڑا ہے اور مطرب نے چنگ و دف کی آواز میں ترانہ گایا ۔

۲ ترجمہ ۔ اگر ہم نغمہ نہ سنیں اور ساغر نوش نہ کریں تو ہم اپنی گرانمایہ عمر کو تلف کرتے ہیں ۔

مطرب بفتح گانے والا ۔ گویا ۔ ڈوم ۔ ترانہ ۔ سرود نغمہ ۔ راگ کی ایک قسم کا نام ہے اور رباعی کو بھی ترانہ کہتے ہیں ۔ **چنگ** ۔ بفتح باجہ مشہور ہے ۔ آنکس پل نام کتاب مانی نقش چنگل آدمیوں اور جانوروں کا **دف** ۔ بالفتح ۔ ایک مشہور ساز کا نام ہے ۔ یہ دونوں اشعار قطعہ بند ہیں جس میں قلندر صاحب نے بزمِ طرب کا ایسا موثر سین کھینچا ہے جو سے خواروں کی عین حسب منشا ہے ۔

ظاہر ہے کہ محبوب شوخ کے ہاتھوں میں سے گلگوں کا جام ہو اور مطرب چنگ و رباب سے نغمات گا رہا ہو تو عاشقوں کو بزمِ طرب میں شریک نہ ہونا اپنی گراں مایہ عمر کو تلف کرنے کے مترادف معلوم ہوتا ہے اس لئے وہ توبہ توڑ دینے پر مجبور ہوتے ہیں ۔

فرماتے ہیں کہ اگر میں مطرب کے نغمات نہ سنوں اور شراب نوش نہ کروں تو میرا یہ فعل عمر گرانمایہ کو تلف کر دینے کے مترادف ہوگا چنانچہ غزل کے تیسرے شعر میں آخر قلندر صاحب نے ذکر ہی دیا کہ اس بزمِ طرب اور مجلسِ نشاط سے متاثر ہو کر میں نے توبہ توڑ دی اور ہاتف غیب کی آواز آئی لاتخف یعنی شکست توبہ کا خوف نہ کر

۳ ترجمہ ۔ میں کل توبہ توڑ نے سے پشیمان ہوا لیکن ہاتف غیب کی آواز آئی کہ خوف نہ کر

ہاتف ۔ آواز دینے والا فرشتہ جو غیب سے آواز دے اسم فاعل از ہتف بمعنی آواز دینا ۔

یعنی کل میں نے شراب پی کر توبہ توڑ دی لیکن بعد میں اپنی حرکت پر بہت پشیمان ہوا مگر میری دلجوئی اور ہمت افزائی کے لئے ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ اے قلندر ساغر سے از بادہ نوش توبہ ٹوٹنے کا خیال نہ کر اور اپنے فعل پر پشیمان نہ ہو مولانا جامی قلندر صاحب کا خیال لے کر شکستِ توبہ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں ۔

گفتم بعزم توبہ نہم جام مے زکف   مطرب زد ایں ترانہ کہ سے لاتخف

میر مہدی حسن مجروح کی سنئے لکھتے ہیں ۔

مری ٹوٹی ہوئی توبہ کے ٹکڑے   اٹھا لانا در پیرِ مغاں سے
کہ نا میں جوڑ کر پھر اُس کو توڑ دوں   بس ایک جام شراب ارغواں سے

حافظ جلیل حسن جلیل بینائی بھی جب توبہ توڑنے پر آئے تو کہہ ہی دیا:

میں توبہ کر چکا تھا پر کیا کروں جلیل   کالی گھٹا کو دیکھ طبیعت مچل گئی

۴ ترجمہ ۔ پیرِ مغاں سے ایک خفیہ راز میرے دل میں ہے اس موتی کی طرح جو صدف سے سر باہر نہیں لاتا ۔

صدف ۔ سیپ اور لطف کی طرف منسوب کی شکل کے تین تھار جن کو صدفِ نطلب کہتے ہیں ۔

یعنی پیرِ مغاں نے مجھ ایک خفیہ راز بتایا جو میرے دل میں گوہرِ صدف کی طرح پوشیدہ ہے جس کا افشا کرنا خلافِ مصلحت ہے ممکن ہو کہ شکستِ توبہ کی اہمیت بتائی گئی ہو ۔

۵ ترجمہ ۔ میں نشانے کی طرح تیرے سامنے جان و دل لایا ہوں اگر تو غمزہ کے تیر نشانے پر چلائے ۔

مراد یہ کہ اپنی جان اور دل اس لئے تیرے سامنے لایا ہوں کہ تو تیرِ غمزہ سے انہیں مجروح کرے

ادھر بھی ایک نظر ادھر بے ملکا رانگن   یہی جگہ ہے ترے تیر کے نشانے کی

۶ ترجمہ ۔ تجھے نیام سے تلوار نکالنی چاہیئے کیونکہ ہم عاشق صف بصف استادہ ہیں

نیام ۔ بالکسر تلوار کا خول جس میں تلوار رکھی جاتی ہے اور نوم کی جمع ہے بمعنی خوابہا نیندیں اور نائم کی بھی جمع ہے بمعنی مردمانِ خوابیدہ ۔

یعنی تیرے عشاق گھائل ہونے کی تمنا میں قطار در قطار استادہ ہیں ۔ اس لئے تجھے جلدی تلوار کو نیام سے نکالنا چاہیئے ۔

۷ ترجمہ ۔ یہ شوخ معشوق ایسے سنگدل ہیں کہ شرف کی جان اور دل پر رحم نہیں کرتے ۔

لعبتان ۔ لعبت کی جمع ہے کپڑے کی بنائی ہوئی وہ چیزیں جن سے لڑکیاں کھیلتی ہیں ۔ گڑیاں
معشوق عموماً بیوفا اور سنگدل ہوتے ہیں قلندر صاحب بھی محبوب کی شفقت و محبت کے شاکی ہیں ۔

خوب رہو کے باوفا ہووے (داغ) ہم نہ مانیں اگر خدا ہو وے

غزل ۶۰

روئے تو سوزد مرا از آتشِ پنہانِ عشق ۱ موئے تو باشد مرا سلسلہ جنبانِ عشق

سر نہ فرو آورم پیش کسے در جہاں ۲ سر چوں بنہادہ ام بر خطِ فرمانِ عشق

دست بدامانِ خضر کے زند از اضطراب ۳ آں کہ در دستش بود گوشۂ دامانِ عشق

منزلِ مقصود اگر ہست ترا در نظر ۴ یک قدم شوق زن سوئے بیابانِ عشق

لقمۂ دنیا منہ در دہن و کامِ خویش ۵ خواہی اگر واعظا لقمۂ از خوانِ عشق

زود بگریزد ز سر چوں بشود ناگہاں ۶ بر صفِ عقل و خرد حملۂ سلطانِ عشق

۷	ہوش بگیرد ز سر واعظِ مغرور را گر تو زنی اے شرف نعرہ چوں مستانِ عشق	۷

۱ ترجمہ ۔ تیرا چہرہ مجھے عشق کی پنہاں آگ سے جلاتا ہے اور تیری زلف میرے عشق کو ہلانے کا سلسلہ ہے
فرماتے ہیں کہ تیرا چہرہ مجھے آتشِ عشق سے جلاتا ہے اور تیری زلف میرے عشق کی سلسلہ جنباں ہے
یعنی آتشِ عشق کی حدت کو تیز کرتی ہے شعلۂ رخِ محبوب کو شعلہ سے بھی تشبیہ دیتے ہیں اور شعلہ سے جل جانا ظاہر
ہے ہی ۔ اور زلف چونکہ چہرے کیلئے نقاب کا کام دیتی ہے اس لئے عاشقانِ جمال کی بیقراری حدِ اعتدال سے متجاوز
ہو جاتی ہے ۔

۲ ترجمہ میں دنیا میں کسی کے آگے سر فرو نہیں کرتا کیونکہ میں نے عشق کو فرمان پر سر رکھا ہوا ہے ۔

سر بآفرو نیاید بہ کمانِ ابروئے کس (حافظ) کہ درونِ گوشہ گیراں ز جہاں فراغ دارد

۳ ترجمہ ۔ وہ شخص خضر کا دامن کب ہاتھ میں پکڑتا ہے جس کے ہاتھ میں دامانِ عشق ہو ۔

حسنِ دلدار چوں سنجلّے کند (مغربی) ہو نقش او گم شد جہاں افزوں

عشق بے جلوۂ معشوق میسر نشود (جامی) عقل و دیں کو سبد آں وصف کہ دلالہ کند

سنگِ جفائے عشق تو در یک دگر شکست (۱۱) ہر چند عقل شیشۂ ناموس و ننگ ساخت

ز طلوعِ عشق ہمہ کارِ عقل دگر شد (نظیری) چو آصفے کہ سلیمانش اہرمن باشد

ترجمہ :- اے شرف اگر زمستانِ عشق کی طرح ایک نعرہ مارے تو واعظِ مغرور کے ہوش اڑ جائیں۔

مطلب صاف ہے کہ اگر زمستانِ عشق کی طرح ایک نعرہ مارے تو واعظ کی ہوش و حواس باختہ ہو جائیں

گریزاں کیوں نہ ہوں اغیار میری آہ کو سنکر — شیاطیں بھاگتے ہیں نعرۂ اللہ اکبر سے

غزل ۶۱

فدائے روئے تو از صبح افلاک ۱ بفرقِ تو سنوز تاجِ لولاک

بکش از رخ نقاب اے ماہِ یثرب ۲ بزن در جیب و دامان و دلم چاک

بیفگن آتشے در سینۂ من ۳ کہ سوزد خرمنِ صبرم سراپاک

ہمہ عالم کہ بر روئے بمالم ۴ ز راہِ تو اگر یابم کفِ خاک

بیا برقِ جمالِ خویش افگن ۵ وجودِ من بود چوں خار و خاشاک

بزن تیغے سراسر ز غمزہ ۶ بکن رحمے مرا بر جانِ غمناک

چو سوزم ز آتشِ ہجرِ تو ہر دم ۷ نباشد ز آتشِ دوزخ مرا باک

حدی خواں گر انداز گفتِ تو یک دم ۸ شود جنازۂ من چست و چالاک

بجیب و دامنش صد چاک دارد
قلندر بو علی بے باک بے باک

ترجمہ :- ارض و سما تیرے چہرے پر فدا ہیں اور تیرے سر پر لولاک کا سنہرا تاج ہے

ارضین و افلاک ۔ جمع ہے ارض و سما کی ۔ زمین اور آسمان ۔ **فرق** ۔ بالفتح سر جس کو عربی میں راس کہتے ہیں ۔ سر کے بالوں کا میانہ جس کو ہندی میں مانگ کہا جاتا ہے ۔ کشادگی ۔ **لولاک** ۔ اشارہ ہے لولاک لما خلقت الافلاک کی طرف کہ اگر تو نہ ہوتا تو خداوند عالم افلاک کو پیدا نہ کرتا ۔

گو نعتیہ غزل ہے لیکن صوفی شعرا کی طرح قلندر صاحب کی شاعری بھی عاشقانہ ہے حمد ہو یا نعت عاشقانہ رنگ غالب ہوتا ہے ۔

فرماتے ہیں کہ تیرے روئے پر نور پر ارض و سما والہ و فدا ہیں اور تیرے سر پر لولاک لما خلقت الافلاک کا منور تاج ہے ۔

یوں بھی تخلیق عالم کی علت غائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ِ والا صفات ہے قلندر صاحب ضمناً اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے دوسرے شعر میں اپنی فدائیت کا اظہار کرتے ہیں ۔

۲ ۔ ترجمہ ۔ اے یثرب کے چاند چہرے سے نقاب اٹھا اور میرے دل کی جیب دامان کو چاک کر

یثرب ۔ بالفتح اول نام مدینہ منورہ ۔ **جیب** ۔ عرب میں پہلے سینہ و دل کو کہتے تھے پھر گریبان کو کہنے لگے کہ سینہ پر ہوتا ہے ۔

حسرت ہے کہ جس چہرے پر ارض و سما فدا ہیں اے ماہ رو اس رخسار پر انوار سے نقاب اٹھا اور مجھے دیدار سے مشرف کر تاکہ میرا دل پاش پاش ہو ۔

برکش نقاب از رخ آتش جمال خویش	اے از رخ تو اذفدت النار فی القلوب

۳ ۔ ترجمہ ۔ میرے سینہ میں آگ لگا تاکہ جلے اور میرے صبر کا خرمن چاک ہو ۔

۴ ۔ ترجمہ ۔ میں روتا ہوں کہ تیرے رستہ کی خاک پا اپنے چہرہ پر کب ملوں گا کاش وہ مجھے حاصل ہو ۔

یعنی میں مدتوں سے بایں خواہش روتا ہوں کہ مجھے تیرے راستہ کی خاک ملے تاکہ اس کو میں اپنے چہرہ پر ملوں

آرزو دارم کہ خاک آں قدم	توتیائے چشم سازم دم بدم

۵ ۔ ترجمہ ۔ آ اور اپنے جمال کی بجلی گرا جب کہ میرا وجود خس و خاشاک کی طرح ہے ۔

آرزو ہے کہ محبوب آئے تاکہ میرا وجود اس کی شمع جمال پر پروانہ وار جل کر نثار ہو ۔

۶ ۔ ترجمہ ۔ غمزہ سے میرے سر پر تلوار مار اور میری غمناک جان پر رحم کر ۔

شوق شہادت اور اشتیاق فدائیت میں محبوب سے التجا کرتے ہیں کہ مجھے تیغ غمزہ سے شہید

کرکے تشنگی سے نجات دیدے۔

۷ ترجمہ۔ جب میں ہر وقت ہجر کی آگ میں جلتا ہوں تو مجھے آتشِ دوزخ کا خوف نہیں۔

مطلب صاف ہے "عاشق را از دوزخ ترسانیدن آنچناں بود چوں پروانہ دیوانہ را از شمع تخویف کردن"

۸ ترجمہ۔ اگر حدی خواں ایک ساعت تیری نعت پڑھے تو میرا جمّازہ چست و چالاک ہو جائے۔

حُدی بضمِ اول فتح دال ایک راگ کا نام ہے جو عرب میں شتربان گاتے ہیں اور اونٹ اُن کی آواز پر مست ہوکر تیز چلنے لگتا ہے۔ جمّازہ۔ بفتحِ اول وتشدید میم۔ اونٹ تیز رفتار صیغہ مبالغہ ہے۔

یعنی اگر کوئی حدی خواں کی طرح تیری نعت پڑھے تو میرا اونٹ بھی مست ہوکر تیز ہو جائے۔

۹ ترجمہ۔ بوعلی تیری محبت میں اپنے جیب و دامان میں صد چاک رکھتا ہے۔

چاک۔ صیغہ واحد حاضر۔ ماخوذ از مہر یعنی محبت۔

مراد یہ کہ بہت بے قرار ہے۔

غزل ۶۲

آمدیم از صحبتِ ابناں بتنگ ۱ ما نمی خواہیم ہرگز نام و ننگ

باکس و ناکس شوی در آشتی ۲ تو اگر با نفسِ خود آئی بجنگ

راہِ عابد نیست جز راہِ صفا ۳ راہِ عاشق نیست جز کامِ نہنگ

سر ز جیبِ تو پلنگ آمد مرا ۴ دستم از عشقِ تو آمد زیرِ سنگ

عمرِ رفتہ باز پس ناید ترا ۵ از کماں برجستہ می ناید خدنگ

پس غنیمت ہر نفس را مے شمار ۶ دامنِ عشرت مہ بیروں ز چنگ

نغمہ بر زن بر نوائے مطرباں ۷ جام برکش از شرابِ لعل رنگ

دل بود آئینہ و آئینہ را ۸ پاک باید کرد از ہر داغ و زنگ

تا جمالِ سرمدی بینی عیاں ۹ اندر آں آئینہ بے ریب و درنگ

برنتابد عشق علم و عقل را ۱۰ ایں چنیں ناموس دریں وادی است لنگ

زاہداں را مے رود ایماں بباد ۱۱ درمیانِ شاہدانِ شوخ و شنگ

۱۲ عشق غالب اے شرف آید بعقل
چوں بر آہو حملہ مے آرد پلنگ ۱۲

اُؔ ترجمہ۔ ہم ننگ و ناموس کو نہیں چاہتے کیونکہ ہم ان کی صحبت سے تنگ آ گئے

ایماں کا اشارہ ننگ و ناموس کی طرف ہے چونکہ مخالفِ مذاقِ صحبت ہمیشہ تکلیف دہ ہوتی ہے اس

لئے انسان فطرتاً اس سے گریز کرتا ہے۔

| گرچہ بدنامیست نزدِ عاقلاں | ما نمے خواہیم ننگ و نام را |

۲ؔ ترجمہ۔ تیری ہر کس و ناکس کے ساتھ صلح ہو اگر تو اپنے نفس کے ساتھ جنگ کرے۔

نفس کے جنگ کو حدیث میں جہادِ اکبر کہا گیا ہے رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر کہتے ہیں کہ اگر

تو اپنے نفس سے جنگ کر کے اس کو مغلوب کرلے تو ہر شخص سے تیری صلح اور دوستی ہو جائے گی نفسِ امارہ کے

متعلق مثنوی شریف میں مولانا روم فرماتے ہیں

مادر بتہا بتِ نفسِ شماست	زانکہ آں بت مار و ایں بت اژدہاست
آہن و سنگ است بت شرار	آں شرار از آب مے گردد فرار
بت سیاہ آب است در کوزہ نہاں	نفس مر آبِ سیاہ را چشمہ داں
بت در روں سینہ چوں آب سیاہ	نفس شورمست چشمہ آں آب را۔

پس نفسِ امارہ جس کو مولانا نے بتِ سنگ سے بھی بدتر خیال کیا ہے ایک ایسا بت ہے جس کے ساتھ

جنگ کرنے کو حدیث شریف میں جہادِ اکبر کہا گیا ہے کیونکہ جہادِ ظاہری میں مخالف نظر آتا ہے لیکن حریفِ نفس نظر نہیں

آتا اور چھپ کر حملہ کر کے متاعِ ایمان کو غارت کر دیتا ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ اگر تو اپنے نفس پر غالب آ جائے گا

تو ہر کس و ناکس سے تیری صلح ہوگی کیونکہ نفس کو مغلوب کرنے کے بعد تمام روحانی طاقتیں اور دل قبولِ انوار کے

اہل بن جاتے ہیں جس کے بعد دونوں عالم کو تسخیر کرلینا کوئی مشکل بات نہیں اور اسی تسخیر کو شاعر نے صلح و آشتی سے

تعبیر کیا ہے۔

۳۔ ترجمہ۔ عابد کو راہِ صفا کے سوا کوئی رستہ نہیں اور عاشق کو کام نہنگ کے سوا۔

صفا۔ بالفتح۔ پاک۔ بے غش۔ بے کدورت۔ مکہ معظمہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے اور اُس کے پاس ایک دوسرا پہاڑ ہے جس کو مروہ کہتے ہیں حاجی لوگ ان کے درمیان تخمیناً دو سو قدم سات بار دوڑتے ہیں اصطلاح میں اس کا نام سعی ہے جو لوازماتِ حج میں داخل ہے قرآنِ مجید میں آیا ہے اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا "تحقیق صفا اور مروہ نشانیوں اللہ کی سے ہے پس جو کوئی حج کرے گھر کا یا عمرہ کرے پس نہیں گناہ اوپر اُس کے یہ کہ طواف کرے بیچ ان دونوں کے"

تفسیرِ حسینی میں لکھا ہے "کہ چوں کفار در جاہلیت طواف این دو کوہ مے کردند اہلِ اسلام را از آں شعار عار مے آمد حق تعالیٰ فرمود کہ طوافِ این دو کوہ در حج و عمرہ بجائے باید آورد بے دغدغہ کہ از شعائر است" کام بمعنی مراد۔ حلق کا بالائی حصہ جس کو ہندی میں تالو کہتے ہیں۔ یہاں مطلق منہ مراد ہے نہنگ۔ بالفتح مشہور آبی جانور کا نام ہے مگرمچھ سسنسار۔

مشکلاتِ حج اور عشق کا مقابلہ ہے قلندر صاحب کے زمانے میں بہ نسبت آج کل کے فریضۂ حج ادا کرنے میں حاجیوں کو بہت سی مشکلات اور مصائبِ راہ کا سامنا کرنا پڑتا تھا دورِ حاضرہ کی طرح آمد و رفت کے لئے ریلیں اور دخانی جہاز نہ تھے اکثر پاپیادہ سفر کرنا پڑتا تھا اور راستے میں قطاع الطریق اکثر تکلیف دیتے تھے لیکن آج کل ہر طرح کی آسانی ہو گئی ہے قرآنِ مجید میں آیا ہے وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ یعنی لوگوں میں حج کا اعلان کر دو وہ تمہارے پاس آئیں گے پیادہ اور ہر دُبلے اونٹ پر سوار ہو کر ہر دور افتادہ مقام سے" اس ارشاد کے مخاطب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضور رسول اللہ صلعم تھے

فرماتے ہیں کہ ان مصائب کے ہوتے ہوئے گو فریضۂ حج ادا کرنا کتنا ہی مشکل ہو لیکن نہنگِ عشق کا شکار ہونا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

عشق است و صد آفات و محن لازم و ملزوم	این منزلِ دشوار و رہِ سخت بلا است

۴۔ ترجمہ۔ تیرے ہجر کی وجہ سے میرے سر پر پتھر آیا اور تیرے عشق سے میرا ہاتھ پتھر کے نیچے آیا

قاعدہ ہے کہ اگر کسی کے سر پر وزنی پتھر رکھ کر اُس کا ہاتھ پتھر کے نیچے دبا دیا جائے تو اُس کے لئے یہ مصیبت ناقابلِ برداشت ہو گی کیونکہ نہ تو وہ پتھر کو سر سے اتار سکتا ہے اور نہ پتھر کے نیچے سے ہاتھ نکال سکتا ہے مراد یہ کہ تیرے عشق میں بعینہٖ یہ حالت میری ہے کہ سر زیرِ سنگِ فراق ہے اور ہاتھ زیرِ سنگ نہ پائے

رفتن نہ جائے ماندن

۵ ترجمہ۔ تیری گذری ہوئی عمر واپس نہ آئے گی جیسے کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آتا

۶ ترجمہ۔ اس لئے ہر سانس کو غنیمت شمار کر اور چنگ سے دامنِ عشرت باہر نہ لے جا۔

خدنگ بفتحین سپر ایک درخت کا نام ہے جس کی لکڑی نہایت مضبوط صاف اور سیدھی ہوتی ہے چونکہ زیادہ تر اسی لکڑی کے تیر بنائے جاتے ہیں لہٰذا اس کے تیر کو بھی خدنگ کہنے لگے اور چھوٹے تیر ول کی ایک قسم کو بھی خدنگ کہتے ہیں۔

یعنی جیسے کمان کی گود سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آسکتا یہی حال انسانی زندگی کا ہے دوسرے شعر میں اس عمرِ تیز رفتار کے بیجا اسراف سے پرہیز کرنے کی تاکید کرتے ہیں کہ چونکہ زندگی کو بقا نہیں اس لئے ایک ایک سانس کو غنیمت شمار کرنا چاہیئے ظاہر ہے کہ جب کمان سے تیر چھوٹ جائے تو واپس نہیں آسکتا وقت از دست رفتہ و تیر از کمان جستہ باز نمے آید اس لئے۔

نیکی کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر	زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند (سعدی)
عمرے تو گنج و ہر نفس از وے یکے گہر	گنجے چنیں نفیس مکن رائیگاں تلف (جامی)

۷ ترجمہ۔ مطرب کی آواز پر نغمہ گا اور سرخ شراب سے ایک جام نوش کر۔

مراد یہ کہ عیشِ نقد کی کوشش کر مطرب کے ساتھ گا اور ساقی سے شراب سرخ کا پیالہ پی۔

پر کن قدح بادہ و بر کفِ من نِہ · نقدے ز نسیہ خوشتر باشد

۸ ترجمہ۔ دل آئینہ ہے اور آئینہ کو داغ اور زنگ سے پاک کرنا چاہیئے۔

۹ ترجمہ۔ تاکہ تو بے شک و شبہ اس آئینہ میں جمالِ سرمدی کو عیاں دیکھے

جب تک آئینہ کو زنگ و آلائش سے صاف نہ کیا جائے اس میں کچھ نظر نہیں آتا انساں کا دل بھی مثل آئینہ کے ہے اگر یہ صاف ہو تو جمالِ محبوب اس میں دیکھا جا سکتا ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ اگر تجھے مشاہدۂ جمال کی آرزو ہے تو اپنے دل کو خودی کے زنگ سے پاک کر حدیث شریف میں ہے ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وہی القلب ثابت ہوا کہ مشاہدۂ جمال دل کی صفائی اور پاکیزگی پر منحصر ہے۔

قلندر صاحب اپنے ایک مکتوب میں آئینۂ دل کی صفائی کے متعلق لکھتے ہیں۔

"اے برادر چناں بکوش کہ آئینۂ دل از زنگِ معصیت پاک کنی و در صفائی آئینۂ خود خود را معائنہ کنی۔ و بدانی کہ ترا از برائے معرفت پیدا کردہ اند۔ دلشاخت محبت و عشق در تو نہادہ اند۔ تا جلوۂ حسن در صفائی آئینۂ دل بینی بداں کہ ملک وجود تو بمثالِ قصر است کہ او را مشتوق از عشق بنیاد کردہ و دراں قصر قندیل آویختہ و نامِ آں قندیل دل نہادہ و در صفا دل را مثلِ آئینۂ مصفّا داشتہ نظرگاہے خود ساختہ بداں کہ خواجہ سعدی برائے محققاں و عاشقاں و محبّاں و بجوداں و پویندگاں چہ بیت فرمودہ است"

سعدی حجاب نیست تو آئینہ صاف دار　　زنگار خوردہ کے نماید جمالِ درست ۔(مکتوبات شریف)

ارزنی ہروی آئینۂ دل کی صفائی پر لکھتے ہیں۔

خانہ را نقش سے کردند نقاشانِ چیں　　بشنو ایں معنی کہ چوں بہتر صدیقے نہ شنوی

اوستادے نیمہ را کردند ہم چوں آئینہ　　اوستادے نیمہ را کردند نقشِ مانوی

تا ہر آں نقشے کہ حاصل باشد اندر نیمۂ　　بینی اندر نیمۂ دیگر درو نقش چوں روی

اے برادر عشق را خانہ ہمہ داں ایں چنیں　　ہم بسقفِ نیک عالی ہم بہ بنیادِ قوی

گر تو بارے نیمۂ بر نقش غزالی مے شدن　　جہد مے کن تا گر آں نیمۂ دیگر شنوی

خواجہ حافظ بھی معشوق کے رخسارۂ حکمت کے دیدار کے لئے دل کو صاف کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔

ہر کہ آئینۂ صافی نہ شد از زنگِ ہوا　　دیدہ اش قابلِ رخسارۂ حکمت نبود

۱۰ ترجمہ۔ عشق علم و عمل کو شمار نہیں کرتا۔ اس وادی میں ایسا گھوڑا لنگ ہے

توسن گھوڑا۔ اسپ۔ لنگ۔ بالفتح جو پاؤں سے چل نہ سکے۔

یعنی وادی عشق میں توسنِ علم و عقل چلنے سے مجبور رہتے ہیں و حقیقتاً عقل اس منزل میں کنارہ در پا شکستہ ہے

۱۱ ترجمہ۔ شوخ معشوقوں کے درمیان زاہدوں کا ایمان ہوا کی طرح اڑ جاتا ہے۔

مراد یہ کہ ریاکار زاہدوں کے ایمان کو قرار نہیں ہے بلکہ معشوقانِ مجازی کے شوخ جلوے اس کو ہوا کی طرح اڑا کر لے جاتے ہیں یہ ان کے ایمان عشق کی گرمیٔ بازار کی تاب نہیں لا سکتے اور وہ شوخ و شنگ معشوقوں پر مرتے ہیں اور ایمان بھی ان کی مصیبت سے بڑھ جاتا ہے۔

۱۲ ترجمہ۔ اے شرف عقل پر عشق اس طرح غالب آتا ہے جیسے ہرن پر پلنگ

"پلنگ یعنی - ایک درندہ کا نام ہے جس کو عربی میں نمر کہتے ہیں۔

اس شعر میں ایک مشہور و معروف ضرب المثل سے عشق و عقل کا مقابلہ کیا گیا ہے کہ جس طرح پلنگ ہرن کو پکڑ لیتا ہے اسی طرح عشق بھی پہلے ہی حملہ میں عقل پر غالب آجاتا ہے۔

عاشقی جز رندی کار فرزانہ است	عقل در راہ عشق دیوانہ است
عقل مردیست خواجگی آموز	عشق دردیست بادشاہی سوز

"دیدۂ عقل از ادراک حقیقت محجوب است عقل را قوت دید راز عشق نہ باشد زیرا کہ عشق در مرتبہ ماورائے عقل است از خود در طور دیگر است عقل را قوت ادراک او نبود کہ عشق دُرّے است در صدف جان نہاں و جان در دریائے قضا غوص کردہ و عقل بر ساحل دریائے قضا متوقف مے شود و از خوف نہنگان بلا قدم پیش نتواند نہاد" (سر العشق)

غزل ۶۳

نہاں بوئے تو شد در غنچہ و گل	۱	کہ از مستی بفریاد است بلبل
بقیمت وادمے ملک سلیماں	۲	اگر دادے کسے یک ساغر گل
چو دیدم جلوۂ آں شاہد مست	۳	ز دستم رفت دامان تحمل
نمے دانم کہ ایں باد سحر چوں	۴	بہ پیچ و تاب آرد زلف سنبل
نمے دانم کہ قمری بر سر سرو	۵	چرا افگندہ در گلزار غلغل
نمے دانم کہ اندر بزم رنداں	۶	چرا آید بگوش ایں بانگ قلقل
نمے دانم کہ چوں در جیب و داماں	۷	زند صد چاک اندر گلستاں گل
نمے دانم کہ بر بالائے گلبن	۸	چرا مے آید اندر نغمہ بلبل
شرف ایں راز را گر فہم خواہی	۹	برو دل نا در سر از جیب تأمل

۱۔ ترجمہ - تیری خوشبو غنچہ و گل میں پوشیدہ ہے اس لئے بلبل مستانہ وار فریاد کر رہی ہے ۔
حسنِ مطلق کی طرف اشارہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ سِرِّ حبیب ازلی سے معمور ہے غنچہ و گل میں اسی
شمیم جانفزا پرست ہو کر عندلیب مشغول بہ فغان و فریاد ہے۔

سرِ محبتِ ازلی در ہمہ اشیا سار لیست — ورنہ بر گل نہ زدے بلبل سیہ دل فریاد

۲۔ ترجمہ - اگر کوئی مجھے شراب کا ایک پیالہ دے تو میں اس کو قیمت میں سلیمان کا ملک دے دوں
قلندر صاحب شراب کے ایک جام کے عوض مملکتِ سلیمانی دے دینا چاہتے ہیں جس سے مراد
دنیا ہے ساقی سے التجا ہے کہ مجھے شراب کا ایک جام عطا فرما تاکہ میں دنیا سے فارغ ہو جاؤں خواجہ حافظ
معشوق کے خالِ سیاہ کے عوض سمرقند و بخارا دینے کی تیاری میں ساعی ہیں ۔

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ ما را — بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

۳۔ ترجمہ - جب میں نے اس مست معشوق کا جلوہ دیکھا تو میرے ہاتھ سے دامنِ تحمل جاتا رہا
جلوہ سے مراد تجلیاتِ بالمرات ہیں جلوے بے نقاب نہیں مطلب یہ ہے کہ میں اس شاہد مست
کو دیکھ کر بے قرار ہو گیا ۔

۴۔ ترجمہ - میں نہیں جانتا کہ صبح کی ہوا زلفِ سنبل کو کیوں پیچ و تاب میں لا رہی ہے ۔
زلفِ محبوب کو سنبل پیچاں بھی کہتے ہیں اور سنبل ایک خوشبو دار گھاس کا نام ہے جو زلف کی طرح پیچدار
ہوتا ہے یوں بھی صبح کے وقت نسیمِ سحر ہر برگ و گل کو جنبش میں لاتی ہے متردد ہو کر فرماتے ہیں کہ شاید باد صبح زلفِ محبوب
کو کیوں ہلا دیتی ہے مراد یہ کہ صبح کے وقت اس کی جنبش خالی از علت نہیں شاید کسی نو اسیر کی گرفتاری مقصود ہے۔

ہوائے ناز پر ظالم تجھے برے بال پھر تے ہیں — سمجھ کیونکر یہ صید دل کرا ٹھنے جال پھرتے ہیں

۵۔ ترجمہ - میں نہیں جانتا کہ باغ میں قمری سرو کے سر پر کیوں شور مچا رہی ہے
یعنی معلوم نہیں کہ گلزار میں سرو کی شاخ پر قمری کے شور و غل کی کیا وجہ ہے
سرو کو قامتِ محبوب سے تشبیہ دیتے ہیں ممکن ہے کہ قمری مصروف نوحہ خوانی ہو کہ مجھے میرے محبوب
کے قد بالا سے کیا نسبت ہے اور مجھ میں ع شوخیِ رفتارِ جہاں کجا است ۔

۶۔ ترجمہ - میں نہیں جانتا کہ رندوں کی مجلس میں قلقل کی آواز میرے کان میں کیوں آ رہی ہے
قلندر صاحب بانگِ قلقل کا سبب پوچھتے ہیں کہ رندوں کی محفل میں یہ شور کیسا ہے

۷ ترجمہ۔ میں نہیں جانتا کہ باغ میں پھول اپنے جیب و داماں میں کیوں سو چاک کرتا ہے

یعنی باغ میں پھول کے دامن میں صد چاک ہونے کی وجہ معلوم نہیں کہ کیا ہے پھول کے کھلنے کو صد

چاک کہا گیا ہے جب کھلتا ہے تو جیسے وہ زبان کھولتا ہے یعنی گویا زبان سے اس کی حمد کرتا ہے۔

۸ ترجمہ۔ میں نہیں جانتا کہ درخت گلسرخ کے اوپر بلبل نغمہ کیوں گا رہی ہے۔

گلبن ۔ درخت گلسرخ۔ مطلب صاف ہے۔

۹ ترجمہ۔ اے شرف اگر اس راز کو سمجھنا چاہتا ہے تو جیب تا مل سے سر باہر مت لا

مراد یہ کہ اگر تو ان رموز و اسرار کو سمجھنا چاہتا ہے تو سر وقت کائنات کی ہستی پر غور و خوض کر صوفیائے

کرام کی اصطلاح میں تفکر کی طرف اشارہ ہے۔

غزل ۶۴

اے آں کہ بفرقت ز لعمرک بود اکلیل	۱	وے بر در تو ناصیہ سا آمدہ جبریل
ایوانِ تو عرش است کہ در جلوہ دراری	۲	انوارِ تو اش بر در و دیوار چو قندیل
تو از نظرے آدم و عالم دگر آری	۳	عیسیٰ کند از زندہ دو صد مردہ بہ تقبیل
یک نعرۂ مستانہ عشقِ تو و نم گر	۴	خلقے بتصور رود از صورِ سرافیل
ایں یک خطِ سبزے کہ بروئے تو نوشتند	۵	مجموع دراں چار کتاب است بہ تفصیل
در فہم کسے کایں خطِ سبز تو بخواند	۶	توریت و زبور آدرہ ہم مصحف و انجیل
ما راسفر قبلہ ابرو ئے تو در پیش	۷	باراں ہمہ در قصد حجاز ند بہ تعجیل
در عشق تو شرف دید آنگونہ عجائب	۸	کز وے نتواں کرد حکایات بہ تمثیل

ہاں بو تلی از بد عیاں ہیچ نہ رنجی ۲۳
با صورت آدم سپرد سجدہ عزازیل

ا۔ ترجمہ۔ قسم ہے تیری زندگی کی اے محمدؐ کہ جبرائیل فرشتوں کا سرتاج تیری فرقت میں پیشانی کے بل تیرے دروازہ پر آیا۔

لَعَمْرُکَ۔ اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں رب العالمین نے حضورؐ کی زندگی کی قسم کھا کر قوم لوطؑ کی گمراہی بیان فرمائی لَعَمْرُکَ اِنَّھُمْ لَفِیْ سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَ لیکن اس شعر میں مطلق قسم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے

اِکلیل ۔ بالکسر تاج ۔ چاند کی سترھویں منزل کا نام ہے اور مثلث کی طرح تین ستارے ہیں بشکلِ تاج عقرب کی پیشانی پر۔ **ناصیہ** ۔ معنے پیشانی لیکن فارسی کتب میں مطلق پیشانی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

حضرت جبرائیل کا مرتبہ اظہر من الشمس ہے کہ وہ روحانیوں کے افسر اور بارگاہِ الٰہی کے مقرب ہیں اور پیغمبرانِ زماں کے قاصد تھے لیکن حضرت رسولِ انس و جن روحی فداک اُمّی وابی کے جاہ و جلال اور مرتبہ محبوبیت پر فدا ہو کر ان کا در اقدس حضورؐ کی دربانی کرنا مشہور رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر کسی اونچے مقام سے نیچے اترا ہو تو پیشانی زمین کی طرف رکی رہتی ہے نکتہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ گو روح الامین کا مقام اوج اعلیٰ ہے لیکن آسمان سے زمین پر اترتے وقت وہ بھی تیرے دروازہ کی رفعت اور مرتبہ رسالت کو دیکھ کر نہایت ادب سے سرنگوں ہو جاتے تھے۔

۲۔ ترجمہ۔ تیرا ایوان عرش ہے اور تو جلوہ میں روشن ستارہ تیرے انوار در و دیوار پر قندیل کی طرح ہیں۔

دراری ۔ بفتح اول ۔ روشن ستارے دُرّی کی جمع ہے **قندیل** مشہور چیز ہے جس میں چراغ جلاتے ہیں اور ایک چیز کا نام ہے جو درمیان سے خالی ہوتی ہے جس میں چیز کو حفاظت رکھنے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور قندیل معرب ہے کندیل بالفتح کا۔

یہ بھی محامدِ خاتم النبیین سے ایک نکتہ ہے کہ تیرا مسکن گو عرش ہے لیکن تیری تجلیات روشن ستاروں کی طرح ہیں جن کا نور قندیل کی طرح در و دیوار پر ضوفشاں ہے حضورؐ کا نورِ مبارک مدتوں قندیل میں بھی رہا لیکن دراصل قلندر صاحب کا یہ شعر حدیث نبوی اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ کی اعلیٰ تفسیر ہے کیونکہ حضورؐ کا نور محیط الکل ہے اور کارگاہِ عالم کا ثبات و قیام اسی نور کی بدولت ہے۔

۳۔ ترجمہ۔ تو ایک نظر میں دوسرے جہان کو آراستہ کر سکتا ہے اگر عیسیٰ علیہ السلام صدہا مردے زندہ کریں کیا عجب ہے۔

یعنی تیری معجز اثر نظر چشم زدن میں ایک نیا عالم آراستہ و پیراستہ کر سکتی ہے پھر اگر عیسیٰ

علیہ السلام مردے زندہ کریں تو تعجب ہی کیا ہے حضرت رسول الکل صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تو حد قیاس سے بھی وراء الوراء ہے کتب سیر و تصوف سے صدہا ایسے واقعات کا پتہ چلتا ہے کہ اولیائے امت محمدی نے بحکم ایزدی سینکڑوں مردے زندہ کر دیئے ان حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ حضور کی معجز اثر نظر کے مقابلہ میں دم عیسٰی بے اثر ہے۔

خود حضور کا محترم ارشاد ہے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہوں گے ہر زمانہ کے پیغمبروں نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ کاش ہم بھی امت محمدی سے ہوتے

فرخندہ بخت ہے وہ جو امت میں ہو تری شہیدی ارماں پیمبروں کو رہا اس نصیب کا

۴ ترجمہ ۔ اگر میں تیرے عشق میں ایک مستانہ نعرہ لگاؤں تو خلقت صور اسرافیل کا تصور کرے

صُور ۔ بالضم ۔ اس چیز کا نام ہے جس کو حضرت اسرافیل بروز محشر ایک بار مارنے اور ایک بار زندہ کرنے کے لئے پھونکیں گے اور دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔

یعنی اگر میں تیرے عشق میں ایک مستانہ نعرہ ماروں تو خلقت کو صور کا گمان ہو کہ قیامت آگئی

میرے نالے کی صدا نفخۂ صور دم المی سبب شہیدی خلق سمجھی انشقاق آسمان کا وقت ہے

۵ ترجمہ ۔ یہ ایک سبز خط کہ تیرے چہرہ پر لکھا گیا اس میں تفصیل کیسا کہ چار کتابیں جمع ہیں ۔

۱۵ ترجمہ ۔ جو تیرا سبز خط پڑھتا ہے اس کے فہم میں توریت و زبور مصحف و انجیل ہیں ۔

توریت ۔ بالفتح کتاب موسیٰ ۔ **زبور** ۔ بالفتح راگ و گیت اور حضرت داؤد کی کتاب کا نام ۔
مصحف ۔ وہ کتاب جس میں صحیفہ اور رسالے جمع کئے جائیں قرآن مجید کو بھی مصحف کہتے ہیں کیونکہ اس میں سورتیں جمع ہیں ۔ **انجیل** ۔ بالکسر کتاب عیسیٰ انگلیون کا معرب ہے ۔

یعنی اے محبوب یہ سبز خط کہ تیرے چہرے کے گرداگرد ہے اس میں کتب سماوی کی تفصیل جمع ہیں جس نے اس خط سبز کو پڑھا اس کو مذکورہ کتابوں کے مضامین کا ادراک حاصل ہوگیا خط سے مراد اصطلاح صوفیائے کرام میں یہ ہے ۔

رخ اینجا مظہر حسن خدا ایست ۔ مراد از خط جناب کبریا ایست
کسے کو خطش از رو دلکشو دید ۔ دل من رد ز او در خط او دید

۷۔ ترجمہ۔ ہم کو تیرے قبلۂ ابرو کا سجدہ پیش ہے اور یار قبلت حجاز کے قصد میں ہیں

یعنی ہم تیرے محراب ابرو کو سجدہ کرتے ہیں اور لوگ کعبہ مجازی کا قصد کر رہے ہیں یعنی ہمارا ایمان

ایمانِ بالعین ہے اور یار لوگ ایمان بالغیب کے قائل ہیں۔

سر العشق میں قلندر صاحب اس کیفیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"عاشقاں کو سرگردانِ معشوق شدہ اند بعضے بہوائے او سوئے خانہ کعبہ برائے

طواف دوانند و بعضے دلِ خود را کعبہ ساختند و خود را بطوافِ کعبۂ دل انداختند"

۸۔ ترجمہ۔ شرف نے تیرے عشق میں ایسے ایسے عجائبات دیکھے کہ وہ تفصیلاً بیان نہیں کر سکتا۔

جاننا چاہیئے کہ ان عجائبات عشق کا تعلق روح سے ہوتا ہے اور روح نہ خود بولتی ہے اور نہ اسے

مخفی رازوں کے انکشاف کی ضرورت ہے۔

۹۔ ترجمہ۔ ہاں اے یوقلی ما عیبوں سے رنجیدہ نہ ہو کیونکہ عزازیل نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔

یعنی حاسدانِ زماں کے حسد سے رنجیدہ خاطر نہ ہو کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی عزازیل

نے سجدہ نہ کیا تھا اس لیے کہ ان کے کمال کا معترف نہ ہوا۔

سر نجاں اے عزیز من ز سودائے حسوداں دل	کہ تو سودے بدست آری و ایشاں را زیاں افتد

غزل ۶۵

اے از طراوتِ لبِ تو تازگیٔ گل ۱ وے از لطافتِ رخِ تو نازکیٔ گل

بالا ز جلوۂ ملکوت است حسنِ تو ۲ حیراں ز شرحِ خوبیٔ روئے تو عقلِ کل

بیروں ز اختیار بود گریہ ہائے ما ۳ بر پشتِ بحر مے نتوانیم بست پل

ہر ذرہ را ز پرتوِ مہر است اضطراب ۴ محوِ جمالِ روئے تو دیدیم جزو و کل

ما را بغیر بندگیت نیست چارہ ۵ در پائے ماست سلسلہ و گردن ست غل

واعظ برائے پند تو نزدیکِ من میا ۶ کاید سر از درِ گوشش آوازۂ دہل

ما اے شرف بطاعتِ کس سر نمی نہیم ۷ حلقہ بگوشِ ما بود از خاتمِ رسل"

۱۔ ترجمہ۔ اور کہ شراب کی تازگی تیرے لبوں کی طراوت سے ہے اور پھول کی نزاکت تیرے چہرے سے یعنی شراب کی تازگی اور پھول کی نزاکت و ملائمت تیرے لبہائے شیریں اور رخسار پر انوار کے مرہون احسان ہے

۲۔ ترجمہ۔ وہ جانوں کے جلوے سے تیرا حسن بالاتر ہے تیرے چہرے کی لطافت کی شرح سے جبرائیل بھی حیران ہے۔

حسنِ مطلق کے وہم و گمان اور حدِ ادراک سے ورا الورا ہونے کے متعلق فرماتے ہیں کہ تیرا حسن جلوۂ ملکوت سے بھی اونچا ہے مراد یہ کہ انسان تو خطاکار ضعیف اور ناتوان ہے لیکن فرشتے بھی باوجود نوری اور پاک ہونے کے تیرے حریمِ حرم میں باریاب نہیں ہو سکتے یعنی تیری ذات اور حقیقت کے ادراک سے وہ بھی عاجز و ناصر ہیں۔

احدست و شمارہ از او معزول	صمد است و نیاز از او معزول
آں احدے کہ عقل داند و فہم	نشانی نہیں آں صمدے کہ حس شناسد و وہم

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ گلستان کے دیباچہ میں فرماتے ہیں "عاکفان کعبہ جلالش بتقصیر عبادت معترف اند کہ ما عبدناک حق عبادتک و واصفان حلیہ جمالش بہ تحیر منسوب کہ ما عرفناک حق معرفتک"

۳۔ ترجمہ۔ ہمارے نالے اختیار سے باہر ہیں جیسے سمندر کی لہر پر پل نہیں باندھ سکتے۔

ظاہر ہے کہ سمندر کے پانی کو روکنے کے لیے پل نہیں بندھ سکتا فرماتے ہیں کہ میرے نالہ ہائے زار بھی قابو اور اختیار سے باہر ہیں یعنی مجھے ضرور رونا پڑتا ہے عاشق کی علامت ہے کہ زیادہ روئے اور کم ہنسے فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ط

قلندر صاحب سر العشق میں گریہ عاشق کی حقیقت بیان فرماتے ہیں کہ۔

"گریہ در عشق از رعونات نفس است گریہ در خلوت از برائے سلوت بود و در صحبت از برائے اظہار و افتخار و ایں ہر دو از رعونات نفس بیروں نیست لعمری تا عاشق بخود باز نیفتد نگرید و عاشق بے شعور باشد تا از غیب در حضور آید عزیزے نزد پیرے از پیران طریقت آمد اہل پردۂ او کلف را نشانہ سے کرد و خواست تا متوجہ شود پیر فرمود کہ او درین زماں بے شعور است و در عالم حضور است از ہر دو کون آگاہی ندارد در روئے بحر عالم ناتمناہی نہ دارد دیگر

"درگریہ آمد پیر فرمود کہ سرّ پوشش کہ او حاضر شد واز دریچۂ طبیعت ناظر شد بحزر باز افتادہ است واز الم درگداز افتادہ است واین لطیفۂ لطیف است"

۴ ترجمہ - جس طرح ہر ذرہ کو سورج کے پرتو سے اضطراب ہے اسی طرح جز وکل کو تیرے چہرے کے جمال میں محو دیکھتا ہوں -

اگر سورج کو بغور دیکھا جائے تو نظروں کے سامنے چھوٹے چھوٹے ذرے اوپر اڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جن کو شعاع کہتے ہیں ان کی بیقراری کی وجہ آفتاب تک رسائی حاصل کرنے کی سعی ہوتی ہے اور اضطراب اس لئے کہ ان میں روشنی کی جھلک دکھائی دیتی ہے -

فرماتے ہیں کہ جس طرح آفتاب عالمتاب کی شعاعوں سے ہر ذرہ بیقرار اور مضطرب ہے اسی طرح ہر جزو وکل کو محو جمال محبوب دیکھتا ہوں یعنی اس کا وصال کا ہر شیخ و شاب متمنی ہے -

۵ ترجمہ - ہم کو تیری بندگی کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ ہمارے پاؤں میں زنجیر اور گردن میں طوق ہے

طوق مع الضم وتشدید لام - طوق - لوہے کا بند گلے کا -

قلندر صاحب نے اپنی اسیری کا اچھا نقشہ کھینچا ہے ظاہر ہے کہ جو شخص پا در زنجیر اور طوق بہ عنق ہو وہ مالک کے اذن و رضا کے بغیر نقل مقام نہیں کر سکتا یعنی چونکہ میں پا در زنجیر ہوں اور طوق تفویض و اطاعت میری گردن میں ہے اس لئے مجھے تیری بندگی کے سوا اور کوئی چارہ نہیں -

منکہ سر در نہادم بہ در کوئی	گردنم زیر بار منت اوست

۶ ترجمہ - اے واعظ تو نصیحت کیلئے میرے پاس مت آ کیونکہ ڈھول کی آواز دور سے اچھا ہوتا ہے

دہل - ڈھول - مشہور مثل ہے دور کے ڈھول سہانے -

شاعر کو شکوہ ہے کہ واعظ کی پند و نصیحت کا مطلب ہے خوشی اور شاہد پرست کی دیدہ بازی سے منافی ہوگا اس لئے فرماتے ہیں کہ بس یہاں دور سے ہی ارشاد ہو کیونکہ دور کی آواز خوش آئند ہوتی ہے -

زاہد گو بہ بہشت باحور خوش است	من مے گویم شراب انگور خوش است
این نقد بگیر در دست از آن نسیہ بدار	آواز دہل شنیدن از دور خوش است

۷ ترجمہ - اے شرف ہم کسی کی اطاعت میں سر نہیں رکھتے کیونکہ ہمارے کانوں میں خاتم رسل کا حلقہ ہے یعنی ہم غلامان خاتم رسل سے ہیں اور ان کی اطاعت کا حلقہ ہمارے آویزہ گوش ہے اس

لیے ہم کسی کی اطاعت میں اپنا سر نہیں جھکاتے

جز آستانِ تو ام در جہاں پناہے نیست ۔۔۔ سرِ مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست

غزل ۶۶

تشنۂ عشقم جگر مے سوزدم ۱ از تفِ آں مغزِ سر مے سوزدم

یک نظر کردم بحسنِ گرمِ او ۲ تا قیامت آں نظر مے سوزدم

پرتوِ شمعِ رخش بر من رسید ۳ زاں چوں پروانہ جگر مے سوزدم

گر بپرم بر ہوائے شوقِ او ۴ صد تجلی بال و پر مے سوزدم

زاتشِ ہجرِ تو در قیدِ حیات ۵ روز و شب نارِ سقر مے سوزدم

داغہائے عشقِ او در دل طراست ۶ آہ ایں شستِ شرر می سوزدم

شعلۂ یادِ رخِ پُر نورِ او
بوعلی شام و سحر مے سوزدم

ا ترجمہ ۔ میں عشق کا پیاسا ہوں میرا جگر جلتا ہے اور اُس کی حرارت سے میرے سر کا مغز جل رہا ہے ۔
جگر ۔ بکسرِ اول عضوِ معروف کلیجہ و تشنیتین ۔ ہندی لفظ جھکڑ کا مفرس بمعنی بادِ تند او رغبار آگیں جو
مغرب کی طرف سے چلے اور بعض اوقات مجازاً بمعنی رنج و غم و غصّہ و انتظار و تاب و طاقت استعمال ہوتا
ہے تَف ۔ بالفتح ۔ بخار ۔ حرارت ۔ گرمی ۔ روشنی ۔ بد ہر او رہا بالضم بمعنی تھوک یا تھوکنا ۔
اس شعر میں قلندر صاحب اپنی حالت بیان کرتے ہیں کہ میں اب عشق و محبت کا پیاسا ہوں اور
سوختہ جگر اس پر ستم یہ کہ میرے سوختہ جگر کی حرارت سے میرے سر کا مغز بھی جل رہا ہے حدتِ عشق کو کم کرنے
کے لئے آپ وصل کی خواہش و امنگیر ہے
۲ ترجمہ ۔ میں نے اس کے گرم حسن پر ایک نگاہ کی اب قیامت تک یہ آنکھ جلتی رہے گی ۔
معشوق کے حسنِ گرم سے تجلیاتِ جلالی مراد ہو سکتی ہیں کہ میں نے اسے جلالی تجلی میں ایک نظر

دیکھا اب قیامت تک وہ آنکھ جلتی رہے گی۔ مراد یہ کہ معشوق کا گرمِ حسن میری آنکھ کو قیامت تک جلاتا رہے گا۔

مصرعہ اولیٰ میں نظر بمعنی نگاہ اور ثانی میں بمعنی آنکھ مستعمل ہے لہٰذا دونوں میں صنعتِ تجنیس ہے

۳ ترجمہ۔ اس شمع رو کی پر توجہ پڑی سی اس لئے پروانہ کی طرح سوختہ جگر ہوں

۴ ترجمہ۔ اگر میں اس کی ہوائے شوق میں اڑوں تو صدہا تجلیات میرے بال و پر جلا دیں۔

یعنی اگر میں مشاہدہ ذات کی کوشش کروں تو وہ تجلیات جو حریمِ حسن کے گرد اگرد ہیں میرے بال و پر جلا کر خاکستر کر دیں یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت جبرائیل نے حضور رسولِ مقبول سے اپنی معذوری کا اعتراف کرتے ہوئے کہا

اگر یکسر موئے بالا پرم	فروغِ تجلی بسوزد پرم

درحقیقت یہ مشاہدہ غیر ممکن ہے اس لئے ارشادِ خداوندی ہے وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَاللّٰہُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ۔

ایزد کہ ہزار در بہ رخ بکشودست	جامی	را ہے بجمالِ کنہِ خود ننمودست
تا زحمتِ بیہودہ بخود راہ ندہی		در ذاتِ خود از فکرِ حذر فرمودست

۵ ترجمہ۔ میں بقیدِ حیات تیرے ہجر کی آگ سے روز و شب نارِ سقر میں جل رہا ہوں۔

سَقَر بفتحتین۔ دوزخ و بالفتح چرغ جو کہ مشہور شکاری جانور ہے۔

مراد یہ کہ تیرے بغیر میری زندگی نارِ سقر میں گذر رہی ہے۔

۶ ترجمہ۔ اس کے عشق کے داغ میرے دل پر ہیں افسوس کہ یہ مشتِ شرر جل جاتا۔

انسان کے دل پر ایک داغ ہوتا ہے جس کو سویدا کہتے ہیں یہ داغ تو قدرتی ہے لیکن قلندر صاحب نے وجہ یہ بتلائی کہ یہ داغ داغِ عشق ہے مراد یہ کہ میرے دل میں عشقِ محبوب کے داغ ہیں کاش کہ یہ مشتِ شرر دل جل جاتا حسرت ہے کہ داغ ہونے سے بہتر تھا کہ جل جاتا۔

دل کو بوجہ بےقدری ہونے کے مشت کہا اور شرر کی وجہ یہ کہ اس میں سوزِ عشق موجود ہوتا ہے۔

۷ ترجمہ۔ اس کے پر نور چہرے کی یاد میں لو کی شعلہ کی طرح شام و سحر جلتا ہے۔

غزل ۶۷

مئے صافی و شاہد در کنارم	۱	ز کس در دو جہاں باکے ندارم

ازاں مے کہ غم عشق تو خوردست ۲ روانم تا ابد اندر خمارم

چو چشم مست تو مستم ہمہ عمر ۳ نخواہی دید ہرگز ہوشیارم

انا الحق مے زنم صد رہ چو منصور ۴ اگر راہ مے نمائی سوئے دارم

بداں شاہد کہ من دارم بعالم ۵ سزد گر از دو عالم سر برآرم

چو از رخ مے کشد بند نقابے ۶ تجلّے مے نماید منبرارم

کنارہ از دین و از دنیا گرفتم ۷ ہنوز او مے نیاید در کنارم

نگیرد گوشۂ داماں اورا ۸ کند پرواز اگر مشت غبارم

۹	چہ گویم اے شرف در حضرت او کہ او داند نہان و آشکارم	۹

ا ترجمہ۔ صاف شراب حاضر ہے اور معشوق بغل میں اسی لئے دونوں جہان میں مجھے کسی کا خوف نہیں کمال بیباکی ظاہر کی ہے اور حقیقت میں ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ جب شراب اور شاہد دونوں حاصل ہوں تو ایسی مبارک اور روح پرور گھڑی میں خوف اغیار چہ معنی دارد۔ شراب و شاہد کے متعلق مکتوبات شریف میں قلندر صاحب فرماتے ہیں۔

"شراب شوق از عشق بنوش و خود را از عشق و حسن معشوق بپوش چوں حسن و عشق ندا بپوشند شراب ہر دو عالم بنوشد شراب را اگر بنوشی و از ہوا و حرص و شہوت خود را بپوشی چوں بر حرص شراب بہ بینی با شاہد گلگشت نشینی شاہد را بو شراب آرد و شراب مرا با شاہد دارد شاہد را من شاہد نخواہم بلکہ او را حسن معشوق بدانم بر دست شاہد شراب بہ بینم از عشق و حسن با شاہد نشینم شاہد مرا شراب خوراند عشق من بجز حسن معشوق چیزے نداند"

۲ ترجمہ۔ اس شراب سے کہ میں نے تیرے غم عشق میں نوش کی ابد تک مست و مخمور رہوں گا یعنی مجھے وہ جو مے محبت ہو میں نے تیرے غم عشق میں پی ابد تک مست و مخمور رکھے گی

من ازاں جامے کہ از روزِ ازل نوشیدہ ام ہمچناں سرمست خواہم بود تا یوم النشور

۳: ترجمہ۔ تیری مست آنکھ کی طرح میں تمام عمر مست رہوں گا تو مجھے ہرگز ہوشیار نہ دیکھے گا۔

۴: ترجمہ میں منصور کی طرح سینہ سے انا الحق کہوں گا اگر تو سولی کی طرف میری راہنمائی کرے۔

صُدرہ۔ بالضم سینہ پوش چھوٹا کرتہ بانیمہ آستین جو ازاً مطلق سینہ کے معنوں میں مستعمل ہے

شوقِ شہادت میں قلندر صاحب بھی منصور کی طرح بجز ذہیں تمنا ہے کہ اگر محبوب مجھے سولی کی راہ دکھا جائے

یعنی فخرِ شہادت بخشے تو میں منصور کی طرح سینہ سے انا الحق کا نعرہ ماروں

کند نقشِ انا الحق بر زباں خوں رہ حافظ چو منصور ار کنی بر دارم امشب

انا الحق سے کے عوض لب پر انا محبوب ہو جاری ادا کے ابھرے ہائیں دار پر مجھ کو اگر منصور سے کے بدلے

۵: ترجمہ۔ اس معشوق کے عشق میں کہ میں جو بار میں رکھتا ہوں اگر میں دونوں عالم سے سر باہر لاؤں تو مجھے سزاوار ہے۔

یعنی مجھے سزاوار ہے کہ میں عشقِ محبوب میں دونوں عالم سے دست بردار ہو جاؤں

۶: ترجمہ جب وہ چہرے سے نقاب اٹھاتا ہے تو تجلی مجھے بیزار کر دیتی ہے۔

یعنی جب محبوب چہرہ پرنور سے نقاب اٹھاتا ہے تو میں شوقِ دیدار میں سرمست دیدار میں بیخود ہو جاتا ہوں

قلندر صاحب سر العشق میں فرماتے ہیں۔

"بمشاہدہ محبوب چوں عاشقِ کامل بود مغلوب گردد چنانکہ مجنوں بدیدن لیلیٰ مغلوب شد سر ایں مغلوبی در معنی اذا کشفوا طاشوا یافتہ شود و آیت تجلیٰ ربہ للجبل جعلہ دکا و خر موسیٰ صعقا در بیان ایں ظاہر است"

صاحب مفاتیح الاعجاز تجلی ذات کی نسبت لکھتے ہیں کہ

سالک دراں تجلی ذاتی مطلق شعور و علم و شعور و ادراک او مطلقاً نماند"

۷: ترجمہ میں نے دنیا اور دین سے کنارہ کیا لیکن وہ ابھی تک میرے کنار میں نہیں آیا۔

اس شعر میں کامل مشاہدۂ ذات کی طرف اشارہ ہے جو جسدِ عنصری کے ساتھ خواہ دنیا کو چھوڑ دیا ہی جائے ناممکن ہے کیونکہ وہ مشاہدہ مشروط ہے جس کے لئے موتوا کی قید لگائی گئی ہے۔

مصرعہ اولیٰ میں کنار بمعنی کنارہ کرنا اور مصرعہ ثانی میں کنار بمعنی آغوش استعمال ہوا ہے لہذا دونوں میں صنعت تجنیس ہے۔

۸۔ ترجمہ۔ اگر میری منت غبار پیدا کرے تو میں اُس کے گرد کے دامان کو پہچان سکے۔
یہ شعر مندرجہ بالا شعر کی تصدیق ہے کہ مشاہدۂ ذات کا حصول غیر ممکن ہے گو کتنی ہی کوشش کی جائے۔

سنشہبازِ صید کس نشوال دام بازچیں ،، (حافظ) کا بیجا ہمیشہ باد بدست است دام را

ظاہر ہے کہ گرد و غبار ہمیشہ دامن ہی کو آلودہ کرتا ہے کیونکہ وہ آویزاں ہوتا ہے مگر اس جگہ معاملہ برعکس ہے

۹۔ ترجمہ۔ اے شرف میں اُس کی حضور میں کیا کہوں جب کہ وہ میرا ظاہر و پوشیدہ جانتا ہے
یعنی جب وہ عالم الغیب ہے اس لئے مجھے اُس کے حضور میں خاموش رہنا چاہیئے۔

عرضِ حاجت در حریم تست محتاج نیست — راز کس مخفی نماند بر فروغ رائے تو

غزل ۶۸

جمالت بود اندر روئے آدم ۱ کہ مے بودش شرف بر جملہ عالم
اگر این نکتہ دانستے عزازیل ۲ ہزاران سجدہ آوردے دمادم
برآدم منکشف شد جملہ اسماء ۳ ملائک اندر آنجا ماند ابکم
کسے کو راز بان بربستہ بود ۴ حریم قدس را او نیست محرم
چہ ہا مے کر ثنائش چند فصلے ۵ نوشتہ بر جبین عرشِ اعظم
رود آں نام راجانم بقربان ۶ کنم آں نام را من ورد پیہم
خوشا نامے خوشا آں صاحبِ نام ۷ بجز نامش نباشد اسمِ اعظم

شرف در صورتِ پاکش عیاں دید
جمالِ لایزالی را مسلّم

۱۔ ترجمہ۔ تیرا جمال آدم کے چہرہ میں نمایاں تھا اسی واسطے ان کو تمام مخلوق پر شرف حاصل ہوا۔
یعنی آدم علیہ السلام کے برگزیدہ ہونے اور عالم ارواح پر فوقیت حاصل کئے جانے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے چہرہ

میں تیرا جمال تھا جس کی وجہ سے وہ مسجودِ ملائک ہوئے ۔

ملک در سجدۂ آدم زمیں بوسِ تو نیّت کرد	کہ در حسنِ تو چیزے یافت بیش از طورِ انسانی

مزید تشریح کے لئے دیکھو شعر ۱۲۲ ، ۱۲۴

۲ ترجمہ ۔ اگر شیطان یہ نکتہ جانتا تو پے در پے ہزار ہا سجدے کرتا ۔

دمادم ۔ دمبدم ۔ پے در پے ۔ لگاتار ۔

ارشادِ خداوندی تھا کہ اے فرشتو! آدم کو سجدہ کرو کل فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن شیطان نے انکار کر کے کہا کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ یعنی میری پیدائش آگ سے ہے اور وہ خاک سے ہے پس نار خاک سے افضل ہے میں کیوں مشتِ خاک کو سجدہ کروں اس حکم عدولی کی وجہ سے وہ کافر مردود اور راندۂ درگاہ ہو گیا اور طوقِ لعنت اُس کے گلے میں پہنا یا گیا ۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ یہ ایک نکتہ تھا کہ آدم کے چہرے میں تیرے جمالِ پرنور کو عزازیل سمجھ نہ سکا اور سجدہ سے انکار کر بیٹھا اگر وہ یہ نکتہ جانتا تو کبھی انکار نہ کرتا اور ایک چھوڑ ہزار ہا سجدے کرتا

خبر بود عزازیل را از صورتِ تو	وگرنہ گفتے کہ یاراں ز سجدہ مشتقرند

۳ ترجمہ ۔ آدم پر وہ تمام اسما ظاہر ہوئے جن میں ملائک ناکام رہے ۔

جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر آدم کو خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر کیا تو فرشتوں نے مخالفت کی کہ کیا تو ایسے شخص کو خلیفہ بنائے گا جو زمین پر خونریزی کرے گا ہم کہ تیری تسبیح و تحمید میں رات دن مشغول رہتے ہیں اس منصبِ جلیل کے اہل نہیں جس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ تم ہماری مصلحت کو جان نہیں سکتے پس حضرتِ آدم کا مجسمہ تیار کر کے اُس میں روح داخل کی گئی اور علم الاسمار کی نسبت کچھ سوالات کئے جن کا جواب آدم نے دیا اور فرشتے عاجز ہو گئے اور حضرت آدم کو خلیفۃ اللہ فی الارض تسلیم کر لیا اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ اے محبوبِ حق تیرے نور کی بدولت اور تیری طفیل آدم علم الاسمار پر مطلع ہوئے اور ملائک کے مقابلہ میں امتحانِ الٰہی میں کامیابی کی سند حاصل کی ۔

۴ ترجمہ ۔ وہ شخص جس کی زبان بند نہیں ہوتی حریمِ قدس کا محرم نہیں ۔

یعنی وہ شخص رموز و اسرارِ الٰہیہ کا محرم نہیں ہو سکتا جو اپنی زبان کو بند نہ کرے ۔

مَنْ سَکَتَ سَلِمَ وَمَنْ سَلِمَ نَجٰی مَنْ صَمَتَ فَقَدْ نَجٰی ۔ یعنی جو خاموش رہا جس نے فضول بولنے سے پرہیز کی وہ سلامت رہا اور جو صامت رہا اُس نے نجات پائی ۔ یہ وہ فرمانِ رسالت ہے جو فاران کی چوٹیوں پر طلوع ہونے والے آفتاب اور دنیا کے بہترین فلاسفر نے ضلالت اور گمراہی سے بچانے کے لئے دنیا کے سامنے پیش کیا اسی نہایت جھرات

اولیائے کرام نے خاموشی کو جادۂ طریقت کا جزوِ اعظم قرار دیا ہے حضرت شیخ فریدالملتؒ والدینؒ کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہو کر ایک طالب نے تصوف کے اہم ترین اصول پوچھے جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ کم کھانا اور کم بولنا تصوف کے دو بڑے اصول ہیں حضرت صدیق اکبرؓ کی نسبت منقول ہے کہ آپ رفع حاجت کے وقت منہ میں سنگریزے رکھ لیا کرتے تھے تاکہ بے ضرورت منہ سے بات نہ نکلے

حکایت:۔ منقول ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ولی عہد کی تعلیم کیلئے ایک صوفی عالم کو مقرر کیا ایک دن اس نے شہزادے کو مَنْ سَكَتَ سَلِمَ وَمَنْ سَلِمَ نَجَا کی تشریح کر کے خاموشی کا فلسفہ بتایا کہ نجات کا راستہ صرف یہی خاموشی ہے شاہزادہ کچھ ایسا متاثر ہوا کہ اس دن سے مطلق خاموشی اختیار کر لی ارکینِ سلطنت متعجب ہوئے حکماء و اطباء بلائے گئے ہر چند انہوں نے علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا بالاتفاق تجویز یہ ٹھہری کہ شہزادے کو سیر و شکار کی طرف راغب کیا جائے علی الصباح شہزادہ مع چند رفقاء کے شکار کھیلنے گیا راستے میں ایک تیتر بولا مصاحبوں میں سے ایک نے فائر کیا اور تیتر کو ذبح کر کے شہزادے کے سامنے لایا شہزادے کے منہ سے بے اختیار نکلا صدقت یا رسول اللہ اور تیتر کو دیکھ کر کہا قُلْتَ وَمَا هَلَكْتَ کیوں بولا جو ہلاک ہوا رفقاء نے سمجھا کہ شاہزادے کا مرض جاتا رہا اور حاضرِ دربار ہو کر خلیفہ کو اس واقعہ سے آگاہ کیا ہارون الرشید نے شاہزادہ کو جب مخاطب کیا تو وہ بدستور ساکت و صامت تھا اس پر خلیفہ کو غصہ آیا اور حکم دیا کہ شاہزادے کو کوڑے لگائے جائیں جب مار پڑنے لگی تو شہزادہ بلبلا اٹھا اور بولا صدقت یا رسول اللہ من سکت سلم ومن سلم نجی اگر تیتر نہ بولتا تو ہلاک نہ ہوتا اور اگر اس کو دیکھ کر میرے منہ سے قلت وما ہلکت نہ نکلتا تو آج میری پیٹھ پر کوڑے نہ لگتے۔

فرمانِ رسالت اور اس حکایت کا اصلی مقصود یہ ہے کہ خاموشی سے نجات حاصل ہوتی ہے لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ آدمی منہ پر بالکل ہی مہرِ سکوت لگا دے بلکہ اس کی تہہ میں یہ راز پوشیدہ ہے کہ سخنانِ فحش، غیبت و ہرزہ گوئی سے اجتناب کرنی چاہیئے خاموشی سے دل کی اصلاح ہوتی ہے اور بدکلامی سے یہ گوہرِ شریف آلودہ ہو جاتا ہے اور مقامِ تقرب میں باریاب نہیں ہو سکتا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُکْثِرُوا الْکَلَامَ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللّٰہِ فَاِنَّ کَثْرَۃَ الْکَلَامِ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللّٰہِ قَسْوَۃٌ لِّلْقَلْبِ وَاِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰہِ الْقَلْبُ الْقَاسِیُ ط

عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ آنحضور نے فرمایا کہ بغیر ذکرِ خدا کے بہت کلام مت کیا کرو کیونکہ بہت کلام کرنا بدوں ذکرِ خدا کے دل کو سخت کرتا ہے اور بہت دور لوگوں میں اللہ تعالیٰ سے کڑے دل والا۔

پس قلندر صاحب کی مراد بھی یہ ہے کہ وہ شخص حریمِ قدس کا محرم نہیں ہو سکتا جو اپنی زبان پر قدرت اور اختیار نہیں رکھتا

۵ ترجمہ - کیا مبارک نام ہے کہ اس کی تعریف میں عرشِ اعظم کی جبین پر چند فضیلیں لکھی ہوئی ہیں -

چہ - یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے کبھی استفہام کے لئے مثلاً ترجمہ میکنی کبھی تعظیم کیلئے جیسے کہ ع - چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد کبھی برائے تحقیر مثلاً چہ باشد زونی شرابح آدمی کبھی کثرت کے موقع پر بلا چہ بشبہا نشستم و بریں ادبیگم - بتر تصغیر کے واسطے جیسے باغچہ، طاقچہ - سر ابچہ اس شعر میں تعظیماً استعمال ہوا ہے حضور سرورِ کائنات کے اسمِ مبارک کی توصیف کی گئی ہے کہ ان کے مبارک نام کی تعریف خالقِ اکبر نے عرشِ اعظم پر رقم فرمائی

۔ نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را (قدسی)	برتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

۶ ترجمہ - اس نام پر میری جان قربان ہو اور میں اس کا ہمیشہ ورد کروں -

نامِ تو صیقلے است کہ دلہائے تیرہ را	روشن کند چوں آئینہ ہائے سکندری

درود شریف مشکل کشائی اور حاجت روائی کا ضامن ہے -

۷ ترجمہ - واہ واہ نام اور صاحب نام کہ اس نام کے سوا کوئی اسمِ اعظم نہیں -

اسمِ اعظم - یعنی اسمِ بزرگ حق تعالےٰ کے ناموں سے اور اس کے تعین میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک اللہ ہے بعض صمد کہتے ہیں کچھ الحی القیوم کے قائل ہیں کئی الرحمٰن الرحیم کے اور بعض یاحق تصور کرتے ہیں واللہ اعلم بالصواب -

قلندر صاحب اس خصوص میں سب پہ سبقت لے گئے مشہور ہے کہ اسمِ اعظم پوشیدہ ہے لیکن حالتِ نکتہ نظر سے قلندر صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسمِ اعظم دراصل اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے -

اسمِ اعظم کے متعلق صاحبانِ ذوق میں اختلاف ہے اور درایتی کی نسبت بھی مشہور ہے کہ ناپید ہے عاشقوں کی پہلی مشکل تو قلندر صاحب نے حل کر دی اور درایتی شاعروں نے پیدا کر کے دکھا دیا -

ذرا ابق کسے کم دیدہ موجود	مگر اشکِ بتاں از سرمہ آلود

۸ ترجمہ - شرف نے اس کی پاک صورت میں جمالِ لایزال کو عیاں دیکھا مطلب صاف ہے

غزل ۶۹

پرده بردار که ما روی چو مهرت نگریم ۱ ورنه از آهِ جگر پردهٔ عالم بدریم

پرده بردار که بینیم دو ابروی ترا ۲ پیشِ شمشیرِ تو ما جمله سرا سپریم

آتشِ جلوهٔ تو خرمنِ ارواح بسوخت ۳ لیک با ما چه توان کرد که تو نا نظریم

پرتوِ روی تو خود می بدرد پردهٔ خویش ۴ پس چرا روی ترا ما پسِ پرده نگریم

برترا ز هر دو جهان است جمالِ تو که ما ۵ پیشِ روی تو دو عالم به یکی جو نخریم

ما خبر گوی جمالِ تو به عالم شده ایم ۶ گرچه از جلوهٔ دیدارِ تو ما بی خبریم

طعنهٔ دشمن و تحسینِ رفیقاں شنویم ۷ لیکن از جملہ رویم و بتغافل گذریم

مرده هرگز نبود آں که بمیرد در عشق ۸ کشتهٔ نازِ ترا زنده و دائم شمریم

نیست فردوسِ بریں پیشِ سر کوی تو که ما ۹ ره بکوی تو بفردوسِ بریں می سپریم

۱۰	بوعلی راهِ ملامت رهِ مردانِ خداست می نشاید که چنیں راه بغفرت سپریم	۱۰

ترجمہ۔ پردہ اٹھا تاکہ ہم آفتاب جیسا چہرہ دیکھیں ورنہ آہِ جگر سے عالم کا پردہ چاک کر دیں گے۔

پردہ۔ حجاب۔ ردہ (اشتری) ہم۔ یخ یا نفرہ کی تاریں جو ستار یا طنبور پر انگلیوں کی نگہداشت کیلئے باندھتے ہیں وحفظِ مقاماتِ موسیقی اور کثرتِ استعمال کی وجہ سے مطلق آواز کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے نیز مقامات کے معنوں میں بھی آتا ہے مثلاً پردۂ عشاق۔ پردہ خراساں۔ پردۂ عراق۔ پردۂ یاقوت۔ پردۂ دبرسال۔ پردۂ بلبل پردہ قمری۔ پردہ چغانہ وغیرہ۔ پردہ دریدن۔ پردہ پھاڑنا۔ پردہ دری کرنا۔

مزید برآں شاعر اصرار کرتا ہے کہ بے حجابانہ جلوہ نمائی کر ورنہ ہم آہِ جگر سوز سے نظامِ عالم کو درہم برہم

کر دیں گے ایک دیوان میں مصرعۂ ثانی اس طرح لکھا ہوا ہے ؎ "ورنہ از آہِ جگر پردۂ راز تو بدریم" ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر تو نے مجھے دیدار سے مشرف نہ کیا تو تیرے راز و اسرار کو خلق کے سامنے ظاہر کر دوں گا۔

پردہ مصرعۂ اولیٰ اور مصرعۂ ثانی میں مخل نہیں ہے

۲۔ ترجمہ۔ پردہ اٹھا کہ ہم تیرے ابروؤں کو دیکھیں کیوں کہ ہم تیری شمشیر کے سامنے ہمہ تن سپر ہیں

سپر ۔ ڈھال جس پر تلوار کا وار روکا جاتا ہے

ابرو کو خمیدہ ہونے کے سبب شمشیر بھی کہتے ہیں اصطلاح میں ابرو سے صفاتِ باری تعالیٰ بھی مراد ہوتی ہیں عاشق دیدارِ بے نقاب کا متحمل نہیں ہو سکتا لیکن قلندر صاحب کا حوصلہ دیکھیے کہ فرماتے ہیں کہ پردہ اٹھا کہ میں تیرے دونوں ابروؤں کو دیکھوں کیونکہ میں تیری ابرو کی شمشیر کے سامنے ہمہ تن سپر ہوں یعنی سر جھکا دیا ہے!

چشم اگر این است و ابرو این و ناز و عشوہ این — الوداع اے زہد و تقویٰ الفراق اے عقل و دین

عقل و دین کی تفسیر میں لکھا ہے کہ چشم کے معنی عین کے ہیں پس ہو سکتا ہے کہ اشارے کی زبان سے عینِ قدیم کو ذات سے تعبیر کریں۔ اور ابرو کو حاجب کہتے ہیں سو اس کا اشارہ صفات کی طرف ہو سکتا ہے کیونکہ صفات ذات کیلئے پردہ ہیں ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ قلندر صاحب صفات و اسماء کے ذریعے عرفان حاصل کرنا چاہتے ہیں جو جائز ہے۔

۳۔ ترجمہ۔ تیرے جمال کی آتش نے ارواح کا خرمن جلا دیا لیکن ہمارے ساتھ کیا کیا کہ ہم کوتاہ نظر ہیں۔

یعنی تیری آتشِ جمال نے علیٰ قدرِ استعداد ہر دل میں عشق کی آگ لگا دی لیکن ہم کہ کوتاہ نظر ہیں اس سے محروم ہیں لیکن اس میں تیری شکایت نہیں ہماری کم ظرفی ہے۔

طالبِ لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید (حافظ) ہمچناں در عملِ معدن و کانست کہ بود

۱ عجز و نیاز کا اعتراف ہے اور کسرِ نفس کا ایک نمونہ۔

۴۔ ترجمہ۔ جب تیرے چہرے کی روشنی خود اپنا پردہ پھاڑتی ہے تو ہم تیرے چہرے کو بے پردہ کیوں نہ دیکھیں

یعنی جب تیرا حسن پردۂ کثرت میں ظاہر ہے تو میں تیرے چہرہ کو بے پردہ کیوں نہ دیکھوں مراد یہ کہ جب عالمِ کثرت میں تیرا ہی نور ضوفشاں ہے تو میں دفترِ کائنات کے ورق ورق سے تیرا عرفان کیوں حاصل نہ کروں۔

جمالِ تو چوں بذاتِ در جہاں سالیست — بگو تے نہ نشینم چوں زاہدِ مرتاض

۵۔ ترجمہ۔ ہم تیرے چہرے کے مقابلہ میں دونوں عالم کو ایک دانہ جو کے بدلے بھی نہیں خریدتے کیونکہ تیرا

جمال دونوں جہاں سے برتر ہے۔

مراد یہ کہ چونکہ دونوں عالم کی آراستگی اور زیب و زینت تیرے جمال کی رہین منت اور شرمندۂ احسان ہے اس لئے ہم اصل سے فرع کی طرف رجوع نہیں کرتے کیونکہ تیرے چہرے کے مقابلہ میں ہمارے نزدیک دونوں عالم ہیچ اور بے حقیقت ہیں اور ان کی قیمت ایک دانہ جو کے برابر بھی نہیں۔

۱۰۔ ترجمہ: ہم جہاں میں تیرے جمال کی خبر دینے والے ہیں اگرچہ ہم تیرے جلوہ دیدار سے بے خبر ہیں یعنی اگر ہم تیرے دیدار سے محروم ہیں لیکن تیرے نادیدہ جمال کو شہرت دینے والے ہیں۔

در بدر خانہ بجانہ تیری شہرت کے لئے اطراف و اکناف میں ہم تیری تصویر لئے پھرتے ہیں

۷۔ ترجمہ: دشمنوں کے طعن اور دوستوں کی تحسین سنتے ہیں لیکن غفلت سے گذر جاتے ہیں اور کہیں بھی نہیں جاتے مطلب یہ کہ دشمن کی طعن و ملامت سے ہم کبیدہ خاطر نہیں ہوتے اور نہ دوست کی ..... تحسین سے خوش بلکہ ہم دونوں سے غافل ہو کر اپنے مقصود پر قائم ہیں۔

۸۔ ترجمہ: وہ ہرگز نہیں مرتا جو عشق میں مرے تیرے ناز کا کشتہ ہمیشہ زندہ گنا جاتا ہے۔
عاشقانِ حق کی نسبت مشہور ہے کہ وہ مرتے نہیں بلکہ نقل مکان کرتے ہیں اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ وَاِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ اسی زندگی جاوید کے متعلق قلندر صاحب اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

"ہر کہ از عشق زندہ شد حسن را شناخت و در مرگ نباشد زیرا کہ مرگ بے خبر شدن از قالب است چوں قالب را روح گذاشت آں را مرگ مے گویند و روح عاشق خبر از قالب ندارد و دائم نظر او بر حسن است۔ قالب را فراموش کردہ و خود را عاشق دانستہ آنچہ در نظر مے آید حسن خود مے داند حسن با عاشق لازم خواہد بود پس عاشق را مرگ نباشد حیات عاشق بجمال محبوب است تا ابد خواہد بود عشق با حسن معشوق دائم تحسین باشد"

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق (حافظ) ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مردے کہ ز عشق یزداں زندہ شد (رومی) از حیات معنوی پائندہ شد

۹۔ ترجمہ: فردوس بریں تیری گلی کا ہمسر نہیں اس لئے ہم تیری گلی چھوڑ کر اس کی طرف نہیں جاتے۔
یعنی تیری گلی فردوس بریں سے افضل ہے اس لئے ہم اس کو چھوڑ کر جنت کی طرف نہیں جاتے علامہ اقبال فرماتے ہیں

بہارِ جنت کو کھینچنا تھا انہیں مدینے سے آسماں تک   ہزار مشکل سے اسکو ٹالا بڑے بہانے بنا بنا کر

۱۰ نثر ترجمہ۔ اے اہلِ سردارانِ خدا کا رہنما راہِ ملامت ہے ہمیں سزاوار نہیں کہ ایسے رستے سے نفرت کریں۔
یعنی عاشقانِ حق کو نشانۂ ملامت بننا پڑتا ہے اسلئے انہیں طعن و ملامت کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔

عجب اک سر ہے نہ بدنامی و تسلیم، عاشقی کا مزا نہیں ملتا

اسی مضمون پر ہے۔

درعشق ملامتی و رسوائی بہ   کافر شدن و گبری و ترسائی بہ
پیشِ ہمہ عاقل و رعنائی بہ   و اندر رہِ ما سودائی و رسوائی بہ

(رباعی)

مزید معلومات کے لئے دیکھیے شعر (۱۲/۱۳) ملاحظہ (۱۹/۱)

غزل

روز با خوش پسرانِ خردِ وفا مے بازم ۱ شب ہمہ شب بشرابے و بشمعے سازم

بے خبر از دو جہاں کردمرا جلوۂ دوست ۲ بدو عالم ز رخِ دوست نمے پردازم

سجدہ در پیشِ تو آوردم و مسجود شدیم ۳ کہ در پیشِ سجدہ ملائک نشود انبازم

دارم از سوز و گدازِ غمِ او پیشِ نظر ۴ بابد اوّل کہ سرِ خویش چو شمع اندازم

مرغِ عشقم کہ مرا دانہ تو عید دہند ۵ زیرِ سر کنگرۂ عرش بود پروازم

موجے از جلوۂ او بر دِ سنا گاہ مرا ۶ بود انجامِ روا اہلِ نظر آغازم

کے بایں واحکمِ حاوثہ پرواز کنم ۷ من کہ از اوجِ سرِ عرش یکے شہبازم

کے شوم مدعیٔ کشف کہ سرکیست خفی ۸ نہ نشود گاہ بطاماتِ بلند آوازم

نہ منم عارف و عالم نہ منم عاشق و رند ۹ سزہ گویند ہمہ بے خبراں از رازم

بوعلی کے سرِ خود بر کشم از راہِ صفا ۱۰ من کہ در زمرۂ اربابِ وفا ممتازم

۱۔ ترجمہ۔ میں دن کو معشوقوں کے ساتھ نرد دغا کھیلتا ہوں اور تمام رات شراب اور شمع میں گذارتا ہوں

نرد۔ بالفتح شطرنج کے مقابلہ میں ایک کھیل کا نام ہے۔

یعنی دن کو حسینوں کے ساتھ بازی دغا کھیلنا اور رات کو شمع کی روشنی میں شراب پینا میرا مخصوص شغل ہے

مراد یہ کہ اس شغل سے میرا مقصود ہی ایفائے عہد ہے جو بروز میثاق کیا گیا شراب اور شمع کی اصطلاحی تحقیق میں صاحب گلشن راز فرماتے ہیں

شراب و شمع و شاہد عین معنی است — کہ در ہر صورت او را تجلی است

شراب اینجا زجاجہ شمع مصباح — بود شاہد فروغ نور ارواح

شراب و شمع جان آں نور اسرای است — دلے شاہد ہمہ آیات کبرائی است

شراب و شمع و شاہد جملہ حاضر — مشو غافل ز شاہد بازی آخر

یعنی شراب سے وہ لذت مراد ہے جو محبوب کے ناگہانی جلوے سے سالک کے دل پر وارد ہو کر اسے بے خود کر دے اور شمع اس نور عرفان کو کہتے ہیں جو سالک کے دل پر متجلی ہو۔

۲۔ ترجمہ۔ مجھے دوست کے جلوے نے دونوں جہان سے بے خبر کر دیا اس لئے میں دوست کے چہرے کے سوا دونوں عالم میں مشغول نہیں ہوتا۔

مطلب یہ کہ مجھے جلوۂ محبوب نے تعلقات کونین سے غافل کر دیا یعنی مجھے دونوں عالم سے سروکار نہیں ظاہر ہے کہ بیخود آدمی کو خبر کا حصول نہیں رہتا۔

۳۔ ترجمہ۔ میں نے تجھے سجدہ کیا اور مسجود ہوا۔ اس سجدہ میں فرشتے میرے شریک نہیں۔

اس شعر کا مطلب دو طرح ہو سکتا ہے ایک یہ کہ قلندر صاحب محض ایک ترجمان ہوں اور مسجود قدیم کا اشارہ حضرت آدم کی طرف ہو کہ وہ مسجود ملائک ہوئے اس طرح بھی ہماری برتری اور فوقیت فرشتوں پر ثابت ہے یا قلندر صاحب خود فرماتے ہیں کہ ہم نے تجھے سجدہ کیا۔ اور مسجود ملائق ہوئے سجدہ تعظیم و تکریم بھی مراد ہو سکتی ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں سجدۂ عبادتی اور سجدۂ تعظیمی۔ سجدۂ آدم تعظیمی سجدہ تھا اگر عبادت کا ہوتا تو آدم کی شرکت بھی لازم آتی کتب تصوف سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی[۱] قلندر صاحب[۲]۔ خواجہ چراغ دہلوی[۳]۔ خواجہ بندہ نواز[۴] خواجہ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی[۵] جیسے صدہا عارفین کو مخلوق تعظیمی سجدہ کرتی تھی اور علمائے وقت کو کوئی اعتراض نہ تھا مفتاح العاشقین میں حضرت روشن چراغ دہلوی لکھتے ہیں۔

"سجدہ بر انبیائے پیشین مستحب بود کہ اولاد پدرا نسا دو پیر و سلاطین را سجدہ مے کردند چوں وقت
حضرت رسالت پناہی رسید استحبابِ سجدہ رفت مباح ماند چنانچہ روزۂ ایام بیض کہ پیش ازاں فرض
بودہ است در وقتِ رسالت پناہؐ ایام بیض را فرضیت نماند اما استحباب باقی ماند چوں استحبابِ سجدہ
رفت مباح ماند بدیں کافر نہ گردد۔"

۴۔ ترجمہ۔ سوز وگداز کی وجہ سے اُس کا غم پیشِ نظر ہے اس لئے مجھے شمع کی طرح اپنا سر گرانا چاہیئے۔
یعنی میں سوختہ جگر ہوں اور غم دوست میرا رفیق ہے اس لئے مجھے شمع کی طرح اپنا سر بھی فدا کر دینا چاہیئے
تاکہ حضوریٔ معشوق کے لیے سرمایۂ استغراق حاصل ہو ظاہر ہے کہ اگر شمع یا فتیلۂ چراغ کا سر گرا دیا جائے تو وہ گویا وہ روشن ہو جاتا
ہے سچ ہے کہ عشق میں بے سر ہو کر ہمسری کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

"تا مرد بہ تیغِ عشق بے سر نہ شود — اندر رہِ عشق دعاشقی سر نشود
ہم یار طلب کنی و ہم سر خواہی — آرے خواہی و لے میسر نشود"
ابوسعید رح

۵۔ ترجمہ۔ میں مرغِ عشق ہوں مجھے توحید کا دانہ دیتے ہیں اور ہر کنگرۂ عرش کے نیچے میری پرواز ہوتی ہے
مراد یہ کہ میں ریاضِ عشق کا مرغ ہوں اور میری خوراک دانۂ توحید ہے جس کی وجہ سے میں کنگرۂ عرش پر پرواز
کرتا ہوں صاحبِ مفاتیح الاعجاز لکھتے ہیں کہ توحید شہودی۔ عیانی۔ وجدانی اور ذوقی کے تین مراتب ہیں پہلا یہ کہ
حق جل مجدہٗ افعالی تجلی کے ساتھ سالک پر متجلی ہو اور وہ تمام اشیاء کے افعال کو حق تعالےٰ کے افعال میں فنا دیکھے اور
کسی چیز میں غیر حق کو فاعل نہ جانے اس مقام کو اصطلاح میں محو کہتے ہیں۔
دوسرا یہ کہ حق جل شانہٗ صفاتی تجلی کرے اور سالک تمام اشیاء کی صفات کو اُس کی صفات میں مضمحل جانے
اور غیر حق میں مطلق کوئی صفت نہ دیکھے بلکہ جمیع اشیاء کی صفات کا مظہر اللہ تعالےٰ کو تصور کرے اس مقام کو طمس کہتے
ہیں تیسرا مقام یہ ہے کہ تجلی ذات کیساتھ ظہور کرے اور سالک تمام اشیاء کی ذوات و ماہیات کو تجلی نورِ ذات میں فنا
سمجھے اسے محق کہتے ہیں۔ مرغِ عشق اور دانۂ توحید میں کیا اعلیٰ حقیقت پوشیدہ ہے۔
۶۔ ترجمہ۔ اچانک اُس کے جلوے کی موج مجھے بہا کر لے گئی جہاں اہلِ نظر کے رشتہ کا انجام پردہ میرا
آغاز ہے۔
مسلم بات ہے کہ موجِ بحر جس چیز کو جو اُس کے ہاتھ لگے بہا کر سمندر میں لے جاتی ہے۔
فرماتے ہیں کہ اچانک جلوہ محبوب کی موج اٹھی اور مجھے بہا کر لے گئی جہاں اہلِ نظر کا انجام ہوتا ہے وہاں سے

میرا آغاز ہوا۔ علو مرتبت کی طرف اشارہ ہے کہ مجھے عروجِ عشق وہاں تک لے پہنچی جس کی رفعت و بلندی وہم و گمان سے بھی بعید ہے قلندری مرتبہ اظہر من الشمس ہے اس سلسلہ کے سالک ایمان و ایقان کے انتہائی مراتب پر پہنچ کر ہمیشہ محو در محو رہتے ہیں۔

۷ ترجمہ۔ میں اس دامگاہِ حوادث پر کب پرواز کر سکتا ہوں جب کہ میں عرشِ اعلیٰ کا شہباز ہوں

دامگاہ۔ جال اور پھندے کی جگہ۔ مکر و فریب کا مقام **حادثہ**۔ واقعہ نو پید، مصیبت۔

اوج۔ بالفتح ہر چیز کے اوپر کی طرف کو کہتے ہیں یا اوج ستاروں کا بلند ترین درجہ ہے اوج کا معرب ہے

شہباز۔ ایک مشہور جانور کا نام ہے

حوادثِ دہر کو دامگاہ کہنا بیجا نہیں۔ کیونکہ اہلِ دنیا اکثر اس میں اسیر اور گرفتار ہوتے ہیں مگر عرشِ اعلیٰ کے شہباز (عاشقانِ حق) اس کی حقیقت کو اچھی طرح پہچانتے ہیں اس لئے اس میں گرفتار نہیں ہوتے کسی اہلِ حق کا قول ہے کہ "دل خلقت میں مشہور ہوتا ہے لیکن اس میں مبتلا نہیں ہوتا" اس لئے قلندر صاحب کا یہ کہنا کس قدر حقیقت ہے کہ میں شہبازِ عرش اس دامگاہِ حوادث سے آزاد ہوں چنانچہ اس حقیقت کو مہرالعشق میں اس طرح واضح کرتے ہیں کہ

"عشق مرغے است کہ آشیانہ او ازل است بر شاخ آئم غیلان کے نشیند و درین تنگنا ئے کے پرواز کند آنچہ خاقانی گفتہ است بدین معنی قریب است

دعوائے عشقِ مطلق مشغول نسلِ آدم	کانجا کہ شہرِ عشق است انساں چہ کار دارد

اے درویش مرغیکہ از آشیانہ ازل پرید جز بر شاخ ابد نہ نشیند و چشم عبنق گرفتہ صدوشناساں دید نیز من گویم کہ عشق ہمائے ہوائے قدس است اگر سایہ بر عالم حدوث افگند او راز صدِ امکان بہ عالم وجوب رساند"

اس شعر میں دامگاہ، حادثہ، پرواز، اوج، شہباز، عرش کا استعمال اس خوبصورتی سے کرنا قلندر صاحب کی قادر الکلامی پر دال ہے

۸ ترجمہ میں کشف و کرامات کا دعویدار کب ہو سکتا ہوں کہ یہ پوشیدہ شرک ہے میں بلند آواز سے بیہودہ باتیں نہیں کرتا۔

طامات۔ صوفیوں کی لاف و گزاف جو اپنی کشف و کرامات کے اظہار میں کرتے ہیں ہرزہ گوئی سراج اللغات میں لکھا ہے کہ طامات۔ بہ تشدید میم بروزن حاجات نہ عربی لفظ ہے مگر اہلِ فارس تخفیف سے

ساتھ استعمال کرتے ہیں بعض پراگندہ اقوال اور بے اصل باتیں کہ بعض صوفی اپنی گرم بازاری کے لیے گھڑ لیتے ہیں اور رشیدی میں مذکور ہے کہ طامات جمع طامہ بہ تشدید میم بمعنی حادثہ عظیم شرک ۔ بالکسر خدا کے لاشریک کے ساتھ کسی کو شریک کرنا نعوذ باللہ ۔

شرک کی کئی قسمیں ہیں مثلاً ۱۔ اشراک فی العلم یعنی کسی بزرگ یا پیر کیساتھ یہ اعتقاد کرنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت خبر ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا ھُوَ ۲ ؛۔ اشراک فی التصرف یعنی کسی کو نفع و نقصان کا مختار سمجھنا قُلْ مَنْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْہِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۳۔ اشراک فی العبادت کسی کو سجدہ کرنا کسی کے نام کا جانور چھوڑنا وغیرہ قال اللّٰہ تعالیٰ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰہَ ۴ ؛ ۔ اشراک فی العادت کسی جانور پر کسی بزرگ کا نام لگا کر اس کا ادب کرنا اور کسی بزرگ کا نام بطور وظیفہ کے جپنا وغیرہ ۔

اہل تصوف کی اصطلاح میں خودی و خودنمائی شرک ہے اس لئے قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں کشف و کرامات کا دعویٰ نہیں کرتا کیونکہ یہ پوشیدہ شرک ہے جس سے مجھے احتراز ہے درحقیقت خودنمائی بری چیز ہے اور صوفیان صفا کیش لاف و گزاف سے قطعاً اجتناب کرتے ہیں ۔

با ما سخن از کشف و کرامات چہ گوئی ... چوں ما ز سر کشف و کرامات گذشتیم ۔
اے شیخ اگر جملہ کمالات تو این ست ... خوش باش کزیں جملہ کمالات گذشتیم
اینہا بحقیقت ہمہ آفات طریق اند ... مشغول نما در طلب از جملۂ آفات گذشتیم
دیدیم کہ اینہا ہمہ خراب است و خیال است ... مردانہ ازیں خواب و خیالات گذشتیم

۹۔ ترجمہ ۔ نہ میں عارف و عالم ہوں نہ عاشق و رند مگر لوگ میرے متعلق ہرزہ سرائی کرتے ہیں ۔

ع : خلقت ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

کسرنفسی ہے خودستائی کے الزام نے اظہار واقعہ سے باز رکھ کر کسرنفسی پر مجبور کیا ورنہ مرتبہ قلندری اظہر من الشمس ہے ۔

۱۰ ترجمہ ۔ اے دوست میں راہ جفا میں کب سر کھینچ سکتا ہوں جبکہ میں ارباب وفا کے زمرہ میں ممتاز ہوں تسلیمیت کا دعویٰ ہے کہ میں مرکز وفا سے ہٹ نہیں سکتا کیونکہ میں زمرۂ عشاق اور ارباب وفا میں ممتاز ہوں جفا اور وفا کے متعلق قلندر صاحب سر العشق میں ذکر فرماتے ہیں ۔

"ہر چیز کہ ہست ہمہ بلا ایک جا ہو و لقا بیفزاید کہ عشق بلا بیفزاید و بے قضا ایک جا اے درویش

ازانجا کہ حقیقتِ عشق است بایدکہ ہیچ چیز منبغز اید ونکاہد المحبۃ لا یزید بالبر ولا ینقص بالجفاء۔ اما بداں کہ عشق ہم آتش است و ہیزمِ او تن و جان و دل و دیدۂ عاشق تاآں در وے بیفتد ایں شعلہ بر نبارد حرارتِ او بیفزاید"

غزل ۱

اگر رندم وگر من بت پرستم ۱ قبولم کن خدایا ہرچہ ہستم

بتے دارم درونِ سینۂ خویش ۲ کہ روز و شب من آں بت می پرستم

بہوشم ناورد ہنگامۂ حشر ۳ کہ من بدمست از روزِ الستم

ندارم ننگ و عار از بت پرستی ۴ کہ یارم بت بود من بت پرستم

بہ پیچ و تابِ عشق افتادم آنگہ ۵ دل اندر زلفِ پیچانِ تو بستم

خمارم نشکند آید اجل گر ۶ کہ از جامِ شرابِ شوق مستم

۷ شرف چوں نرگسِ مستش بہ یادم
بمستی ساغر و مینا شکستم ۷

۱۔ ترجمہ۔ اگر میں رند ہوں یا بت پرست اے خدا جو کچھ ہوں مجھے قبول کر۔
مراد یہ کہ جیسا ہوں تیرا ہوں بہرحال میرے عیبوں کو نظر انداز کر اور اپنی رحمت پر نظر کر کے مجھے قبول فرما اپنی بے بضاعتی کا اعتراف ہے۔

در عشقِ تو گہ بت پرستم گویند	گہ رند و ترسا و اباتی و ہستم گویند
ایں ہا ہمہ از بہر شکستم گویند	من شاد بآنکہ ہرچہ ہستم گویند

۲۔ ترجمہ۔ میں اپنے سینے کے اندر بت رکھتا ہوں جس کی دن رات پرستش کرتا ہوں۔
بت کے لغوی معنی اصطلاحی تحقیق اور شعر ہذا کی وضاحت کیلئے دیکھو شعر ۲، ۱۵۹۔

۳۔ ترجمہ۔ مجھے ہنگامۂ محشر بھی ہوش میں نہ لا سکے گا کہ میں روزِ الست سے بدمست ہوں

محشر کا دن ایسا سخت ہوگا کہ سب سالم مردے چونک اٹھیں گے لیکن قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ میں روزِ الست سے ایسا مست ہوں کہ ہنگامۂ محشر بھی ہوش میں نہ لا سکے گا شیخ سعدی نے لکھا ہے۔

حریفانِ خلوت سرائے الست	بیک جرعہ تا نفخۂ صور مست

لیکن قلندر صاحب سب پر سبقت لے گئے۔

۴۔ ترجمہ۔ میں بت پرستی سے شرم نہیں رکھتا کیونکہ میرا یار بت ہے اور میں بت پرست ہوں۔

یعنی مجھے بت پرستی سے اس واسطے عار نہیں کہ میرا یار خود بت ہے اور میں اس کا پجاری ہوں۔

چہ عیبے کنی مارا کہ ما بت ہے پرستیم	آں بت را نگر ساکن بتخانہ نباشد

۵۔ ترجمہ۔ میں عشق کے پیچ و تاب میں اس وقت پڑا جس وقت میں نے تیری زلف پیچاں میں اپنا دل باندھا۔

غرض یہ کہ تیری اسیری ہی نہیں اگر زلف سے عالم کثرت مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ میں جب سے عالم کثرت میں آیا برابر عشق کے پیچ و تاب میں ہوں۔

۶۔ ترجمہ۔ اگر اجل بھی آجائے تو میرا خمار نہ ٹوٹے گا کیونکہ میں شراب شوق کے ایک جام سے مست ہوں

یعنی حالتِ نزع میں بھی میری مخموری بدستور قائم رہے گی۔

۷۔ ترجمہ۔ اے شرف جب میں نے اس کی مست آنکھ دیکھی تو مستی میں ساغر و مینا کو توڑ دیا

گل نرگس کو آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں اور آنکھ کو مست و مخمور کہتے ہیں۔

قلندر صاحب بھی اس نرگس شہلا کو دیکھ کر مست ہوگئے اور مستی کا خاصہ یہ ہے کہ وہ حسن و قبح سے غافل کر دیتی ہے کیونکہ اس کیفیت میں عقلِ جزوی بیکار ہو جاتی ہے۔

بعض دفعہ ساغر سے صفات و آثار بھی مراد لی جاتی ہے ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ میں نے عشقِ محبوب میں اپنے آثار و صفات کو بالکل فنا کر دیا۔

غزل ۱۲

منم محوِ جمالِ او نمی دانم کجا رفتم	شدم غرقِ وصالِ او نمی دانم کجا رفتم

غلامِ روئے او بودم اسیرِ موئے او بودم ۲ غبارِ کوئے او بودم نمی دانم کجا رفتم

بآں ماہ آشنا گشتم زجان و دل فدا گشتم ۳ فنا گشتم فنا گشتم نمی دانم کجا رفتم

شدم چوں مبتلائے او نہادم سر بپائے او ۴ شدم محوِ لقائے او نمی دانم کجا رفتم

۵ قلندر بو علی ہستم بنامِ دوست سرمستم
دلِ اندر عشق او بستم نمی دانم کجا رفتم ۵

ا۔ترجمہ۔ میں اُس کے جمال کا محو ہوں اور اُس کے وصال کا غریق اسلئے نہیں جانتا کہ کہاں جاتا ہوں۔
عشقِ محبوب میں قلندر صاحب کے استغراق کی یہ حالت ہے کہ اپنی منزلِ مقصود تک کا بھی پتہ نہیں
استغراق ہو تو ایسا ہو اور یوں بھی غریق آپ کو اپنی ہستی کی خبر نہیں ہوتی ۔
۲۔ترجمہ۔ میں اُس کے چہرہ کا غلام اور زلف کا اسیر ہوں اور اُس کی گلی کا غبار لیکن نہیں جانتا کہ کہاں جاتا ہوں
غبار بھی آوارہ و سرگرداں ہوتا ہے عشقِ محبوب میں یہی حالت قلندر صاحب کی ہے یہ شعر بھی کمال استغراق
کا ایک ضرب المثال نمونہ ہے ۔
۳۔ترجمہ جب میں اُس چاند کا آشنا ہوا جان و دل سے فدا ہوا فنا ہوا فنا ہوا لیکن نہیں جانتا کہاں جاتا ہوں
شعر آسان ہے لیکن یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اصطلاحِ صوفیا میں فناہ و بقا سے کیا مراد ہوتی ہے
فنا ۔ نیست و نابود ہونا۔ اصطلاحِ صوفیائے کرام میں فنا سے مراد یہ ہے کہ ممکن واجب میں اپنے
آثار و صفات کو بالکل مضمحل کر دے مگر یہ نہیں کہ اپنی حقیقت کو معدوم کر دے بلکہ اس طرح کہ جیسے آفتاب کی روشنی انوارِ
محسوسہ کو مضمحل کر دیتی ہے۔

چراغ آنجا کہ خورشید منیر است		میان بردو بالا دی اسیر است

شیخ جنید بغدادیؒ کا قول ہے المحدث اذا قورن بالقدیم لم یبق لہ اثر۔ نقد النصوص میں مولانا جامی
قلندریہ طائفہ کے فنا و بقا کی نسبت لکھتے ہیں کہ
”نزدیک ایں طائفہ فنا و بقا را معنی دیگر است از بقائے ذات چیزے نخواہند
بلکہ بقائے صفاتِ او خواہند و از فنا فنائے ذات چیزے نخواہند بلکہ فنائے صفاتِ او خواہند

باں معنی کہ مراد از ہر چیزے عین آں چیزے نیست بلکہ معنی آں است کہ چوں این معنی دراں چیز موجود باشد آں چیز را نام لقاء دہند از بہر آں کہ مقصود از آں چیز حاصل است و چوں ازاں چیز معدوم گردد آں چیز را فانی خوانند از بہر فوات مقصود لہذا ایں در تعارف ظاہر است کہ چوں کسے پیر و ضعیف گردد گویند کہ ہم آنم کہ بودم مرد ہمانست لیکن صفات دیگر شدہ است"

سم ترجمہ: جب میں اُس کا قبلہ ہوا اپنا سر اُس کے پاؤں پر رکھا اور اُس کے چہرے کا محو ہوا اصلی نہیں جانتا کہ کہاں جا رہا ہوں

لقا۔ بالکسر، دیدار، ملاقات۔ اس شخص کو دیکھنا جس کی خواہش ہو۔ (انتخاب اللغات)

۵ ترجمہ: ساحر اور علی میں قلندر ہوں اور دوست کے نام کا سرمست ہوں اور میرا دل اُس کے عشق میں بندھا ہوا ہے لیکن نہیں جانتا کہ کہاں جاتا ہوں۔

پوری کی پوری غزل ہی استغراق میں ہے قلندریہ محویت اور استغراق کا اس سے بہتر نمونہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

غزل ۷۳

غیرت از چشمم برم روی تو دیدن ندهم	۱	گوشم را نیز حدیث تو شنیدن ندهم
گر شبی دست دهد وصل تو از غایت شوق	۲	تا قیامت نشود صبح دمیدن ندهم
گر بیاید ملک الموت که جانم ببرد	۳	تا نه بینم رخ تو روح رمیدن ندهم
گر مرا بر سر کوی تو بود دسترسی	۴	خضر را بر سر کوی تو رسیدن ندهم
نذر دیدار تو گر ملک دو عالم بدهند	۵	یعلم الله که سر موی تو دیدن ندهم
اگر آن طائر قدسی فتد اندر دامم	۶	گر چه صد حمله کند باز پریدن ندهم

۷ شرف ار باد وزد بوی ز زلفش ببرد
باد را نیز درین شهر وزیدن ندهم ۷

اے ترجمہ: میں آنکھوں پر غیرت کروں اور تیرا منہ دیکھنے نہ دوں اور کان کو تیری بات سننے نہ دوں

محبوب کی حفاظت مقصود ہے کہ چشم غیر کو تیرا چہرہ دیکھنے نہ دوں اور غیر کے کانوں کو تیری بات سننے نہ دوں

۲۔ ترجمہ۔ اگر رات مجھے تیرا وصل نصیب ہو تو غایت شوق سے میں قیامت تک صبح کو پھوٹنے نہ دوں

مراد یہ کہ ابدالآباد تک وصل کا لطف اٹھاؤں "وصل عبارتست از نسیان خود و شہود نور وجود حق تعالیٰ (جواہر غیبی)

۳۔ ترجمہ۔ اگر ملک الموت میری جان لینے آئے تو جب تک میں تیرا منہ دیکھ نہ لوں جان کو جانے نہ دوں

مراد یہ کہ میری زندگی کا آخری لمحہ کا مقصود بھی تیرا ہی دیدار ہوگا ع

چوں میرم مبتلا میرم چوں خیزم مبتلا خیزم

۴۔ ترجمہ۔ اگر تیری گلی تک مجھے دسترس ہو جائے تو غیر کو تیری گلی میں آنے نہ دوں۔

گویا نااہل اور ناسزا اس قابل ہی نہیں کہ تیری گلی میں آئیں قلندر صاحب نے دربانی کا دعویٰ خوب کیا ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ اگر تیرے دیدار کے لئے دونوں جہان مجھے نذر میں دیں اللہ جانتا ہے کہ میں تیرے سر کا بال بھی دیکھنے نہ دوں۔

معشوق کی کس قدر حفاظت منظور ہے حاسد کی نظر بد کا اندیشہ ہے اس لئے دونوں جہان کے معاوضہ میں ایک بال کی زیارت کرانا بھی ناگوار ہے۔

خاکِ درِ تو بہ مملکتِ جم ندہم	موئے ترا بہ ہر دو عالم ندہم

۶۔ ترجمہ۔ اگر وہ طائرِ قدسی میرے دام میں گرے پھر اگرچہ سر حملے کرے جانے نہ دوں۔

طائرِ قدسی ۔ سے مراد مشاہدۂ ذات ہے جو ناممکن ہے۔

یعنی اگر وہ شہباز اوجِ عرش سے میرے دام میں آجائے تو پھر اُس کو واپس جانے نہ دوں مگر یہ امید بھی ایسی ہے جیسے ہوا کو گرہ میں باندھنا یا پانی پر نقش بنانا عرفی نے سچ کہا ہے۔

تو رحیرت در شبِ اندیشۂ اوصافِ تو	بس ہمایوں مرغِ عقل از آشیاں انداختہ

۷۔ ترجمہ۔ اے شرف اگر ہوا چلے اور اُس کی زلف کی خوشبو لے جائے پھر میں ہوا کو کبھی اس شہر میں چلنے نہ دوں۔

خوشبو کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے کا ذریعہ ہوا ہوتی ہے محبوب کی زلف عنبر بار کی بھی حفاظت منظور ہے کہ اگر ایک دفعہ ہوا زلف یار کی خوشبو لے جائے تو پھر بار دگر اُسے شہر میں آنے نہ دوں ہوا کے ساتھ غیرت دوری کا معاملہ بھی عجیب ہے۔

غزل ۷۴

دیدہ روئے تو رفتہ از ہوشیم ۱ مست و از خویشتن فراموشیم

گر کنی لطف ور روی در خشم ۲ ما غلامانِ حلقہ در گوشیم

رازہا اندرونِ سینۂ ماست ۳ گرچہ در مجلسِ تو خاموشیم

یار را ہیچ گہ نمے بینم ۴ گرچہ با یار ہم آغوشیم

ہیچ جا ما نمے کنیم قرار ۵ کہ بعشقِ تو خانہ بر دوشیم

تلخیِ مرگ کے شود محسوس ۶ شربتِ وصلِ او اگر نوشیم

او است در ما و ما درو محویم ۷ پس بہ زور و دعا نمے کوشیم

مست مے خانہ بہتر از فردوس ۸ جامِ مے را بتوبہ نہ فروشیم

دین دنیاست چوں خس و خاشاک ۹ ما چو طوفانِ بحر در جوشیم

با قلندر وشیم و رند صفات ۱۰ خرقۂ زاہداں نمے پوشیم

اے شرف ضبطِ عشق شیوۂ ماست
ہمچو دیوانگاں نہ بخروشیم ۱۱

ترجمہ۔ ہم نے تیرا چہرہ دیکھا اور ہوش سے چلے گئے مست اور اپنے آپ سے فراموش ہیں۔
یعنی ہم مشاہدۂ تجلیات سے بیہوش اور بیخود ہو کر ما سوا سے بھی بے خبر ہو گئے
یہاں بھی چہرہ دیکھنے سے رویتِ مقید مراد ہے یعنی دیدار بالمرآت و تعینات وغیرہ کیونکہ رویتِ عیانی ناممکن ہے۔

۲۔ ترجمہ۔ اگر تو لطف کرے تو ہم حلقہ بگوش غلام ہیں۔

یہ شعر رضا و تسلیم میں ہے کہ ہم دونوں صورتوں میں راضی برضا ہیں اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ مولانا جامی قلندر صاحب کا دوسرا مصرعہ لیکر پہلا خود لگاتے ہیں۔

چو تو در گوشش کردہ حلقہ	ما غلامانِ حلقہ در گوشیم

۳۔ ترجمہ ہمارے سینہ کے اندر راز ہے اگرچہ ہم تیری مجلس میں خاموش ہیں۔

یعنی ہمارا سینہ تیرے راز و اسرار سے لبریز ہے لیکن کوئی وجہ ہے کہ ہم تیری محفل میں خاموش ساکت و صامت ہیں

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں	ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

سالک حالتِ سکر میں راز کہنے پر مجبور ہوتا ہے البتہ اگر سکر کے درمیان صحو کا غلبہ ہو جائے تو افشائے راز سے باز رہتا ہے سکر کے متعلق صوفیائے کرام لکھتے ہیں کہ سکر بسبب اشعۂ نور ذات و اختفائے نورِ عقل احکام ظاہر و باطن کے درمیان رفعِ تمیز کا نام ہے اہلِ وجد کے دو گروہ ہیں ایک محبانِ ذات ان کے وجد کا منشا ذات ہوتا ہے دوسرے محبانِ صفات جن کے وجد کا منشا عالمِ صفات ہوتا ہے محبانِ صفات کو وجد میں فرحت و ذوق کا اکثر اتفاق ہوتا ہے بخلاف محبانِ ذات کے وجد جو عالمِ صفات میں ظاہر ہو ایسا قوی نہیں ہوتا جیسا کہ وجدِ انوارِ ذات ہوتا ہے پس واجدِ ذات اکثر غلبہ و حال سے مغلوب ہو کر اپنی عقل کو شعشعۂ نورِ ذات اور انوارِ تجلیات میں مستغرق کر دیتا ہے اس لئے افشائے راز کرتا ہے اور صحو عودتِ تمیز و رجوعِ احکام جمع و تفرقہ کے واپس لوٹ آنے کا نام ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ جب سالک انتہائی غلبۂ انوارِ ذات میں فانی اور مستہلک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک ایسا وجودِ باقی عطا کرتا ہے جو انوارِ ذات کی تجلیات سے متاثر نہ ہو سکے اس وقت تمام فانی اوصاف اور عقلِ بشری عود کر آتے ہیں اس حالت میں سالک افشائے راز سے اجتناب کرتا ہے قلندر صاحب پر بھی یہی مذاق غالب ہے و نیز اس شعر میں رازداری کی تعلیم پائی جاتی ہے جو طریقت کا اہم ترین اصول ہے۔

رات ہوا نے یہیں اک گوشہ سے آئی تھی صدا (آئی)	دل میں سب کچھ ہے مگر طاقتِ گفتار نہیں

۴۔ ترجمہ میں یار کو کسی جگہ نہیں دیکھتا اگرچہ یار کا ہم آغوش ہوں۔

یعنی میں محبوب کا ہم آغوش ہوں لیکن اس کو دیکھ نہیں سکتا جاننا چاہئے کہ یہ نزدیکی علم و اعتبار کے لحاظ سے ہے مکان و مسافت کے لحاظ سے نہیں۔

دوست نزدیک تر از من بمن است (سعدی)	وین عجب تر کہ من از وے دورم

چہ کنم باکہ تواں گفت کہ او (سعدی) درکنارِ من و من مہجورم

۵۔ ترجمہ۔ ہم کسی جگہ قرار نہیں پکڑتے کیونکہ تیرے عشق میں خانہ بدوش ہیں۔

خانہ بدوش لوگوں کا مقام مستقل نہیں ہوتا بلکہ آج یہاں تو کل وہاں عشق محبوب میں قلندر صاحب بھی خانہ بدوش ہیں

دل مرا ہمرنگ جاں سے بادہ جاں ہمرنگ تن (تو) آلائی جس جگہ جا ہو بالا وہ تو ہے خانہ بدوش

۶۔ ترجمہ۔ موت کی تلخی کب محسوس ہو اگر ہم اس کے وصل کا شربت نوش کریں۔

یعنی جو شخص شراب عشق کا جرعہ نوش ہے اس کو تلخی مرگ محسوس نہیں ہوتی واقعی شراب عشق میں یہ خاصیت ہے

۷۔ ترجمہ۔ وہ ہم ہیں اور ہم اس میں محو ہیں پس ہم وردِ دعا کی کوشش نہیں کرتے۔

یعنی حبیب، طالب و مطلوب محو یکدگر ہوں تو وِرد و دعا چہ معنی دارد

بہوں کارساز حاجات آگہی دارد (دآں) برائے جنبیت دعا چہ سود حرف سوال

۸۔ ترجمہ۔ میخانہ فردوس سے اچھا ہے اس لئے ہم جام شراب کو توبہ کے عوض نہیں بیچتے۔

یہ خانہ وحدت اور فردوس بریں کا مقابلہ ہے کہ توبہ کے عوض جام زریں کو نہ دینا چاہئے کیونکہ یہ خاص

تعلیم ہے۔

۹۔ ترجمہ۔ دین و دنیا خس و خاشاک کی طرح ہیں اور ہم سمندر کے طوفان کی طرح جوش میں ہیں

سمندر میں طوفان کا ہونا اور خس و خاشاک کا بہنا ایک حقیقت ہے۔

مراد یہ کہ دنیا ہمارے جوش زخروش کی تابع فرمان ہے ہم سر چاہیں خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائیں گویا

وہ ہم پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

۱۰۔ ترجمہ۔ ہم قلندر رند اور رند صفات ہیں اس لئے زاہدوں کا خرقہ نہیں پہنتے

خرقہ۔ بالکسر پرانہ دبامہ جیتھڑا۔ خرق سے ماخوذ ہے معنی ہوا کہ چاک ہونا پارہ پارہ ہونا چونکہ فقیروں

کا لباس آگے سے پھٹا ہوا ہوتا ہے اس لئے خرقہ کہتے ہیں یہاں مراد خود نمائی اور خود فروشی ہے۔

زاہدوں کی شرب الیہود مشہور ہے کہ ان کا ظاہر و باطن یکساں نہیں ہوتا فرماتے ہیں کہ ہم قلندر صفت اور رند

مشرب آدمی ہیں اس لئے زاہدوں کی طرح خرقہ یا جُبّہ زیب تن نہیں کرتے یہ شعر طنزیہ ہے۔

۱۱۔ ترجمہ۔ اے شرف ضبط عشق ہمارا شیوہ ہے ہم دیوانوں کی طرح شور نہیں کرتے۔

یعنی دیوانوں کی طرح شور و شغب کرنا اور اپنے دکھ ظاہر کرنا ہمارا دستور نہیں ظاہر ہے کہ دیوانہ آدمی

ننگ و ناموس انسانیت کا جو ہر کھو کر بیہودہ خرافات کی ڈینگ مارتا ہے۔

ممکن ہے کہ اشارہ اس طرف ہو کہ عرشِ قلوب پر نازل ہونے والی تجلیات اور واردات کو نافہم لوگوں سے پوشیدہ رکھنا چاہیے کیونکہ وہ ان رموز و اسرار کو سمجھ نہیں سکتا۔

غزل

ما بعشقِ تو ناتواں شدہ ایم ۔ ۱ ۔ جسم بودیم ہم چو جاں شدہ ایم

تا بچشمِ تو جائے خود کردیم ۔ ۲ ۔ ما ز چشمِ جہاں نہاں شدہ ایم

ما ز یک جرعۂ مئے شوقش ۔ ۳ ۔ باز پیرانہ سر جواں شدہ ایم

نیست پروائے آب و ناں مارا ۔ ۴ ۔ ما بخوانِ کہ میہماں شدہ ایم

زاں زماں کو بر آستاں بنشاند ۔ ۵ ۔ در بلندی چو آسماں شدہ ایم

نیست پروائے دو جہاں مارا ۔ ۶ ۔ تا بوصلِ تو کامراں شدہ ایم

تا نشانِ تو یافتیم بعشق ۔ ۷ ۔ ما دریں دہر بے نشاں شدہ ایم

زیرِ تیغِ تو سر چو بنہادیم ۔ ۸ ۔ در خورِ عمرِ جاوداں شدہ ایم

ترکِ دنیا و دیں چو بنمودیم ۔ ۹ ۔ غافل از سود و از زیاں شدہ ایم

۱۰ ۔ شرف اندر ہوائے جلوۂ دوست ۔ فارغ از دوزخ و جناں شدہ ایم ۔ ۱۰

(ترجمہ) ہم تیرے عشق میں ناتواں ہو گئے ۔ کبھی جسم تھے لیکن اب جاں کی طرح ہو گئے۔

روح چونکہ ایک غیر محسوس چیز اور امرِ ربّی ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ ہم تیرے عشق میں ناتواں گشت

استخواں ہو گئے کبھی جسم تھے لیکن اب روح کی طرح برائے نام ہیں یہ حقیقت ہے صرف دعویٰ ہی نہیں تذکروں سے ثبوت ملتا ہے کہ قلندر صاحب نے مجاہدۂ نفس میں بڑی بڑی سخت ریاضتیں کیں برسوں پانی میں کھڑے رہے گنگوٹی کے جنگلوں میں زہرہ گداز مجاہدات کئے پس ایسی سخت محنتوں سے جسم کا گھل کر لاغر اور نحیف ہو جانا تعجب خیز نہیں۔

۲ ترجمہ: جب سے ہم نے تیری آنکھوں میں اپنی جگہ بنائی جہاں کی آنکھوں سے چھپ گئے۔

یعنی جب سے ہم تیری نظروں میں منظور ہوئے دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہو گئے مراد یہ کہ تیری حضوری نے مجھے لوگوں کی نظروں سے چھپا دیا فی الحقیقت اس سلسلہ کے سالکین تخریب حالات کے لئے عجیب و غریب طریقے اختیار کرتے ہیں تاکہ کسی کی نظران کے حال کے جمال پر نہ پڑے

۳ ترجمہ: ہم بوڑھے اس کی شراب شوق کے ایک جرعہ سے دوبارہ جوان ہو گئے۔

شراب کی خاصیت ہے کہ پیرانہ سالی میں بھی تمام اعضاؤں میں ایک نئی تازگی پیدا کر دیتی ہے فرماتے ہیں کہ جب ہم نے شراب عشق کا ایک جرعہ نوش کیا بڑھاپے تو تھے ہی گر زہے اثر کہ از سر نو جوان ہو گئے۔

این کہ بالطبع شباب است نظیری عجب … مے رود پیر بہ میخانہ جواں مے آید

تجلیات جو کچھ عرصہ سے حجاب میں تھیں ان کے نزول اجلال سے عاشق سال خوردہ از سر نو جوان ہو گیا اصطلاح میں اس حالت کو بسط کہتے ہیں اور تجلیات کے رک جانے کو قبض کہتے ہیں۔

۴ ترجمہ: ہمیں آب و نان کی پرواہ نہیں جس خوان پر کہ ہم مہمان ہوئے

یعنی ہم خوانِ الفت کے مہمان ہیں اس لئے خورد و نوش سے مستغنی ہیں۔

خوانِ الفت میں ہے وہ کونسی نعمت کہ نہیں … میزبانی خونِ دل پینے کو ہے لخت جگر کھانے کو

تذکروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلندر صاحب نے چالیس سال تک آب و دانہ کی طرف مطلق التفات نہیں کیا۔

۵ ترجمہ: ہم تیرے آستانہ [illegible] دروازے پر بیٹھ گئے [illegible] آسمان کی طرح ہو گئے

یعنی جب سے ہم نے کوچہ [illegible] تیری دہلیز سے رشتہ جوڑا ہماری رفعت اور بلندی آسمان سے بھی بڑھ گئی مراد یہ کہ تیرے ہو کر ہم [illegible] دارو مدار [illegible] قلندر صاحب کی نعلین پر داری کو شاہانِ زمان بھی سعادت تصور کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

۶ ترجمہ: ہمیں دونوں جہاں کی پرواہ نہیں جب سے تیرے وصل سے کامران ہو گئے۔

کامران منصور مسند، صاحب نصیب، دولت مند۔

یعنی جب سے تیرا وصال حاصل ہوا ہم نے دونوں جہان کو نظروں سے گرا دیا اور اب اُنکی پروا نہیں

روئے دل من سوئے نشاں بود ہمیشہ　　چوں روئے تو دیدم ہمہ روئے تو گردم

۷ ترجمہ۔ جب کہ ہم نے عشق سے تیرا نشان پایا اس جہان میں بے نشان ہو گئے۔

یعنی جب سے ہم نے عشق کا ادراک حاصل کیا ہے اور تجھے پہچانا ہے اور اپنی ماہیت کو سمجھا ہم بے نشان ہو گئے اور سمجھ لیا کہ ہماری ہستی ایک وہم و خیال ہے جو ہمارے درمیان حائل ہے اس لئے ہم نے اسکو مٹا دیا۔

۸ ترجمہ۔ جب سے ہم نے تیری تیغ کے نیچے سر رکھا ہم عمرِ جاوداں کے سزاوار ہو گئے۔

تیغ سے تیغِ تسلیم و رضا مراد ہے یعنی جب سے ہم نے تیری رضا اختیار کی ہے اور خنجرِ تسلیم سے شہید ہوئے ہمیں عمرِ جاوداں اور ابدی زندگی حاصل ہو گئی۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں　　ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ (حدیث نبوی)

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے　　کبھی اس گھر میں آ نکلے کبھی اُس گھر میں جا ٹھہرے

۹ ترجمہ۔ جب سے ہم نے دنیا اور دین کو ترک کیا سود و زیاں سے غافل ہو گئے۔

مطلب صاف ہے کہ جب سے ہم نے تیرے عشق میں دنیا اور دین سے انقطاع کیا سود و زیاں سے فارغ ہو گئے یعنی نہ نفع کی امید رہی نہ نقصان کا خطرہ

۱۰ ترجمہ۔ اے شرفِ ہم جلوۂ دید۔ رضا کی آرزو میں دوزخ اور بہشت سے فارغ ہو گئے۔

یعنی دیدارِ محبوب کی تمنا میں شرف بہشت اور دوزخ سے بے فکر ہو گیا۔

غزل ۷۶

چونکہ اندر سجدہ پیشِ خمِ ابروئے تو ایم　　۱　　در نماز عشق رو بنمودہ ما سوئے تو ایم

نیست ما را حور و غلمان و پری اندر نظر　　۲　　چونکہ از روزِ ازل ما عاشقِ روئے تو ایم

پائے در زنجیرِ ما باشیم و اندر پیچ و تاب ۳ زاں کہ از روزِ ازل وابستۂ موئے تو ایم

سر فرو ہرگز نمے آریم پیشِ ہر کسے ۴ ما کہ سر بنہادہ اندر پائے گیسوئے تو ایم

جامِ مے ہرگز نمے نوشیم و گل را نشنویم ۵ بیخود از روئے تو ایم و مست از بوئے تو ایم

جرعۂ از مے کرامت گر کنی پیرِ مغاں ۶ ہر کجا باشیم روز و شب دعاگوئے تو ایم

اے کہ فطرت از مہرِ کساں خوشتر لبے ۷ گر برانی ور بخوانی یارِ رضاجوئے تو ایم

در مذاقِ ما گوارا تلخیِ ہجرِ تو نیست ۸ ما کہ عادت کردۂ شیرینیِ خوئے تو ایم

۹	واعظ ار ما را کند ترغیبِ جنت ہرزہ گوست ما کہ ہیچو بوالعلی افتادہ در کوئے تو ایم	۹

۱ ترجمہ چونکہ ہم تیرے خمِ ابرو کے آگے سجدہ ریز ہیں اس لئے نمازِ عشق میں ہم نے تیری طرف رخ کیا۔

تفہیم ابرو کو محراب بھی کہتے ہیں ع محرابِ نمازِ عارفاں ابروئے تست۔

یعنی ہم تیرے خمِ ابرو کو سجدہ کرتے ہیں اور ہمارا رخ تیری طرف ہے ایمان العین کی طرف اشارہ ہے

جس کی محرابِ عبادت ہو خمِ ابروئے یار   اُس کو کعبے میں کہو سجدہ ادا کیونکر ہو

۲ ترجمہ حور و غلمان اور پریاں ہماری نظروں میں نہیں کیونکہ ہم روزِ ازل سے تیرے چہرے کے عاشق ہیں۔

مطلب بالکل واضح ہے۔

نہ جنت جویم و نے حور و نے انہار میخواہم   بجز ارزانی اے زاہد ہمیں دیدار میخواہم

شہانِ مملکت فردوس را بارے بدہ بستاں آرند (آمین)   و من درویشِ عالی ہمتم دیدار مے خواہم

۳ ترجمہ ہمارے پاؤں زنجیر بستہ ہیں اور ہم پیچ و تاب میں کیونکہ ہم روزِ ازل سے تیری زلف میں مبتلا ہوئے ہیں

زلف کو زنجیر بھی کہتے ہیں اور عاشق کی گرفتاری زلفِ جاناں سے پیدا ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ ہم چونکہ روزِ ازل سے تیری زنجیرِ زلف میں اسیر ہیں اس لئے سخت پیچ و تاب میں ہیں زلف کو عالمِ

کثرت اور تعینات سے بھی تشبیہ دی جاتی ہے ایسی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ عالمِ اسباب میں تیرے گرفتار ہستند

پیچ و تاب میں ہیں

تاج زتا ہے کہ دلِ غمزہ در پنہاں داشت (شبلی)	شکنِ طرۂ گیسوئے تو پیدا سے کردہ

۴ ترجمہ ہم ہر ایک کے آگے سر فرو نہیں کرتے کیونکہ ہم نے اپنا سر تیرے گیسوؤں کی یاد میں رکھا ہوا ہے

گیسو۔ سراج الدین علیخاں آرزو نے سراج میں لکھا ہے کہ گیسوان لمبے بالوں کو کہتے ہیں جو سر کے دونوں طرف آویزاں ہوتے ہیں اور بعض زلف کا مرادف بھی کہتے ہیں مگر متاخرین کے اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ گیسو اور زلف دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں چنانچہ مُلّا قاسم مشہدی کہتا ہے ۔

یک سرِ مو در سرِ لیلیٰ دنشاں بیکار نیست	آں چہ مے آید زیا داز زلف گیسو مے شود

مطلب صاف ہے کہ ہم تیرے بغیر کسی کے آگے سربسجود نہیں ہوتے کیونکہ ہم اپنا سر تیرے گیسوئے عنبریں کی یاد میں جھکائے ہوئے ہیں ظاہر ہے کہ گیسوؤں کا تعلق سر سے ہوتا ہے اور گیسو جھکے ہوئے اور آویزاں ہوتے ہیں اس لئے ان کی یاد میں سر کسی دوسری جگہ فرو نہ کرنا کیا اعلیٰ حقیقت ہے اور اس کا استعمال قلندر صاحب کی قادر الکلامی پر دال ہے ۔

۵ ترجمہ ہم جام شراب ہرگز نہیں پیتے اور پھول کی خوشبو نہیں سونگھتے کیونکہ ہم تیرے چہرے سے بے خود ہیں اور تیری خوشبو سے مست ۔

ظاہر ہے کہ جام شراب سے بیخودی اور پھول سے حصولِ خوشبو مراد ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ ہم تیرے چہرے کو دیکھ کر یعنی تجلیات کے نزول سے بے خود اور تیری زلف کی خوشبو سے مست ہو گئے اس لئے ہم شراب پینے اور پھول سونگھنے میں

بے خواہشِ گل دارم نے حاجتِ مُل دارم | از چہرہ و لبہائے بیروں ہست سر و کارم

۶ ترجمہ اے پیرِ مغاں اگر تو شراب سے ایک جرعہ عنایت کرے تو ہم جس جگہ ہوں گے ہر وقت تجھے دعا دیں گے

پیرِ مغاں سے التجا کی گئی ہے کہ ہمیں شرابِ لعلین کا ایک جرعہ عطا فرما تاکہ ہم ہر وقت تجھے دعائے خیر سے یاد کریں بدیہی امر ہے کہ اگر کسی پر کوئی شخص احسان کرے تو وہ ضرور محسن کے حق میں دعا کرتا ہے ۔

۷ ترجمہ تیرا قہر غیروں کی محبت سے اچھا ہے اگر نکال دے یا نوازے ہم تیری رضا کے طالب ہیں

یعنی تیرا قہر و عتاب اغیار کی مہر و محبت دلجوئی اور دلنوازی سے ہزار درجہ بہتر ہے خواہ خالی ہاتھ نکال دے خواہ نوازش کرے ہم بہر حال تیری رضا پر راضی و شاکر ہیں کوئی شکایت نہیں ۔

ہر چہ بود بر سرِ ما چوں تو پسندی رواست	بندہ چہ دعویٰ کند حکم خداوند راست
گر بہ لطفم بنزد خود خوانداز ۱۱۱۱ (سعدی)	ور بقہر م بر اندا و داند ۱۱۱۱

بندہ ام گر بلطف میخوانی رسد ما جاکرم گر بقہر مے رانی

قلندر صاحب کا یہ شعر بھی رضا و تسلیم کا بہترین نمونہ ہے۔

۸۔ ترجمہ ۔ ہمارے مذاق میں تیرے ہجر کی تلخی گوارا نہیں کیونکہ ہم تیری شیرینی طبع کے عادت کردہ ہیں ۔

یعنی ہم تیری طبعِ شراہ کے خوکردہ ہیں اس لئے تیری جدائی کی تلخی برداشت نہیں کر سکتے تجلیات کے نزول کو شیرینی طبع اور ان کے رک جانے کو تلخی ہجر کہا گیا ہے ہم اس مقام پر خارستانِ جامی سے ایک حکایت نقل کرتے ہیں جس سے تلخی ہجر کی حقیقت معلوم ہوگی ۔

حکایت ۔ بغداد شریف کا ایک نوجوان شاعر جو دیوانہ تخلص کرتا تھا بیمارستانِ بغداد میں بیمار پڑا تھا اور آرزوئے وصال دوست میں شعر کہہ رہا تھا کوئی بزرگ پاس سے گذرے پوچھا تمہاری کیا خواہش ہے شاعر نے جواب دیا کہ محلہ نہر زجاج میں احمد نام دہقان کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ رباعی پڑھو میری کیفیت معلوم ہو جائے گی ۔

در عشقِ تو ام طاقتِ تنہائی نیست	در ہجر تو ام تاب شکیبائی نیست
تا وسعِ تواں بود تحمل کردم	دیگر چہ کنم وسعِ توانائی نیست

اُس بزرگ نے دروازہ پر جا کر آواز دی ایک پیرانہ سال عورت باہر آئی جسے یہ رباعی سنائی گئی جب وہ عورت اندر چلی گئی تو اس بزرگ نے اندر سے ایک لڑکی کو یہ رباعی پڑھتے سنا ۔

در عشق کسے را کہ توانائی نیست	در ہجر تحمل و شکیبائی نیست
مرگ است علاجِ وے و بیرون مرگ	ہر مصلحتے دگر کہ فرمائی نیست

اُس بزرگ نے واپس آ کر یہ رباعی اس نوجوان کو سنائی اس نے نعرہ مارا اور جاں بجاں تسلیم ہوا وہ بزرگ اس واقعہ سے متاثر ہو کر محلہ نہر زجاج میں آیا اور دہقان کے گھر میں شور و بکا کی آواز سن کر معلوم ہوا کہ وہ لڑکی بھی مر گئی ۔

۹۔ ترجمہ۔ اگر واعظ ہمیں جنت کی ترغیب دے تو وہ ہرزہ گو ہے کیونکہ ہم نرگس کی طرح تیری گلی میں پڑے ہوئے ہیں

یعنی واعظ اگر مجھ کو جنت کی خواہش میں کوچہ جاناں سے اٹھنے کی ترغیب دلائے تو وہ بیہودہ گو ہے۔

بہار جنت کو کھینچا تھا ہمیں مدینہ سے آج رضواں (اقبال) ہزار مشکل سے اُس کو ٹالا بڑے بہانے بنا بنا کر

غزل

عاشقا خیز و گام در رہ زن ۱ عقل باشد دریں سفر رہزن

گر بسر گرد دشتِ عشق مگرد ۲ چوں مخنث ز دور دہ دہ زن

خرمنِ صبر را بآتش دہ ۳ طعنہ بر روئے عقلِ ابلہ زن

ہر بلائے کہ آیدت از عشق ۴ بر سرِ آں را بگیر و قہقہہ زن

مصر خواہی چو یوسفِ کنعاں ۵ خیمۂ اعتکاف در چہ زن

جاں در انداز و راہِ جاناں گیر ۶ برتر از کائنات خرگہ زن

دست برکش ز جاں شرف اوّل

گام در راہِ عشق آں گہ زن

ترجمہ:۔ اے عاشق اٹھ اور رستہ میں قدم رکھ کیونکہ اس رستہ میں عقل راہزن ہے۔

قلندر صاحب نے کئی جگہ عشق و عقل کا مقابلہ جداگانہ خیالات اور نادر تشبیہات سے کیا ہے شعر زیرِ تشریح میں عقل کو راہزن تصور کرکے رقمطراز ہیں کہ اے عاشقِ صادق اٹھ بیدار ہو اور راہِ عشق میں دیوانہ وار قدم اٹھا کیونکہ عقل اس منزل میں کاروانِ عشق اور رہروانِ محبت کی قاطع الطریق ہے حضرت لقمان سرخسی کے متعلق ایک حکایت ہے

گفت لقمان سرخسی کاے الٰہ — پیرم و سرگشتہ و گم کردہ راہ

بندہ پس عمر گشتہ ام شادیم بخش — پیر گشتم خط آزادیم بخش

بندہ چوں شد پیر دل شادش کنند — پس خطش بدہند و آزادش کنند

ہاتفے گفت اے حرم را خاص خاص — ہر کہ او از بندگی خواہد خلاص

محو گردد عقل و تکلیفش بہم — ترک گیر ایں ہر دو را در نہ قدم

گفت آلئی من ترا خواہم علم   عقل و تکلیفم بنا بید السلام

عقلِ جزوی چونکہ منازلِ عشق میں راہروانِ محبت کی رہزن ہے اس لئے جب تک اسے چھوڑ کر دیوانگی اختیار نہ کی جائے بامِ وصال تک رسائی نہیں ہو سکتی مصرعۂ اولیٰ میں راہزن بمعنی رستہ میں قدم اٹھا اور ثانی میں بمعنی قاطع الطریق استعمال ہوا ہے لہذا دونوں میں تجنیس ہے

۲۔ ترجمہ اگر تو مرد نہیں تو عشق کے گرد مت پھر مخنث کی طرح دور سے واہ واہ کر۔

مخنث خنثیٰ بنایا ہوا ہیجڑا۔

قلندر صاحب نے اس شعر میں کم ظرفوں اور نفسانی عاشقوں کو مخنث کہا ہے چونکہ وہ جوہرِ کارِ مردی سے محروم ہوتے ہیں اس لئے ان کا پیشہ بازاری عورتوں کی طرح واہ واہ کر کے ناچنا ہوتا ہے اگر تجھ میں حوصلہ اور جوانمردی نہیں تو عشق اختیار نہ کر بیشک عشق اختیار کرنے کے لئے لوہے کی چھاتی اور پتھر کا کلیجہ ہونا چاہیے۔

چوں پائے شوق نداری براہِ دوست منہ   کہ ہست در رہِ الفت بسے نشیب و فراز

۳۔ ترجمہ۔ صبر کا خرمن آگ کے حوالے کر اور بےوقوف عقل پر طعنہ مار۔

ابلہ۔ بیوقوف۔ نادان۔

مراد یہ کہ صبر کو آتشِ عشق کی نذر کر کے ناحقیقت شناس عقل کو ترک کر دے کہ یہ اس راہ میں کام نہ دے گی عقل کر مراد اس جگہ عقلِ جزوی ہے نہ کہ عقلِ کلی

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست (حافظ) راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

۴۔ ترجمہ۔ ہر بلا کہ تجھ پر آئے اس کو سر پر اٹھا اور قہقہہ مار۔

کیا اعلیٰ تعلیم ہے کہ بلائے عشق کو بصد خوشی و بہزار خواہش مردانہ وار برداشت کر اور چیں بجبیں نہ ہو اپنی مصیبت پر قہقہہ لگا کر ہنس۔

عاشق چوں شوی تیغ بسر باید خورد   زہرے کہ رسد ہمچو شکر باید خورد

ہر چند ترا در جگر آبے نبود   (ابوسعید) دریا دریا خونِ جگر باید خورد

مکتوبات میں قلندر صاحب لکھتے ہیں :۔

"تا در عشقِ محبوب جگر خود را خوں نہ سازی و بر در صاحب خستہ خاک نہ شوی واز آں خاک درختِ صانہ روئی و در ہر برگ او خونِ خود را قسمت نکنی و در میانِ دو سنگ خود را آس

شدہ نہبنی بردستِ صاحب جناں کجا نگارشوی"

۵ ترجمہ۔ اگر یوسفِ کنعاں کی طرح مصر چاہتا ہے تو کنوئیں میں اعتکاف کا خیمہ لگا۔

اعتکاف ۔ گوشہ نشیں ہونا ۔ اپنے تئیں کسی چیز سے باز رکھنا

مصر کی سلطنت حضرت یوسف علیہ السلام کے مقدر میں تھی لیکن جن جن مصیبتوں کو برداشت کرکے اور جن جاں سوز امتحانات میں پورے اتر کر آپ سریر آرائے سلطنت ہوئے وہ کسی دنیا سے مخفی نہیں منجملہ ان کے کنوئیں میں گر کر کچھ عرصہ تک وہاں مقیم رہنے کا واقعہ زہرہ گداز ہے اگر یہاں مصر سے مراد وصالِ محبوب اور یوسف سے طالب اور خیمۂ اعتکاف سے وہ مصیبتیں اور تکلیفیں جو انسان کے وصال میں عاشق کو پیش آتی ہیں لی جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر تو وصال کا خواہشمند ہے تو ان مصائب کو مردانہ وار برداشت کر۔

قلندر صاحب منزلِ عشق کے زہرہ گداز امتحانات کو تبشکر کی ہدیت میں اس طرح واضح کرتے ہیں :۔

" تبشکر را ببیں کہ از حسنِ معشوق عاشقاں را از عشق شکر میدہد و خود را از بیخ برکندہ پوست خود بر انداز دو تسلیمِ خود را اختیار کند ہمے سوزد و خود را در پا چنداں پائمال کنانند کہ بمرتبہ شکر مے رسد دمی گر ببیند ہنوز لائقِ دہنِ معشوق نہ شدہ ام سرا بسوزند تا گداز شود جوش آرند تا لذیذ نبات گشتند بعدہ پیش معشوق شربت کردہ در دست دہند تا معشوق بخورد اے برادر دریں راہ چوں تو ثابت قدم نباشی و بر دشوارگی ہا نغنہ نزنی در محفلِ معشوق کے رسی"۔

عاشقی؟ تو حید را بر دل زدن (اقبال) وانگہے خود را بہر مشکل زدن

۱۸ ترجمہ۔ جان دیدے اور محبوب کا راستہ پکڑ اور کائنات سے بلند خیمہ نصب کر

خرگہ ۔ بالکسر خوشی کی جگہ خر بالکسر زبانِ پہلوی بمعنی خوشی اور گہ بمعنی جگہ اور خیمہ بھی راحت و سرور اور دل بہلاؤ کے لئے لگایا جاتا ہے اور بالفتح بمعنی کلاں لہذا خرگہ بمعنی خیمہ کلاں بھی ہو سکتا ہے

یعنی طلبِ محبوب میں جان سے ہاتھ اٹھا لے اور کائنات کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ عالی حوصلہ رکھ طالب کے لئے قیمتی نصیحت ہے۔

۱۹ ترجمہ۔ اے شرف پہلے جان سے ہاتھ اٹھا اور پھر راہِ عشق میں قدم رکھ۔

کمال ایثار کی تعلیم ہے کہ پہلے جان سے ہاتھ دھو کر پھر جادۂ عشق میں قدم اٹھا مراد یہ کہ حصولِ وصال کے لئے ہمیشہ سر بکف رہ ؛

غزل ۶۸

دانی کہ چیست دنیا دل از خدا بریدن ۱ جز عشق او گزیدن جز ذکر او شنیدن

دانی کہ چیست مستی در عشقِ نازنیناں ۲ ہم دست و پا فشاندن ہم پیرہن دریدن

دانی کہ چیست لذت در عہدِ زندگانی ۳ بوسے سرش نشیندن لعلِ لبش چشیدن

دانی کہ چیست لازم آں شوخِ نوجواں را ۴ چوں گُل بخندہ بودن ہم چوں سرو چمیدن

دانی کہ چیست مقصد از عشق عاشقاں را ۵ ہم سوئے یار رفتن ہم روئے یار دیدن

دانی کہ چیست مطلب از عشق نیر ف را
۶ نشتر بدل شکستن از دیدہ خوں چکیدن

از ترجمہ۔ تو جانتا ہے کہ دنیا کیا ہے خدا سے دل ہٹا لینا اور اُس کے عشق اور ذکر کے بغیر دوسری چیز سننا اور اختیار کرنا

یعنی جو چیز خدا کی یاد سے غافل کر دیتی ہے اُس کا نام دنیا ہے مراد یہ کہ دنیا کسی خاص چیز کا نام نہیں اگر انسان عالم اسباب میں رہ کر یادِ حق اور اطاعت سے غافل نہ ہو تو اسے کسی طرح بھی دنیا کا اسیر کہنا روا نہیں حضرات صوفیائے کرام نے دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک دنیائے محمود اور دوسری دنیائے مذموم اچنانچہ دنیائے محمود اسے کہتے ہیں کہ انسان اس میں رہ کر یادِ حق سے غافل نہ رہے اور دین کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلقات کو بھی انجام دیتا رہے ایسے شخص کا مرتبہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند ہے دنیائے مذموم کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس میں یہاں تک گرفتار ہو جائے کہ اسے یادِ حق کی اصلا خبر نہ رہے مراد یہ کہ جو چیز تجھے یادِ حق سے غافل کر دے وہی بری دنیا ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل شدن ۔ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

چیست دنیا در لباس دلبری ۔ از خدا غافل شدن اے مولوی

اہل دنیا کافرانِ مطلق اند ۔ روز و شب در زق زق و در بق بق اند

اہلِ دنیا چہ لعین رچہ کہین   لعنت اللہ علیہم اجمعین

۲ ترجمہ۔ ترجمانتا ہے کہ نازنینوں کے عشق میں مستی کیا ہے ہاتھ پاؤں جھاڑنا اور پیراہن پھاڑنا۔

"دست و پا فشاندن اور پیراہن دریدن" مستی اور بیخودی کی علامت مطلب صاف ہے

۳ ترجمہ۔ ترجمانتا ہے کہ عہدِ زندگی میں لذت کیا ہے اُس کی زلف کی خوشبو سونگھنا اور لبِ لعلین چکھنا

شنیدن یعنی سونگھنا سننا چشیدن چکھنا ذائقہ معلوم کرنا۔

یعنی بوئے زلف سونگھنا اور بوسہ لب سے حلاوت حاصل کرنا عہدِ زندگی کا بہترین حاصل ہے۔

۴ ترجمہ۔ ترجمانتا ہے کہ اُس شوخ نوجوان کو کیا لازم ہے پھول کی طرح ہنسنا اور سرو کی طرح لچکنا۔

چمیدن۔ لچکنا جنبش کھانا معشوق کی مخصوص رفتار پر اطلاق کرتے ہیں۔

یعنی اُس شوخ کو لازم ہے کہ خندہ دہن ہو کر سرو کی طرح لچکے تاکہ عشاق اُس کی ایک ایک ادا پر جان نثار کریں پھول کے کھلنے کو خندہ کہا گیا ہے اور سرو کی لرزش کو لچکنا۔

۵ ترجمہ۔ ترجمانتا ہے کہ عشق سے عاشقوں کا مقصد کیا ہوتا ہے یار کی طرف جانا اور اُس کا منہ دیکھنا

۶ ترجمہ۔ ترجمانتا ہے کہ مشرف کا تیرے عشق سے کیا مطلب ہے نشتر دل پر توڑنا اور آنکھوں سے خون بہانا۔

مقطع میں قلندر صاحب اپنا دلی مقصد ظاہر کرتے ہیں کہ دل پر نشتر لگا کر خون کے آنسو رونا میری خواہش ہے۔

غزل ۶۹

لباسِ زاہد و واعظ مپوشان ۱ طلب کن جامِ مے از مے فروشاں

دہد ہاتف ندا ہر نوجواں را ۲ بنوش از بادہ جامِ مے فروشاں

لبم از ضبط فریاد است خاموش ۳ دلم را سرِ عشق است جوشاں

نباید در نظر از عاشقانش ۴ چو من رند و سیاہ مست خروشاں

گدائے زاہد را مطلوب کشف است ۵ بیا در صحبتِ ما دُرد نوشاں

صفا دیدم صفا در مے گساراں ۶ ریا دیدم ریا در خرقہ پوشاں

اگرچہ بر سرش خنجر ببارد

قلندر در رضائی نسبت کوشاں

۱۔ ترجمہ۔ واعظوں اور زاہدوں کا لباس نہ پہن بلکہ مے فروشاں سے شراب طلب کر۔

۲۔ ترجمہ۔ (کیونکہ) ہاتفِ غیب نے ہر نوجوان کو آواز دی کہ مے نوشوں سے شراب کا جام پیو۔

خشک زاہد عموماً مکر و فریب ریاکاری اور خود ستائی کے لباس میں ملبوس ہوتے ہیں اور ان کا ظاہر و باطن یکساں نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں کہ زاہدانِ ریاکار کی وضع اختیار نہ کر بلکہ زہدِ خشک اور اتقائے ریا آمیز کے مقابلہ میں جامِ شراب پی کیونکہ ہاتفِ غیب سے مژدہ ہے

۳۔ ترجمہ۔ میرے لب فریاد کرنے سے خاموش ہیں اگرچہ دل تیرے عشق کے اسرار سے جوش میں ہے

یعنی میرے دل میں تیرے عشق کے راز و اسرار کا عجیب طلاطم بپا ہے لیکن میں ان کے افشا سے اجتناب کرتا ہوں قلندر صاحب پر حالتِ صحو غالب ہے جو افشائے راز سے باز رکھ رہی ہے مزید وضاحت کیلئے دیکھو شعر ۱۴۲

۴۔ ترجمہ۔ مجھ رندِ سیاہ مست اور بے خبر وش کی طرح اُن کے عاشقوں میں کوئی نظر نہیں آتا۔

سیہ مست۔ بدمست یعنی زیادہ مست جس کی مستی حدِ اعتدال سے متجاوز ہو۔

یعنی میں رندی اور بدمستی میں عدیم المثال ہوں در آخر میں قلندر صاحب پر اکثر جذب و استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی ممکن ہے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔

۵۔ ترجمہ۔ اے زاہد اگر تجھے کشف مطلوب ہے تو ہم دُرد نوشوں کی صحبت میں آ۔

کشف کسی چیز کے منہ سے پردہ اٹھانا برہنہ کرنا کھول لینا اور اصطلاحِ صوفیائے کرام میں اس کو تمکین و تلوین کہتے ہیں تمکین استقرارِ قلب کی وجہ سے محلِ قرب میں دوامی کشفِ حقیقت کا نام ہے اور تلوین۔ کشف و حجاب کے درمیان صفاتِ نفس کے تعاقب و تناوب کی وجہ سے تقلیبِ قلب کو کہتے ہیں اور جو شخص صفاتِ نفس سے گذر کر صفاتِ قلب کے عالم میں نہ پہنچا ہو اُسے صاحبِ تلوین کہتے ہیں اور اربابِ کشف درجۂ تلوین سے گذر کر مرتبۂ تمکین میں پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر وقت کشف کے عالم میں رہتے ہیں جب تک دل مقامِ قلبی سے روحی مرتبہ حاصل نہ کر لے صاحبِ تلوین مرتبۂ تمکین حاصل نہیں کر سکتا جاننا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحبِ تلوین تھے اور حضور خواجۂ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مرتبہ الکمین پر فائز تھے۔

یعنی اگر تجھ کو کشف و تمکین کے مرتبہ پر فائز ہونے کی خواہش ہے تو ہماری محفل کا حاضر باش ہونا کیید کی گئی ہے کہ ہمارا رفیق اور مصاحب بن پھر کہیں یہ مرتبہ حاصل ہوگا۔

آں چہ زر مے شود از پرتو آں قلبِ سیاہ ۷۷ کیمیائیست کہ در صحبتِ درویشاں ست

۷۸ ترجمہ۔ میں نے میگساروں میں صفائی دیکھی اور خرقہ پوشوں میں ریائی۔

یعنی بادہ نوشانِ وحدت کو میں نے صفا کیش دیکھا اور ان خرقہ پوش زاہدوں کو ریاکار

بہ کمار خانہ رفتم ہمہ پاکباز دیدم عراقی چوں بہ صومعہ رسیدم ہمہ دیدم دغائی۔

۷۹ ترجمہ۔ قلندر تیری رضا میں کوشاں ہے اگر اس کے سر پر خنجر بھی برسے

یعنی میں بہر حال راضی برضا اور شاکر ہوں یہ خنجر بھی رضا و تسلیم ہی ہے۔

بندہ ام گر بلطف میخوانی حاکرم گر بقہر مے رانی ۸۰

غزل ۸۰

تو گرے ہمسری در مہ جبیناں ۱ چو ما بینی نہ ہرگز پاک بیناں

نہ امیدے مرا از دوستداراں ۲ نہ پروائے مرا از نکتہ چیناں ۸۱

گدا از اہلِ دولت گر ہمت ای شیخ ۳ چرا روے کشی از نازنیناں

کشیدہ پردہ بر رخ مے نشینی ۴ تغافل میکنی با ہم نشیناں

گزر در خانقاہ چوں کرد آں شیخ ۵ دہم پرسد زکو نہ آستیناں

دلِ افگندیم اندر بیمِ عشقش ۶ نمے داریم غمِ فلِ پیش بیناں

قلندر مشربی اے بو علی گر

مرو در صحبتِ عزلت نشیناں

۱۔ ترجمہ۔ تو پاکبازوں میں شامل ہے اور ہمارے جیسا کوئی پاکباز نہیں

یعنی تو حسن و جمال میں نقید المثال ہے اور ہم پاکبازی میں لاثانی ہیں

ہیں کہ نیست بعالم نظیر عشق مرا ｜ تو نیز حسن داد بے مثال پیدا شدی

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ۲۲

۲۔ ترجمہ۔ نہ مجھے دوستوں سے امید ہے اور نہ نکتہ چینوں کی پرواہ

یعنی میں دوستوں کی دلنوازی اور نکتہ چینوں کی عیب جوئی سے بے پرواہ ہوں۔

۳۔ ترجمہ۔ اے شیخ اگر تیرے دل میں گداز ہے تو ملامتیوں سے منہ کیوں پھیرتا ہے۔

یعنی اگر تیرے دل میں سوز و گداز ہے تو محبوب سے روگردانی اور روگشی کیوں کرتا ہے مراد یہ کہ تجھ میں سوز و گداز کا جوہر ہی نہیں ورنہ کبھی عاشقان صادق بھی عشق سے جی چراتے ہیں

لگن میں نیر کی نگ گئے وہ جو نہ جھجکے دریائے پُرخطر سے رسائی ｜ گئے وہ کہ آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

۴۔ ترجمہ۔ تو چہرہ پر پردہ ڈال کر بیٹھتا ہے اور ہم نشینوں سے تغافل کرتا ہے۔

عدم التفات کی طرف اشارہ ہے کہ تو نے نقاب میں منہ چھپا لیا اور ہم نشینوں کی طرف توجہ نہیں کرتا عاشق بھی کبھی ہمنشین تھے اسرار و رموز پر گفتگو ہوتی تھی لیکن دنیا میں آ کر بعد و فراق اور ہجر و وصال کی تمیز پیدا ہو گئی اب دور افتادہ ہو کر قلندر صاحب بھی گلہ کناں اور شکوہ سنج ہیں کہ کل تو یہ حالت تھی اور آج اب تغافل کہ چہرہ دکھانا بھی بار خاطر ہے۔ نقاب میں منہ چھپا لینا تغافل شعاری کو ظاہر کرتا ہے ممکن ہے کہ اس میں کچھ حیا کو بھی دخل ہو۔

۵۔ ترجمہ۔ جب اس شوخ نے خانقاہ کی طرف گذر کیا تو میرا دل کونہ آستینوں سے پر ہو گیا۔

خانقاہ۔ خانہ سکونت درویشاں خانگاہ کا معرب ہے اور خانگاہ۔ خانہ اور گاہ کا مرکب ہے مجلس گاہ اظہار رقابت مراد ہے۔ کہ جب محبوب خانگاہ کی طرف گذرا تو میرا دل کونہ آستینوں سے پر ہو گیا یعنی مجھے بہت غیرت آئی اور رقابت کی آگ بھڑک اٹھی۔

۶۔ ترجمہ۔ ہم نے اس کے پیچ عشق میں دل ڈالا کیونکہ ہم پیش بینوں کی عقل نہیں رکھتے۔

پیش بینوں اور دور اندیشوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ کام شروع کرنے سے پہلے انجام دریافت کرتے ہیں لیکن قلندر صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے نہ آغاز کی خبر ہے نہ انجام کا خیال بلکہ میں نے بے تأمل دل جیسی گرانقدر چیز کو نذر محبوب کر دیا ہے۔

۷ ترجمہ۔ اے بوعلی اگر تو عقلمند مشرب ہے تو غفلت پسندوں کی صحبت میں نہ جا۔
یعنی گوشہ نشین نہ بن بلکہ دفترِ کائنات کے ورق ورق سے معرفتِ کردگار کا مطالعہ کر۔
برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار (سعدی) ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

غزل ۸۱

اے ثنایت رحمۃ للعالمین ۱ یک گدائے فیضِ تو روح الامیں

اے کہ نامت را خدائے ذوالجلال ۲ زد رقم بر جبہ عرشِ بریں

آستانِ عالیٔ تو فی المثل ۳ آسمانے ہست بالائے زمیں

آفریں بر عالمِ حسنِ تو باد ۴ مبتلائے تست عالم آفریں

یک کفِ خاک از درِ پر نورِ تو ۵ ہست ما را بہتر از تاج و نگیں ۱۱

خرمنِ فیضِ ترا اے ابرِ فیض ۶ ہم زمین و ہم زماں شد خوشہ چیں

از جمالِ تو ہمہ بینیم ما ۷ جلوہ در آئینہ عین الیقیں

خلق را آغاز و انجام از تو ہست ۸ اے امامِ اولین و آخریں

جز صلوات و سلام و نعتِ تو ۱۱
بوعلی را نیست ذکرِ دلنشیں

۱ ترجمہ۔ اے کہ تیری توصیف میں رحمۃ للعالمین آیا ہے جبرائیل تیرے فیض کا ایک گدا ہے۔
تشریح غزل سے فرماتے ہیں یا رسول اللہ تیری توصیف میں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین فرمایا اور جبرائیل جیسا مقرب فرشتہ بھی تیرے دربارِ فیض بار کا ایک ادنیٰ گدا ہے وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْن حضور کو تمام عالم کے لیے رحمت اور مکارمِ اخلاق کا بہترین مجسمہ بنا کر دنیا میں بھیجا گیا سب تمام عالم اس کے فیضانِ رحمت سے فیضیاب ہے تو روح الامین

میں کیا تخصیص ہے

۲۔ ترجمہ۔ اے کہ تیرا نام خدائے ذوالجلال نے عرشِ اعظم کی جبیں پر رقم کیا۔

تجبہہ۔ بالفتح پیشانی منازلِ قمر کی دسویں منزل کا نام ہے جو برج اسد کی پیشانی پر چار ستارے ہیں اس کی جمع جباہ بالکسر ہے۔ مراد یہ کہ حضور کا مبارک اسمِ گرامی عرشِ بریں کی زینت ہے۔

چہ نامے کز نشانش چند فصلے	نوشتہ بر جبینِ عرشِ اعظم

۳۔ ترجمہ۔ تیرا آستانِ عالی میثل ہے گویا یہ زمین کے اوپر آسمان ہے۔

ظاہر ہے کہ آسمان و دنیا زمین کے اوپر ہے لیکن شاعر صاحب فرماتے ہیں کہ یارسول اللہ تیرے آستانِ مقدس کی رفعت بلندی اور عظمت آسمان سے بھی متجاوز ہے مراد یہ کہ عالمِ اسباب میں تیرا آستانہ فلک رفعت اور عرش منزل ہے اور آسمان گو از حد اعلیٰ ہے لیکن اس کے آگے سرنگوں ہے

مرتفع از کاخ دنیا ہست ایوانِ شما	یا محمد ہست جبرائیل دربانِ شما

۴۔ ترجمہ۔ تیرے عالمِ حسن پر آفریں ہو کہ خلاقِ عالم بھی تیرا شیدائی ہے۔

یعنی تیرے حسنِ جہاں افروز پر خالقِ حسن (اللہ تعالیٰ) بھی فدا ہے۔

خوشا حسنے کہ یوسفؑ زار ماندہ ازو	خوشا مہجا کہ جیلی از و شیدا الٰہی است

۵۔ ترجمہ۔ اس کے پرنور دروازے کی ایک مشتِ خاک بھی تاجِ دیگیں سے بہتر ہے

یعنی تیرے دروازے کی خاک میرے لئے تاجِ دیگیں کا مرتبہ رکھتی ہے۔

۶۔ ترجمہ۔ اے ابرِ فیض تیرے خرمنِ فیض کے زمین و آسمان بھی خوشہ چین ہیں۔

یعنی تیرا فیضِ عمیم ہے اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ بلکہ عالمِ ملکوت بھی اس سے فیضیاب ہے مراد یہ کہ تیرا فیض ابرِ باراں کی طرح ہے۔

۷۔ ترجمہ۔ ہم عین الیقین کے آئینہ میں تیرے جمال کا جلوہ دیکھتے ہیں

مطلب صاف ہے عین الیقین کی تشریح کے لئے دیکھو شعر ۲

۸۔ ترجمہ۔ اے امامِ اوّلین و آخرین خلق کا آغاز اور انجام تجھ سے ہے۔

مراد یہ کہ تیرا نور تخلیقِ عالم اور کونین کی علتِ غائی کا باعث ہے اور پایان کار بھی ہر ایک کو تیری ہی شفاعتِ کبریٰ کا بھروسہ ہے۔

۹ ترجمہ۔ تیری صلوات وسلام اور نعت کے بغیر برعلی کا کوئی ذکر نہیں۔

نعت۔ بالفتح تعریف کرنا۔ وصف کرنا اگرچہ نعت کے معنی مطلق وصف ہیں لیکن اس کا استعمال اکثر ثنائے رسول اللہ کے لئے ہوتا ہے۔

یعنی میں ہر وقت تیری نعت اور حمد کے لئے وقف ہوں اور تیرا ہی نام میرا وردِ زبان ہے۔

غزل ۸۲

از بشر تا بہ ملائک ہمہ دیوانۂ تو ۱ بر لبِ ہر کس و ناکس بود افسانۂ تو

ہمہ از مستی و رندی شدہ رقصاں بفضا ۲ ذرّہ ذرّہ شدہ بدمست ز پیمانۂ تو

تا قیامت نہ بخویش آید و از ہوش رود ۳ ہر کہ آرد بنظر جلوہ مستانۂ تو

عشق آمد کہ دراں شمعِ جمال افروزد ۴ چوں دلِ عاشقِ صادق شدہ کاشانۂ تو

سوخت از شمعِ جمالِ تو پر و بالِ آں را ۵ طائرِ سدرہ نشیں چوں شدہ پروانۂ تو

آنکہ گوید بزباں حرفے ز اوصافِ ترا ۶ ہست نامحرمِ رازِ تو و بیگانۂ تو

لامکاں ہم ز مکانِ تو پس پشت بماند
دیدنی ہست شرف ہمتِ مردانۂ تو

ا ترجمہ۔ بشر سے ملائک تک سب تیرے دیوانے ہیں ہر کس و ناکس کے لب پہ تیرا افسانہ ہے۔

یعنی جن وانس حور و ملائک سب تیری ہی محبت کے دیوانے ہیں اور ہر محفل اور ہر بزم میں جہاں کہیں ہے تیرا ہی تذکرہ شروع ہے حاصل یہ کہ فرش سے عرش تک کل مخلوق تیری محبت کی اسیر ہے اور ہر جگہ تیری تعریف و توصیف کے چرچے ہیں۔

۲ ترجمہ۔ سب مستی اور رندی سے فضا میں رقص کناں ہیں ذرہ ذرہ تیرے پیمانے سے بدمست ہے

یعنی فضائے عالم میں کائنات کا ہر ذرہ بوجہ شراب محبت سے بدمست ہو کر محو پرواز ہے عشق چونکہ بقدرِ استعداد ہر دل میں موجود ہے اور کائنات کے ہر ذرہ میں یہ سلسلہ جاری ہے اس لئے ۔

ذرہ مست و افلاک مست و جہاں مست ہوا مست و زمیں مست آسماں مست

ظاہر ہے کہ ذرے ہوا میں پرواز کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن قلندر صاحب کی وجہ قابلِ تعریف ہے

۳ ترجمہ قیامت تک واپس نہ آئے بلکہ ہوش سے چلا جائے وہ شخص کہ جس نے ایک دفعہ تیرا تماشا جلوہ دیکھا

یعنی وہ شخص جسے تیرا دیدار حاصل ہوا قیامت تک از خود رفتہ اور مدہوش رہے گا ۔

۴ ترجمہ عشق آیا کہ اس میں شمع جمال روشن کر لے کیونکہ ہر عاشق صادق کا دل تیرا کاشانہ ہے ۔

قُلُوبُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَرْشُ اللّٰہِ تعالیٰ ۔ مہمان کی آمد پر تکلف کا اظہار شرافت کا جزوِ لاینفک ہے جس سے مہمان کی خاطر داری مراد ہوتی ہے یوں بھی مکان میں چراغ افروختہ کرنا لازمی امر ہے خصوصاً مہمان کی آمد پر ایسے مراسم اعلیٰ پیمانہ پر کئے جاتے ہیں ۔

قلندر صاحب بحیثیت ایک مہذب میزبان موزوں عزیز مہمان کی آمد پر اپنے کاشانہ کو کس شاندار شمع سے منور کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ عاشقانِ صادق کا دل چونکہ تیرے قیام کی جگہ ہے اس لئے عشق آیا تاکہ اس کو شمعِ جمال سے روشن کرے اور یہ کہ تیرے رہنے کی قابل بنائے دل چونکہ عشقِ الٰہی کا مظہر اور تختِ رب العالمین ہے اس لئے اس میں شمعِ عشق کا ہونا نہایت ضروری ہے ۔

دیکھتا جس طرح روح ذات کا آئینہ ہے قلب اسماء و صفات کا آئینہ ہے اس لئے جو تجلائے ذات روح میں محل ہے وہ قلب میں درخشاں ہو کر منفصل ہو جاتی ہے ۔

۵ ترجمہ تیری شمعِ جمال سے اس کے بال و پر جل جاتے اگر طائر سدرہ نشین تیرا پروانہ ہوتا

لیلۃ المعراج میں حضرت روح الامین حضور سرورِ کائنات کے ہمرکاب تھے جب حضور کی سواری سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچی تو حضرت جبرائیل نے آگے بڑھنے سے باں وجہ عذر کیا کہ اگر میں اس مقام سے بال بھر بھی آگے گیا تو فروغِ تجلی سے میرے بال و پر جل جائیں گے ۔

اگر یک سرِ موئے برتر [illegible] پرم (سعدی) فروغِ تجلی بسوزد پرم

ممکن ہے کہ اشارہ اسی طرف ہو کہ اگر طائر سدرہ نشین (یعنی جبرائیل) اپنے مقام سے بال بھر بھی آگے بڑھے تو شمعِ جمال کا شکار ہو جاتے ۔ شمع کی روشنی میں پروانہ کا جلنا ظاہر ہی ہے ۔

۱۔ ترجمہ: جو زبان سے تیرے اوصاف کا ایک حرف کہتا ہے وہ تیرا محرمِ راز نہیں بلکہ دیوانہ ہے۔

یعنی جو شخص تیرا واصف ہونے کا دعویدار ہے وہ فی الحقیقت تیرا محرمِ اسرار نہیں کیونکہ الفاظ کا موجودہ ذخیرہ تیرے اوصاف بیان کرنے کے لئے غیر مکتفی ہے وہ کس زبان سے تیری ثنا کرے گا۔

آنانکہ وصفِ صورتت تفسیر میکنند   خواب ندیدہ را ہمہ تعبیر میکنند

حدیثِ نبوی ہے لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔

۲۔ ترجمہ: تیرے مقام سے لامکاں بھی پیچھے رہ گیا اے شرف تیری مردانہ ہمت دیکھنے کے قابل ہے

یعنی تیری جوانمردی قابلِ ستائش ہے کہ تیرا مطمحِ نظر لامکاں سے بھی اوپر چلا گیا ہے یعنی بجز مطلوب تیری نظر کسی چیز پر نہ ٹھہری۔

غزل ۸۴

مے زنم فارغ در تصور او ۱ نعرۂ لا الٰہ الا ہو

عاشقاں سجدہ مے کنند او را ۲ ہر کہ از خونِ دل کنند وضو

زاہد اگر فراغِ دل جوئی ۳ برکش از مے دو جام بر لبِ جو

عشقِ او پارہ پارہ کرد دلم ۴ بادہ جوشید و شد شکستہ سبو

طائرِ سدرہ را بدامِ آرد ۵ شاہدِ من بحلقۂ گیسو

روئے او را بجلوہ می بیند ۶ آں کہ گرداند از دو عالم رو

مادماں کوئے گر ز صد ادب ۷ پائے بیروں نہیم یک سرِ مو

جانِ دل عقل و علم و دیں مارا ۸ سوز از برقِ ارنجائے او

بوعلی در خیالِ جلوۂ دوست ۹ مے زند باز نعرۂ یا ہو

۱؎ ترجمہ میں اس کے تصور میں لا الٰہ الا ہُو کا نعرہ مار رہا ہوں

تصوّر۔ دل میں کسی چیز کی صورت قائم کرنا۔ نزدیک ہونا اور اہلِ منطق کی اصطلاح میں بغیر حکم کسی چیز کی تصویر جانا عقل میں

یعنی میں تصورِ محبوب میں لا الٰہ الا ہُو کا شغل کرتا ہوں یعنی نفی و اثبات کا ذکر کرتا ہوں

اہلِ تصوف کی اصطلاح میں لا الٰہ سے نفی غیرِ حق اور الا ہُو سے اثباتِ حق مراد ہے اس ذکر کو ذکرِ جہر کہتے ہیں کیونکہ بلند آواز کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

۲؎ ترجمہ اسے وہ عاشق سجدہ کرتے ہیں جو خونِ دل سے وضو کرتے ہیں۔

وضُو بضمتین مصدر ہے یعنی منہ دھونا مجازاً نماز کے لئے تمام اعضا کو دھونا۔

یعنی محرابِ ابروئے محبوب میں اُن عشاق کا سجدہ مقبول و منظور ہوتا ہے جو خونِ دل سے وضو کر کے باکمال طہارت نماز ادا کریں۔

زاہدا کن رضو بخونِ جگر	ورنہ گر سترِ نمازِ من است

۳؎ ترجمہ۔ اے زاہد اگر تو فراغِ دل چاہتا ہے تو نہر کے کنارے پر دورِ جام پی۔

یعنی اگر تجھے افکارِ حوادث سے رستگاری کی خواہش ہے تو لبِ جو بزم آرائی کر اور شراب پی خواجہ حافظ بھی رہ نہ سکے اور یہ رنگ بھی لیا

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت	کنارِ آبِ رکنا باد و گلگشتِ مصلیٰ را

صوفی کہتے ہیں کہ سماع و سرود کی محفلیں برلبِ آب آراستہ کرو شرابِ الست کے ذریعے عالمِ عشرت آباد اور بہشتِ نورانی کو یاد کر کے حظ اٹھاؤ شراب پیو اور امواجِ سمندر کی طرح وجد و اضطراب کرو سب کچھ کرو لیکن پانی کے قریب نہ جاؤ کیونکہ سیلِ امواج تمہیں بہا کر لے جائے گا اور مجبوراً تمہیں آمادۂ جنگ و پیکار ہونا پڑے گا جو شرافت و متانت اور اصولِ درویشی کے خلاف ہے اس لئے لبِ آب سے کم از کم بیس فٹ کے فاصلہ پر بزم آرائی کیا کرو۔

علامہ اقبال کا فلسفہ یہ ہے کہ کنارے پر بیٹھ کر محفل آرائی کرنا جوانمردی نہیں اس سے ضعف و فترت اور کاہلی پیدا ہوتی ہے قلب میں بجائے جوشِ زندگانی کے رقت پیدا ہوتی ہے جو مردانِ اسلام کی شان کے سزاوار نہیں اس لئے کنارے پر ہرگز نہ بیٹھو بلکہ دریا میں کود کر امواجِ تند کا مردانہ وار مقابلہ کرو لڑو جھگڑو انہیں مغلوب کرو کیونکہ حیاتِ جاوید کا راز اسی جنگ و ستیز میں پوشیدہ ہے۔

سیارا بزم بر ساحل کہ آں جا — نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش در آویز — حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

۴ ترجمہ۔ اُس کے عشق نے میرا دل پارہ پارہ کر دیا شراب نے جوش کیا اور صراحی ٹوٹ گئی
شیشہ۔ صراحی۔ گھڑا جس میں پانی یا شراب رکھتے ہیں یعنی مٹکا یا۔

ایسے حادثے اکثر وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں کہ شراب کا برتن ٹوٹ جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر شراب عرصہ تک کسی برتن میں بند پڑی رہے تو اس میں عفونت پیدا ہو کر حرارت کی وجہ سے ایک گیس پیدا ہو جاتی ہے اور ہوا چونکہ حرارت سے پھیلتی ہے اس لیے جب اس کو باہر نکلنے کا کوئی رستہ نہیں ملتا تو جوش کر کے اوپر کو اٹھتی ہے اور برتن پھٹ جاتا ہے گرمیوں کے موسم میں سوڈا واٹر کی بوتلوں کا شکستہ ہونا بھی اسی قبیل سے ہے۔

قلندر صاحب عشق کو شراب اور دل کو صراحی تصور فرما کر کہتے ہیں کہ جامِ شراب کی طرح تیری محبت نے میرا (دل) پاش پاش کر دیا۔

۵ ترجمہ۔ میرا معشوق جلالہ گیسو سے طائرِ سدرہ کو دام میں لاتا ہے
یعنی طائرِ سدرہ اور عقلِ کل بھی میرے محبوب کی زنجیرِ زلف کا اسیر ہے۔

۶ ترجمہ وہ شخص اُس کے چہرے کا جلوہ دیکھتا ہے جو دونوں جہاں سے منہ پھیر لے
یعنی دیدارِ محبوب اُس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو دونوں عالم سے منقطع ہو کر تعلقاتِ کونین سے دست بردار ہو جائے صوفیہ کہتے ہیں کہ وصالِ محبوب کے لئے انقطاعِ کونین از بس ضروری ہے ورنہ وصال تو کجا وہاں کی ہوا تک آنا غیر ممکن ہے۔

۷ ترجمہ۔ اگر ہم اُس کی گلی میں حدِ ادب سے ایک بال کے برابر پاؤں باہر رکھیں
۸ ترجمہ۔ تو اُس کی برقِ تجلّی سے جان و دل علم و عقل اور دین جل جائیں۔

صوفیائے کرام کے نزدیک حفظِ مراتب ضروری اور لازمی ہے یعنی جس حکم کا جو مرتبہ ہے اُسی کے مطابق اُس کو سمجھنا۔ ع۔ گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی۔

فرماتے ہیں کہ اگر ہم حدِ ادب سے ذرا بھی پاؤں باہر رکھیں تو برقِ غیرت ہماری جان و دل بال و پر اور علم و عقل سب کو جلا کر خاکستر کر دے اس لئے ہم کو حفظِ مراتب کا خیال ہے۔ ادبیت کا پہلو نمایاں ہے اور حفظِ مراتب کی تعلیم پائی جاتی ہے۔

گردم از قفل سرائے کہ بگو ایمان چیست — عقل در گوشِ دلم گفت کہ ایماں ادب است

۵ ترجمہ۔ جو تجلی جلوۂ دوست کے خیال میں بھر رہا ہو کا نعرہ لگاتا ہے۔

غزل ۸۴

همی زد دوش مطرب ایں ترانہ ۱ کہ ایں دنیا فسون است و فسانہ

بکش جامے برآوازِ چغانہ ۲ اگر خواہی ز عیشِ جاودانہ

بجز یارانِ دردی کش کہ بینی ۳ نمی بینم وفائے در زمانہ

بشو فارغ ز علم و زہد یکدم ۴ بجنبش یک سبو جرعہ از جامِ مغانہ

نماید روئے آں حسنِ جہاں سوز ۵ اگر من خود نباشم در میانہ

اگر در خانۂ دل مے نیابی ۶ نمی بینم ترا در ہیچ خانہ

شرف باید سرِ خدمت نہادن
ترا جاوید بر آں آستانہ

۱ ترجمہ۔ کل مطرب نے یہ ترانہ گایا کہ دنیا افسون و افسانہ ہے۔
یعنی کل بزم میں مطرب نے دنیا کی بے ثباتی پر ایک ترانہ گایا کہ دنیا اور کچھ نہیں صرف ایک افسانہ ہے
اور دہوکہ کی ٹٹی یعنی ناپائدار ہے۔

کہاں باقی ہیں حکایاتِ خضر و آبِ بقا — بقا کا ذکر ہے کیا ایں جہانِ فانی ہیں

۲ ترجمہ۔ چغانہ کی آواز پر شراب پی اگر تو عیشِ جاوداں چاہتا ہے
چغانہ۔ بالفتح ناخنوں کی مشت کی طرح لکڑی کا ایک ساز ہوتا ہے نام پردہ موسیقی اس شعر میں ابدی
نجات اور حوادثِ دہر سے محفوظ و مامون رہنے کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ اگر تو عیشِ جاوید کا طالب ہے تو چغانہ کی آواز پر

شراب پی اور مستی حاصل کر وجہ یہ کہ اگر تو مستی شراب کی وجہ سے دنیا کی طرف راغب نہ ہوگا تو اس کے انکار تجھے مضمحل نہ کرسکیں گے مولانا جامی اسی عیش جاودانی کی تاکید فرماتے ہیں۔

مغنی بآواز چنگ و چغانہ   چہ خوش گفت وقت صبوح ایں ترانہ

کہ اے خواجہ برخیز کانفاس عمرت   بود مایہ دولت جاودانہ

دریں بزم گاہ چند غافل نشینی   ز صہبائے اغانی و جام مغانہ

مباش از مے لعل غافل زمانے   کہ پیدا است پایان کار ایں زمانہ

غنیمت شمر روز عشرت کہ داند   کہ روز دگر زندہ باشیم یا نہ

۳ ترجمہ۔ دور گردش یاروں کے سوا جو کچھ تو دیکھتا ہے زمانے میں وفا نہیں۔

یعنی اگر وفا کا جوہر ہے تو دور گردش میں ورنہ تمام جہان بے وفا ہے۔

یوں وفا اٹھ گئی زمانے سے   گویا اس جہاں میں کبھی تھی ہی نہیں

۴ ترجمہ۔ علم و زہد سے ایک دم فارغ ہو اور جام مغانہ سے ایک گھونٹ پی

جام مغانہ۔ آتشیں شراب سرخ شراب۔ ماخوذ از مغ۔

یعنی علم رسمی اور زہد خشک کو نظر انداز کر کے جام مغانہ پی۔

علم رسمی رہزن ہر سالک است   ایں عقبۂ جنبل ہم ہالک است

ہر کہ او در بند قال و قیل شد تنہا   ہم چو فرعون غرق اندر نیل شد (رومی)

۵ ترجمہ۔ وہ حسن جہاں سوز ہر وقت نظر آتا ہے جبکہ میں درمیان میں نہ رہوں

یعنی اگر میں اپنی ہستی اور خودی کا حجاب دور کر کے بالکل بے نشان ہو جاؤں تو محبوب اپنا جمال دکھاتا ہے۔

مولانا مہندسی فواتح میں لکھتے ہیں کہ

"حجاب درمیان تو و حق نہ آسمان است و نہ زمیں حجاب ایں ہستی موہوم است کہ تو بخود نسبت

مے کنی اگر تو نباشی او باشد یعنی تو نیستی ہستی حق ظاہر مے شود"

حکایت:۔ حضرت شیخ سعد الدین حمویؒ گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ راستے میں جوئے آب جو آئی گھوڑا رک گیا بہت کوشش کی لیکن وہ ایک قدم آگے نہ بڑھا بالآخر تجویز یہ ٹھہری کہ ندی کے پانی کو میل آلود کیا جائے جب پانی کو گدلا کیا گیا تو گھوڑا فوراً دوسرے کنارے پر چلا گیا یہ حال دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ گھوڑا اس طرح پانی میں اپنی صورت

دیکھ کر ڈرتا تھا اور بلا ہٹانا تھا اسی طرح جب تک سالک اپنی ہستی اور خودی کو مطلق محو نہ کر دے مقصود کو حاصل نہیں کر سکتا

از ہستیِ خویش گر تو غافل نشوی — ہرگز بمرادِ خویش واصل نشوی

از بہرِ ظہور تا لب ساحل نشوی — در مذہبِ اہلِ عشق کامل نشوی

نیز دیکھو شعر ۲/۵۵، ۵/۲۵، ۳/۱۴۳، ۴/۲۱، ۷/۲۵، ۵/۵۶

۸۴ ترجمہ۔ جب تو میرے خانۂ دل میں نہیں آتا میں تجھے کسی گھر میں نہیں دیکھتا

مراد یہ کہ میں سمجھتا ہوں کہ تیرا مقام کسی دل میں نہیں یعنی تیرا یہ شیوہ ہی نہیں ممکن ہے کہ عدم التفات کی شکایت ہو

۸۵ ترجمہ۔ اے عرفی تجھے ہمیشہ اُس کے آستان پر سر خدمت رکھنا چاہیے۔

یعنی تجھے ہر وقت اُسی کی اطاعت کرنی چاہیے جو حقیقی معبود اور سزاوارِ پرستش ہے

غزل ۸۵

شدم مست و خراباتی زجامے ۱ نمے دانم حلالے یا حرامے

نمازے میگذارم در خرابات ۲ نہ اندر دے سجودے نے قیامے

قضائے کفر و ایماں در نوشتم ۳ نہادم چوں براہش یک دو گامے

منیم دہ اے پسر کز پختہ کاری ۴ بسوزد خرقۂ ہر مستقے و خامے

مے کز عکسِ آں جبریل سوزد ۵ کہ آمد عرش در گردش زجامے

مرا گر نامِ زندیقی برآید ۶ چو ستم نیست ننگ از ہیچ نامے

ہمائے ہمتم کز اوجِ عرش است ۷ نیفتد ہیچ گہ در ہیچ دامے

چو تو ہرگز نباشد خواجہ ما را ۸ چو ما ہرگز نزاید خود غلامے

نشرفؔ در شعرِ تو رندی و مستی ۹ نگوید چوں تو کس زیباں کلامے

حضرت میر عبداللہ دکنیؒ سے روایت ہے کہ حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو درازؒ کے وصال کا وقت آیا تو آپ قلندر صاحب کی یہ غزل کمال وجد و محبت کے ساتھ بار بار پڑھتے تھے اور پڑھتے پڑھتے اسی میں جان جاناں کے سپرد کی نیز آپ طالب کو تلقین کرتے وقت بھی یہ اشعار پڑھا کرتے تھے

ا ترجمہ میں ایک جام سے مست و خراباتی ہوگیا اب حلال و حرام نہیں جانتا

یعنی میں شرابِ محبت کے ایک ہی جام سے ایسا سرمست اور بےخود ہوگیا کہ حلال و حرام میں تمیز نہیں کر سکتا مراد یہ کہ میں تمام قیود سے بری ہوں اور ذاتِ محبوب میں اس قدر محو اور فنا ہوگیا ہوں کہ مجھے کسی چیز کی خبر نہیں ۔

اہلِ حال نے خراباتی کا لقب جو اپنے لئے مخصوص کیا ہے اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ سالک اپنی ہستی سے گذر جائے کیونکہ فعل اور ہستی کی اضافت کو اپنی طرف منسوب کرنا کفر ہے ۔

خراباتی شدن از خود رہائیست ۔۔۔ خودی کفر است گر خود پارسائیست

چونکہ قلندر صاحب عشقِ محبوب میں اپنی ہستی سے گذر کر فناء الفناء کا مرتبہ حاصل کر کے بقا باللہ کے مرتبہ پر فائز ہو چکے تھے اس لئے فرمایا کہ میں عشقِ الٰہی کے ایک ہی جام سے ایسا مست اور خراباتی ہوگیا کہ حلال و حرام کی تمیز تک نہ رہی مست آدمی بولنے بھی مجبور ہوتا ہے ۔

۲ ترجمہ میں خرابات کے اندر ایسی نماز گذارتا ہوں جس میں نہ سجدہ ہے نہ قیام

اصولِ شریعت کے مطابق نماز میں رکوع و سجود اور قیام کرنا لازمی ہے لیکن قلندریہ خاندان کے سالکین چونکہ جذباتِ حق اور انوارِ محبوب کی لوریوں میں ہمیشہ محو در محو رہتے ہیں اس لئے مجبوراً ان پر ظاہری آداب کی پابندی نہیں رہتی

چو نمازِ شام ہر کس بنہد چراغ و خوانے ۔۔۔ منم و خیالِ یارے غم و نوحہ و فغانے
عجباً نماز مستاں تو بگو درست ہست آں ۔۔۔ کہ نداند او زمانے نشناسد او مکانے
بخدا خبر ندارم کہ نماز چوں گذارم ۔۔۔ کہ تمام شد رکوعے کہ امام شد فلانے

حاصل یہ کہ قلندر صاحب نے الفت کی بالاترین منزل میں پہنچ کر یہ شعر لکھا ہے جہاں جذبِ صادق اور محویت ظاہری پابندیوں سے ہٹا کر مشاہدۂ انوارِ محبوب میں محو در محو کر رہی ہے چونکہ قلندریہ استغراق حیرت انگیز ہوتا ہے اس لئے بسا اوقات پابندیٔ شریعت سے بھی یہ لوگ معذور ہوتے ہیں چنانچہ حضرت عبدالعزیز مکی قلندرؒ کا استغراق سالہا سال تک ہوتا تھا (دیکھو ۸۹/۹)

۳ ترجمہ جب میں نے اس کے راستہ میں ایک دو قدم اٹھائے تو میں نے کفر و ایمان کی قضا کھی

قضا - بالفتح حکم کرنا۔ ادا کرنا۔ گذارنا۔ تمام ہونا اور اُس عبادت کا نام ہے جس کا صحیح وقت گذر چکا ہو اور حکم الٰہی بموجب اس کے بعد میں ادا کیا جاوے۔ **کفر** - بالضم ناسپاسی چھپانا صوفیہ کی اصطلاح میں اس کی چار قسمیں ہیں (۱) کفر ظاہر (۲) کفر نفس (۳) کفر قلب (۴) کفر حقیقت

کفر ظاہر - تکذیب آیات الٰہی اور انکار احادیث نبوی نعوذ باللہ منہا یہ وہ کفر ہے جس کی برائی خاص و عام میں مشہور ہے یاد رہے کہ صوفیائے کرام کے کلام میں جہاں کہیں کفر کی تعریف ہوتی ہے وہاں اس کفر سے ہرگز مراد نہیں ہوتی اگر سمجھنے والا ایسا سمجھے تو یہ اس کی غلطی اور خطا ہے البتہ جس جگہ کسی خاص اشارے سے کفر کی تکذیب کی گئی ہو وہاں یہی ظاہری کفر مراد ہوتی ہے موقعہ محل اور شعر کا صحیح مطلب سمجھ کر اپنی رائے قائم کرنی چاہئیے۔

کفر نفس - نفس سے متعلق ہے اور نفس بت ہے اِنَّ النَّفْسَ هِيَ الصَّنَمُ الْاَكْبَرُ یعنی نفس بڑا بت ہے یہ بہت ہوا پرستوں کا خدا ہے حضرت خلیل الرحمٰن نے اسی مقام پہ فرمایا کہ مجھ کو اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچائیو یہاں بت سے مراد بت نفس تھی لیکن افسوس کہ ہم اور ہمارے صدہا بھائی اس بت پرستی میں گرفتار ہیں۔

کفر قلب - جب قلب سے کوئی کفر نکلتا ہے تو بالائے عرش دل دو انوار ظاہر ہوتے ہیں ایک نور ابلیسی جو سیاہ ہے دوسرا انور محمدی جو روشن مثل ماہ ہوتا ہے جس نے ان سر دو انوار کو خدا جان کر پرستش کی وہ کفر قلب میں گرفتار ہوا ہزار ہا سالک اسی کفر قلب میں ہی رہ جاتے ہیں کوئی سعادتمند ازلی اس سے نکلتا ہے نور ابلیسی کی پرستش کو کفر ابلیسی کہتے ہیں اور نور محمدی کی پرستش کو کفر محمدی کہتے ہیں۔

کفر حقیقت - کفر حقیقت ان تینوں کفروں کے آگے آتا ہے عبارت سے سمجھا نہیں جاتا جو اس کفر سے کافر ہو وہ جانے اس کفر کو کفر الٰہی بھی کہتے ہیں

ایمان - بالفتح بوگند اور قسمیں اور یقین دل سے خدا پر بھروسہ کرنا و بالکسر امان دینا۔ پناہ میں لینا۔ بےخوف کرنا۔ ایمان بھی دو قسم کا ہوتا ہے ایک تقلیدی جو عوام کا ہے دوسرا تحقیقی جو خواص کا ہے۔ پہلے ایمان تقلیدی اور علمی آتا ہے پھر تحقیقی اور عینی انہیں دو ایمانوں کی نسبت قرآن مجید میں آیا ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا یعنی اے ایمان والو جو تقلیدی ایمان لائے ہو اٰمِنُوْا تحقیقاً ایمان لاؤ۔

خواجہ بہاؤ الدین نقشبند اس آیت کی نسبت فرماتے ہیں کہ ہر بار پلک مارنے میں اس وجود بشری کی نفی کر لیا کرے اور حضرت واجب الوجود جل شانہٗ کا اثبات۔ حضرت جنید بغدادی اسی آیت کی نسبت فرماتے ہیں کہ پچاس برس ہوئے میں ایمان لانے میں ہوں اور ایمان تازہ کرنے میں ہوں ع   دراں کوبا رکہ زاری ہنوز آں جائی۔

صاحبِ تفسیرِ حسینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ محققوں نے لکھا ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو دلیل کی رو سے ایمان لاؤ کشف اور ظہور سے یا اگر ایمان لائے ہو تصدیق کی رو سے پس ایمان لاؤ تحقیق کی رو سے

درین آیت دو ایمان است و سہ کفر ۔۔۔ اگر باقی اور اکن زدل ستکر ۔۔۔

مطلب یہ کہ جب میں نے دیارِ محبوب کے رستے میں چند قدم اٹھائے تو کفرِ باطل اور ایمانِ تقلیدی دونوں سے کنارہ کش ہو گیا اور سمجھ لیا کہ ان کی نصا آگئی یعنی یہاں اب ان دونوں کی گنجائش نہیں

در ایماں کافری شرط است لیکن ۔۔۔ تو جائے تہم اسرار ایں نہ داری
تو تا از خویشتن کافر نہ گردی ۔۔۔ (عطاؔ الرنی) بہ ہستیٔ خدا ایماں نداری

۴ ترجمہ اے معشوق مجھے وہ شراب دے جو اپنی پختہ کاری سے ہر خام اور مست کے لباس کو جلا دے۔

یعنی وہ شراب عطا کر جو پختہ کار اور دیرسال ہونے کی وجہ سے ایسی تیز اور زود اثر ہو کہ ہر مست و خام کے رخت و اسباب یعنی متاعِ اعمال کو جلا دے یا اُس پینے ذوق کے کیمیا اثر کیف سے میں اپنے اُس متاعِ اعمال کو جلا دوں جو منزلِ طریقت اور تیری راہ کے لئے زادِ راہ نہیں ہو سکتے۔

ساقیا لبریز کن دہ جامِ آتش گوں کہ من (حافظ) درمیانِ پختگانِ عشقِ او خامم ہنوز

چنانچہ قلندر صاحب اگلے شعر میں اُس شراب کی تاثیر بیان کرتے ہیں۔

۵ ترجمہ وہ شراب کہ اُس کے عکس سے جبرائیل بھی جل جائے جس کے ایک جام سے عرش بھی گردش میں آگیا

شراب کی تاثیرات کیلئے دیکھو غزل عـ۲۵

۶ ترجمہ اگر میرا نام زندیق بھی رکھیں تو جب میں مست ہوں مجھے کسی نام سے عار نہیں۔

زندیق بالکسر وہ شخص جو خدا اور قیامت کا قائل نہ ہو اور بعض کہتے ہیں کہ زندیق زن دین کا معرب ہے یعنی وہ شخص جو عورتوں کا دین رکھتا ہو کیونکہ عورتوں کا دین و مذہب بے اصل ہوتا ہے صاحبِ غیاث اللغات لکھتے ہیں کہ زندیق زند کا معرب ہے یعنی وہ آدمی جو زند کتاب زرتشت کا معتقد ہو اور یزدان و اہرمن کا قائل ہو

مطلب یہ کہ جب میں جامِ عشق سے مست ہوں تو اگر کوئی مجھے زندیق بھی کہنے تو مجھے مطلق ننگ و عار نہیں۔

۷ ترجمہ میری ہمت کا ہُما اگرچہ عرش کی بلندی پر ہے اب میں کسی دام میں گرفتار نہیں ہو سکتا

یعنی اس ذرا میں حالی ہمت ہوں کہ دنیا کے دام میں اب گرفتار نہیں ہو سکتا مراد یہ کہ مجھے دنیا کے تعلقات مشغول نہیں کر سکتے مولانا روم کا قول ہے کہ جو پرندہ جال کے خوف سے آسمان کی طرف پرواز کرتا ہے گو وہ آسمان پر نہیں پہنچ سکتا الاّ

شکاری کے دام سے بچ جاتا ہے ایسے ہی جو لوگ اہل اللہ کی صحبت میں رہنے والے ہوں گو وہ ان جیسے نہ ہوں مگر ان کا حشر عام دنیا داروں سے اچھا ہوگا۔

۸ ترجمہ تیرے جیسا ہمارا کوئی خواجہ نہیں اور ہمارے جیسا تیرا کوئی غلام نہیں۔

خواجہ بزرگی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے مالک کی شفقت و محبت اور اپنی وفاداری کا اظہار مقصود ہے

بہ عشقت من ز مجنوں فزونم   تو در خوبی ز لیلیٰ فزونی

۹ ترجمہ۔ اے شرف تیرے شعروں میں رندی و مستی ہے تیرے جیسا اس طرح کوئی کلام نہیں کہتا۔

غرضیکہ مقطع ہر کہ تیرے اشعار سے رندی اور مستی کی بو آتی ہے جو عشق کی علامت ہے۔

غزل ۸۶

گر عشق نبودے و غمِ عشق نبودے ۱ چندیں سخنِ نغز کہ گفتے کہ شنودے

گر عشق نبودے بخدا کس نرسیدے ۲ حسنِ ازلی پردہ ز رخ بر نکشودے

معشوق نبودے دل و جاں رہزنِ عشق ۳ گر پردہ برافگندے ز رخسار نمودے

گر باد نبودے سرِ زلفش کہ ربودے ۴ رخسارۂ معشوق بعاشق کہ نمودے

گر ساقیِ وحدت در میخانہ کشائے ۵ ہر رو ہر یکے عاقل و ہشیار نبودے

گر بہشت خرابات نمازے کہ گذارم ۶ در روئے نہ قیامے نہ رکوعے نہ سجودے

گر لذتِ توحید نباشد بدلِ تو ۷ حق را نشناسی قبلہ مے قعودے

اے آنکہ عدم شکلِ وجود از تو پذیرد ۸ غیر از تو نیابد بنظر ہیچ وجودے

۹	اے بو علی بپیر رو ہمہ جاں پاک کبیری آندم کہ برارسی ز دلِ سوختہ دودے	۹

۱۔ترجمہ۔ اگر عشق اور غمِ عشق نہ ہوتا تو ایسی پیچیدہ باتیں کون کہتا اور کون سنتا۔

۲۔ترجمہ اگر عشق نہ ہوتا کوئی خدا تک نہ پہنچتا اور حسنِ ازلی چہرے سے پردہ نہ اٹھاتا۔

۳۔ترجمہ۔ معشوق عاشق کے تن سے دل و جان لے جاتا اگر پردہ اٹھاتا اور چہرہ دکھاتا۔

لُغز۔ بالضم و فتح غین معجمہ۔ سوراخِ موش جنگلی جو بہت پیچ در پیچ ہوتے ہیں لہذا ہر ایسی بات کو جو عوام کے فہم سے بالاتر ہو لغز کہتے ہیں۔ چیستان پہیلی

ان تینوں اشعار میں قلندر صاحب نے عشق کے ازلی۔ ابدی ہونے کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر عشق کا ظہور نہ ہوتا تو یہ عجیب سخن اور روح پرور داستانیں جن کے استماع سے عاشقوں کی جان جذباتِ حق کی لوریوں میں محو در محو رہتی ہے کون کہتا اور کون سنتا پیام وصال اور حسنِ ازل کی نقاب کشائی کیلئے عشق کو زینہ بتلایا اور فرمایا کہ اگر یہ نہ ہوتا تو خدا تک کوئی پہنچ نہ سکتا معشوق کے چہرے سے پردہ اٹھنے پر عاشق کا از خود رفتہ ہونا ثابت کر کے فرمایا کہ اگر معشوق بند نقاب کھولتا تو عاشقوں کے جسم سے جان نکل جاتی جس سے ثابت ہوا کہ یہ پردہ رخِ شاہدِ حقیقی پر ضروری تھا ورنہ عشاق مشاہدہ ذات کی تاب نہ لا سکتے غرضیکہ ان اشعار میں کونین کی علتِ غائی اور تخلیقِ عالم کا باعث عشق کا ظہور بتلایا گیا ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو کائنات کا کارخانہ عالمِ غیب سے منصۂ شہود پر جلوہ گر نہ ہوتا۔ دراصل یہ اشعار حدیثِ قدسی کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیاً کُم اَعْرَفْ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ کی اعلیٰ تفسیر ہے مولانا جامیؒ ظہورِ عشق کے ماقبل اور مابعد کی تشریح اس طرح کرتے ہیں

	بکنج نیستی عالم نہاں بود	دراں خلوت کہ ہستی بے نشاں بود	
	زگفت و گوئے مائی و توئی دور	وجودی بود از نقشِ دوئی دور	
	بنور خویش ہم بر خویش ظاہر	جمالِ مطلق از قیدِ مظاہر	
	مبرا دامنش از تہمتِ عیب	دل آرا شاہدے در حجلۂ غیب	
	نہ دیدہ ہیچ چشمے زو خیالے	رخش سادہ ز سبز خطے و خالے	
	قمارِ عاشقی با خویش می باخت	نوائے دلبری با خویش می ساخت	

مسکی۔

	چو در بندے سر از روزن بر آرد	نکورو تابِ مستوری ندارد	
	تجلی کرد بر آفاق و انفس	برون زد خیمہ ز اقلیم تقدس	
	ملک سرگشتہ خود را بر فلک یافت	ازو یک لمعہ بر ملک تافت	

ز مہرِ آئینہ ہر ذرہ روئے   بہر جا خواست از وی گفتگوئے
ز ذرات جہان آئینہ ہا ساخت   ز روئے خود بہر یک عکس انداخت

ان اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ کائنات کے ہر ذرّے میں حسنِ ازلی اور عشقِ مطلق کا ظہور ہے اگر یہ نہ ہوتا تو عدم آباد سے کوئی چیز عالمِ وجود میں نہ آتی لیکن حضرتِ عشق ہی کے ظہور سے عالم میں غوغا مچ گیا آپ پردے میں ہو گئے اور عاشق کو یہ کہہ کر تڑپانا شروع کیا کہ تم ہمیں دیکھ نہیں سکتے ۔

دے کر جھلک سی آپ تو پردے میں ہو گئے (اقبال) اور کہہ گئے نگاہ کو ڈھونڈا کرے کوئی

حدود قائم ہوئیں راز و نیاز کے سلسلے جاری ہو گئے معشوق کو ناز اور عاشق کو سوز و ساز اور نیاز بخشا گیا

عشق ناگاہ بر کشید علم   تا بہم بر زند وجود و عدم
بے قراری عشق شور انگیز   (عراقی) شور و غوغا فگند در عالم

روح الارواح سے قلندر صاحب نے سرِ عشق میں عشق کی نسبت ایک لطیفہ نقل کیا ہے لکھتے ہیں :-

"شہبازِ محبت از وکرِ عزت ورپرید بعرش رسید عظمت دید و در گذشت بکرسی رسید وسعت دید درگذشت بہ آسمان رسید۔ رفعت دید درگذشت بہ بہشت رسید نعمت دید و در گذشت بر دو دوزخ رسید نقمت دید درگذشت اکنون بخاک رسید محنت دید برمے نشست کروبیاں از عالمِ علو دندا کردند و گفتند اے وصفِ پادشاہ ترا با خاک از چہ آشنائیست و خاک را از تو چہ نسبت ، روشنائیست شہبازِ محبت نا گفت از محنت ، دار و من محبت نقطہ کہ او مہر دار و من زیرِ دارم عشق در محلے کہ اثبات یا بد سر از بر وز بر کند"

۴ ترجمہ ۔ اگر ہوا نہ ہوتی کون اُس کی زلف کو ہٹاتا اور عاشق کو رخسارِ معشوق کون دکھاتا ۔

زلف چونکہ چہرے کیلئے نقاب کا کام دیتی ہے اس لئے قلندر صاحب ہوا کے سر ہوا ہمت اور اپنا احسان دھر کر فرماتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوتی تو پردہ زلف کو کون ہٹاتا اور عشاق مشاہدۂ رخسار سے کب مستفید ہوتے مراد یہ کہ ہوا نے احسانِ عظیم کیا کہ اُس نے پردہ زلف کو ہٹا کر عاشق کو دیدار سے فیضیاب کیا ۔

پردے کا اٹھانا اور خوشبو کو منتشر کرنا ہوا کا کام ہے علامہ اقبال ایک نکتہ پیدا کرتے ہیں کہ ہم نے تیری توحید کے ساتھ وہ کام کیا جو ہوا خوشبو کے ساتھ کرتی ہے

تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم   پھول تھا زیبِ چمن پر نہ پریشاں تھی شمیم

شرطِ انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عمیم ۔۔۔ بسئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم

"دلندر صاحب نے بھی کثرت میں وحدت کا عین دکھایا ہے۔

۵ ترجمہ۔ اگر ساقیٔ وحدت میخانے کا دروازہ کھولتا تو زمانے میں کوئی عاقل اور ہشیار نہ رہتا۔

یعنی ساقی اگر خمستانِ وحدت کا دروازہ بلاتخصیص کھولتا تو زمانے میں کوئی فرد عشق سے خالی نہ رہتا یعنی ہر فرد بادۂ شرابِ توحید پی کر عشق میں مست و مخمور نظر آتا گو عشق علیٰ قدر استعداد ہر چیز میں موجود ہے مگر دلندر صاحب نے عجیب نکتہ پیدا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سعادت زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی مراد یہ کہ غم عشق اور حضوری محبوب چیدہ چیدہ لوگوں کا حصہ ہے۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسامِ ازل نے ۔۔۔ جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا ""
بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا ۔۔۔ غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

۶ ترجمہ۔ میں خرابات کا مست ہوں جو نماز کہ گذارتا ہوں نہ اس میں قیام ہے نہ رکوع نہ سجود

یعنی میں مستِ خرابات ہوں ایسی نماز پڑھتا ہوں جس میں نہ قیام ہوتا ہے نہ رکوع نہ سجدہ مراد یہ کہ میں دائم نماز میں ہوں جس میں قیام و قعود اور رکوع و سجود کچھ نہیں یعنی نماز کے علاوہ کبھی ہمیشہ پیوستہ حق ہو نماز کا تعلق حضور قلب سے ہوتا ہے اور صوفیا کی نماز کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس میں تجلیات کا مشاہدہ ہو

۷ ترجمہ۔ اگر تیرے دل میں توحید کی محبت نہیں تو حق کو قیام و قعود سے پہچان نہیں سکے گا

قعود۔ بیٹھنا مطلق بیٹھنا اور نیند سے بیدار ہو کر بیٹھنا۔

یعنی حق شناسی کے لئے شوق و محبت درکار ہے اگر تجھ میں یہ وصف نہیں تو تیری یہ ظاہری جبیں سائی کس کام کی ہے مراد یہ کہ صرف رکوع و سجود سے حقیقی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اخلاص کی تعلیم ہے جو درویشی کی اعلیٰ صفت ہے

۸ ترجمہ اے کہ عدم نے تجھ سے شکل وجود حاصل کی اس لئے تیرے بغیر کوئی وجود نظر نہیں آتا۔

یعنی عدم آباد کو جو قبل از ظہور بالکل معدوم تھا تجھ ہی سے شرف وجود حاصل ہوا ہے اس لئے مجھے کوئی چیز قائم بالذات دکھائی نہیں دیتی وحدت الوجود کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یک مسمیٰ داں و اسما صد ہزار ۔۔۔ یک وجود و صد ہزارش اعتبار
صد ورنقش جام است و معنی ہے بود ۔۔۔ گرچہ سر دو نزد ما یک شئے بود (المدت کریا ٹی)

۹ ترجمہ۔ اے بوعلی تو ہر دو عالم کو بالکل جلا دے اس وقت جبکہ تو اپنے سوختہ دل سے دھواں نکالے۔

غزل ۸۷

بغمزہ مے بری جاں نشاید این سرافرازی	۱	ترا خود سہل می آید بجانِ عاشقاں بازی
بسے پنہاں نمودستم غمِ عشقت ز ہر کس	۲	دمے گفتم ببادِ صبح آں ہم کرد غمازی
بسے سرہائے مشتاقاں کہ گردد گوئے چوگانش	۳	بزلفِ ہمچو چوگانش اگر او مے کند بازی
غزاہا مے کند با ما دو چشمِ کافرِ مستش	۴	نفیر است از مسلماناں ز دستِ کافرِ غازی
خیالت را شبے دیدم و زاں ہوش و خبر رفتم	۵	خوشا روزے کہ با یارے کنی یاری و دمسازی
بزلفش ہمسری کردن نیارد سنبلِ پیچاں	۶	بروئیش می تواند کرد کے خورشید انبازی

۷ شرف زنہار نکشاید معمائے حقیقت را
چہ عقلِ بوعلی سینا چہ علمِ فخرِ دیں رازی ۷

۱ ترجمہ۔ غمزہ سے جان لے جاتا ہے اور سرفرازی نہیں جانتا عاشقوں کی جان کے ساتھ بازی تجھے آسان معلوم ہوتی ہے۔

یعنی اشارۂ ابرو سے عاشقوں کی جان لے جاتا ہے لیکن وصل سے سرفراز کرنا نہیں جانتا یہ شکایت ہے کہ زخم لگاتا ہے لیکن مرہم لگانا نہیں جانتا درد دیتا ہے علاج نہیں کرتا۔

دردہا دادی و درمانی ہنوز (خسرو) جانہا بردی و در جانی ہنوز

۲ ترجمہ۔ میں نے ہر دل سے تیرے غم عشق کو بہت چھپایا لیکن تھوڑا سا بادِ صبح سے کہا اس نے غمازی کی

غماز۔ بالفتح و تشدید میم سخن چین اشارہ کرنے والا طعن کرنے والا چغلخور

فرماتے ہیں کہ میں نے ہر چند غم عشق کو اغیار سے پوشیدہ رکھا مگر ہوائے صبح سے تھوڑا سا ذکر کیا

لیکن اس نے غمازی کی اور میرا عشق منتشر کر دیا بادِ صبا کو غماز اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر جگہ گذر تی ہے اور آواز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہے اور چغلی بھی ایک زبان سے دوسری زبان پر فوراً چڑھ جاتی ہے ۔

مراد یہ کہ میں بادِ صبا سے اپنا راز کہہ رہا تھا کہ لوگوں نے سن لیا ہوا کو نامہ بردار قاصد بھی کہتے ہیں چونکہ ہر جگہ گذر رکھتی ہے اس لئے قلندر صاحب کو شک ہو گیا ہے کہ ضرور اس نے میرا راز افشا کر دیا ہوگا ۔

راز پوشیدہ لکھا تھا جس میں اپنے یار کو شنیدی نامہ بر کی ہوشمندی سے وہ خط گھر گھر کھلا ہوا

۳۔ ترجمہ۔ بہت سے مشتاقوں کے سر اس کی چوگانِ زلف کے گیند ہیں اگر وہ اپنی زلف سے چوگان کی طرح بازی کرے ۔

چوگان ۔ چولگان کا مخفف ہے چول بمعنی خمیدہ گان کلمۂ نسبت ۔ ایک کھیل کا نام ہے ۔

چوگان میں گیند کا ہونا لازمی ہے فرماتے ہیں کہ اگر محبوب اپنی چوگانِ زلف سے بازی کرے تو عشاق کے سر اس کی گیند بنیں مراد یہ کہ ہمارے سر تیری چوگانِ زلف کے لئے وقف ہیں اظہارِ ایثار مقصود ہے ۔

عزم میداں کن بزلفِ عنبریں چوگاں بدوش (جامی) کز سرِ خود کردہ ام بہرِ تو گوئے اختراع

سر العشق میں قلندر صاحب چوگانِ عشق کی حقیقت بیان کرتے ہیں کہ

" اگر عاشق از وجود گوئے سازد و در میدانِ بلا اندازد در حال بچوگانِ فرش سر گرداں کنند و بے پا و سرش دواں کنند و بگویندش

اندر طلب یار ہمیشہ باش چو گوئے بے پا و سر و بش تو اندنگ رہیں اے !

۴۔ ترجمہ۔ اس مست کافر کی دو آنکھیں ہمارے ساتھ جھگڑتی ہیں اے مسلمانوں اس کافر غازی کے ہاتھوں سے فریاد ہے

غزا ۔ یعنی دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنا **نفیر** ۔ فریاد نالہ ۔ آواز نفرت کنندہ ۔

یعنی اس مست کافر کی دو آنکھیں ہمارے ساتھ آمادۂ پیکار ہیں اس لئے اے مسلمانوں اس کافر غازی کے ہاتھوں سے ہماری فریاد ہے غمزہ کا تعلق آنکھ سے ہوتا ہے اور غمزہ کو تیغ بھی کہتے ہیں قلندر صاحب کی شکائت بجا ہے اصطلاح میں غازی مجاہد فی سبیل اللہ کو کہتے ہیں اور وحدت پرست کو کافر کہا جاتا ہے ۔

لطیفہ ۔ خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ نے جب صابرمتی دریا کے کنارے ایک چھوٹی سی ریاست کے والی شیر سنگھ کا گانا سنا تو برجستہ کہا کہ شیر نے نغمے کو غازی کہنا چاہئے کہ وہ میرے حواس کا قاتل ہے ۔"

۵۔ ترجمہ۔ رات کو مجھے تیرا خیال آیا میں اس سے حیران اور مدہوش ہوں وہ دن کیا ہی اچھا ہو جب کہ تو

اپنے یار کے ساتھ یاری و دمسازی کرے ۔

یعنی بات کہ مجھے وہ خیال آیا جو شہلائے ہجراں میں عاشقوں کو آیا کرتا ہے جس سے میں بےقرار ہوں اور کہتا ہوں

کہ وہ دن کیا ہی اچھا ہو کہ تو مجھے اپنے وصل سے سرافراز کرے ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ عالم ملکوت میں مجلس وصال آراستہ تھی ہجر

کا نام نہ ہو بلکہ مفقود تھا دنیا میں آکر مفارقت کی تمیز پیدا ہو گئی محبوب پردے میں ہو گیا اور عاشق کو ڈھونڈنا شروع کر دیا اسی وقت

کے خیال سے قلندر صاحب گریہ کرتے ہیں کہ جب کیا تھا اور اب کیا ہے خدا کرے وہ دن پھر آئیں کہ میں آغوشِ محبوب میں

وصال کی لذت اٹھاؤں

۱۵ ترجمہ ۔ سنبلِ پیچاں اس کی زلف کی ہمسری نہیں کر سکتا اور سورج اس کے چہرے کی برابری کب کر سکتا ہے

یعنی سنبلِ پیچاں اس کی زلف کی ہمسر نہیں اور اس کے چہرے کے مقابلہ میں آفتاب کا دعویٰ بھی باطل ہے

بہر پریشاں نسزد ہمسری کاکل را	بکشم قافیہ اش یارِ دگر سنبل را ۲/۲	

۱۶ ترجمہ ۔ اے شرفا کوئی حقیقت کے معمہ کو ہرگز کھول نہیں سکتا بوعلی سینا کی عقل اور فخر الدین رازی

کا علم کیا ہے ۔

زنہار ۔ بالکل پناہ ۔ امان ۔ مہلت ۔ عہد و پیمان ۔ امانت ۔ بیم ۔ خوف ۔ شکوہ ۔ شکایت ۔ پرہیز ۔ حسرت ۔ افسوس

تنبیہ ۔ حیلہ ۔ مدد ۔ آگاہی ۔ ہرگز یہاں بھی معنی ہیں اور تاکید کے معنوں میں بھی آتا ہے معمہ بالضم چھپا ہوا ۔ کرد ۔ نابینا کیا ہوا

پوشیدہ مکاں چیستاں پہیلی

بوعلی سینا ۔ آپ کا باپ بلخ کے معززآدمیوں میں وہاں کا عامل تھا ۔ نوح بن منصور کے زمانے میں شہر

بخارا میں آباد ہوا وہاں سنہ ۳۷۰ھ میں بوعلی سینا پیدا ہوئے بارہ سال کی عمر میں اکثر علوم حاصل کئے بعد میں شمس الدولہ کے وزیر ہو گئے اٹھارہ

کتابیں آپ کی تصنیف سے ہیں سنہ ۴۲۸ھ میں وفات پائی ۔

فخر الدین رازی ۔ نام ۔ عالم اجل محقق اکمل جامع معقول و منقول مصنف تصانیف کثیرہ تھے کہتے

ہیں کہ خامۂ و وزبان ان کی تصانیف کی تعداد بیان کرنے سے عاری ہے آپ کو امام فخر الدین رازی کہتے ہیں

یعنی حقیقت کا معمہ ایسا پیچیدہ اور لاینحل ہے کہ کوئی اس کو کھول نہیں سکتا خواہ بوعلی سینا کی عقل ہو خواہ

فخر الدین رازی کا علم اس کے ادراک سے سب عاجز و قاصر ہیں

فی الحقیقت حقیقتِ ذات کا معمہ نہایت پیچیدہ ہے جو ازل سے اب تک حل نہیں ہوا اور تا ابد تک ہو گا

کیونکہ اللہ جل شانہ کی ذات اور اس کی کنہ حقیقت کے متعلق زمانہ اب تک تشویش و پیچ میں ہے اور ارباب حل و عقد لاینحل زمانہ

میں ہیں بڑے بڑے عالی پایہ علامہ فخر شروع سے اب تک اس گتھی کو سلجھانے میں ناکام رہے اور سب نے بالاتفاق اپنے عجز کا اعتراف کیا

غزل ۸۸

چناں رخ کاں پسر دارد نداردہیچ روحانی ۱ بچالاکی او نبود کسے از انسی و جسمانی

تو بودی معنیٔ آدم اگر دیدے عزازیلت ۲ ز اوّل روز تا محشر نمے بر داشت پیشانی

خلیل از صورتت دیدے معانی از تو بگزیدے ۳ پدر را اندراں صنعت ہمی کردے ثناخوانی

جمالت گر زند پرتو بخاک آدم و حوّا ۴ دہد ہر ذرہ اش بیروں ہزاراں جسم روحانی

۵ شرف در عشق رو دے تو کلام از قدس آورد ۵
نہ چوں نظم نظامی آں نہ چوں اشعار خاقانی

۱ ترجمہ۔ جیسا چہرہ کہ وہ معشوق رکھتا ہے کوئی فرشتہ نہیں رکھتا اس کی چالاکی کو جن و انسان کوئی نہیں پہنچا یعنی جیسا چہرہ میرے معشوق کا ہے فرشتوں میں وہ حسن و جمال نہیں اور اس کی خوبیٔ صورت و سیرت کی جن و انس بھی ہمسری نہیں کر سکتے

ہزار نقد بہ بازار کائنات آرند ۔ یکے بہ سکہ صاحب عیار ما نرسد

۲ ترجمہ۔ تو آدم کی حقیقت تھا اگر عزازیل دیکھتا تو روز میثاق سے حشر تک پیشانی نہ اٹھاتا مراد یہ کہ آدم ایک لفظ تھا جس کے معنوں میں تو پوشیدہ تھا اگر شیطان اس راز کو جانتا تو کبھی سجدے سے انکار نہ کرتا

گر ایں نکتہ دانستے عزازیل ۔ ہزاراں سجدہ آوردے بآدم

۳۔ ترجمہ۔ اگر خلیل تیری صورت دیکھتے اور تجھ سے معانی حاصل کرتے تو اپنے باپ کی صنعت کی توصیف کرتے

خلیل۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب ہے آپ کا والد آزر نام ایک بت تراش تھے۔

یعنی خلیل اگر تیرے چہرے کو دیکھ کر معانی اور مقصود حاصل کرتے تو آپ اپنے باپ کی صنعت اور کاریگری کی تعریف کرتے۔ بت تراشی اور بت پرستی ایک مکروہ فعل ہے ناقابل تلافی جرم اور شرک ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں وعید آئی ہے لیکن قلندر صاحب کا شعر اصطلاح صوفیہ میں ہے جہاں بت سے عشق و وحدت کے مظاہر مراد ہوتے ہیں پس اگر خلیل بت تراشی کو اس نظر سے دیکھتے تو وہ آزر کی تعریف پر مجبور ہوتے

۴۔ ترجمہ۔ اگر تیرا جمال آدم و حوا کی خاک پر پڑ جاتا تو اس کے ہر ذرہ سے ہزار ہا روحانی جسم پیدا ہوں

حوا۔ نام سب سے پہلی عورت کا جو حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ تھیں۔

یعنی محبوب کے جلوے میں یہ تاثیر ہے کہ اگر وہ آدم و حوا کی خاک پر پڑے تو اس سے ہزاروں روحانی جسم پیدا ہو جانے کا امکان ہے۔

۵۔ ترجمہ۔ شرف تیرے چہرے کے عشق میں عالم قدس سے کلام لایا اس کے شعر نہ نظامی کی نظم کی طرح ہیں نہ خاقانی کے اشعار کی طرح

نظامی تخلص ہے نظام الدین نام گنجہ وطن تھا اس نسبت سے نظامی گنجوی کہلاتے ہیں شعر و شاعری میں آپ اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے اور دیگر شعرا کی طرح حرص و آز سے فارغ تھے آپ کی تصانیف بہت ہیں سکندر نامہ شیریں خسرو ہفت پیکر۔ پنج گنج مخزن اسرار وغیرہ

خاقانی تخلص ہے نام حکیم افضل الدین اور چونکہ صناعت اشعار میں پایۂ کمال تک دسترس حاصل تھی اس لئے حسان العجم آپ کا لقب ہوا رشید اور طواط نے آپ کی مدح میں لکھا ہے۔

اے سپہر قدر را خورشید و ماہ	وے سریر فضل را دستور شاہ
افضل الدین بو الفضائل بحر فضل	فیلسوف دین قضا کفر کاہ

آپ کی مثنوی تحفۃ العراقین مشہور ہے۔

مراد یہ کہ شرف کا کلام از عطائے ایزدی ہے جس پر قدسیوں کی زبان کا دہم کہلاتا ہے۔

غزل ۸۹

[illegible]جاں بباز م و غمت ہرگز نیارم داوری ۱ جاں خود چہ باشد در بدن جائز تو جائے دیگری

[illegible]ہرگز نباید در نشاں نورِ جمالش بے گماں ۲ گہ در خدائی شد عیاں گہ در بنانِ آذری

[illegible]چوں جمالت بنگرم وہم خدائی کے برم ۳ گر مومنم در کافرم واللہ زیں ہم برتری

[illegible]عرش بریں ایوانِ تو روح الامیں دربانِ تو ۴ عالم بر د فرمانِ تو تو جملہ عالم را سری

۵	زیں چہرۂ زیبائے تو زیں قامتِ رعنائے تو ہمچوں شرف شیدائے تو حور و ملک جن و پری	۵

۱ ترجمہ - میں نے سر جان تیرے غم میں ہار دی لیکن ہرگز حرفِ شکایت نہ لایا جان خود بدن میں کیا ہے تو دوسری جان ہے اگر
یعنی میں نے غم عشق میں صدہا جانیں دیدیں لیکن زبان پر حرفِ شکایت نہ لایا کیونکہ میرے بدن میں جان کوئی چیز نہیں
بلکہ جاناں تو ہی ہے اگر تیری ہی چیز تجھ پر نثار کر دی جائے تو زہے نصیب -

۲ ترجمہ - اس کے جمال کا نور کسی خاص نشان میں نظر نہیں آتا کہیں خدائی میں ظاہر ہے کہیں بتانِ آذری میں
یہ ایک حقیقت ہے کہ ذات کیا بلکہ صفاتِ حضرت حق بھی زمان و مکاں کے قیود سے بالا تر ہیں

۳ ترجمہ - جب میں تیرا جمال دیکھتا ہوں تو خدائی کے وہم کو کیسے لے جاؤں اگر میں مومن ہوں یا کافر بخدا اس سے بھی برتر ہے
حاصل یہ کہ تیرے صاحب اور خدا ہونے کی دلیل خود تیرا جمال ہے -

۴ ترجمہ - عرشِ بریں تیرا ایوان روح الامیں تیرا دربان تمام دنیا تیرے زیر فرمان اور تو سب عالم کا سلطان ہے -
حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے -

۵ ترجمہ تیرے اس چہرۂ زیبا از قامتِ رعنا پر شرف کی طرح حور و ملائک اور جن و پری عاشق ہیں -

اللہ غنی شان ہے کیا شانِ محمد	بلبل بھی چمن میں ہے ثنا خوانِ محمد
اک تو ہی عطا و احمد سرکار نہیں ہے	حوران و ملائک بھی ہیں قربانِ محمد

شیخ صاحب ارشد پیر مہر نظامی شیخ عطا محمد صاحب عطا نظامی

تقریظ

از

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین عالم باعمل صوفی اکمل محقق اجل سیادت پناہ حضرت

حافظ حاجی پیر جماعت علیشاہ صاحب نقشبندی مجددی

قادری علی پوری مدظلہ العالی

فقیر نے اس کتاب کو اول سے آخر تک حرف بحرف سنا مصنفین نے جس جانفشانی

و محنت شاقہ سے ان حالات کو ترتیب دیا ہے وہ انہی کا حق تھا کیونکہ آج تک حضرت قلندر صاحب

کے حالات میں کوئی جامع کتاب فقیر کی نظر سے نہیں گذری اور ولایت کی تشریح جس اعلیٰ پیمانہ پر عارفانہ

انداز میں جس عرق ریزی سے لکھی گئی ہے وہ بھی انہی کا حق تھا خدا تعالیٰ اس تصنیف کو قبولِ عام فرما کر

مصنفین کو دارین میں اس کا اجرِ عظیم عطا فرماوے ۔ آمین ثم آمین ۔

فقیر جمیع اہل اسلام کو عموماً اور اپنے یارانِ طریقت کو خصوصاً تاکید شدید توجہ دلاتا

ہے کہ وہ اس کتاب کو اپنا حرزِ جان بنا کر مصنفین کی حوصلہ افزائی کریں ۔ ع ۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

الراقم

جماعت علی عفا اللہ عنہ بقلم خود از علی پور سیداں

ضلع سیالکوٹ

۱۵ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۲ھ

۸ اگست ۱۹۳۳

تنبیہ :۔ ممتاز عبدالرؤف مختصر بٹی محمد شاہ صدف وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ

اعلان

اس کتاب کے جملہ حقوق بحق مصنفین محفوظ ہیں
لہذا کوئی صاحب قصد طبع نہ فرمائیں۔ البتہ جس قدر
جلدیں مطلوب ہوں۔ دارالکتب نظامیہ قلندریہ جیبیٹھی کے
ضلع سیالکوٹ سے بذریعہ وی پی یا نقد قیمت بھیجکر منگوالیں
نوٹ۔ قلندر صاحب کا غیر مطبوعہ رسالہ موسومہ سر العشق
جو اسرار و معارف اور توضیح مقامات عشق و فقر پر مشتمل
ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب مترجم مشرح اور دلچسپیوں
کے تمام سامان لئے ہوئے زیور طبع سے آراستہ ہو کر
ہدیہ پیش ناظرین ہوگا۔

عطا و منظہر

منیجر دارالکتب نظامیہ قلندریہ جیبیٹھی ضلع سیالکوٹ